مسلمان حکمرانوں کے عہد کے

تمدنی جلوے

www.KitaboSunnat.com

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں

کے عہد کے

تمدنی جلوے

جس میں سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے عہد کے دربار، محلات، حرم، لباس، پارچہ بافی، زیورات، جواہرات، خوشبوئیات، خورد ونوش، ساز وسامان، تہوار، تقریبات، موسیقی اور مصوری وغیرہ کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمنؒ

دار المصنّفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ باکس نمبر ۱۹، اعظم گڑھ (یو پی) انڈیا

276001

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

© جملہ حقوق بحق دارالمصنّفین محفوظ

سلسلۂ دارالمصنّفین نمبر: ۹۲

نام کتاب	:	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے
مرتب	:	سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ
صفحات	:	۵۳۸
سن اشاعت	:	۲۰۰۹ء
کمپوزنگ	:	صلاح الدین نثار معروفی اعظم گڑھ 9889036799
مطبع	:	معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
ناشر	:	دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، (یوپی)۔انڈیا
قیمت	:	=/200 روپے

ISBN: 978-93-80104-10-2

باہتمام

عبدالمنان ہلالی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں
کے عہد کے
تمدنی جلوے

مضمون	صفحہ
دیباچہ: از شاہ معین الدین احمد ندوی	۱
تمہید از مصنف	۳
دربار ۹-۸۱	
مملوک سلاطین کے آدابِ دربار	۱۰
ارکانِ دربار	۱۱
بلبنی دربار	۱۲
محمد تغلق کا دربار	۱۳
فیروز شاہی دربار	۱۶
بابری دربار، ہمایونی دربار	۱۸
بساط نشاط	۱۹
کورنش وتسلیم، درشن	۲۰
اکبر کا دربار عام	۲۱
سجدۂ تعظیمی، دربار خاص	۲۲
شکوہ دربار	۲۳
اورنگ	۲۴
چتر، سائبان، کوکبہ، نقارخانے	۲۵
شاہ جہانی دربار	۲۶
دیوان خاص	۳۰
تسبیح خانہ	۳۲
جشن مہتابی، جشن جلوس	۳۳
علاء الدین کی تاج پوشی	۳۳
محمد تغلق کی تاج پوشی	۳۴
فیروز شاہ تغلق کی تاج پوشی	۳۵
بابر کی تخت نشینی	۳۵
ہمایوں کی تخت نشینی	۳۶
اکبر کی تاج پوشی، جہاں گیر کا جلوس	۳۷
شاہ جہاں کی تخت نشینی	۳۸
اجمیر شریف کی حاضری	۳۹
عالم گیر کا جلوس	۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
سفراء کی آمد پر دربار کی آرائش	۴۵
عہد اکبری میں مرزا سلیمان حاکم بدخشاں کی آمد	۴۶
عالم گیری عہد میں ایرانی سفیر کی آمد	۴۷
سفیروں سے چھیڑ چھاڑ	۴۸
تواضع و خاکساری کے نمونے	۴۸
صوفیۂ کرام کا احترام	۵۰
شاہانِ مغلیہ اور صوفیۂ کرام	۵۲
شیخ سلیم چشتیؒ سے اکبر کی عقیدت	۵۲
حضرت محمد معصومؒ سے عالم گیر کا استفادہ	۵۵
درباری شعرا	۵۶
سنسکرت اور ہندی کے شعرا	۵۸
ادبی مجلسیں	۶۲
تیموریوں کی بزم شاعری	۶۳
علماء کی مجلسیں	۶۸
نجومی و ہیئت داں	۷۱
ندیم خاص	۷۲
غلام اور خدمت گذار	۷۳
شاہانہ سواری	۷۵
مغل بادشاہوں کی شاہانہ سواری	۷۷
آداب دربار کی پابندی میں سختی	۷۸

مضمون	صفحہ
شاہی دربار کے اثرات	۷۹
محلات ۸۲-۱۳۸	
رائے پتھورا کا محل، دولت خانہ وغیرہ	۸۲
قصر بلبنی	۸۲
کیلوکھری کا محل، قصر جلالی	۸۳
قصر علائی یا قلعۂ علادل	۸۳
قلعۂ تغلق آباد، شہر جہاں پناہ	۸۴
محل دار سرا، خرم آباد، یا قلعہ عادل آباد	۸۵
محلات فیروز شاہی	۸۶
وقار حرم، شوکت کا مظاہرہ	۸۸
نذرانے، محل کے عہدہ دار	۸۹
تیموریوں کے محلات، دین پناہ	۸۹
شیر منڈل، عمارت طلسم	۹۰
محل رواں، کشتیوں کا محل	۹۱
آگرہ کا قلعہ	۹۲
خاص محل	۹۵
حوض	۹۶
ایوان ملکۂ دوراں، انگوری باغ	۹۷
شیش محل، حمام، ثمن برج	۹۸
پچیسی، بیت الخلا، مچھی بھون، مینا بازار	۹۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نگینہ مسجد، مینا مسجد، موتی مسجد	۹۹	ہوا محل، مینا بازار، لال قلعہ دہلی	۱۱۶
شاہ جہاں کا نظام اوقات	۱۰۱	لاہوری دروازہ	۱۱۷
الٰہ آباد کا محل، لاہور کا محل	۱۰۲	دہلی دروازہ	۱۱۸
قلعۂ لاہور کی موتی مسجد	۱۰۴	چھتہ لاہوری دروازہ، نقار خانہ	۱۱۸
دیوان خاص، عرض گاہ، بارہ دری	۱۰۵	کارخانہ جات	۱۱۹
خلعت خانہ، حمام، خس خانہ، زنانہ مسجد	۱۰۵	دیوان عام، دیوان خاص، حمام	۱۲۰
شاہ برج	۱۰۵	تسبیح خانہ، خواب گاہ، بڑی بیٹھک	۱۲۰
شیش محل، نولکھا، خواب گاہ	۱۰۶	برج طلا یا مثمن برج یا خاص محل	۱۲۰
حضوری باغ دروازہ	۱۰۶	رنگ محل یا امتیاز محل	۱۲۱
فتح پور سیکری کا محل، فصیل، دروازے	۱۰۷	دریا محل، چھوٹی بیٹھک یا خورد جہاں	۱۲۲
محل خاص، اس کے مختلف حصے	۱۰۸	ممتاز محل	۱۲۲
خواب گاہ	۱۰۸	بیگمات کے محل، شاہی مطبخ	۱۲۳
انوپ تلاؤ، ترکی سلطانہ کا مکان	۱۰۹	شاہی اصطبل، اسد برج، شاہ برج	۱۲۳
مدرسۂ نسواں، شاہی حمام	۱۱۰	نہر بہشت	۱۲۴
فرش پچیسی، نشست گاہ رمّال	۱۱۱	ہیرا محل	۱۲۵
آنکھ مچولی یا خزانہ	۱۱۱	ظفر محل، یا جل محل، موتی محل	۱۲۶
پنج محلا محل مریم زمانی بیگم	۱۱۲	اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی موتی مسجد	۱۲۶
باورچی خانہ، مریم کا چمن	۱۱۳	باغ حیات بخش، باولی، مچھی بھون	۱۲۷
مچھلی تال، مریم کا حمام، زنانہ مسجد	۱۱۴	ساون، بھادوں	۱۲۷
شفا خانہ، جہاں گیری محل	۱۱۴	باغات، باغ حیات بخش، مہتاب باغ	۱۲۸
خواب گاہ	۱۱۵	محل کا زنانہ حصہ، امرا کی حویلیاں	۱۲۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
محلوں کے طرز تعمیر پر ایک نظر	۱۳۰	جہاں دار شاہ کی ماں، فرخ سیر کی ماں	۱۵۱
راجہ مان سنگھ کا محل	۱۳۶	رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات کی ماں	۱۵۱
امیر کا محل، اودے پور کا محل	۱۳۷	محمد شاہ کی ماں فخر النسا بیگم	۱۵۲
جگ نواس، جگ مندر	۱۳۷	احمد شاہ کی ماں اودھم بائی	۱۵۲
بندی کا محل	۱۳۸	عالم گیر ثانی کی ماں انوپ بائی	۱۵۳
دیتا کا محل، مدورا کا محل، تجنور کا محل	۱۳۸	شاہ عالم کی ماں نواب زینت محل	۱۵۳
حرم ۱۳۹-۲۰۴		شاہان مغل کا بیویوں سے لگاؤ	۱۵۳
		بابر کی بیویاں	۱۵۴
ماں کا احترام	۱۳۹	ہمایوں کی بیگمات	۱۵۷
بیویوں کی رقابتیں، ملکۂ ماہرو	۱۴۰	اکبر کی بیگمات	۱۶۰
عقد ثانی، ماں کا احترام	۱۴۱	جہاں گیر کی بیگمات	۱۶۵
شاہان مغل کا برتاؤ اپنی ماؤں کے ساتھ	۱۴۱	محل میں نور جہاں کے اثرات	۱۶۹
بابر کی ماں تغلق نگار خانم	۱۴۱	شاہ جہاں کی بیگمات	۱۷۰
ہمایوں کی ماں ماہم بیگم	۱۴۲	اکبر آبادی کی بیگم، فتح پوری محل	۱۷۲
اکبر کی رضاعی ماں ماہم انگہ، حمیدہ بیگم	۱۴۵	سرہندی بیگم، عالم گیر کی بیگمات	۱۷۳
اکبر کی سوتیلی ماں حاجی بیگم	۱۴۸	اودے پوری محل، زین آبادی	۱۷۵
جہاں گیر کی ماں مریم الزمانی	۱۴۸	بہادر شاہ اول کی بیگمات	۱۷۶
شاہ جہاں کی ماں جودھ بائی	۱۴۹	امۃ الحبیب عزیزۃ النسا	۱۷۷
نور جہاں اور شاہ جہاں	۱۴۹	فرخ سیر کی بیگمات	۱۷۸
اورنگ زیب کی ماں ممتاز محل	۱۴۹	جہاں دار شاہ کی بیگمات	۱۷۸
بہادر شاہ اول کی ماں نواب بائی	۱۵۰	محمد شاہ کی بیگمات	۱۷۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مضمون	صفحہ
احمد شاہ کی بیگمات، عالم گیر ثانی کی بیگمات	۱۷۹
بہادر شاہ کی بیگمات، مغل شاہ زادیاں	۱۷۹
بابر کی لڑکیاں	۱۷۹
ہمایوں کی لڑکیاں	۱۸۰
اکبر کی لڑکیاں، جہاں گیر کی لڑکیاں	۱۸۱
شاہ جہاں کی لڑکیاں	۱۸۱
جہاں آرا بیگم	۱۸۲
روشن آرا	۱۸۶
عالم گیر کی لڑکیاں، زیب النسا	۱۸۸
ناموس حرم	۱۹۱
شاہی حرم سرا کے خاص خاص قوانین	۱۹۳
محل کے زنانہ تکلفات	۱۹۵
زنانہ تفریحات، مینا بازار	۱۹۷
رقص و سرود، آنکھ مچولی، پچیسی	۱۹۸
گنجفہ، شکار	۱۹۹
بیگمات میدان جنگ میں	۲۰۱
لباس ۲۰۵-۲۲۲	
سلاطین دہلی کے عہد کا لباس	۲۰۵
پگڑی، پاگ، عمامہ اور دستار	۲۰۶
شملہ	۲۰۷

مضمون	صفحہ
کلاہ	۲۰۷
مندیل، عام پسند	۲۰۸
کرتہ، قبا، جامہ، چارقب، ٹکوچیہ	۲۱۰
پیشواز، دوتاہی، شاہ اجیدہ	۲۱۰
جاڑوں کے کپڑے، چکمن، جامہ، نیمہ جامہ	۲۱۱
قبا نادری، بالا بر، انگرکھا، شلوکہ	۲۱۲
خفتان، چپکن، اچکن، شروانی	۲۱۳
تہمد، شرعی پائجامہ	۲۱۳
شلوار، قندھاری پائجامے	۲۱۴
عرض کے پائینچوں کے پائجامے	۲۱۴
اوربی پائجامہ، عبا، رومال، روپاک	۲۱۴
پٹکہ، کمر بند، فوطہ	۲۱۵
جوتے، چڑھواں جوتا، سلیم شاہی جوتا	۲۱۵
لال زری کے جوتے	۲۱۵
کاشانی مخمل کے جوتے، گھتیلا جوتا	۲۱۵
جرابین، عورتوں کا لباس، طاقی، قصابہ	۲۱۶
لاچق، تاج نما کلاہ، دستار، جبہ	۲۱۶
چارقب، قرتیجی، پالک، پوستین	۲۱۷
طرحت، بانخ، نیم تنہ، نیمہ، پشواز	۲۱۷
دودامنی، انگیا، انگیا کرتی، محرم	۲۱۸
چولی، تکمے، پائجامے	۲۱۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
لہنگا، دوپٹہ، اوڑھنی، ڈنڈیا پوش	۲۲۰
مقنعہ، برقعہ	۲۲۰
شال، جوتیاں، ساری	۲۲۱
رانی مان بائی عرف شاہ بیگم کا لباس	۲۲۱
لباس، زینت و آرائش	۲۲۱
پارچہ بافی ۲۲۳-۲۳۶	
سلاطین دہلی کے عہد کی مصنوعات	۲۲۳
مغل عہد کی پارچہ بافی	۲۲۵
زربفت، مخمل، طاس، مشجر، دیبا، اطلس	۲۲۶
زری کے کپڑے، ریشمی کپڑے	۲۲۶
سوتی کپڑے، پشمینے، احمد آباد کی صنعت	۲۲۷
بنگال کی صنعت	۲۲۸
لاہور کی صنعت	۲۳۰
ساماں، اودھ کی مصنوعات	۲۳۰
گولکنڈہ، برہان پور، مالوہ، جے پور	۲۳۱
شال بافی	۲۳۱
ہندوستان کے کپڑوں کی مقبولیت	۲۳۲
اونی کپڑے، کپڑوں کے رنگ	۲۳۴
ہندوستان کی کامدانی و زردوزی	۲۳۵
سامان آرائش	۲۳۵
زیورات ۲۳۷-۲۴۵	
سر کے زیور	۲۳۷
کان کے زیور	۲۳۸
ناک کے زیور، گلے کے زیور	۲۳۹
ہاتھوں کے زیور	۲۴۰
کمر کے زیور، پاؤں کے زیور	۲۴۱
مرصع کار، مینا کار، شبکہ کار	۲۴۲
منبت کار، جرم کار، سیم باف	۲۴۲
مردوں کے زیور	۲۴۳
جواہرات ۲۴۶-۲۶۳	
ہیرے	۲۴۹
لعل	۲۵۲
نیلم، زمرد، یاقوت	۲۵۶
موتی	۲۵۷
عقیق، مرجان، لاجورد	۲۵۸
تاج محل، تخت طاؤس	۲۵۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
شاہ جہانی خزانہ، جواہر خانہ	۲۶۱
سونا	۲۶۲
سنگار ۲۷۰-۲۴۶	
حمام	۲۶۴
لال قلعہ کا حمام	۲۶۵
عوام کے حمام	۲۶۶
لوازم غسل	۲۶۷
سر کے خوشبودار مسالے، تیل	۲۶۸
مشاطگی، موباف، سیندور	۲۶۹
افشاں، مانگ میں موتی	۲۶۹
جوڑے اور حلقۂ زلف	۲۷۰
پیشانی کا نقش و نگار، منجن	۲۷۰
پان، مسی	۲۷۱
ہونٹوں پر موم، اوبٹنا، غازہ	۲۷۲
کاجل، سرمہ	۲۷۳
قشقہ، بندی، خال ذقن، مہندی، چوڑیاں	۲۷۴
پھولوں کا ہار، عطریات، آئینہ	۲۷۵
لباس و زیور، ہندوستان کا حسن	۲۷۵
خوشبوئیات اور پھول ۳۰۲-۲۷۸	
مشک، عنبر، مندل، لادن، کافور	۲۷۹

مضمون	صفحہ
زباد، گورہ، مید، عود، چودہ	۲۸۰
صندل، سلارس، گلبنگ، ملاگیر، لوبان	۲۸۱
اظفار الطیب، سگندہ گوگلا، سنتوک	۲۸۱
ارگجہ، گلکامبہ، روح افزا	۲۸۲
عبیر مایہ، کشتہ، بخور، فتیلہ	۲۸۲
بارجات، عبیر اکسیر	۲۸۲
غسول، عطریات	۲۸۳
خوشبودار تیل	۲۸۳
خوشبو خانہ، خوشبوؤں کی فراوانی	۲۸۴
خوشبودار مشروبات اور غذائیں	۲۸۵
خوشبودار دوائیں، زعفران	۲۸۵
پھول، امیر خسرو اور ہندوستانی پھول	۲۸۶
بابر اور ہندوستانی پھول، جاسون	۲۸۹
کنیر، کیوڑا، کیتکی	۲۸۹
چنبیلی، چمپا	۲۹۰
ابوالفضل اور ہندوستانی پھول	۲۹۰
رائے بیل، مونگرا، چلتہ، تسبیح گلال	۲۹۰
بھولسری، سنگار ہار، کوزہ	۲۹۱
پاول، جوہی، نواڑی، کپور، بیل	۲۹۱
آفتابی، کنول	۲۹۱
جعفری، گرڈھل، رتن منجنی، کیسو، کدم	۲۹۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
ناگ کیسر، سرپن، سری کھنڈ، حنا	۲۹۲
دوپہریا، بھون چنپا، سورسن	۲۹۲
سنبل، رتن مالا، سوسن زرد، مالتی	۲۹۳
کریل، جیت، چنپلہ	۲۹۳
لاہی، کرونده، دھنستر، سرس	۲۹۳
کنگلائی، سن، جہاں گیر کا ذوق	۲۹۴
کشمیر کے پھول	۲۹۴
پھولوں کے باغات	۲۹۹
دھول پور کا باغ نیلوفر	۳۰۰
خورونوش ۳۰۳-۳۵۰	
امراوشاہان ہند کا کھانے کا ذوق	۳۰۳
چاول کی مختلف چیزیں	۳۰۳
میٹھے چاول کی قسمیں	۳۰۷
آٹے کی مختلف چیزیں	۳۰۸
روٹی کی بعض قسمیں	۳۰۹
گوشت کی چیزیں	۳۱۰
انڈے، ترکاریاں	۳۱۲
دال	۳۱۳
اچار، مٹھائیاں	۳۱۴
حلوے، سویاں، مربے، چٹنیاں	۳۱۶

مضمون	صفحہ
غرباء کے کھانے، پان	۳۱۷
پان کی بعض قسمیں	۳۱۸
سلاطین دہلی کے عہد میں شاہانہ دعوتیں	۳۱۹
مغلیہ دور کے دستر خوان	۳۲۲
بہادر شاہ ظفر کے آداب دستر خوان	۳۲۳
امرا کی دعوتیں، امرا کے دستر خوان	۳۲۴
امرا کے یہاں بادشاہوں کی دعوتیں	۳۲۵
شاہی مطبخ	۳۲۸
مطبخ کا اسٹاف	۳۲۹
الوش، مشروبات، ناؤنوش، آبدار خانہ	۳۳۰
پھل: آم	۳۳۲
نارنج	۳۳۴
کنولا، ترنج، سنگترہ لیمو، کلکل، کرنا	۳۳۵
امل بید، چیری، سدا پھل، امرود پھل، کیلا	۳۳۶
پنیالہ، مہوہ، کھرنی، جامن	۳۳۷
کمرک، کٹھل، بڑہل	۳۳۷
بیر، کرونده، آملہ، گولر، چرونجی، کھجور	۳۳۸
ناریل، تاڑ، سنگھاڑا	۳۳۹
کسیرو، سالک، پنڈالو، سیالی	۳۴۰
پان، بھولسری، انار، انگور	۳۴۰
سیب، شاہ آلو، زرد آلو	۳۴۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
شفتالو، الوچہ، خربزے، تربوز	۳۴۲
ناشپاتی، اناناس	۳۴۲
خشک میوے، شاہی دسترخوان پر پھل	۳۴۳
بازار میں پھل	۳۴۳
پھلوں کے باغات	۳۴۴
آگرہ کے باغات	۳۴۵
دلی کے باغات، کشمیر کے باغات	۳۴۵
کشمیر کا شالامار باغ	۳۴۶
لاہور کا شالامار باغ	۳۴۷
ساز وسامان ۳۵۱-۳۷۵	
زینت وآرائش کے سامان، سراچہ	۳۵۱
صیوان، بارگاہ، گنبد سفید، دہلیز، خوابگاہ	۳۵۱
گلال بار، بارگاہ، سرغہ، سراپردہ گلیمی	۳۵۲
سراچہ، خرگاہ، راوٹی، بارگاہ، چار طاق	۳۵۲
اسپک، دل بادل	۳۵۲
شامیانے، شامیانہ، آٹھ کھمبہ، عجائبی	۳۵۳
منڈل، تمگیرہ، فرش فروش، جاجم	۳۵۳
بلوچی، حصیر، شطرنجی، گلیم یا قالین	۳۵۴
چاندنی، میر فرش، مسند	۳۵۴
گاؤتکیہ، پردے، چوکھٹے، وشتبو	۳۵۵

مضمون	صفحہ
لوازم مجلس	۳۵۵
حقہ	۳۵۵
خاصدان، اگالدان، الائچی دان	۳۵۶
گلاب پاش، پان دان	۳۵۶
حسن دان، خس کی پٹاری، کافوری شمع	۳۵۷
فانوس، فتیلہ، شمع دان	۳۵۷
کنول، قندیل، قمقمہ، دغدغہ	۳۵۸
جھاڑ فانوس، اکاس دیا	۳۵۸
توشک خانہ کے سامان	۳۵۸
صندوق	۳۵۸
بقچہ، جامہ دان، پٹارا	۳۵۹
خاشک دان، قینچی، سوئی	۳۵۹
سامان خواب گاہ	۳۵۹
پلنگ، چھپر کھٹ	۳۵۹
مسہری، چارپائی، نہالی، توشک	۳۶۰
غالیچہ، نمد، دری	۳۶۰
سوزنی، گبھا، اوقچہ، پلنگ پوش، تکیہ	۳۶۱
بستوق، گل تکیہ، تکینی، زیر پوش	۳۶۱
کسنا، لحاف، شال، مایاں	۳۶۲
بوغ بند، پانداز، آرائش خوابگاہ	۳۶۳
خس کی ٹٹیاں، پنکھے	۳۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
مورچھل، آتش دان، مقابہ	۳۶۶
مچیا، پیڑھی، پیڑھا، مونڈھا، کرسی	۳۶۶
کھانا پکانے کے ظروف	۳۶۶
دیگ، پتیلا، کف گیر، کف گیرہ، چمچہ	۳۶۷
لگن، سینی، کڑاہ، سیخ	۳۶۷
توا، دست پناہ، پرات، بٹلوہی	۳۶۸
ڈوئی، سل بٹہ، اوکھلی موسل، کھرل	۳۶۸
اور دوسرے ظروف	۳۶۸
کھانے کے ظروف	۳۶۸
رکابی، طباق، قاب، پیالہ، بادیہ، کٹورا	۳۶۹
فنجان، کفچہ، تشت، تشتری، مرتبان، بویام	۳۷۰
خوان، خوانچہ، خوان پوش، دسترخوان	۳۷۰
یخدان، کیف دان، آب خورہ	۳۷۰
صراحی، خم، کوزہ، جھکڑ، مشک	۳۷۱
ڈول، ڈولچی، ڈونگا	۳۷۱
تام لوٹ، سماور، آفتابہ، لوٹیا اور لوٹا	۶۷۲
بیسن دانی، سیلانچی، مٹی کے برتن	۶۷۲
بیدری ظروف	۳۷۳
سواری	۳۷۳
محافہ، ڈولی، پالکی، ہوادار فنس یا پنس	۳۷۳
چوڈول	۳۷۳
اوہار، ہودج، میگڈنبر، ہاتھی کے لوازم	۳۷۴
گھوڑے کی سواری کے ساز و سامان	۳۷۴
تہوار ۳۷۶-۴۰۸	
عہد تغلق کی عید	۳۷۶
فیروز شاہی عہد کی عید	۳۷۸
عہد مغلیہ کی عید	۳۸۰
جامع مسجد دہلی اور نماز عید	۳۸۱
عیدگاہ، عالم گیری عہد کی عید	۳۸۲
بہادر شاہ ظفر کی عید	۳۸۲
سرود و نغمہ، قصیدہ خوانی	۳۸۳
عوام کی عید	۳۸۴
عید کے پیچھے ٹر	۳۸۵
عید کے کھانے، عید کی اہمیت	۳۸۵
عید اضحیٰ	۳۸۶
صوفیائے کرام کی عید اضحیٰ	۳۸۷
عید میلاد النبی	۳۸۹
سلاطین دہلی کے عہد کی شب برات	۳۹۰
عہد مغلیہ کی شب برأت	۳۹۱
جشن نوروز، سلاطین دہلی کا نوروز	۳۹۱
عہد اکبری کا نوروز	۳۹۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
عہد جہانگیری کا نوروز	۳۹۵
عہد شاہ جہانی کا نوروز	۳۹۷
بہادر شاہ ظفر کے دور کا نوروز	۳۹۸
جشن نوروز اور عوام	۳۹۸
عید گلابی یا آب پاشان	۳۹۹
جشن کے فوائد، ہندوؤں کے تہوار	۴۰۰
رکھشا بندھن، دسہرہ	۴۰۱
دسہرہ اور محرم	۴۰۲
دیوالی	۴۰۳
بسنت	۴۰۵
ہولی	۴۰۶
شیوراتری	۴۰۷
تقریبات ۴۰۹-۴۳۷	
جشن ولادت، اکبر کی پیدائش	۴۰۹
جہاں گیر کی پیدائش	۴۱۰
شاہ جہاں کی پیدائش	۴۱۰
دوسرے شہزادوں کی پیدائش	۴۱۱
وزن مقدس (سالگرہ)	۴۱۳
مکتب نشینی	۴۱۴
خضر خان کا جشن نکاح	۴۱۵

مضمون	۴۱۶
عہد تغلق کی ایک تقریب	۴۱۹
تیموری خاندان کی تقریبات	۴۱۹
تیموری کی شادی	۴۱۹
ہندال کی شادی، اکبر کا نکاح	۴۲۰
شہزادہ سلیم کی شادی کا جشن	۴۲۱
جہاں گیر کے شہزادوں کی شادی	۴۲۲
کندوری	۴۲۴
اورنگ زیب کی شادی	۴۲۵
داراشکوہ کی شادی، شہزادہ معظم کی شادی	۴۲۷
فرخ سیر کی شادی	۴۲۸
سراج الدولہ کی شادی	۴۲۹
دعوتیں	۴۳۲
سرود و نغمہ	۴۳۳
شادی بیاہ میں ہندوستانی اثرات	۴۳۴
موسیقی ۴۳۸-۴۷۳	
موسیقی اور علما و صوفیہ	۴۳۸
سلاطین دہلی اور موسیقی	۴۴۱
فن کی ترقی	۴۴۳
امیر خسرو اور موسیقی	۴۴۵
حسین شاہ شرقی اور موسیقی	۴۴۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	
مان سنگھ گوالیاری	۴۵۰	نوابانِ اودھ اور موسیقی	۴۷۱
نائک بخشو	۴۵۱	**مصوری**	
بابر اور موسیقی، ہمایوں اور موسیقی	۴۵۲	۴۷۴-۵۲۳	
اکبری دربار کے گوّیے	۴۵۳	بابر کا ذوق مصوری، ہمایوں کی سرپرستی	۴۷۵
طنبورہ والے، سازندے	۴۵۳	اکبری دور میں مصوری کو فروغ	۴۷۸
تان سین اور موسیقی	۴۵۴	اکبری دور کے اساتذۂ فن	۴۷۹
باز بہادر	۴۵۵	خواجہ عبدالصمد	۴۷۹
رامداس، سبحان خاں، اکبر کی سرپرستی	۴۵۶	داستان امیر حمزہ کا مصور نسخہ	۴۸۰
اکبری دور میں موسیقی کا مطالعہ	۴۵۶	اکبر نامہ	۴۸۱
اکبری دور کے مزامیر	۴۵۹	آئینِ اکبری	۴۸۴
گانے والوں کی قسمیں	۴۶۰	مہابھارت کے مصور نسخے	۴۸۵
جہاں گیر کی سرپرستی	۴۶۰	رامائن کا مصور نسخہ	۴۸۶
حضرت مجدد الف ثانیؒ اور نغمہ وسرود	۴۶۲	اکبری دور کی اور مصور کتابیں، بابر نامہ	۴۸۶
شاہ جہانی عہد کی موسیقی	۴۶۲	دیوان حافظ کا مصور نسخہ	۴۸۸
جشن میں موسیقی	۴۶۴	جامع التواریخ کا مصور نسخہ	۴۹۰
اورنگ زیب اور موسیقی، امرا کی سرپرستی	۴۶۵	داراب نامہ اور دوسرے نسخے	۴۹۱
عالم گیری دور کا ماہر فن فقیر اللہ، سیف خاں	۴۶۷	شبیہ سازی	۴۹۲
مغل دور کے آخری حکمرانوں کی سرپرستی	۴۶۷	مصوری پر ایرانی اثرات	۴۹۳
کشمیر میں موسیقی	۴۶۸	ایرانی اثرات میں کمی	۴۹۴
گجرات میں موسیقی	۴۶۹	جہاں گیر کا ذوقِ مصوری	۴۹۶
دکن میں موسیقی	۴۷۰	جانوروں کی مصوری	۴۹۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
پھولوں کی مصوری، درختوں کی مصوری	۴۹۹
ایک مریض کی تصویر	۴۹۹
اصل کی نقل	۵۰۰
سکوں پر تصویریں	۵۰۰
تصویر خانہ	۵۰۰
عہد جہاں گیری کے مصوّر	۵۰۱
آقا رضا ہروی	۵۰۱
ابوالحسن	۵۰۳
منصور، بشن داس	۵۰۳
منوہر	۵۰۴
فرخ، جہاں گیری دور کی اور تصویریں	۵۰۵
جہاں گیر	۵۰۷
مصوری سے امرا کی دل چسپی	۵۰۸
عبدالرحیم خانخاناں کے درباری مصور	۵۰۹
جہاں گیری دور کی مصوری کی خصوصیات	۵۰۹
شاہ جہانی عہد کے مصور	۵۱۱
اس عہد کی مصوری کی خصوصیات	۵۱۱
اس دور کی خاص تصویریں	۵۱۲
شاہ جہانی مرقع	۵۱۳
داراشکوہ کا مرقع	۵۱۴
عہد عالم گیری کی تصویریں	۵۱۴
ملاسعید اشرف ماژندرانی کا مصور	۵۱۵
سفرنامۂ حج	۵۱۵
سترہویں صدی عیسوی کی مصوری	۵۱۷
اٹھارہویں صدی کی مصوری	۵۱۷
نقلی تصویریں، بہادر شاہ ظفر کے مصور	۵۱۹
بیگمات کی تصویریں	۵۱۹
مصوری کا کاغذ، قلم، رنگ	۵۲۱
تصویر بنانے کی تکنیک، تتمہ	۵۲۲

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو ایک بلند تمدن اور ایک ترقی یافتہ تہذیب اپنے ساتھ لائے، اس نے ہندوستانی تہذیب سے مل کر ایسی دلکش و دلفریب تہذیب پیدا کی جس کے جلوؤں سے صدیوں تک ہندوستان جگمگاتا رہا اور جس کی روشنی سے آج بھی زندگی کا کوئی شعبہ خالی نہیں ہے۔

مسلمانوں کی رزم کی داستان تو بہت لکھی گئی، مگر اُن کی بزم آرائی کی جانب کم توجہ کی گئی، انگریزی میں اس پہلو پر بعض کتابیں ہیں لیکن وہ بھی جامع نہیں ہیں اور ان سے اس تمدن کی پوری تصویر نگاہ کے سامنے نہیں آتی اور اردو میں تو نہ ہونے کے برابر ہیں، جن ادیبوں نے تمدنی پہلوؤں پر لکھا بھی ہے اُن کی حیثیت تاریخ سے زیادہ ادب و افسانے کی ہے اور ایک جامع تاریخی کتاب کی جگہ اب تک خالی تھی، اس لیے دارالمصنّفین میں تاریخ ہند کا جو سلسلہ چل رہا ہے، اُس میں تمدنی تاریخ کو خاص طور سے پیش نظر رکھا گیا۔

ہمارے رفیق کار اور دارالمصنّفین کے کاموں میں ہمارے دست راست سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے جن کو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور سے تاریخ ہند کے لیے تیار کیا تھا، اس سلسلہ میں بزم مملوکیہ، بزم تیموریہ اور ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کا فوجی نظام وغیرہ کئی کتابیں لکھ کر ایک نئی راہ کھول دی، یا کم سے کم ایک تنگ کوچہ کو بہت وسیع اور اردو کے اہل قلم کو اس کی جانب متوجہ کر دیا اور ان کی کتابیں اس موضوع پر لکھنے والوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے رہی ہیں، اب انھوں نے تمدنی نقش آرائیوں اور تہذیبی نفاستوں کا یہ مرقع سجایا ہے اور اُن کے قلم نے تاریخ کے آئینہ میں تہذیبی جلوؤں کا ایسا رنگ بھر دیا ہے کہ تاریخ میں افسانے کا لطف پیدا ہو گیا ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لحاظ سے یہ کتاب تاریخی بھی ہے اور ادبی بھی۔

اس کتاب میں جو تمدن پیش کیا گیا ہے وہ اگرچہ اونچے طبقوں کا ہے لیکن جس دور کی یہ تاریخ ہے، اُس دور میں تہذیب وتمدن کا معیار ہی اونچے طبقہ کا تمدن تھا اس لیے اس کے بغیر اس تمدن کی تصویر دکھائی ہی نہیں جاسکتی تھی اور کم وبیش یہی معیار اس عوامی دور میں بھی قائم ہے۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ کوئی مذہبی کتاب نہیں بلکہ مسلمان سلاطین کے عہد کی تمدنی تاریخ ہے، جس میں خود اُن کی قدیم ملکی وقومی اور ہندوستانی تہذیب وروایات کا بھی بڑا عنصر تھا، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں منکرات بھی ہیں لیکن اس کے بغیر اس تمدن کی تصویر ناقص اور بے رنگ رہتی اور تاریخی دیانت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اس کو بے کم وکاست تحریر کردیا جائے تاکہ اس کے محاسن ومعائب دونوں نگاہ کے سامنے آجائیں، اس سلسلہ میں ہم حکومتِ ہند اور اس کے وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر کی علم دوستی کے شکرگذار ہیں، جن کی امداد واعانت سے اس سلسلہ کی تکمیل کا موقع مل رہا ہے۔

معین الدین احمد ندوی

۱۶؍اگست ۱۹۶۳ء

دارالمصنّفین، اعظم گڈھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہید

یہ سطریں لکھتے وقت ۲۹ سال پہلے کا زمانہ یاد آرہا ہے جب کہ استاذی المحترم حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۳۵ء میں مجھ کو دارالمصنّفین طلب فرمایا، اس وقت اُن کے سامنے ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کی تاریخ کی تدوین وترتیب کی ایک لمبی اسکیم تھی، دارالمصنّفین کے اور رفقاء دوسرے علمی کاموں میں مشغول تھے، مولانا سید ابوظفر ندوی (جن کو اب مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منھ کو آتا ہے) تاریخ سندھ لکھ رہے تھے، حضرت الاستاذ نے مجھ کو بھی تاریخ ہند کے کام میں لگایا، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی تاریخ ہند کی دو جلدیں لکھ کر احمد آباد واپس چلے گئے لیکن حضرت الاستاذ کی وصیت تھی کہ میں تاریخ ہند کے سلسلہ کو ہر حال میں جاری رکھوں، اس لیے اس وقت سے اب تک تاریخ ہند ہی پر کتابیں اور مضامین لکھ کر اُن کی وصیت اور اسکیم کو پورا کرنا اپنی زندگی کا مشن قرار دیا ہے۔

اس کام میں میرا حوصلہ اور بھی بڑھا، جب کہ ۱۹۵۷ء میں جناب ڈاکٹر سید محمود صدر مجلس انتظامیہ دارالمصنّفین وسابق وزیر امورِ خارجہ حکومت ہند نے تاریخِ ہند کے سلسلہ کی دس جلدوں کی جلد از جلد اشاعت کا ایک پروگرام بنوایا جس کو مولانا ابوالکلام آزاد نے دیکھ کر پسند فرمایا، اس وقت حکومتِ ہند کی وزارت تعلیم کے سکریٹری جناب خواجہ غلام السیدین صاحب تھے، انھوں نے بھی اس سلسلہ میں مفید مشورے دیے، یہ کام شروع ہونے سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد نے رحلت فرمائی، ان کے بعد ان کی وزارت کے جانشین جناب ہمایوں کبیر صاحب نے اس پروگرام سے پوری دل چسپی لی اور اب تک جو اعانت فرمائی ہے وہ ان کی علم پروری کا بڑا ثبوت ہے، اس سلسلہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان سے میں جب جب ملا نہ صرف ان کی علم دوستی اور علم نوازی کا گہرا اثر پڑا بلکہ ان کو بہت سی قابل قدر انسانی خوبیوں سے بھی آراستہ پایا۔

ان دس جلدوں میں (۱) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک (۲) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام (۳-۴) ہندوستان عربوں کی نظر میں جلد اول و دوم (۵) گجرات کی تمدنی تاریخ شائع ہوگئی تو ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کی تمدنی تاریخ لکھنے کی باری آئی، میری خواہش تھی کہ ملک میں تاریخ ہند پر جو لوگ اچھی نظر رکھتے ہیں، وہ بھی اس کام میں تعاون کریں، اسی لیے میں علی گڈھ، لکھنؤ، پٹنہ اور دہلی کی یونی ورسٹیوں کے پروفیسروں کے پاس پہنچ کر اُن سے قلمی اعانت کا خواست گار رہا، انھوں نے وعدے تو کیے لیکن ان کے ایفا کی نوبت نہیں آئی، البتہ اس سلسلہ میں جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب جامعہ ملیہ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اپنی گونا گوں مصروفیتوں کے باوجود تعاون فرمایا اور ایک باب فن تعمیر کے عنوان پر لکھ کر اس سلسلہ میں بڑی مدد فرمائی، یہ باب ''ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے'' میں شامل ہے۔

ملک کے اور دوسرے اہل قلم سے مدد نہیں ملی تو میرا حوصلہ کم ہونے کے بجائے اور بڑھا اور میں نے اس کام کو پورا کرنے کا عزم بالجزم کیا۔

اس موقع پر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نائب صدر جمہوریۂ ہند کے ایک والا نامے نے میری ہمت اور بڑھائی جو تمام تر اُن کی بزرگانہ شفقت و محبت کا نتیجہ ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

وائس پریسیڈنٹ

انڈیا

نئی دہلی

مورخہ ۳/ اگست ۱۹۶۳ء

محبّ مکرم

نوازش نامہ ملا، دلی شکریہ قبول فرمائیں، یہ بدگمانی آپ کو کیوں ہے کہ میں آپ کو بھول گیا ہوں گا، حافظہ تو اب میرا کچھ اچھا نہیں رہا ہے لیکن آپ کو بھلانا تو میرے حافظہ کے لیے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکل ہے، تاریخ ہند سے متعلق دارالمصنّفین کی مطبوعات کا پورا سٹ مجھے مل گیا ہے، کن لفظوں میں آپ کے اس کرم کا شکریہ ادا کروں، بعض کتابیں تو پہلے نظر سے گذر چکی ہیں لیکن اس پورے سٹ سے کام کی وسعت اور نوعیت کا وہ اندازہ ہوتا ہے جو مجھے پہلے نہ تھا، آپ نے ایک بڑا کام اٹھایا ہے، دعا ہے کہ آپ کے ہی ہاتھوں تکمیل کو پہنچے، آپ کی یکسوئی، مستعدی اور خلوص سے یقین ہے کہ اس دعا کو قبولیت نصیب ہو جائے گی۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام

مخلص

ذاکر حسین

اس خط سے حوصلہ بڑھا تو کام کی رفتار بھی بڑھی، دارالمصنّفین میں تمدنی تاریخ پر پہلے بھی کام ہو چکا تھا، اس کو اب ''ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے'' میں سمیٹ کر شائع کیا جا رہا ہے جو کمی محسوس ہوئی، اس کو ''فن تعمیر'' اور ''تیموری دور کی خطاطی'' سے پورا کیا گیا ہے، زیر نظر کتاب ''ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کے تمدنی جلوے'' کے تمام ابواب میرے لکھے ہوئے ہیں اور مجھ کو خوشی ہے کہ دونوں کتابوں کے ۹۶۷ صفحوں میں اس دور کی تمدنی تاریخ کے بیش تر پہلو ناظرین کے سامنے آ گئے ہیں۔

دونوں جلدوں میں بادشاہوں کی سرگرمیوں کی تفصیل زیادہ آ گئی ہے اور اب جب کہ قوموں کی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں، بادشاہوں کی تاریخ لکھ کر پیش کرنا بظاہر اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن ہماری زبان اردو میں اب تک ان بادشاہوں کی خاطر خواہ تاریخ ہی نہیں لکھی جا سکی ہے، اس لیے اس کمی کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، پھر ان بادشاہوں ہی کی تاریخ ہندوستان کی تاریخ سمجھی جاتی ہے اور ان ہی کی تمدنی زندگی نے اس ملک کی تمدنی زندگی کو مختلف طریقوں سے متاثر کیا ہے، اس لیے اس نقطۂ نظر سے ان دونوں جلدوں کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس کتاب کا دائرہ مملوک سلاطین سے لے کر مغل بادشاہوں کے آخری دور تک ہے، مناسب تو یہ تھا کہ سلاطین دہلی اور مغل فرماں رواؤں کے لیے علاحدہ علاحدہ حصے ہوتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا ہے، دونوں دور کی تمدنی تبدیلیوں کا موازنہ کرنے سے بھی قصداً گریز کیا گیا ہے، اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دونوں عہد کے تمدن کے صرف جلوۂ صد رنگ کو دکھانا مقصود ہے، اگر کہیں ناقدانہ رنگ پیدا ہو گیا ہے تو وہ اضطراری ہے، پھر بھی اس کتاب کی ترتیب ایسی رکھی گئی ہے کہ دونوں دور کے تمدن میں جو نمایاں فرق رہا وہ خود بخود ناظرین کے سامنے آجائے گا جن کو اگر اس کتاب سے تھوڑی بھی دل چسپی پیدا ہو جائے تو وہی میری محنت کا صلہ ہو گا۔

میری اور تصانیف کی طرح اس کتاب میں بھی انگریز مصنفوں کے حوالے کم ملیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہماری تاریخ کو اس قدر مجروح کیا ہے کہ میرا قلم ان کا سہارا لینے میں رُک جاتا ہے اور جب سہارا لینے کی مجبوری پڑی ہے تو اپنے یہاں کی تاریخی اور معلوماتی سرمایہ کی کمی کی ندامت کا احساس غالب رہا، اسی لیے باب محلات میں فرگوسن ہیول، اسٹیفن اور کنگھم وغیرہ کے بجائے سر سید احمد خاں، بشیر الدین دہلوی، سعید احمد مارہروی اور عبداللطیف کی تحقیقات سے استفادہ کرنے میں مجھ کو نسبتاً زیادہ لذت ملی ہے، اسی طرح اس دور کی معاشرتی زندگی کے بعض پہلوؤں کی تفصیل لکھنے میں بیرونی سیاحوں کے حوالے کم سے کم آئے ہیں، زیورات، لباس، سنگار اور ساز و سامان وغیرہ کے ذکر میں ہندوستانی مصنفوں، شاعروں اور لغت نویسوں کا سہارا زیادہ لیا ہے، باب خورونوش میں باغات کی تفصیل شاید کچھ غیر متعلق سی معلوم ہو لیکن اس سلسلہ میں قلم چل پڑا، تو روک نہ سکا، جس کے لیے ناظرین اور خصوصاً اپنے ناقدین سے معذرت خواہ ہوں۔

اس کتاب میں میری گذشتہ تصانیف کے کچھ واقعات کی تکرار ہو گئی ہے لیکن سلسلۂ موضوع کو قائم رکھنے کی خاطر یہ ناگزیر تھا۔

اس کتاب میں اگر موسیقی اور مصوری کی فنی اصطلاحات کو سمجھنے اور سمجھانے میں تسامحات ہو گئی ہوں تو اس کے لیے بھی معذرت خواہ ہوں، یہ دو باب اس لیے لکھے گئے ہیں کہ دارالمصنّفین کی طرف سے یہ کام بہت پہلے ہونا چاہیے تھا لیکن اب تک نہ ہو سکا تھا، علامہ شبلیؒ نے اپنا مشہور مضمون ''ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر'' لکھا تھا، تو اُس کی آخری سطریں یہ تھیں:

''فنونِ لطیفہ یا فائن آرٹس یعنی موسیقی اور مصوری وغیرہ پر مستقل علاحدہ مضمون لکھوں گا''

ان کو اپنی زندگی میں ان دونوں موضوعوں پر لکھنے کا موقع نہیں ملا، حضرت الاستاذ علامہ سید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلیمان ندوی نے اپنے زمانے میں ان پر مضامین لکھوا کر اس کی تلافی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اُن کے معیار کے مطابق نہ تھے، اس لیے وہ شائع نہ ہو سکے، وہ ہوتے تو معلوم نہیں اس کتاب کے جو دو آخری ابواب لکھے گئے ہیں، اُن کو کن نظروں سے دیکھتے، اِن کو لکھتے وقت اس کا پورا احساس رہا کہ اسلام میں موسیقی اور مصوری حرام ہیں لیکن اسی کے ساتھ مولانا شبلی کی یہ تحریر بھی سامنے رہی:

> ''عام خیال ہے کہ چوں کہ اسلام نے تصویر کشی کو حرام کر دیا، اس لیے مسلمان اس فن میں کچھ ترقی نہ کر سکے بلکہ اُن کے عہد میں یہ لطیف فن گویا مٹ گیا، ہم کو مذہبی مسئلہ سے بحث نہیں لیکن تاریخی واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس فن کو کچھ کم ترقی نہیں دی اور سلاطین اور امرائے اسلام اس فن کے ساتھ خاص شغف رکھتے تھے۔''
>
> (مضمون جہانگیر اور تزک جہانگیری)

یہی حال موسیقی کا بھی تھا، اس لیے اس کتاب میں مصوری اور موسیقی سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کو محض تاریخی واقعات سمجھنا چاہیے، مذہبی مسئلہ اپنی جگہ پر مسلم ہے، میں جناب شانتی سروپ ایم، اے، ایل، ایل، بی اعظم گڈھ کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے مغل مصوری سے متعلق کافی لٹریچر فراہم کرنے میں مدد دی۔

کتاب میں جہاں کہیں فارسی یا انگریزی زبان کے ترجمے دیے گئے ہیں، وہ آزاد ہیں، عبارت کی روانی کی خاطر لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، اس کتاب کے کچھ حصے معارف اور ملک کے دوسرے رسالوں میں اس لیے شائع کیے گئے تھے کہ ان کو پڑھ کر اہل نظر مفید مشورے یا معلومات فراہم کریں، اسی خیال سے میں اپنی ہر کتاب کے کچھ ابواب اس کی طباعت سے پہلے رسالوں میں شائع کر دینے کا عادی رہا ہوں لیکن اس وقت کوئی صاحب تنقید کرنے یا صحیح مشورہ دینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے لیکن جب اُن کے ہاتھ میں کتاب ریویو کے لیے پہنچتی ہے تو وہ کچھ نہ کچھ تنقید اس لیے کرتے ہیں کہ اُن کو تنقید کرنی ہوتی ہے، اس لیے ایسی تنقیدوں کا جواب دینا مناسب نہیں ہوتا۔

کتاب میں طباعت کی غلطیوں کا تصحیح نامہ (۱) لگا دیا گیا ہے پھر بھی کچھ اور غلطیاں رہ گئی

---

(۱) اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں گی، ناظرین ان کی تصحیح خود کرلیں، مصنف ان کا شکر گذار ہوگا، کہیں کہیں ماخذوں کا اندراج نہیں ہوسکا ہے لیکن اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مستند معلومات پر مبنی ہے، جزوی تفصیلات لکھنے میں بھی غلطیوں کا احتمال رہتا ہے، اگر وہ ہوگئی ہوں تو نظر انداز کردی جائیں، گو ان کو قلم بند کرتے وقت ہر طرح کی احتیاط کی گئی ہے۔

مجھ کو خوشی ہے کہ دارالمصنّفین میں دس جلدوں کی تدوین کا جو پروگرام بنایا گیا تھا، اس میں سے اس سال دو کتابیں شائع ہو جانے کے بعد سات جلدیں پوری ہو جائیں گی، بقیہ تین جلدوں کی فکر دامن گیر ہے، اگر یہ تین جلدیں شائع ہوگئیں جو انشاء اللہ ضرور ہوں گی تو دارالمصنّفین کے سلسلۂ تاریخ ہند کی تعداد انیس ۱۹ جلدوں تک پہنچ جائے گی، میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے کہ یہ سلسلہ پچیس ۲۵ جلدوں پر ختم ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

جناب شاہ معین الدین صاحب ناظم دارالمصنّفین اس کام کی تکمیل میں جس طرح ہر قسم کی مدد کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے ہمت افزا ہے اور جس طرح وہ اپنے رفقائے کار میں علمی حوصلے اور ولولے پیدا کرتے رہتے ہیں وہ اُن کا سب سے بڑا وصف ہے، جہاں تک میرا تعلق ہے، نہ صرف میری علمی زندگی بلکہ میری نجی زندگی بھی ان کی ذات سے ایسی وابستہ ہوگئی ہے کہ میرے لیے جزو لاینفک بن گئی ہے، اس لیے ان کا شکریہ ادا کرنا گویا اپنے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

ہیچمداں

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۱۸؍اگست ۱۹۶۳ء

دارالمصنّفین، اعظم گڈھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دربار

ہندوستان میں مملوک سلاطین کی حکومت باضابطہ قائم ہوئی تو انھوں نے پہلے تو اپنے دربار میں غزنین اور غور کے درباروں کے آداب قائم کیے، جو ایرانی تہذیب اور بغداد کے تمدن سے متاثر تھے لیکن ہندوستان کے راجاؤں کے درباروں میں بھی بڑی نمود و نمائش ہوتی اور یہاں کے باشندے درباری طمطراق کے کچھ ایسے عادی ہو گئے تھے کہ ان کی تسخیر قلوب اور شاہی وقار اور سطوت کے لیے ہر حکمراں کو یہاں کی بھی روایتوں کا لحاظ رکھنا پڑا، اس لیے رفتہ رفتہ درباروں میں بڑی شان و شوکت پیدا ہوتی گئی، خلفائے راشدین کی حکومت اسلام کی مثالی حکومت ہے لیکن اُن کے یہاں کوئی دربار نہ تھا بلکہ جہاں بڑے بڑے مسائل طے ہوتے تھے وہاں کی مجلس میں انتہائی سادگی ہوتی تھی اور اسلامی طرز حکومت کی یہی اصلی اسپرٹ تھی لیکن مسلمان دنیا میں پھیلے تو انھوں نے اپنے اصول حکمرانی میں اس اسپرٹ کو قائم نہیں رکھا اور حالات کے مطابق اپنے کو بدلتے رہے، چناں چہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے درباروں میں جو سطوت و حشمت، جلال و جبروت اور دبدبہ و وقار نظر آتا ہے، وہ دنیا کے اہم سے اہم درباروں سے کم تر نہیں کہا جا سکتا، یہ نمود و نمائش ملکی مصالح کے نقطۂ نظر سے رائگاں نہیں جاتی تھی، اس سے حکومت کا وقار قائم ہوتا اور تہذیب و تمدن کا اندازہ لگایا جاتا، اسی لیے اس زمانہ میں جب کوئی بیرونی سیّاح دربار میں آجاتا تو اُس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر بے حد مرعوب ہو جاتا اور اپنے وطن کو واپس جاتا تو اُس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کرتا کہ سننے والے اس کو محض قصے اور کہانیاں سمجھتے، خود یہاں کے باشندے درباروں کی رنگینی اور دل آویزی سے کچھ ایسے غیر معمولی طور پر متاثر رہے کہ اب تک ان کو اس عظمت پارینہ سے ایک قسم کا جذباتی لگاؤ ہے، اس کے علاوہ ان درباروں میں جو تہذیب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتمدن رہا، اس سے خود ہندوستان کی تہذیبی اور تمدنی زندگی معمور ہوتی گئی، اُن کے جلوے اب بھی موجود ہیں، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، اس لیے امید ہے کہ ان اوراق کے مطالعہ سے ناظرین کو جذباتی آسودگی ضرور حاصل ہوگی، ان کی تفصیلات بیان کرنے میں مختلف دور کے درباروں اور محلوں کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کا موازنہ کرنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے اور نہ اس پر کوئی نظری وفکری بحث کی گئی ہے بلکہ ہر دور کے مختلف پہلوؤں کو صرف قلم بند کردینے پر اکتفا کرلیا گیا ہے جن میں ترتیب پیدا ہوجانے کے بعد ان کا ارتقا خود بخود سامنے آجائے گا، اس کتاب کا دائرہ مطالعہ مملوک سلاطین سے لے کر مغل بادشاہوں کے آخری دور تک ہے، اس لیے ہم کتاب کا آغاز پہلے مملوک سلاطین کے درباری آداب سے کرتے ہیں جس کے بعد اور عہد کا ذکر آئے گا۔

مملوک سلاطین کے آدابِ دربار: مملوک سلاطین تو زیادہ تر فتح وتسخیر میں لگے رہے لیکن ان کے لوازم شاہی میں دربار کا ہونا ضروری تھا، اس لیے انھوں نے دربار منعقد کر کے ہندوستانی باشندوں کے ذوق اور پڑوسی ملکوں کے معیار کے مطابق روایتیں قائم کرنے کی پوری کوشش کی۔

سلطان دربار میں آکر بیٹھتا تو اس کی جگہ اونچی اور نمایاں ہوتی، جہاں پر شاہی تخت رکھا رہتا، یہ عموماً چار پایوں کا ہوتا اور اس کی شکل چوپہل ہوتی اور اس میں سونے کا کام ہوتا، اس کے سر پر چتر ہوتا، چتر کے اوپر چھوٹا سا سایہ گستر یعنی شامیانہ لگایا جاتا جس کا رنگ یا تو سرخ یا سیاہ ہوتا اور اس میں جواہرات ٹکے رہتے، (۱) اس کے اوپر ہما کی شکل بھی بنی رہتی جو ایک مُبارک پرندہ سمجھا جاتا ہے، تخت کے بغل میں دورباش رکھا رہتا، یہ گویا شاہی عصا تھا، سلطان کے تخت کے پیچھے سلاح دار، جان دار، سہم الحشم، نائب سہم الحشم کھڑے رہتے، (۲) سلاح دار سے مراد ہتھیار بند محافظ ہیں، وہ سلطان کے اسلحہ کے بھی نگراں ہوتے اور دربار میں اس کے پیچھے کھڑے رہتے، یا جب سلطان کی سواری باہر نکلتی تو وہ اس کے ساتھ ساتھ ہوتے، ان کا نگراں سرسلاح دار کہلاتا جو دائیں بائیں دونوں بازوؤں پر ہوتے، سلطان کی حفاظت کے لیے کچھ تندرست شکیل اور خوب صورت لشکری بھی ہوتے جو جان دار کہلاتے، اُن کی پوشاک بھی خوب صورت ہوتی، ان کے

(۱) طبقات ناصری ص ۱۸-۲۱۳ (۲) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۳۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہوتیں اور وہ سلطان کے جلو میں کھڑے رہتے، ان کا نگراں سرجان دار کہلاتا جو دائیں بائیں دونوں طرف ہوتے، وہ سلطان کے سر پر مورچھل بھی ہلاتے رہتے، سلطان کی سواری کے ساتھ جان دار گھوڑے پر سوار رہتے، پیدل محافظ سہم الحشم کہلاتے، دربار میں یہ سب بھی تخت کے پیچھے ہوتے، اُن کے مددگار نائب سہم الحشم کہلاتے۔

دربار کا سب سے اہم رکن امیر حاجب ہوتا، جو کبھی حاجب الحجاب، ملک الحجاب، امیر الحجاب کہلاتا، میر حاجب اور باربک ایک ہی عہدہ تھا، وہی تمام امرا کی جگہیں اُن کے مراتب کے مطابق مقرر کرتا، اس کی مدد کے لیے نائب امیر حاجب ہوتے، کسی نائب امیر حاجب کے ساتھ خصوصیت کا اظہار کیا جاتا تو وہ سید الحجاب یا شرف الحجاب کے خطاب سے نوازا جاتا، نائب امیر حاجب، امیر حاجب کی مدد کیا کرتے تھے، امیر حاجب دربار کے امرا کا تعارف کراتا، یا سلطان کسی درباری سے کچھ کہنا چاہتا تو وہ امیر حاجب سے کہتا، امیر حاجب اپنے مختلف حاجب کے ذریعہ سے یہ پیام دربار تک پہنچاتا، سلطان کے سامنے تمام درخواستیں امیر حاجب کے ذریعہ سے پیش ہوتیں، وہ اُن کو بلند آواز سے پڑھ کر سناتا، سلطان کوئی فیصلہ دیتا تو اس کو قلم بند کر دیا جاتا، دوات دار کاغذ، قلم اور سیاہی لیے حاضر رہتا، اس فیصلہ پر مہر دار شاہی مہر لگا دیتا، جس کے بعد یہ درخواستیں دبیر خاص کے حوالہ کر دی جاتیں، امیر حاجب سلطنت کا معزز رکن ہوتا، اس لیے کبھی کبھی وہ سلطان کی عدم موجودگی میں اس کی نیابت بھی کرتا، اس عہدہ پر عموماً شاہی خاندان ہی کے افراد مقرر کیے جاتے۔(۱)

شحنۂ بارگاہ (۲)، دربار کی زینت وآرائش کا ذمہ دار ہوتا، نقیب اور چاؤش جا بجا کھڑے رہتے اور جب کوئی سلطان کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو وہ بسم اللّٰہ زور سے کہتا۔

دربار میں تمام درباری کھڑے رہتے، صرف خاص خاص اشخاص کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی، جب کوئی دربار میں آتا، تو سلطان کے تخت کے پاس آکر زمین پر سر رکھ کر تین بار زمین بوسی کرتا (۳)، اس کو تعظیم بجالانا کہتے، علما، صلحا اور مشائخ زمین بوسی سے مستثنیٰ ہوتے، اگر سلطان تخت

---

(۱) برنی ص ۳۶، ۴۷، ۶۱، ۱۱۳، ۳۲۲، ۵۲۷، ۵۲۸۔ (۲) ایضاً ۶۱، ۲۶۰۔ (۳) برنی ص ۱۴۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نہ ہوتا تو بھی درباری زمین بوسی کرتے، سوری خاندان کی حکومت کے زمانہ میں تو سلطان کی عدم موجودگی میں تخت پر کفش اور ترکش رکھ دیے جاتے۔(۱)

سلاطین اپنی خواہش کے مطابق دربار کے آداب میں ترمیم اور اضافہ کرتے رہتے جیسا کہ آگے کی تفصیلات سے ظاہر ہوگا۔

عام دربار کے علاوہ ایک مجلسِ خاص بھی ہوا کرتی تھی، جس میں وزرا کے علاوہ صاحب تدبیر ملوک رائے زن شریک ہوتے تھے(۲) اور مجلسِ خاص کے علاوہ ایک مجلس خلوت(۳) بھی ہوا کرتی تھی، جس میں صرف محرم راز اور معتمد علیہ شریک ہوتے تھے۔

دربار کے داخلہ کے دروازہ پر نوبت بجتی رہتی تھی، وہاں نقیب بھی کھڑے رہتے، ان کا نگرانِ اعلا نقیبُ النقبا کہلاتا، وہ ہر آنے جانے والے پر نگرانی رکھتا، دروازے پر متصدّی بھی بیٹھے رہتے، کوئی شخص اندر جانے نہیں پاتا جب تک وہ اس کا نام اپنی کتاب اور روزنامچہ میں نہ لکھ لیتے، یہ روزنامچے رات کے وقت سلطان کے سامنے پیش کیے جاتے۔(۴)

درباریوں کے لیے مخصوص پوشاک ہوتی، سلطان جس کو خلعت عطا کرتا، وہ وہی لباس پہن کر آتا، غیر معمولی دربار عموماً تاج پوشی، سال گرہ، تاج پوشی کی سال گرہ کسی سفیر کی آمد، نذر قبول کرنے، تہوار یا فتح و کامرانی کے جشن منانے کی خاطر کیا جاتا، سلاطین دہلی میں سب سے زیادہ بارعب دربار سلطان بلبن کا تھا اور سب سے پر شکوہ سلطان محمد تغلق کا تھا۔

بلبنی دربار: سلطان بلبن کا دربار آراستہ ہوتا تو ملوک و امرا، سیکڑوں نقیب، چاؤش، دیو پیکر جوان ننگی تلواریں لیے اس کے گرد و پیش کھڑے رہتے، چنگیز خانی فتنوں سے پریشان ہو کر ترکستان، ماوراءالنہر، خراسان، عراق، آذربیجان، فارس، روم اور شام وغیرہ سے پندرہ شہزادے بلبن کے دربار میں آکر پناہ لیے ہوتے تھے، ان میں سے صرف دو کو جو بنی عباس کی نسل سے تھے، تخت کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی، بقیہ اور شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے، دربار کے بڑے

---

(۱) بدایونی جلد ا، ص ۳۸۵، (۲) خزائن الفتوح ص ۹۹۔ (۳) برنی ص ۳۲۴، (۴) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۹۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے امرا پر اس کی ہیبت ایسی طاری رہتی کہ وہ کسی کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔

دربار میں منقش فرش بچھایا جاتا، زربفت کے پردے لٹکائے جاتے، چاندی اور سونے کے برتن رکھے جاتے، جن میں میوے، شربت اور پان رکھ کر اہل مجلس کی تواضع کی جاتی، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن نے اپنی حکومت کے بیس سال کے دور میں شاہی وقار، شاہی آداب اور شاہی دبدبہ کو اتنا بلند کر دیا تھا کہ اس سے زیادہ بلند نہ ہوسکا، وہ کہا کرتا تھا کہ جو بادشاہ دربار کی آرائش، شاہانہ سواری کے مراسم اور سلطنت کے آداب کا لحاظ نہیں کرتا، اس کا رعب وداب رعیّت کے دلوں میں قائم نہیں رہتا اور نہ دیکھنے والوں پر اس کی حشمت وجلالت کا کچھ اثر ہوتا ہے، ایسے بادشاہ کے دشمن دلیر ہو جاتے ہیں اور اس کی حکومت میں خلل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کا قول تھا کہ بادشاہ کا رعب اور اس کی ہیبت جس قدر اس کے وقار وتمکنت سے رعایا کے دلوں پر بیٹھتی ہے اس قدر سزا اور خشونت سے قائم نہیں ہوتی، وہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کا پُر ہیبت اور پُر جلال نہ ہونا رعایا کی سرکشی اور بغاوت کا باعث ہوتا ہے۔(۱)

محمد تغلق کا دربار: ''مسالک الابصار'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ جو شان اور شوکت محمد تغلق کے دربار میں تھی، وہ دنیا کے کسی بادشاہ کے یہاں نظر نہیں آتی، وہ دو دربار منعقد کرتا، دربار عام اور دربار خاص، دربار عام کے دو اجلاس صبح اور شام روزانہ ہوتے، منگل کو ایک کھلے ہوئے میدان میں دربار عام کا ایک خصوصی اجلاس ہوتا، جس میں عوام اپنی شکایتوں کی عرضیاں پیش کرتے، جس محل میں دربار ہوتا، اس میں متواتر سات پھاٹک تھے، کسی کو ہتھیار لگا کر دربار میں جانے کی اجازت نہ تھی، اس لیے پہلے پھاٹک پر ہر شخص کی جامہ تلاشی بڑی احتیاط سے لیجاتی، اسی پھاٹک پر نفیری، نقارے اور سرنا والے بھی بیٹھے رہتے، جس وقت کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا تو وہ نقارہ اور نفیری بجانا شروع کرتے اور بجانے میں یہ آواز نکالتے کہ فلاں شخص آیا، پہلے دروازہ کے باہر ایک چبوترہ تھا، جس پر جلاد بیٹھے رہتے، پہلے اور دوسرے دروازہ کے درمیان ایک بڑی دہلیز تھی، اس کے دونوں طرف چبوترے تھے، اس پر نوبت نقارے والے بیٹھے رہتے، دوسرے اور تیسرے دروازہ کے

---

(۱) برنی ص ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۱۳۶، تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۶، ۷۵، بزم مملوکیہ از مؤلف ص ۲۲۵، ۲۴۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان ایک بڑا چبوترہ تھا، اس پر نقیب النقبا (چھڑی بردار) بیٹھا رہتا، اس کے ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی ہوتی اور سر پر جڑاؤ اور طلا کار کلاہ جس کے اوپر مور کے پر لگے ہوتے اور باقی نقیبوں کی کمر میں زریں پٹی، سر پر کلاہ اور شاشی اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا، جس کا دستہ سونے اور چاندی کا ہوتا، دوسرے دروازہ کے اندر ایک بڑا دیوان خانہ تھا جس میں عام لوگ بیٹھے رہتے، تیسرے دروازہ پر متصدّی تعینات ہوتے، وہ ہر آنے والے امیر کے نام لکھتا رہتا اور دروازہ پر اگر کوئی واقعہ پیش آتا تو وہ بھی لکھ لیتا، یہ روز نامچہ سلطان کی خدمت میں عشا کی نماز کے بعد پیش کیا جاتا، جو شخص محل میں جاتا، وہ تیسرے دروازہ سے پاپیادہ ہو جاتا اور نفیری اور نقارے ساتویں دروازہ تک اسی طرح بجتے رہتے، کسی کے ساتھ خاص رعایت ہوتی، وہ ساتویں دروازہ تک گھوڑے پر جاتا۔

تیسرے دروازہ کے اندر ایک بڑا میدان تھا، جس میں ایک دیوان بنا ہوا تھا، اس دیوان خانہ کا نام ہزار ستون تھا، کیوں کہ اس کی چھت لکڑی کے ہزار ستونوں پر قائم تھی، چھت اور ستونوں میں طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، سب لوگ اس مکان میں آکر بیٹھ جاتے تو بادشاہ دربار عام کے وقت اس میں آکر بیٹھتا۔(۱)

ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے دربار کی بڑی واضح تصویر کھینچی ہے، وہ لکھتا ہے کہ سلطان کا دربار عصر کی نماز کے بعد یا چاشت کے وقت ہوتا، اس کے بیٹھنے کی جگہ ایک شہ نشین ہوتی جو اور جگہوں سے اونچی رہتی، اس پر چاندنی بچھی ہوتی، اس کے کمر کے پیچھے بڑا تکیہ اور دائیں بائیں چھوٹے تکیے ہوتے، وہ اس طرح بیٹھتا جیسے آدمی نماز کے قعدہ میں بیٹھتا ہے، جب وہ بیٹھ جاتا تو وزیر سامنے کھڑا ہو جاتا اور کاتب وزیر کے پیچھے ہوتا اور اُن کے پیچھے حاجبوں کا سردار اور اس کے پیچھے اس کا نائب، اس کے بعد خاص حاجب اس کے بعد نائب خاص حاجب اور وکیل اور اس کا نائب، پھر شریف الحجاب اور سید الحجاب ہوتے، ان کے بعد نقیب جن کی تعداد سو ہوتی، جب بادشاہ بیٹھ جاتا، تو حاجب اور نقیب زور سے بسم اللہ کہتے، سلطان کے پیچھے ملک قبولہ کھڑا رہتا، اس کے ہاتھ میں چوری یعنی مورچھل ہوتا اور وہ مکھیاں ہانکتا رہتا، سلطان کے دائیں ہاتھ پر سو ۱۰۰ مسلح جوان

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۱، ۹۹، ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک از مؤلف ص ۲۵۰، ۲۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے، جن کے ہاتھوں میں ڈھالیں، تلواریں اور کمانیں ہوتیں، دیوان خانہ کے طول میں دائیں اور بائیں، قاضی القضاۃ اور اس کے بعد خطیب الخطبا پھر اور قاضی، پھر بڑے فقہا، پھر سادات، پھر مشائخ، پھر سلطان کے بھائی، داماد، پھر امرا اور پردیسی، مہمان، پھر ایلچی، پھر فوج کے عہدہ دار کھڑے رہتے، سلطان کے غلام پیچھے کھڑے ہوتے اور اُن کے ہاتھوں میں ڈھالیں اور تلواریں ہوتیں۔

دربار عام کھلی جگہ پر ہوتا تو اس موقع پر گھوڑے بھی رہتے، وہ زیوروں سے لدے ہوتے اُن کی لگام سیاہ اور سفید ریشم کی ہوتی، یہ گھوڑے سلطان کی سواری کے لیے مخصوص رہتے اور دائیں بائیں دونوں طرف کھڑے کیے جاتے، پچاس ہاتھی بھی ہوتے، جس پر طلائی اور ریشمی کپڑے پڑے رہتے، اُن کے دانتوں پر لوہا چڑھا ہوتا، ہر ایک ہاتھی پر ایک فیل بان بیٹھا رہتا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکس ہوتا، جو طبرزین کہلاتا، ہر ہاتھی کی پشت پر ایک بڑا صندوق یعنی ہودج ہوتا، جس پر بیس جنگی سپاہی بیٹھ سکتے تھے، ہر ہاتھی تربیت یافتہ ہوتا، جس وقت حاجب بسم اللّٰہ کہتا وہ سر جھکا کر تعظیم کرتے، یہ ہاتھی دائیں بائیں دونوں طرف کھڑے ہوتے۔

جب کوئی شخص سلطان کے سامنے آتا تو نقیبوں اور حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے گذرتا اور پہلے تعظیم کرتا، پھر اپنی مقررہ جگہ پر چلا جاتا اور کھڑا رہتا۔

کوئی تحفہ پیش کرتا تو اس میں بھی آداب کا بڑا لحاظ رکھتا، اگر کوئی پردیسی یا بیرونی مہمان نذرانے کے لیے حاضر ہوتا تو امیر حاجب اس کے پیچھے اس کا نائب پھر سید الحجاب اور شرف الحجاب ترتیب سے سلطان کے سامنے آتے اور تین دفعہ تعظیم بجالاتے اور عرض کرتے کہ فلاں شخص سلام کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہے اور جب اس کی اجازت ملتی تو پہلے نذرانے اس طرح پیش ہوتے کہ سلطان کی نظر ان پر پڑ جائے پھر نذر دینے والے کو طلب کیا جاتا، وہ تین دفعہ تو سلطان کے قریب پہنچنے سے پہلے تعظیم کرتا پھر حاجبوں کے کھڑے ہونے کی جگہ پر پہنچ کر تعظیم کرتا، اگر کوئی معزز آدمی ہوتا، تو میر حاجب کی صف میں کھڑا کیا جاتا، ورنہ اس کے پیچھے سلطان مرحبا کہہ کر اس سے کچھ باتیں کرتا اور اگر وہ ذی مرتبہ ہوتا تو سلطان اس سے مصافحہ یا معانقہ کرتا اور اس کی نظر میں سے بعض چیزیں اپنے سامنے منگواتا اگر کوئی کپڑا یا ہتھیار ہوتا تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور تعریف کرتا، پھر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نذر دینے والے کو خلعت دیتا اور سرشوئی کے نام سے کچھ رقم بھی مقرر ہو جاتی۔

جب سرکاری عہدہ دار یعنی عامل نذر یا خراج لا کر پیش کرتے تو سونے کے برتن مثلاً طشت، آفتابہ، یا کوئی اور چیز بنواتے کبھی سونے کی اینٹیں بھی بنوا لیتے، فرّاش جو سلطان کے غلام ہوتے، ان میں سے ایک ایک چیز یا اینٹ ہاتھ میں لے کر اُس کے سامنے کھڑے ہو جاتے اگر ہاتھی نذر میں ہوتا تو وہ بھی پیش کیا جاتا، اس کے بعد گھوڑے پھر خچر، پھر اونٹ اور ان سب پر مال لدا ہوتا۔(۱)

فیروز شاہی دربار: فیروز شاہ کے تین محل تھے ۱- لعل صحن گلیں جو محل انگور بھی کہلاتا ۲- محل چھجہ چوبیں ۳- محل بار عام جو محل میانگی بھی کہلاتا، پہلے محل میں خانخاناں، ملوک، امرا اور اصحاب علم سلام کے لیے حاضر ہوتے تھے، دوسرے محل میں چند مخصوصین آتے تھے اور تیسرے محل میں خاص و عام سب کو آنے کی اجازت تھی۔

سلطان جب دربار کرتا تو پہلے اس کو سجانے کا حکم دیتا اور جب اُس کی زینت و آرائش ہو جاتی تو پہلے خود آتا اور تخت پر بیٹھ جاتا، پھر ''سرا پردہ دارانِ خاص'' اور عہدہ داران سرا پردہ حاضر ہوتے اور تعظیم بجالاتے اور پوچھتے کہ سلام کے متعلق کیا حکم ہے جواب ملتا، کہ مخلوق کو سلام کے لیے حاضر کرو، وہ پہلے حجاب کو پیش کرتے، وہ تعظیم بجالاتے تو کچھ غلام ہاتھوں میں تلوار اور چاندی اور سونے کی ڈھالیں لیے حاضر ہوتے، ان کے بعد دیوانِ رسالت کی باری آتی، اُن کے ساتھ دیوان قضا کے لوگ ہوتے، ان کے بعد دیوانِ عالی وزارت کے لوگ آتے اور وہ تخت کے دائیں جانب جا کر کھڑے ہو جاتے، اُن کے بعد دیوانِ عرض کی نوبت آتی، اُن کے ساتھ کوتوال ہوتے، دیوانِ عرض کے لوگ بائیں جانب کھڑے کیے جاتے، شہزادے اور مخصوصین تخت کے پیچھے کھڑے رہتے، بعض امرا، ملوک، اقطاعات کے نگراں اور کارکنان معاملات کو بھی بائیں جانب کھڑے رہنے کی اجازت ہوتی، ہر شخص اپنے رتبہ کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر کھڑا رہتا کوئی کلاہ کے بغیر نہ ہوتا، تیغ دار غلام جامۂ زردوزی، بند سفید، کمر زریں اور کلاہ بار کی پہنے ہوئے تخت کے آگے کھڑے

(۱) ابن بطوطہ ج ۲، ص ۱۰۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتے، کوئی شخص موزہ اور موئے بند کے بغیر دربار میں نہیں آسکتا تھا، تخت شاہی کے قریب جن لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت تھی اُن کی ترتیب یہ تھی، خان جہاں وزیر دائیں طرف بیٹھتا، امیر معظم، امیر احمد اقبال خاں جہاں سے کچھ اوپر لیکن ایک زانو کے فاصلہ پر کچھ پیچھے بیٹھتا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خان جہاں سے نہ برتر تھا، نہ فروتر، ملک نظام الملک امیر حسین امیر امیراں، نائب وزیر ممالک کی نشست خان جہاں سے فروتر تھی، ان تینوں ہی کو تخت شاہی کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی، بائیں جانب خان جہاں کے پیچھے ایک جامہ دوتہ کر کے بچھا رہتا تھا، اس پر قاضی صدر جہاں بیٹھتے تھے، سید درکانی صدر جہاں سے فروتر بیٹھتے اور ان ہی کے پاس شیخ الاسلام مولانا جلال الدین رومی ہوتے، صدر جہاں ہی کے متصل بانہبنہ کی نشست تھی اور اسی کے پاس منگلی خاں اعلا بیٹھتا، تخت کے بائیں جانب جگہ خالی رہتی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ فیروز شاہ کے اوائل حکومت میں خان جہاں وزیر بائیں طرف بیٹھتا اور دائیں طرف خان اعظم تاتارخاں کے لیے جگہ مخصوص تھی لیکن جب تاتارخاں کا انتقال ہوگیا، تو شاہی حکم کے بموجب خاں جہاں دائیں طرف بیٹھنے لگا اور بائیں طرف جگہ خالی رہ گئی لیکن اس سے کچھ ہٹ کر ایک جامہ دوتہہ کر کے بچھایا جاتا اور اس پر ظفر خاں بیٹھتا، اس کے پاس احمد خاں، انیرتہو صاحب دوچتر اور اعظم خاں خراسانی بیٹھتے، ان کے پیچھے رائے مدار دیو، رائے سیر، اور راودت ادھرن بیٹھتے۔

خان جہاں دیوانِ وزارت کے لوگوں کے ساتھ حاضر ہوتا تو جہاں پر حاجب کھڑے ہوتے وہیں سے سلام کرنا شروع کر دیتا اور دائیں جانب کے تمام امرا کھڑے ہوجاتے، وہ جاکر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دربار میں زمیں بوسی کرتا، سلطان اُن کے بیٹھنے کا حکم دیتا تو وہ تیسری بار زمین بوسی کر کے بیٹھ جاتے، سلطان کسی غیر شخص کو طلب کرنا چاہتا تو خان جہاں کو حکم دیتا اور وہی پیش کرتا، خاں جہاں کی موجودگی میں سلطان اس سے مخاطب ہوتا اور اگر وہ کسی پر برہمی کا اظہار بھی کرتا تو بھی اس کا تخاطب خاں جہاں ہی کی طرف ہوتا، یہ دربار ایک پہر تک جاری رہتا، اس کے بعد سلطان اُٹھ جاتا، اس کی عدم موجودگی میں خان جہاں اپنی مسندِ وزارت پر بیٹھ کر عمال کے اعمال کا محاسبہ کرتا۔(۱)

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۸۰،۲۷۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابری دربار: بابر کی زندگی زیادہ تر کیمپ، میدانِ جنگ، پہاڑوں اور برفستانی علاقوں میں گذری لیکن جب کبھی دربار کرتا تو اُس میں پورے آداب، تہذیب اور شایستگی کا ثبوت دیتا، وہ بڑا ہی بہادر سپاہی تھا، اس میں جانبازی اور شجاعت کا وصف ایسا تھا جو بہت کم حکم رانوں میں پایا جاتا ہے لیکن ایک روایت یہ ہے کہ وہ خود کہا کرتا تھا کہ اس کی بہادری کے صرف دو کارنامے ہیں، ایک تو یہ کہ کسی جنگ میں ہار کر وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور تھک کر ایک جنگل میں سویا تھا کہ یکا یک اُس کی آنکھیں کھلیں، اُس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ اس کے سینہ پر کنڈلی مار کر پھنکار رہا ہے، وہ بہت گھبرایا لیکن یکا یک اُس نے سانپ کو اپنے دانتوں سے پکڑ لیا اور اٹھ کر اس کو جھٹک دیا، اس طرح اُس کی جان بچی، ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اس کے دربار میں ایک بیرونی سفیر آیا، دربار پورے وقار کے ساتھ جاری تھا کہ بابر کی رانوں میں تکلیف دہ خارش ہونے لگی اور وہ کھجلانے کے لیے بے تاب ہو گیا لیکن عین دربار کے وقت کھجلانا اُس نے تہذیب اور شایستگی کے خلاف سمجھا، اس کی بے چینی بڑھتی گئی لیکن اُس نے آدابِ دربار کی خلاف ورزی نہ کی اور جب دربار ختم ہوا تو اُس نے خوب کھجلا کر اپنی تکلیف رفع کی، اس کو وہ اپنی بہادری کا دوسرا بڑا کارنامہ سمجھتا رہا۔

ہمایونی دربار: ہمایوں کی زندگی بھی زیادہ تر بادیہ گردی میں گذری لیکن جب اس کو باضابطہ دربار منعقد کرنے کا موقع ملا تو اُس نے اپنے درباریوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ۱- اہل دولت جس میں وزرا، امرا، اعزہ، اقربا اور عہدہ دارانِ لشکر ہوتے ۲- اہل سعادت اس میں علما، فضلا، شعرا، مشائخ وغیرہ ہوتے، ۳- اہل مراد، اس میں اربابِ نشاط شامل تھے، اہل دولت اتوار اور منگل کو آکر ہمایوں سے دربار میں ملتے، اہل سعادت کے لیے سنیچر اور جمعرات کے دن مقرر تھے، سوموار اور بدھ کے دن اہل مراد حاضر ہوتے تھے، ان دنوں کے مقرر کرنے میں ہمایوں نے اپنے فلکیاتی ذوق کا بھی لحاظ رکھا تھا، اتوار کا دن آفتاب سے متعلق ہوتا ہے اور اس کی ترتیب کے پرتو سے فرماں روائی ہوا کرتی ہے، اسی طرح منگل مریخ سے متعلق ہے، جو اہل لشکر کا مربی سمجھا جاتا ہے، سنیچر زحل کے ساتھ منسوب ہے جو مشائخ کا مربی ہے، جمعرات مشتری سے متعلق ہے جو علما کا سرپرست

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصور کیا جاتا ہے، سوموار اور بدھ قمر اور عطارد سے متعلق ہوتے ہیں جس کو ارباب نشاط سے خاص تعلق ہوتا ہے، جمعہ کے روز عام لوگوں کو ملنے کی اجازت ہوتی۔

دربار کی ترتیب بھی فلکیات ہی کے اصول پر تھی اور دربار کے لیے خیمے ایسے بنوائے گئے تھے جو یونانی ہیئت کے نوؤں آسمانوں کی پوری نقل تھے، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں اُن کے نمونے اس میں بنے تھے۔

بساط نشاط: ہمایوں نے ایک بساط نشاط بنا رکھی تھی، اس بساط میں فلکی دوائر اور کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس کی طرف منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ، چوتھا برجیس کی مناسبت سے صندلی، پانچواں بہرام کے تعلق سے سرخ، چھٹا آفتاب کی مناسبت سے سنہرا، ساتواں ناہید کے سبب سے سبز اور آٹھواں عطارد کے تعلق سے سوسنی اور نواں چاند کی مناسبت سے سفید، اس کے بعد اربعۂ عناصر کے نقشے تھے، ان میں سے کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے تھے، سنہرے دائرے میں ہمایوں خود بیٹھ کر دربار کرتا اور ہر طائفہ کو سبعۂ سیارہ کے ساتھ منسوب کر کے بیٹھنے کا حکم تھا، مثلاً امرائے ہندی دائرہ زحل مین بیٹھتے تھے اور سادات وعلما دائرۂ مشتری میں ہوتے تھے جو آدمی ان دائروں میں بیٹھتے وہ قرعہ ڈالتے اور جو صورت اس میں آتی اسی نسبت سے وہ بیٹھتے، مثلاً اگر کھڑے ہوئے آدمی کی صورت آتی تو وہ کھڑے رہتے اور اگر بیٹھے ہوئے آدمی کی آتی تو وہ بیٹھتے اور اگر مضجع صورت آتی (یعنی تکیہ لگائے ہوئے) تو وہ تکیہ لگا کے بیٹھتے۔

ہر روز جو ستارہ منسوب ہوتا، اسی کے رنگ کی مناسبت سے درباری لباس پہنا کرتے مثلاً اتوار کو زرد لباس پہنا جاتا کیوں کہ آفتاب کا یہی رنگ ہے، سوموار کو سبز لباس ہوتا، کیوں کہ قمر کا یہی رنگ سمجھا جاتا ہے۔

ہمایوں نے سونے اور چاندی کی صندلیاں بنا رکھی تھیں، جن پر دربار عام میں شہزادے اور ممتاز امرا بیٹھا کرتے تھے، جب وہ خود تخت پر آ کر بیٹھتا تو نقارہ بجایا جاتا اور جب دربار ختم کر کے اُٹھ جاتا تو بندوقیں چھوڑی جاتیں، دربار میں جوشن دار سلاح لگائے ہوئے بہادر جوان اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس کھڑے رہتے۔(۱)

کورنش وتسلیم: ہمایوں ہی نے دربار میں کورنش اور تسلیم کا رواج شروع کرایا، کورنش میں درباری تخت کے پاس آکر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھ کر اپنا سر جھکاتے، تسلیم میں دائیں ہاتھ کی پشت کو زمین پر رکھ کر اس کو اٹھاتے اور سیدھے ہو کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو سر پر رکھتے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک بار ہمایوں نے اکبر کو اپنی کلاہ دی، جو اکبر کے سر پر بہت بڑی ہوتی، اکبر نے کلاہ کو سر پر رکھ کر سلام کرنا چاہا، کلاہ بڑی تھی، اس لیے اُس نے دائیں ہاتھ سے کلاہ پکڑ لی اور جھک کر سلام کیا اکبر کی یہ ادا ہمایوں کو پسند آگئی اس لیے اس کو اپنے دربار میں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ کورنش وتسلیم کے نام سے رواج دیا۔(۲)

درشن: اکبر کے زمانہ میں دربارداری کے بہت سے مراسم تھے وہ ایک پہر دن گذرنے کے بعد یا کبھی کبھی شام کو درشن دیا کرتا تھا، جب کہ ہر خاص و عام کو شرف دیدار حاصل کرنے کی اجازت تھی، اس وقت کوئی چوب دار اور چاؤش نہ ہوتا جب اکبر درشن کے لیے آتا تو عام اطلاع کے لیے ایک نقارہ بجایا جاتا، اس وقت شہزادے اور ممتاز امرا بھی آجاتے اور کورنش بجالا کر اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے، اس موقع پر ارباب نشاط بھی آکر حاضرین کو محظوظ کرتے، ہندو عوام کو اکبر پر ایسا اعتقاد ہو گیا تھا کہ روزانہ صبح کو آفتاب پرستی کے وقت جھروکے کے نیچے جمع ہو جاتے تھے اور جب تک اکبر کا درشن نہ کر لیتے، مسواک نہ کرتے، درشن کا رواج اکبر کے بعد شاہ جہانی دور تک برابر قائم رہا عالمگیر نے اس کو ختم کر دیا تھا۔

اس موقع پر رعایا کو عام اجازت تھی کہ وہ کسی واسطہ کے بغیر حکومت کے بڑے حکام کے خلاف عدل وانصاف طلب کر سکے، اس وقت بادشاہ پوری توجہ سے اپنی رعایا کی ساری شکایتیں سنتا اور حکام کو سخت سے سخت سزا دینے میں مطلق تامّل نہ کرتا، اس طرح درشن کے ذریعہ سے رعایا کا رابطہ بادشاہ سے براہِ راست قائم رہتا اور وہ اس کو دیکھ کر مطمئن رہتی کہ اس کا حکم راں صحیح وسالم

(۱) قانون ہمایونی ص ۴۰-۴۳۔ تاریخ ہندوستان ج ۳، از ذکاء اللہ ص ۴-۵۰۲ (۲) آئین اکبری جلد اول آئین ۷۱، ص ۱۰۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تندرست ہے۔

اکبر کا دربار عام: اکبر دو قسم کے دربار کیا کرتا تھا، ایک عام اور ایک خاص، دربار عام دیوان عام میں ہوا کرتا، فتح پور سیکری میں دیوان عام کے چاروں طرف سنگین دالان بنے ہوئے ہیں اور اُن میں سنگین فرش ہیں ان میں مشرقی برآمدہ کے درمیان خوبصورت سنگ سرخ کی جالیوں سے گھیر کر ایک شہ نشیں بنائی گئی ہے جو نیچے کے سنگین فرش سے آٹھ فٹ بلند ہے، اسی میں اکبر کا تخت رکھا جاتا تھا، جہاں روزانہ دو مرتبہ دربار منعقد ہوتا تھا اور عدل وانصاف کی خاطر ہر شخص کو کسی روک ٹوک کے بغیر آنے کی اجازت تھی، دیوان عام سے ملحق صحن کی طرف جالی دار کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں، جن سے بیگمات دیوان عام کی کارروائی دیکھا کرتی تھیں۔

دربار میں شہزادوں اور منصب داروں کے کھڑے اور بیٹھنے کے خاص خاص آداب تھے، شہزادہ سلیم ایک گز سے زیادہ قریب اور چار گز سے زیادہ دور کھڑا نہیں ہوتا اور اگر بیٹھتا تو اس کا فاصلہ دو گز سے آٹھ گز تک رہتا، شہزادہ مراد کے کھڑے ہونے کی جگہ چھ گز سے زیادہ دور نہ ہوتی اور وہ بیٹھتا تو بارہ گز سے دور نہ ہوتا، شہزادہ دانیال کی جگہ بھی اسی طرح متعین رہتی، شاہی خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچے زیادہ قریب رہتے، اول درجہ کے منصب دار اس سے پندرہ گز تک کی دوری پر کھڑے رہتے اور پانچ سے بیس گز کے فاصلہ پر بیٹھتے، دوم درجہ کے منصب دار اول درجہ کے منصب داروں سے تین گز دور رہتے اور تیسرے درجہ کے منصب داروں کی جگہ اول درجہ کے منصب داروں سے دس بارہ گز کے فاصلہ پر ہوتی۔(۱)

قلعہ آگرہ کے دربار عام میں علاحدہ علاحدہ کٹگھرے بنے ہوئے تھے، تخت چاندی کے کٹگھرے کے اندر ہوتا، اس کے قریب ہی سنگ سرخ کا کٹگھرا بنایا گیا تھا، جس میں شہزادے، وکیل السلطنت اول درجہ کے منصب دار ہوتے، اسی کٹگھرے کے پاس ایک دوسرا کٹگھرا تھا جو دوم درجہ کے منصب داروں کے لیے مخصوص تھا، اس کے باہر عام لوگوں کی جگہیں ہوتیں، مسلح احدی جا بجا کھڑے رہتے، دروازے پر نقار خانہ ہوتا، نقار خانہ سے تخت تک ۱۲۰ گز کا فاصلہ تھا، نقار خانہ ہی

(۱) آئینِ اکبری ج ۱، ص ۱۰۸-۱۰۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لوگ تعظیم کے لیے جھکتے جاتے، جب کوئی باریابی حاصل کرنا چاہتا تو دو چاؤش دائیں بائیں اس کے ساتھ ہوتے، وہ اپنے ہاتھوں میں زرّیں عصا پکڑے رہتے، جن میں جواہرات ٹکے رہتے، وہ شاہی القاب کو بلند آواز کے ساتھ دہراتے جاتے، جب وہ درجہ دوم کے منصب داروں کے کٹگھرے کے پاس پہنچتے تو یہاں پر باریابی حاصل کرنے والا کورنش وتسلیم بجالاتا، اس کے بعد وہ سنگ سرخ کے کٹگھرے کی طرف بڑھتا جہاں دوسری بار کورنش وتسلیم بجالاتا اور جب تخت کے پاس آتا تو پھر کورنش وتسلیم کے لیے جھکتا اکبر کے زمانہ میں تو یہاں پر آکر سجدۂ تعظیمی بھی کیا جاتا، دربار کی فضا میں مکمل خاموشی رہتی، بادشاہ کا لباس آنکھوں کو خیرہ کردیتا، اُس کی دستار اور سرپیچ میں جواہرات جگمگاتے رہتے جیسا کہ آیندہ باب کی تفصیل سے ظاہر ہوگا امرازرق برق پوشاک زیب تن کیے خاموش ہاتھ باندھے کھڑے رہتے، سب کی نگاہیں نیچی ہوتیں، نظر اٹھا کر بادشاہ کی طرف تاکنے کی اجازت نہ تھی، دربار گلیم (قالین) جاجم، شطرنجی، بلوچی، حصیر، پرتگالی، بانات رومی وکاشانی، گجراتی، زربفت وسنجاب، زرنگار اور مصور پردے سے آراستہ رہتا، زینت وآرائش کی تفصیل آگے بھی آئے گی، عود، عنبر اور دوسری خوشبودار چیزوں سے دربار کی تمام فضا معطّر رہتی، پھولوں کے گلدستے جابجا رکھے رہتے۔

سجدۂ تعظیمی: اکبر کو بعض علمائے سو نے قبلۂ حاجات اور کعبۂ مرادات قرار دیا تو اُس کے تخت کے سامنے سجدۂ تعظیمی کا رواج شروع ہوا(۱)، اس میں اور سلاطینِ دہلی کے عہد کی زمین بوسی میں کچھ تھوڑا ہی سا فرق تھا، اس کے خلاف علما برابر احتجاج کرتے رہے، بالآخر جہاں گیر کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مساعی جمیلہ سے یہ تعظیمی رسم ورواج بند ہوگیا، شاہ جہاں نے بھی دربار میں اس کی ممانعت کردی تھی۔(۲)

دربار خاص: اکبر فتح پور سیکری میں دربار خاص اس عمارت میں کیا کرتا تھا جو یک کھمبہ کے نام سے مشہور تھی، یہ عمارت اب بھی فتح پور سیکری میں دیکھی جاسکتی ہے، اس عمارت کے نیچے ایک منقش ستون ہے، اس کے نیچے کا پایہ مربع شکل کا ہے، اس کے اوپر ستون کا حصہ چوکور ہے، اس میں

(۱) آئینِ اکبری ج۱، آئین ۷۲ص ۱۰۷ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۵۵۔ (۲) بادشاہ نامہ ج۱،ص ۱۱۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت نقش ونگار ہیں اوپر چاروں گوشوں پر چار لٹو نکلے ہیں، اس سے اوپر کا حصہ ہشت پہل ہے اور ہر گوشہ میں ایک نفیس ابھرا ہوا پھول زینت کے لیے بنایا گیا ہے، اس سے اوپر ستون گول کر دیا گیا ہے، اس میں خوشنما لہریہ دار بیل بنا کر ۱۶ پہل قائم کیے گئے ہیں، جس کے اوپر ایک گول پایہ ہے، اس کے اوپر ایک خوشنما لٹو دار توڑے لگا کر چھت پاٹی گئی ہے، پھر اس پٹاؤ کے کناروں پر ۳۲ توڑے قائم کر کے ایک اور چوڑا پٹاؤ دیا ہے، اس کی چھت کے اطراف میں دوسری قسم کے توڑے نصب کر کے ان کے اوپر گول دائرہ نما چھت پاٹی ہے، یہی نشیمن ظل الٰہی تھا، یعنی اس شہ نشین پر اکبر تخت پر بیٹھ کر دربار خاص کیا کرتا تھا، شہ نشیں سے ملحق پتھر کی پٹیاں رکھ کر ایک پل بنایا گیا ہے، اسی کے برابر دیوار میں چاروں طرف توڑے قائم کر کے اُن کی چھت پر ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک گیلری نما راستہ ہے، جب اکبر کا تخت شہ نشیں پر رکھا جاتا تو چاروں گوشوں پر چار وزیر اور گیلری میں خاص خاص امرا دست بستہ کھڑے رہتے، جس کسی کو بادشاہ سے کچھ عرض کرنا ہوتا یا اکبر خود کسی کو بلاتا تو وہ نہایت ادب کے ساتھ پل پر سے گذر کر تخت کے برابر حاضر ہو جاتا۔ (۱)

دربار خاص کے لیے غسل خانہ کی بھی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی، کہ اکبری عہد میں آگرہ کے قلعہ میں دیوان عام اور محل سرا کے درمیان اکبر کے لیے ایک غسل خانہ بنایا گیا تھا، جہاں وہ غسل کیا کرتا، غسل کے بعد اسی سے متصل ایک ''خلوت کدہ'' میں خاص خاص امرا دیوان اور بخشی کو بلا کر ملکی امور پر مشورے کیا کرتا تھا، اس دربار خاص کا نام غسل خانہ پڑ گیا، جہانگیر کے زمانہ میں بھی یہی نام رہا لیکن شاہ جہاں نے اس کا نام دولت خانہ خاص (۲) رکھا جو دیوان خاص کے نام سے مشہور ہو گیا۔

شکوہِ دربار: ابوالفضل کے بیان کے مطابق دربار میں چار چیزوں کا ہونا ضروری تھا، اُن سے غیر معمولی شکوہ پیدا ہو جاتا۔

۱- اورنگ ۲- چتر ۳- سائبان ۴- کوکبہ، آئینِ اکبری میں ان سب کی تصویریں دی

---

(۱) یک کھمبہ کی تفصیل کے لیے دیکھو آگرہ از ڈاکٹر عبداللطیف ص ۱۳۷، تاریخ فتح پور سیکری از محمد سعید مارہروی ۱۰۱-۹۸ کیمبرج، ہسٹری آف انڈیا ج ۴، ص ۵۴۳۔ (۲) بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی ہیں۔

اورنگ: اورنگ تخت کو کہتے ہیں، اس کی شکل دو طرح کی ہوتی، ایک تو آٹھ چھوٹے چھوٹے پایوں پر ہشت پہل شکل کا ہوتا، جو چاروں طرف گھیر دیا جاتا، سامنے کھلا رہتا تاکہ اس راستہ سے جاکر اندر بیٹھا جاسکے، پیچھے ٹیکنے کے لیے کرسی نما دیوار ہوتی، جس سے ایک تکیہ لگا رہتا، اسی کے ساتھ ملی ہوئی ایک چھتری لگی رہتی، اورنگ کی دوسری شکل یہ تھی کہ آگے چار پایہ کی کرسی ہوتی جس پر پاؤں رہتا، پھر بیٹھنے کی جگہ مستطیل ہوتی، ٹیکنے کے لیے جو حصہ ہوتا وہ نصف دائرہ کی شکل کا ہوتا، اس کے چاروں کونوں پر چار ستون ہوتے، اوپر ڈھلوان ہوتی اور یہ سب چار پائے پر کھڑے ہوتے، اس کے اوپر چار ستونوں پر مستطیل چھت ہوتی، اورنگ چاندی اور سونے کے بنائے جاتے اور بہت ہی مرصع ہوتے، جہاں گیر نے اپنے لیے سیاہ رنگ مرمر کا بھی ایک تخت بنا رکھا تھا جو اب تک آگرہ کے قلعہ میں پڑا ہوا ہے، یہ دس فٹ ساڑھے سات انچ لمبا ۹ فٹ دس انچ چوڑا اور چھ انچ موٹا ہے، زمین سے ایک فٹ چار انچ بلند ہے، اس میں حسب ذیل اشعار لکھے ہوئے ہیں:

چوں شاہ سلیم وارث تاج و نگین ☆ بر تخت نشست و بست گیتی آئین
شد اسم مبارکش جہاں گیر چو ذات ☆ وز نور عدالت بنقش نور الدین
بادشاہی کہ تیغ او سازد ☆ چوں دو پیکر سر عدو بدو نیم
باشد ایں تخت گاہ فرخندہ ☆ تکیہ گاہ خدا یگانِ کریم
محک خسرواں پائی ملک ☆ مہر و مہ را عیار بر زرو سیم
مسند با صفا ز نور وضیا ☆ گوہر بے بہا چو در یتیم
پے تاریخ او بفکر شدم ☆ مددے جستم از خدائے حکیم
تا فلک تخت گاہ خورشید است ☆ گفت ماند سریر شاہ سلیم

پھر اس کے ایک طرف یہ شعر ہے:

سریر حضرت سلطاں سلیم اکبر شاہ ☆ ہمیشہ باد مزین بنور مہر اللہ

اور اس کے نیچے یہ عبارت ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اسم سامی پیش از جلوس شاہ سلیم وبعد ازاں نورالدین محمد جہاں گیر بادشاہ غازی۔''

بلند مرتبہ باد ازفلک را حکم اللہ ☆ سریر شاہ جہاں گیر ابن اکبر شاہ

ٹیورنیر کا بیان ہے کہ مغل بادشاہوں کے پاس سات قسم کے تخت تھے، ایک تو ہیرے کا تھا اور بقیہ تخت لعل، زمرد اور موتیوں کے تھے(۱)

چتر: چتر ایک قسم کی بیش قیمت چھتری تھی، جس میں کم از کم سات جواہرات ضرور ہوتے پھر اور دوسرے قسم کے جواہرات لگا کر اس کو مرصع کیا جاتا، اس کے جھالروں میں مروارید اور جواہرات جھلمل کرتے رہتے، دربار میں تخت کے دونوں طرف دو چتر رکھے جاتے۔

سائبان: سائبان بیضاوی شکل کا ہوتا، اس کی لمبائی ایک گز ہوتی، اس کا دستہ چتر ہی کے ایسا ہوتا، اوپر مخمل زرباف اور زربفت لگائے جاتے، یہ سواری کے وقت خاص بردار رکاب کے برابر لے کر چلتے تھے، آفتاب کی تمازت اس سے روکی جاتی، اسی لیے اس کو آفتاب گیر بھی کہتے۔

کوکبہ: یہ نشانِ بادشاہت دربار میں لٹکا رہتا، (۲) ان تمام چیزوں کی تصویریں آئینِ اکبری میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

نقارخانے: نقارخانہ بھی لوازم بادشاہت میں تھا، یہ عام طور سے محل یا دربار کے دروازہ پر ہوا کرتا تھا، نقارخانے میں دمامہ، دہل، کرنا، سرنا، نفیر، سینگ اور سنج بجائے جاتے۔ (۳) محل کے سامنے آفتاب نکلنے کے ایک گھڑی کے بعد دمامے (گورکہ) بجائے جاتے، پھر نفیر وکرنا وغیرہ کی آواز گونجتی، اس کے بعد سرنا بجایا جاتا، جس میں نغمے کا پورا آرٹ دکھایا جاتا، ایک گھڑی اور گذرنے کے بعد نقارے (یعنی دمامے) خاص خاص اصولوں کے ساتھ بجائے جاتے، اس کے بعد سرنائی اپنا کمال دکھلاتے۔

---

(۱) بیان ٹیورنیر ضمیمہ سفرنامہ برنیر انگریزی ج ۱۹۲، ص ۱۷۰۔ (۲) آئین اکبری، آئین ۱۹ ص ۲۹، (۳) ان باجوں کی تفصیل خاکسار مؤلف نے اپنی کتاب ''ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں فوجی نظام'' میں بھی بیان کی ہے نیز دیکھو آئین اکبری، آئین ۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ جہانی دربار: شاہ جہاں نے اپنے اعلا اور پاکیزہ ذوق سے دیوان عام اور دیوان خاص کی عمارتوں میں ایسا تعمیری حسن پیدا کر دیا تھا کہ ان کی زینت و آرائش کر دی جاتی تو معلوم ہوتا کہ فردوس بریں کا کوئی ٹکڑا فرش زمیں پر لا کر رکھ دیا گیا ہے، آگرہ کے دیوان عام کی لمبائی ۱۹۲ فٹ اور چوڑائی ۶۴ فٹ ہے، یہ سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے جس میں آڑے ترچھے عالی شان دالان بنے ہوئے ہیں، چاروں طرف چھجہ لگا ہوا ہے، اس کی چھت اور کھمبوں پر اعلا درجہ کے نقش و نگار تھے، جواب کہیں نظر نہیں آتے، اس کے اندر مشرقی رُخ پر ایک شہ نشیں رکھا ہوا ہے جس کے تین در سنگِ مرمر کے ہیں، اس میں پچی کاری بہت خوبی سے کی گئی تھی، اس پر کھڑے ہو کر وزرا رعایا کے معروضات پیش کرتے تھے۔

دہلی کے لال قلعہ کے دیوان عام کا دالان ۶۷ گز لمبا اور ۲۴ گز چوڑا تھا، اس کی چھت کی اونچائی ۳۰ فٹ ہے، پوری عمارت سنگ سرخ سے بنائی گئی تھی اور اس میں سونے کا کام بھی تھا اسی میں کرسی دار اورنگِ ظل الٰہی تھا، سنگِ مرمر کا چار گز مربع کا ایک بنگلہ تھا، جو چار ستونوں پر تھا، اس کے پیچھے سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک پیش طاق تھا، نشیمن ظل الٰہی اور پیش طاق میں طرح طرح کے رنگین اور بیش قیمت پتھر لگے تھے اور ان دونوں میں منبت کاری اور پرچین سازی سے طرح طرح کے بیل بوٹے تراشے گئے تھے، ان میں جانوروں اور پرندوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں، پیش طاق کے پیچھے دروازے ہیں، اسی راستہ سے شاہ جہاں آ کر تخت پر بیٹھتا۔

تخت کے سامنے ایک خوب صورت چوکی اب بھی رکھی ہوئی ہے، اس میں بھی پرچین سازی ہے، جب کبھی کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تو اجازت حاصل کر کے اس پر قدم رکھتا اور پایۂ تخت کو بوسہ دے کر آداب بجالاتا اور کچھ عرض کرتا، اس کے دونوں طرف دو جھروکے ہیں، جن سے بیگمات دربار کا نظارہ کرتی تھیں۔

دیوان عام کا ہال تین طرف سے کھلا ہوا ہے، صرف ایک طرف دیوار ہے، اس کے اندر تین قطاریں سات دروں کی ہیں، ہر در میں چار چار ستون چھ چھ فٹ کے فاصلے پر ہیں، جن پر بنگڑی دار محرابیں ہیں، ہال کے آگے دس بڑے ستون ہیں جن کی محرابیں بھی بنگڑی دار ہیں، ہال کے تین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانب سیڑھیاں ہیں، پانچ سامنے اور سات ادھر اُدھر۔

شاہ جہاں فجر کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب کے بعد درشن کے لیے جھروکے پر آجاتا جہاں دو گھڑی (یعنی ۴۸ منٹ) رہتا، رعایا اس کو دیکھ کر خوش ہوتی اور اپنی شکایتیں پیش کرتی جن کو متصدی قلم بند کر لیتے اور دربار عام یا دربار خاص میں پیش کرتے، اسی جھروکہ سے وہ ہاتھیوں اور درندوں کی تفریحی لڑائی بھی دیکھا کرتا تھا، وہاں سے سات بج کر چالیس منٹ پر دیوان عام میں آتا جہاں کا دربار اصطلاحاً دیوان عام وخاص کہلاتا۔

تعمیری حسن کے ساتھ اس کے ہر درجہ کی زینت و آرائش طرح طرح کے اعلا فرش و فروش سے کی جاتی، کشمیر اور لاہور کے قالین ہر نشیمن میں بڑی نفاست اور لطافت سے بچھے رہتے، حجروں اور ایوانوں کے دروں پر طلا دوزی، ''وہ یک دوزی'' کلابتون دوزی'' اور مخمل اور زربفت کے گجراتی پردے لٹکے رہتے، ہر جگہ مسند بچھی رہتی جس پر ایک گاؤ تکیہ رہتا، اس کے غلاف میں ''لالی متلالی'' ہوتا دربار کے تین طرف چاندی کے کٹھرے ہوتے، جھروکے کے سامنے سونے کا کٹھرا تھا، ہر طاق میں زریں کوکبہ طلائی زنجیر کے ساتھ آویزاں رہتا، تخت کے سامنے ایک زرنگار شامیانہ لگایا جاتا جو موتیوں سے مرصع رہتا اور تخت کے دونوں طرف دو چتر ہوتے جن میں ترصیع و آرائش کے ساتھ قیمتی موتی لگے ہوتے، تخت کے پیچھے طلائی صندلیاں ہوتیں، اُن کے اوپر جواہر نگار شمشیریں، مرصع ترکش اور نیزے رکھے رہتے، ایوان کی چھتوں، ستونوں، دروازوں اور دیواروں میں مخمل اور زربفت کے زرنگار، فرنگی، چینی اور گجراتی پردے لگے ہوتے جن میں کلابتون اور بادلہ کی بڑی کاریگری ہوتی، ایوان کے سامنے صحن میں مخمل اور زربفت کی ایک بارگاہ کھڑی کی جاتی اور اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے نقرئی خیمے لگائے جاتے۔(۱)

دربار میں بڑے عہدہ دار، درباری اور لشکری ترتیب کے ساتھ کھڑے ہو کر بادشاہ کی آمد کا انتظار کرتے رہتے، ان کی نظریں تخت پر جمی رہتیں، شاہ جہانی عہد میں تخت کے پاس سونے کا ایک کٹھرا بھی بن گیا تھا، شہزادے تخت کے دائیں بائیں طرف کھڑے رہتے، اگر بیٹھنا چاہتے تو اجازت لینی پڑتی، جہاں گیر نے شاہ جہاں کے لیے دربار میں ایک طلائی کرسی رکھوائی تھی،(۲)

---

(۱) مآثر الامراء ج ۳، ص ۶۸-۶۶۲ (۲) تزک جہانگیری ص ۱۹۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی خصوصیت کا اظہار اپنے دور میں شاہ جہاں نے دارا شکوہ کے لیے کیا تھا، اہم ارکان سلطنت تخت کے دائیں بائیں اپنے مناصب اور رتبے کے لحاظ سے کھڑے ہوتے، ان کے ارد گرد قورچی شاہی جھنڈے اور علم لیے کھڑے رہتے، اُن کی پشت دیوار کی طرف ہوتی، ایوان میں وہ کٹگھرے ہوتے، ایک چاندی کا اور ایک لکڑی کا، چاندی کے کٹگھرے میں دوصدی سوار سے اوپر کے منصب دار کی جگہیں متعین ہوتیں، لکڑی کے کٹگھرے میں دوصدی سوار سے کم درجے کے منصب دار ہوتے، ان حدود میں تین پھاٹکوں سے ہو کر داخلہ ہوتا تھا، جہاں گرز برداروں کا پہرہ ہوتا تھا۔

بادشاہ دربار میں آتا تو ''زندہ باد'' ''سلامت باشد'' کے نعرے لگائے جاتے، تخت کی کرسی آدمی کے قد سے زیادہ اونچی ہوتی، اس لیے زینے بھی بنے ہوئے تھے لیکن صرف وزیر اور میر بخشی کو تخت کے زینے پر چڑھنے کی اجازت تھی، بقیہ امرا تخت سے دور کھڑے رہتے اور احترام کا اظہار زمین بوس ہو کر اور چار تسلیم بجالا کر کرتے، زمین بوسی میں امرا اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین کو چھوتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو پیشانی تک لے جاتے، شاہ جہاں نے زمین بوسی بھی رکوادی تھی، چار تسلیم میں درباری جھک کر اپنی پیشانی، آنکھوں اور دونوں بازوؤں کو ہاتھوں سے چھوتے، علما اور فضلا تسلیم بجالانے سے مستثنیٰ تھے اور صرف السلام علیکم کہنے پر اکتفا کرتے، اگر بادشاہ کسی سے کوئی بات کرنا چاہتا تو اس کی طرف اشارہ کرتا، گرز بردار تعظیمی الفاظ زور سے بلند کرتا ہوا اس کو اپنے ساتھ لے جا کر تخت کے سامنے کھڑا کر دیتا، وہ چار تسلیم کر کے تعظیم بجالاتا اور نہایت ادب سے بادشاہ کی باتیں سننے کا منتظر رہتا اگر بادشاہ اس کو کوئی خلعت عطا کرتا تو وہ اس کو جھک کر اٹھالیتا اور انتہائی تعظیم سے پیچھے ہٹتا ہوا اپنی جگہ پر واپس آجاتا، تخت کی طرف پیٹھ کرنا بدتمیزی سمجھی جاتی۔

بادشاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی پہلے میر بخشی منصب داروں کی عرض داشتیں پیش کرتا اور ان منصب داروں کو سامنے لاتا جن کی ترقی ہونے کو ہوتی جو منصب دار باہر بھیجے جاتے، اُن کو خلعت عطا کیا جاتا اس کے بعد صدر کل کی طرف سے سادات علما اور صلحا وغیرہ کی درخواستیں پیش ہوتیں اور اُن کے وظائف مقرر ہوتے، میر سامان بائیں طرف کھڑا رہتا، وہ اور دیوانِ بیوتات اپنے اپنے شعبوں کے کاغذات پیش کرتے، اس کے بعد داروغۂ عدالت کے بعد میر آتش اور داروغۂ توپ خانہ اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شعبوں کے معاملات پیش کرتے، پھر دربار کے معزز منصب داروں اور صوبوں کے حاکموں کے تحفے دیوان اور بخشی نذرانوں میں گذرانتے اور اُن کی عرض داشتوں سے بادشاہ کو باخبر کرتے، بادشاہ اُن کو خود پڑھتا اور ان پر احکام جاری کرتا اور جب یہ دربار ختم ہو جاتا تو صحن میں شاہی اصطبل کے داروغہ اور داغ اور تصحیحہ کے نگراں معائنہ کے ہاتھی اور گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کرتے، پہلے خاصے کے چند گھوڑے ملاحظہ کے لیے گذرتے تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ اُن کی نگاہ داشت خاطر خواہ ہو رہی ہے، پھر ہاتھیوں کی باری آتی جن کو خوب نہلا دھلا کر اُن کے جسم پر کچھ مسالہ مل دیا جاتا تھا اس سے اُن کے جسم میں چمک پیدا ہو جاتی تھی پھر اُن کے مستک سے سونڈ کے سرے تک دو سرخ لکیریں سیندور سے کھینچی جاتی تھیں، جن کی پیٹھ پر سے دونوں طرف چاندی کی ایک زنجیر سے دو نقرئی گھنٹے آویزاں رہتے تھے، تبت کی گائے کی سفید براق میں ہاتھی کے کانوں سے ایسی لٹکی رہتی تھیں جیسے کہ بڑے بڑے گل مچھے ایک بڑے گراں ڈیل ہاتھی کے دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھی اسی طرح بنے سنورے اس کے بغل میں بطور خواص چلتے تھے، ایسا معلوم دیتا کہ جیسے دو نوکر حاضر خدمت ہیں، ہاتھی قدم تولتے خراماں خراماں قدم دھرتے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ جانور بھی اپنے بناؤ سنگار سے باخبر ہیں، جب تخت کے سامنے سے گذرتے تھے تو مہاوت آنکس سے اشارہ کرتا تھا اور ہاتھی فوراً ایک پاؤں ٹیک کر سونڈ اوپر کر کے ایک چنگھاڑ مارتا تھا اور یہی ہاتھیوں کا مجرئی بجالانا سمجھا جاتا تھا، اس کے بعد دوسرے جانور باری باری گزرتے تھے، ان میں سدھائے ہوئے لڑنے والے ہرن ہوتے تھے جن پر کارچوبی جھولیں پڑی رہتی تھیں، گینڈے اور بنگال کے ارنے بھینسے بھی ہوتے تھے، جو شیروں کا مقابلہ کرتے تھے، شکاری چیتے بھی ہوتے جن کے سروں پر ٹوپیاں گلے میں زریں پٹے اور چاندی کی زنجیریں پڑی رہتی تھیں، ازبک کے شکاری کتے، پرند، باز، شاہین وغیرہ بھی پیش کیے جاتے، تیتر، بٹیر سارس اور خرگوش بھی باری باری گذرانے جاتے، ایک دو امرا کی جمعیت بھی بطور مارچ پاسٹ گزرتی تھی، سواروں کی نکلل وردیاں عجیب منظر پیش کرتیں، گھوڑے مغرق زین اور بے شمار ساز و زیورات سے لدے رہتے، وہ نیزے تلوار کے کرتب دکھاتے، وہ گھوڑوں کو اچھالتے، کداتے اور اپنی پھرتی کے جوہر دکھاتے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ ان کو غور سے دیکھتا، کسی کو ترقی ملتی تھی تو کسی کی تنزلی بھی ہوتی تھی۔(۱)

ان تمام کارروائیوں میں پانچ گھڑی یعنی دو گھنٹے لگتے، یہاں سے بادشاہ دیوان خاص میں جاتا، دیوان خاص میں شاہ جہاں دربار خاص کیا کرتا تھا، آگرہ کا دیوان خاص سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا، شاہ جہاں نے اس کو ۱۶۳۷ء میں بنایا، پہلے اس میں سنگ مرمر کا فرش تھا، اب یہ ضائع ہو چکا ہے، اس کے اندر لمبائی ۳۷ فٹ اور چوڑائی ۲۳ فٹ ہے، اس کا دوسرا حصہ ۴۰ فٹ لمبا اور ۲۶ فٹ چوڑا ہے، اس میں حسب ذیل اشعار لکھے ہوئے ہیں، جن سے اس کی شان وشوکت کا بھی اندازہ ہوگا۔

بعض اشعار کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس دلکشا اور اعلا قصر کی وجہ سے اکبرآباد کا سر عرش سے جالگا ہے، اس کا کنگرہ آسمان کی پیشانی دکھائی دیتا ہے، اس محل کے سجدہ کرنے سے تقدیر کھل جاتی ہے، یہاں بزرگی ہے، نیک بختی ہے، ظلم بند ہوگیا ہے کیوں کہ یہاں زنجیر عدل ہے، شاہی پیش طاق پر ہزاروں شان وشوکت ہیں، ایسی رونق اور زینت روئے زمین پر کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔

ازیں دلکشا قصرِ عالی مقام ☆ سر اکبر آباد شد عرش سا
بود کنگرش از جبین سپہر ☆ نمایاں چو دندان سیمیں سپہر
سجودہ زآہن سر اے سرور ☆ کند سرنوشت از جبیں ہائے دور
شرف آں کہ آں درخشانِ او ☆ سخاوت درآغوشِ ایوان او
رہِ جور را بیش وکم بستہ است
بزنجیر عدلش ستم بستہ است

یہاں اب بھی دو تخت رکھے ہوئے ہیں، ایک سنگِ موسیٰ کا اور ایک سنگِ مرمر کا ہے، سنگِ موسیٰ کا تخت جہاں گیر نے بنوایا تھا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، سنگ مرمر کا تخت شاہ جہاں کا بنوایا ہوا ہے، ان دونوں تختوں پر سنگ مرمر کی نہایت عمدہ بارہ دری کی چھت بنی ہوئی تھی جو جاٹ لوٹ کر لے گئے۔

دیوان خاص میں شاہ جہاں دربار خاص کیا کرتا تھا، لال قلعہ دہلی کا دیوان خاص ۳۴ گز لمبا

---

(۱) سفرنامہ برنیئر [illegible]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ۲۶ گز چوڑا ہے اور پوری عمارت سنگ مرمر کی ہے، اس کی چھت مسطح اور محرابیں بنگڑی دار ہیں، اس میں بتیس ستونوں کی دہری قطار ہے، ان ستونوں میں چوبیس تو چار چار فٹ مربع ہیں اور باقی آٹھ ۴×۲ کے ہیں، اس کی مشرقی دیوار کے دروں میں سنگِ مرمر کی نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں، ہال کی چھت کے چار کونوں پر کھلی ہوئی برجیاں ہیں، جن پر چھتریاں اور چار چار سوتون ہیں اور اوپر سنہری کلس ہیں، ہال مستطیل ہے، عمارت کے عرض میں جو ستون ہیں وہ لمبان کے ستونوں کے بہ نسبت پتلے ہیں لیکن نقش اور کاریگری میں سب برابر ہیں، باہر کے ستونوں پر صرف اندر کے تین برجوں پر کام کیا ہوا ہے، اندر کے ستون از سرتاپا چاروں طرف منقش ہیں، ہر ستون کے تین حصے ہیں، نیچے کے دونوں حصے برابر ہیں لیکن بالائی حصہ اُن سے ایک تہائی کا ہے، نیچے کے حصوں میں پھول، درختوں کے لمبے لمبے پتے اور اوپر کے حصہ میں مختلف اقسام کے بیل بوٹے ہیں، محرابوں کے اندرونی رُخ روکار اور درسب پر پھول پتوں اور بیلوں کے نقش ونگار اور پچے کاری کے کام ہیں، جن میں انواع واقسام کے قیمتی اور خوبصورت پتھر، سبز، زرد، نیلے، سرخ، گلابی، کشمشی زعفرانی وغیرہ بہت ہی نفاست سے بٹھائے گئے ہیں، اس میں سے ایک بارہ فٹ چوڑی نہر بہتی تھی، جس پر سنگ مرمر کی سلیں ڈھکی رہتی تھیں، ہال کا اندرونی کمرہ ۴۸×۲۷ فٹ ہے، جس میں بارہ ستون ہیں، وہاں ایک سنگ مرمر کا چبوترہ رکھا ہوا ہے جس پر تخت طاؤس رکھا جاتا تھا، اس ایوان کی کارنس کے نیچے کمرے کی چوڑان میں کونے کی محرابوں پر چھوٹی مستطیل تختیوں پر سعد اللہ خاں کا یہ مشہور شعر خوشنویس عبدالرشید کا لکھا ہوا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است ☆ ہمیں است وہمیں است ہمیں است

شاہ جہاں کی تمام عمارتوں میں یہ عمارت اپنی نفاست، کاریگری، صناعی اور آراستگی کے لحاظ سے بے مثل ہے، (۱) یہ ۴۸-۱۶۳۹ء (مطابق ۵۸-۱۰۴۸ھ) کی تعمیر ہے۔

اسی دیوان خاص میں تخت طاؤس رکھا رہتا تھا، جس کا مفصل ذکر آگے جا بجا آئے گا لیکن

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو آثار الصنادید حصہ دوم ص ۴۰ واقعات دارالحکومت دہلی، از بشیر الدین احمد دہلوی ص ۶۱-۵۸، انڈین ارکی ٹکچر (اسلامک پیریڈ) از پرسی براؤن۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں پر اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ فرانسیسی سیاح برنیر نے اس کو دور سے دیکھا تھا تو بہت حیرت زدہ ہوا تھا، اسی حیرت میں وہ لکھتا ہے کہ "اس تخت کے ٹھوس سونے کے چھ بڑے بڑے پایے تھے جن پر لعل، زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے تھے، اس تخت میں جو بے شمار جواہرات تھے ان کی لا متناہی قیمت یا تعداد بیان کرنے سے قاصر ہوں، کیوں کہ کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ اس کو قریب سے جا کر دیکھے لیکن میرا قیاس ہے کہ اس کی قیمت چار کروڑ روپے ہوگی، اس میں جواہرات اس غرض سے لگائے گئے ہیں کہ لوگوں کو اندازہ ہو کہ جب اتنے جواہرات ایک تخت میں لگے ہوئے ہیں، تو خزانہ کیسا مالا مال ہوگا، (۱) اس تخت کے دونوں کناروں پر دو مور تھے اور اُن کی دم میں جتنے رنگ ہوتے اُن میں اتنے ہی رنگ کے جواہرات لگے تھے اور دونوں مور کے بیچ میں ایک طوطا بھی تھا جو زمرد سے تراش کر بنایا گیا تھا۔

دیوان خاص کے دروازہ کے آگے لال پردہ تنا رہتا تھا، جہاں پر امرا دربار کے وقت آ کر تسلیم بجالاتے تھے، یہاں وہ کام انجام پاتا جو دیوان عام کے کھلے دربار میں انجام پانے کے قابل نہ ہوتا، اس وقت صرف وکیل، وزیر، دیوان اور مخصوص امرا ہوتے، ضرورت مندوں کی مدد معاش کی منظوری یہیں سے دی جاتی، مصوری اور جواہرات کے نادر نمونے بھی اسی وقت پیش کیے جاتے داروغۂ عمارت مختلف شاہی عمارتوں کے نقشے بھی اسی وقت پیش کرتا باہر سے جو باز، شکرے اور چیتے آتے وہ بھی یہیں آ کر نذر کیے جاتے، بادشاہ یہاں سے اٹھ کر شاہ برج میں آتا، جہاں صرف شاہ زادے اور خاص امرا ہوتے، تمام پوشیدہ احکام یہیں سے بھیجے جاتے، نماز عصر کے بعد بادشاہ دیوان خاص میں پھر آجاتا، جہاں انتظامی امور کے متعلق کچھ اور مشورے کرتا، اس وقت کبھی موسیقی سن کر یا ہرنوں کی لڑائی دیکھ کر تھوڑی تفریح بھی کر لیتا اور دیوان خاص میں جب بڑی بڑی قندیلیں روشن کی جاتیں تو اُن کی روشنی سے زربفت اور کمخواب کے پردے اور فرش فروش جگمگا اٹھتے۔

تسبیح خانہ: دیوان خاص سے ملا ہوا ایک حصہ تسبیح خانہ کہلاتا، جہاں عدل کی ترازو لگی ہوئی تھی اور تاروں کے جھرمٹ میں سے سے چاند نکلتا ہوا دکھلائی دیتا تھا، یہ ترازو بادشاہ کو یاد دلاتی رہتی کہ اگر

(۱) سفرنامہ برنیر ص ۲۶۸، انگریزی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ واقعی اپنے کو ظل اللہ فی الارض سمجھتا ہے تو کبھی انصاف کو نظر انداز نہ کرے، تسبیح خانہ کے تین کمرے دیوان خاص کے سامنے ہیں، جن کے پیچھے اور تین کمرے خواب گاہ کے نام سے موسوم ہیں اور خواب گاہ سے ملا ہوا ایک کمرہ توشک خانہ کہلاتا، جس کا ذکر آگے آئے گا، یہ تینوں عمارتیں دیوان خاص کے برابر ہیں ان کمروں اور دیوان خاص کے درمیان سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے، اس کے پیچھے خواب گاہ معلیٰ کا ایک دالان ہے، یہی اصلی تسبیح خانہ تھا، یہاں تخلیہ میں خاص خاص امرا سے گفتگو کی جاتی۔

جشن مہتابی: چاندنی رات میں دیوان عام کے سامنے جشن مہتابی منایا جاتا، سفید مخمل کا فرش ہوتا، قالین بھی سفید بچھائے جاتے، دیواروں پر سفید اطلس، زربفت اور کمخواب کے پردے لٹکائے جاتے، روشنی بلوریں شیشوں میں کی جاتی، چمن اور درخت کے پتے اور پھول بھی سفید ہوتے، روشوں پر سفید گھاس کا اہتمام کیا جاتا، درباریوں کا لباس بھی سفید ہوتا، یہاں تک کہ اُن کی انگوٹھیاں بھی چاندی کی ہوتیں جن میں ہیرے جگمگاتے رہتے، غرض کہ ہر طرف دریائے مہتاب ہی لہراتا نظر آتا تھا۔(۱)

جشن جلوس: تخت نشینی کے موقع پر شان وشوکت کا پورا مظاہرہ کیا جاتا اگر عجلت میں تخت نشینی ہوتی تو یہ رسم بڑی سادگی سے کہیں ادا ہو جاتی لیکن عام طور سے پورے تزک واحتشام سے منعقد کی جاتی۔

علاءالدین کی تاج پوشی: علاءالدین خلجی نے کڑہ مانک پور میں اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تو پہلے اپنے مقرب درباریوں کو خطابات سے سرفراز کیا، اپنے حاشیہ نشینوں کو جو امیر نہ تھے، امارت کے مرتبہ تک پہنچایا، اُن کو جاہ ومنصب اور جاگیریں دیں، ان کو مطمئن کر کے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا اور دیوگڑھ کے خزانہ کو ہمراہ لے کر برسات کے موسم میں کڑہ سے دہلی روانہ ہوا، اثنائے راہ میں داد ودہش کی بوچھار کر دی، روزانہ بارگاہ میں بیٹھ کر

---

(۱) ان تمام تفصیلات کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۴۸-۱۵۲ عمل صالح جلد اول ص ۲۴۸-۴۹، آثار الصنادید جلد دوم ص ۸-۱۴ دی سنٹرل اسٹرکچر آف دی مغل امپائر از ابن حسن ص ۷۳-۸۳ ہسٹری آف شاہ جہاں آف دہلی ص ۲۴۶، ۲۳۸ معارف نمبر۱ جلد ۷۶، واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۶۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص وعام سب کو حاضری کا موقع دیتا تھا، اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں کی تھیلیاں اور بیش قیمت چیزوں سے لدی ہوئی اونٹوں کی قطار در قطار لوگوں کو تحفہ میں دے دیتا تھا، شاہی سراپردہ کے قریب ایک ترازو نصب کردی گئی تھی اور پانچ من اشرفیاں اور روپیہ تول کر صبح وشام لوگوں میں تقسیم کیے جاتے تھے، اسی طرح دہلی میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ داخل ہوا، جس کے بعد وہ کوشک لعل میں آکر تخت پر جلوس کیا، کوشک لعل ہی کو وہ اپنا دارالخلافت بنا کر تین دن جشن عیش وعشرت میں مشغول ہوا، رعایا نے بھی شہر میں آئینہ بندی کی اور جابجا عیش وعشرت کی محفلیں گرم ہوئیں، اس دھوم دھام کی وجہ سے جلال الدین خلجی کے بے گناہ مارے جانے کا غبار لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا، اس داغ کو دور کرنے کی خاطر علاء الدین خلجی نے اپنے حامیوں کو طرح طرح کی عنایتوں سے نوازا، خواجہ خطیر کو وزیر الممالک بنایا، قاضی صدر الدین شیخ الاسلام بنائے گئے، ملک اعز الدین کوتوال شہر کے عہدہ پر مامور ہوا، ملک فخر الدین کوچی کو داد بیگی، ظفر خاں کو عارض ممالک، ملک جلال الدین بیگ کو اخور بیگ اور ملک برن کو نائب باربک کے عہدوں پر فائز کیا گیا، وغیرہ، علاء الدین نے اوقاف کی آمدنی اہلِ استحقاق کو دے کر اُن کو بھی راضی کیا اور تمام شاہی ملازمین کو چھ مہینہ کی تنخواہ پیش گی دے کر خوش کیا۔(۱)

محمد تغلق کی تاج پوشی: غیاث الدین تغلق کی وفات ۷۲۵ھ (مطابق ۱۳۲۵ء) میں ہوئی تو محمد تغلق نے تین دن تک سوگ منایا، چوتھے دن تغلق آباد میں تخت پر بیٹھ کر اپنے کو محمد شاہ کے نام سے موسوم کیا، چالیس دن کے بعد نیک ساعت میں تغلق آباد سے دہلی روانہ ہوا تو راستوں اور گلیوں میں زینت وآرائش کا پورا انتظام کیا گیا، جابجا قبے بنائے گئے، شادیانے بجے، بازاروں کو رنگ برنگ کے کپڑوں سے آراستہ کیا گیا، سلطان کی سواری کے ساتھ ہاتھیوں پر اشرفیاں اور روپے لدے تھے، امراان روپیوں اور اشرفیوں کو سلطان پر سے تصدق کر کے ہر طرف گلیوں اور کوٹھوں پر پھینکتے جاتے تھے، مورخوں کا بیان ہے کہ اس روز اس قدر سونا اور چاندی سلطان پر نچھاور کیا گیا کہ دہلی کے فقرا گداگری سے بے نیاز ہوگئے، عام لوگوں کی پگڑیاں تھیلیاں اور مٹھیاں بھی چاندی سے بھر

(۱) تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۰۲-۱۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئیں، پھولوں کی بھی اتنی بارش ہوئی کہ دہلی پھولوں کے انبار سے گلستاں بن گئی چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے، غلام، لونڈیاں، ہندو اور مسلمان سب ہی سلطان کو دعائیں دے رہے تھے، ہر گھر سے دف اور ڈھولک کی آواز بلند ہو رہی تھی، عورت اور مرد سب نغمے الاپ رہے تھے، اس سلسلہ میں سلطان کی داد و دہش بہت دنوں تک جاری رہی، اس نے تتار خاں کو بہرام خاں کا خطاب دیا اور سوزنجیر ہاتھی ایک ہزار گھوڑے ایک لاکھ اشرفیاں اور چتر و دورباش عطا کر کے سنار گاؤں اور بنگالہ کا حاکم مقرر کیا ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ ملک الملوک عماد الدین ریحانی کو ستر لاکھ اور اپنے استاذ مولانا عضد الدین کو چالیس لاکھ تنکے دیے۔(۱)

فیروز شاہ تغلق کی تاج پوشی: سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد امرا نے اس کے بھتیجے فیروز شاہ تغلق کو بالاتفاق اس کی جانشینی کے لیے منتخب کیا، فیروز شاہ اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا لیکن تاتار خاں نے اس کا بازو پکڑ کر اس کو زبردستی تخت پر بٹھا دیا، فیروز شاہ تخت پر بٹھا دیا گیا، تو اُس نے امرا کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر یہ بلائے عظیم تم میری گردن پر لٹکاتے ہو تو تھوڑا صبر کرو تاکہ میں وضو کر لوں، اس نے وضو کر کے دوگانہ نماز ادا کی اور سر نیاز زمین پر رکھ کر خدا کی بارگاہ میں دعا کی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ خداوندا! ملک کا انتظام اور جہانداری کی توفیق انسان کے اندازہ اور قوت سے باہر ہے، ملک کے نظام کا انحصار تیرے ہی حکم پر ہے، خداوندا! تو ہی میری قوت اور پناہ ہے، اس کے بعد اس کے سر پر تاج رکھا گیا لیکن خلعت شاہی کے اوپر، اس نے اپنے مربی اور آقا کی یاد میں ماتمی لباس بھی پہن لیا، پھر سواری کے لیے ہاتھی لایا گیا، شاہی بارگاہ کے نقیبوں اور چاوشوں نے آواز سلامت بلند کی، شادیانے کے نقارے بجنے لگے، ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر پھیل گئی، ہاتھی پر وہ شاہی حرم کے اندر گیا، اپنی پھوپھی خداوندزادہ کے قدموں پر سر رکھ دیا، خداوندزادہ نے اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور سلطان تغلق اور سلطان محمد تغلق کی یادگار کلاہ اپنے ہاتھوں سے اس کے سر پر رکھی، اس کی قیمت ایک لاکھ تنکہ تھی۔(۲)

بابر کی تخت نشینی: بابر ابراہیم لودی کو شکست دے کر دہلی اور آگرہ بہت سادہ طریقہ پر آیا، پانی پت کی

---

(۱) برنی ص ۴۵۸-۴۵۷، تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۱۳۳۔ (۲) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۴۹-۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح کے بعد وہ خود لکھتا ہے کہ ہمایوں مرزا خواجہ کلاں، محمدی، شاہ منصور، برلاس، یونس علی، عبداللہ اور ولی خازن کو حکم دیا کہ ابھی جا کر آگرہ پر قبضہ کر لو اور خزانے ضبط کر لو، مہدی خواجہ، محمد سلطان مرزا، عادل سلطان، جنید برلاس اور قتلق قدم کو حکم دیا کہ پھر سے علاحدہ ہو کر فوراً دلی چلے جاؤ اور وہاں کے خزانے کی احتیاط رکھو، دوسرے دن ہم کوس بھر چلے، گھوڑوں کو آسائش دینے کے لیے جمنا کے کنارے ڈیرے کیے، پھر دو منزل چل کر کے سہ شنبہ کو دہلی میں داخل ہوئے، پہلے حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی، دلی کے قریب جمنا کے کنارے پر اُترے، بدھ کی رات کو دلی کے قلعہ کی سیر کر کے رات وہیں گذاری، صبح حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزارِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا، سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان علاء الدین خلجی کے تبصروں، عمارتوں، لاٹھ، شمسی تالاب، حوض خاص، مقبرۂ سلطان سکندر اور باغ کی سیر کی، سیر کر کے کشتی میں بیٹھ کر عرق پیا، ولی بیگ فرملی کو دلی کا صوبہ دار اور دولت بیگ کو دلی کا دیوان مقرر کیا، خزانوں پر مہریں لگا کر اُن کے سپرد کر دیا، جمعرات کو دلی سے کوچ کیا اور تغلق آباد کے قریب جمنا کے کنارے پر لشکر اُترا، جمعہ کے دن یہاں قیام ہوا، مولانا محمود اور شیخ زین وغیرہ یہاں سے شہر گئے، دلی کی جامع مسجد میں انھوں نے جمعہ کی نماز پڑھی، میرے نام کا خطبہ پڑھوایا گیا اور فقرا کو بہت سا روپیہ تقسیم کر کے واپس آئے، ہفتہ کو اس منزل سے چلے، میں نے تغلق آباد کی سیر کی، کوچ در کوچ آگرہ چلے گئے، جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو نواح آگرہ میں پہنچے اور سلیمان فرملی کے مکان میں اُترنا ہوا، یہ مقام شہر سے بہت دور ہے، صبح یہاں سے جلال خاں جگہت کے محلوں میں جا ٹھہرے ہمایوں وغیرہ پہلے سے آ گئے تھے، قلعہ والوں نے قبضہ دینے میں حیلے حوالے کیے، ....اُن کی تادیب کے لیے کچھ لوگ بھیجے گئے، ....ان کے جرائم معاف کر دیے گئے، سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ نقد کا پرگنہ عنایت کیا اور رہنے کو آگرہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر دریا کے اس طرف ایک مکان دیا، رجب کی ۲۷ ویں تاریخ ہفتہ کے دن دوپہر کو شہر آگرہ میں داخل ہوا اور سلطان ابراہیم کے محل میں اترا۔ (بابرنامہ ص ۲۶۸، اردو ترجمہ)

ہمایوں کی تخت نشینی: ہمایوں ۲۳ سال کا تھا کہ بابر کی وفات کے بعد دہلی میں دسمبر ۱۵۳۰ء میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تخت پر بیٹھا، دیرینہ روایت کے مطابق آگرہ کو سجا کر "رشک عالم" بنایا گیا، ایک کشتی میں بھر کر سونا تقسیم کیا گیا، اس لیے تخت نشینی کی تاریخ کشتی زر سے نکالی گئی، اس موقع پر ہمایوں نے اپنے بھائی ہندال کو میوات کی جاگیر دی، مرزا کامران کو پنجاب، کابل اور قندھار دیا، مرزا عسکری کو سنبھل دیا، امرا کو بھی جاگیریں دی گئیں، خزانے میں روپے کی کمی نہ تھی، اس لیے بڑی فیاضی سے روپے انعام میں تقسیم کیے گئے۔(۱)

اکبر کی تاج پوشی: اکبر اپنے اتالیق خان خاناں بیرم خان کے ساتھ ایک فوجی مہم میں کلانور ضلع گورداس پور میں تھا کہ اُس کو وہیں ہمایوں کی وفات کی خبر ملی، بیرم خان نے دور اندیشی سے کام لیا اور اس کی تاج پوشی کلانور کے ایک باغ میں کرادی،(۲) اس موقع کے لیے اینٹوں کا ایک تخت بنایا گیا جو اٹھارہ فٹ لمبا اور تین فٹ اونچا تھا، یہ ۹۶۳ھ (مطابق ۱۵۵۶ء) کا واقعہ تھا، جب کہ اکبر کی عمر صرف چودہ سال کی تھی۔

جہاں گیر کا جلوس: اکبر کی وفات پر سات دن تک سوگ منایا گیا، اس کے بعد ۲۴ / اکتوبر ۱۶۰۵ء (مطابق ۱۰۱۴ھ) میں تخت نشیں ہوا، اس وقت اس کی عمر ۳۶ سال کی تھی، اقبال نامۂ جہاں گیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ گیارہ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ کے دن نجومیوں کے مشورہ سے نیک ساعت دیکھ کر دارالخلافت اکبر آباد میں تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی، جہاں گیر کے نام کا خطبہ پڑھایا گیا اور خطیب کی زبان سے القاب شاہی ادا ہوتے ہی ڈھیروں زر و گوہر نچھاور کیے گئے، امرا کو بڑے بڑے عہدے اور مناصب دیے گئے، خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کا لڑکا شریف امیر الامرا کے خطاب سے نوازا گیا اور وہ وکیل السلطنت بنا، خود جہاں گیر نے مہر اشرف اوزک کو قیمتی جواہرات سے آراستہ کر کے اس کی گردن میں ڈال دی، یہ وکیل السلطنت کی مہر تھی، مرزا جان بیگ کو وزیر الملک کا خطاب عنایت ہوا، مرزا غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب ملا اور شیخ فرید بخاری کو میر بخشی کے عہدہ پر مامور کر کے پنج ہزاری ذات و سوار منصب عطا ہوا، راجہ مان سنگھ کو چارقب، شمشیر مرصع اور اسپ خاصہ کے ساتھ خلعت فاخرہ عطا کیا گیا اور بنگال کی صوبہ داری دی گئی، اسی طرح اور امرا بھی

(۱) طبقات اکبری ج ۲، ص ۳۰-۲۹۔ (۲) ایضاً ص ۱۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوازے گئے، یہ جشن دستور کے مطابق محل کو گراں بہا پردوں اور انواع واقسام کی آرائشوں سے زینت دے کر منایا گیا،(۱) جہاں گیر نے اس موقع پر یہ بھی اعلان کیا کہ قلعہ کے برج میں ایک زنجیر عدالت آویزاں کی جائے تاکہ جو مظلوم شاہی دربار تک نہ پہنچ سکے،اس زنجیر کو ہلائے،اسی کے ساتھ اس نے بارہ احکام اور جاری کیے جن میں سے بعض یہ تھے: تمغا اور میر بحری جیسے ٹیکس موقوف کردیے جائیں، جن راستوں میں ڈاکے پڑتے تھے، وہاں منزل بہ منزل سرائیں، کنویں اور مسجدیں بنوائی جائیں، لاوارث کی دولت، سراؤں، پلوں اور تالابوں کی تیاری میں صرف کی جائے، ملک میں شراب اور مسکرات بکنے نہ پائیں، کسی کے مکان میں شاہی ملازمین نہ اُتریں، ناک کان کاٹنے کی سزا نہ دی جائے، رعایا کی زمین جبراً خالصہ میں شریک نہ کی جائے شاہی ملازمین اپنے علاقہ میں اجازت کے بغیر شادی نہ کریں، بڑے بڑے شہروں میں شفا خانے قائم کیے جائیں اور طبیب وجراح کے اخراجات شاہی خزانہ سے ادا کیے جائیں، جمعرات، ہفتہ اور جہاں گیر کی ولادت کی تاریخ میں جانور ذبح نہ کیے جائیں، اکبر کے زمانے کے تمام عہدہ دار بدستور سابق برقرار رہیں اور جس قدر قیدی تھے، سب آزاد کردیے جائیں۔(۲)

شاہ جہاں کی تخت نشینی: شہزادہ خرم دکن میں تھا کہ اس کو جہاں گیر کی وفات کی خبر ملی، وہ وہیں باپ کی موت کا سوگ منانا چاہتا تھا لیکن اس کے خیر خواہ امرا نے آگرہ جلد از جلد پہنچنے کا مشورہ دیا تو نجومیوں نے نیک ساعت مقرر کی اور چونار سے وہ احمد آباد کی طرف روانہ ہوا، اس نے اپنے دو فوجی سردار امان اللہ اور بایزید کو اپنے خسر آصف خان کے پاس لاہور بھیجا جو اس کی تخت نشینی کے لیے شہریار اور نور جہاں سے جنگ کر کے فضا ہموار کر رہا تھا، خرم کو اپنی بادشاہت کا پورا یقین تھا، اس لیے اس نے شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ آگرہ کی طرف کوچ کیا، نربدا عبور کر کے سپنور پہنچا تو اس نے قمری سنہ کے حساب سے اپنی سال گرہ منائی، راستہ میں امرا اس کا پرجوش خیر مقدم کرتے رہے اور اُس نے اُن کو مناصب دینا بھی شروع کردیا مثلاً شیر خاں کو گجرات کا صوبہ دار بنادیا اور خلعت کے ساتھ مرصع خنجر، پھول کٹار، مرصع شمشیر دیا اور اس کے پنج ہزاری، پنج ہزار سوار کے منصب میں

---

(۱) اقبال نامۂ جہاں گیری ص ۵-۲-(۲) تزک جہاں گیری ص ۵-۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو ہزاری دو ہزار و پانصد سوار کا اضافہ کیا، وہ کوکندہ پہنچا، تو رانا امر سنگھ زمین بوس ہوا، اس نے خوش ہو کر اس کو ہر قسم کی شاہانہ عنایتوں سے نوازا، پنج ہزار ذات و پنج ہزار ہزار سوار کا منصب دیا، خلعت کے ساتھ ایک مرصع شمشیر، مرصع خنجر عطا کیا اور ایک ہار بھی دیا، جس میں قطبی بدخشانی لعل تھا، اس کی قیمت تیس ہزار روپے تھی، ایک ہاتھی بھی تھا جس پر چاندی کی جھولیں پڑی تھیں، ایک گھوڑا بھی تھا، جس پر زریں زین تھی، وہ قصبہ ماندل پہنچا تو وہاں اُس نے شمسی سنہ کے حساب سے اپنی سال گرہ منائی اور جب اجمیر آیا تو اکبر اور جہاں گیر کی طرح حضرت خواجہ معین الدین کی درگاہ پر پاپیادہ گیا اور وہاں کے مجاوروں کو صدقے دیے اور اُن کے وظائف مقرر کیے اور پھر وہاں خالص سنگ مرمر کی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا، یہاں اس نے مہابت خاں کو اجمیر کا حاکم بنایا اور آگرہ کی طرف بڑھا، راستہ میں خان عالم مظفر خاں، بہادر خان، اوزبک، راجہ جے سنگھ، راجہ بھرت اور سید بارہہ وغیرہ جیسے امرا نے مختلف منزلوں پر اس کی پیشوائی کی، وہ ابھی آگرہ پہنچا بھی نہیں تھا کہ آصف خاں نے شاہ جہاں کے نام سے مسجدوں میں خطبہ پڑھوا دیا، اس کے نوروز کے بعد وہ آگرہ کے حدود میں داخل ہوا اور ایک باغ میں بارہ روز تک ٹھہرا رہا اور جب نجومیوں نے نیک ساعت بتائی تو دارالسلطنت میں پوری شان وشوکت کے ساتھ داخل ہوا اور ۴؍فروری ۱۶۲۸ء (مطابق جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ) کو اس کی تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی، خطیب نے ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی کے نام سے اس کا خطبہ پڑھا، اس کو زرنگار خلعت پہنایا گیا، حکیم رکنا کاشی، سعید اے گیلانی اور میر صالحی نے قصیدے پڑھے اور ان پر سیم وزر کی بارش شروع ہوئی، شیوخ، سادات شاعروں اور منجموں کو ہر قسم کی عنایتوں سے نوازا گیا، اُن کو انعام میں بارہ لاکھ روپے دیے گئے، تاج پوشی کے بعد شاہ جہاں محل کے اندر گیا تو ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل) جہاں آرا اور دوسری بیگمات اور شہزادیوں نے چاندی، سونے اور جواہرات اس پر نچھاور کر کے صدقے کیے، شاہ جہاں نے اس کے بدلے میں ممتاز محل کو دو لاکھ اشرفیاں، چھ لاکھ روپے دیے اور چھ لاکھ سالانہ کی ایک جاگیر عطا کی، جہاں آرا بیگم کو ایک لاکھ اشرفیاں اور چار لاکھ روپے دیے اور چھ لاکھ سالانہ وظیفہ بھی اس کے لیے مقرر کیا، اس میں نصف تو نقد کی شکل میں ہوتی اور نصف کے لیے جاگیر مقرر ہوئی، اسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح اورشہزادوں اورشہزادیوں کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر کی گئیں، شاہ جہاں نے آٹھ لاکھ روپے ممتاز محل کو دیے تاکہ وہ شہزادوں اور شہزادیوں میں تقسیم کرے، دیرینہ روایات کے مطابق امرا میں جاہ ومنصب بھی تقسیم کیا گیا، آصف خاں کو ہشت ہزار ذات اور ہشت ہزار سوار اور دواسپہ سہ اسپہ دیا گیا اور سب سے معزز امیر وہی قرار دیا گیا، مہابت خاں کو ہفت ہزار و ہفت ہزار سوار، دواسپہ اور سہ اسپہ بنایا گیا اور خان خاناں کا خطاب دیا گیا، اسی طرح اور امرا کے مناصب میں اضافہ کیا گیا اور حسب مراتب اُن کو خلعت خاصہ چارقب طلادوزی خنجر مرصع، پھول کٹارہ وغیرہ دیے گئے، یہ جشن لاہور سے آصف خاں کے آنے تک جاری رہا، وہ بائیس روز کے بعد آگرہ کے نواح میں پہنچا، تو ممتاز محل اور جہاں آراء اس کی پیشوائی کے لیے آگرہ سے باہر گئیں، پھر دوسرے دن خود شاہ جہاں نے اپنے تمام امرا کے ساتھ اس کا بڑے تزک واحتشام سے خیر مقدم کیا، اس کے ساتھ دارا، شجاع اور اورنگ زیب بھی تھے، آصف خاں پورے احترام کے ساتھ جھروکہ کے پاس لاکر ٹھہرایا گیا، شاہ جہاں نے پہلے اپنے شہزادوں کو گلے لگایا، شہزادوں نے بھی اس کو دستور کے مطابق نذریں پیش کیں، پھر آصف خاں نے بڑھ کر شاہ جہاں کی قدم بوسی کی، شاہ جہاں نے اس کو اپنا وکیل السلطنت بنایا اور ممتاز محل کے کہنے پر شاہی مہر بھی اس کے حوالہ کردی، آصف خاں کے ساتھ لاہور میں جتنے امرا تھے وہ سب مختلف قسم کی شاہانہ نوازشوں سے نوازے گئے کیوں کہ انھوں نے شاہ جہاں کی حمایت میں شہریار اور نور جہاں سے جنگ کر کے شاہ جہاں کا حق نمک ادا کیا تھا۔ (۱)

عالم گیر کا جلوس ۱۶۵۹ء: عالم گیر نے شجاع اور داراشکوہ کو آخری بار شکست دے دی تو اُس نے اپنے کو شاہ جہانی تخت وتاج کا وارث سمجھا، اس لیے وہ اپنی جنگی مہم سے دہلی واپس آیا تو باضابطہ تخت نشینی کی رسم ادا کی، اس موقع پر وہ دہلی میں داخل ہونے سے پہلے دہلی کے نواح خضرآباد میں ٹھہرا، نجومیوں نے دہلی کے اندر داخل ہونے کے لیے جو نیک ساعت مقرر کی تھی، اسی وقت پہلے نفیری، طنبورے، نقارے، برنجی، ڈھول اور شہنائی بجانے والے داخل ہوئے، اس کے بعد ہاتھیوں کی قطاریں بڑھیں، ان پر طلائی اور نقرئی جھولیں پڑی تھیں، یہ جھولیں مخمل اور زربفت کی تھیں جن میں

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری ج ۱ ص ۹۱-۹۲ جلد اول۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیمتی آب دار موتی ٹکے ہوئے تھے، ہاتھی کے دونوں طرف زریں گھنٹے لٹک رہے تھے، جن کی آواز فضا میں گونج رہی تھی، اُن کے پاؤں میں نقرئی زنجیریں تھیں، جن کی جھنکار دور دور تک سنائی دیتی تھی، ہر ایک ہاتھی پر شاہی پرچم لہرا رہا تھا، پھر سواروں کا دستہ بڑھا، ان کے گھوڑوں کی پیٹھ پر نقرئی وطلائی زین، ارتک اور گجم وغیرہ تھے، اُن کی لگاموں میں جواہرات لگے ہوئے تھے، ان سواروں کے پیچھے ہتھنیوں اور سانڈنیوں کی صفیں تھیں، اُن کے بعد پیدل فوجیوں کی ایک کثیر تعداد تھی جن کے ہاتھوں میں ننگی شمشیریں چمک رہی تھیں، اُن کے پیچھے امرا تھے اور ان کے بعد ایک بلند ترین قامت ہاتھی تھا، اس پر تخت رکھا تھا اور اسی پر ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ غازی جلوہ افروز تھا، اس کے دائیں بائیں اور پیچھے مسلح فوجیں صف بستہ اور آراستہ ہو کر آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھیں، ہاتھیوں کی پیٹھ پر سے چاندی اور سونے مجمع پر پھینکے جا رہے تھے، یہ شاہی جلوس بازار سے ہو کر لال قلعہ کے لاہوری دروازہ تک پہنچا جہاں سب لوگ پاپیادہ ہو گئے اورنگ زیب دیوانِ عام میں جا کر بیٹھا پھر دیوان خاص آیا، دونوں دیوان آراستہ ہو کر فردوسِ نظر اور جنت نگاہ بنے ہوئے تھے، اس وقت تک تیموری سلطنت ایشیا کی متمول ترین سلطنت بن چکی تھی، اس لیے زینت وآرائش کا جتنا سامان ممکن ہو سکتا تھا دونوں دیوان میں نظر آرہے تھے، دیوان عام کے ستونوں اور چھتوں کو ایران اور گجرات کے مغرق کم خواب، مخمل زربفت اور مشجر سے آراستہ کیا گیا تھا، محرابوں میں طلائی زنجیروں کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی تھیں، دروں میں ریشمیں اور مخملی پردے پڑے تھے اور اسی دیوان میں تخت طاؤس رکھا ہوا تھا، اس کے چھ بڑے بڑے بھاری بھاری طلائی پایوں میں زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے تھے، اس تخت میں مور دم کو چنور کیے ہوئے تھے، اسی لیے ان میں نیلم، یاقوت، ہیرے، لعل، زمرد، پکھراج اور دوسرے رنگ برنگ کے جواہرات موروں کی دم کو اصلیت کا رنگ دینے کے لیے جڑے ہوئے تھے، تخت کے اوپر ایک زری کا شامیانہ تھا جس کے بارہ ستون تھے، یہ بیش قیمت جواہرات سے جگمگا رہے تھے، شامیانہ کی جھالر موتیوں کی تھی، دونوں مور کے بیچ میں ایک طوطا بھی اصلی قد وقامت کا ایک ہی زمرد میں تراشا ہوا تھا، تخت کے دونوں جانب دو شاہی چتر تھے جن میں قرمزی مخمل کے نہایت عمدہ کارچوبی کام کے موتیوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھالریں تھیں، ان کی ڈنڈیاں آٹھ فٹ لمبی ٹھوس سونے کی تھیں، ان پر بھی جواہرات جڑے ہوئے تھے، بارہ مرصع ستونوں پر مغرق محرابیں اور جڑاو مینا کاری کی چھت پڑی تھی، چھت سے پائے تک کا حصہ خالص کندن اور آب دار جواہرات سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا، اس کی روکار کی محراب پر ایک بھاری طلائی درخت بنا ہوا تھا، جس کو سبزہ والماس سے سرسبز اور لعل ویاقوت سے گل رنگ کیا گیا تھا، اس کے اِدھر اُدھر دونوں مورچوں میں تسبیحیں لیے اس طرح کھڑے تھے گویا اب ناچنے کو ہیں، چاروں طرف زرنگار چتر تھے، جن میں موتیوں کی جھالر جھلملاتی تھی، اس کے گرد چوکیاں اپنے اپنے رتبے سے سجی ہوئی تھیں، تخت کے گرد پاس ادب کے لیے کئی کئی گز تک حاشیہ چھوڑ کر سونے کا خوش نما کٹہرا لگا ہوا تھا جس کی مینا کار جالیاں مرغِ نظر کو شکار کرتی تھیں، طلائی تخت پر شاہی اسلحہ ڈال دیے گئے تھے، اُن میں مرصع شمشیریں پھول کٹار وغیرہ تھے، طلائی کٹہرے کے بعد ایک نقرئی کٹہرہ تھا، جس پر کم خواب کا شامیانہ چوڑے چوڑے زرّیں جھالروں کا بنا ہوا تھا، دیوان کے تمام ستونوں پر کم خواب اور زری بوٹی کے ساٹن لپٹے ہوئے تھے، اس کے سامنے شامیانے تھے جو ریشمی ڈوریوں سے تنے ہوئے تھے، ان شامیانوں میں ریشم اور کلابتوں کے پھندنے تھے، فرش پر بیش قیمت قالین بچھے تھے، صحن میں جا بجا اسپک نصب تھے، اس کے گرد قناتیں لگی تھیں، جن پر چاندی کے پتروں کے خول چڑھے ہوئے تھے۔

دیوان خاص کے رنگ برنگ کے سبز، زرد، نیلے، سرخ، گلابی، کشمشی اور زعفرانی پتھروں اور اُن پر غیر معمولی پچے کاری اور نقش ونگار سے قدرتی تزئین وآرائش پیدا ہو رہی تھی، اس روز اس کو اور بھی زیادہ سجایا گیا تھا درودیوار، ستون ومرغول، محراب وفرش سب ہی آراستہ وپیراستہ تھے، نجومیوں نے تخت نشینی کی نیک ساعت کا اعلان کیا تو آفتاب طلوع ہونے سے تین گھنٹے پندرہ منٹ کے بعد اورنگ زیب دیوان عام میں ایک پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا اور تخت پر جلوہ افروز ہوگیا، یکا یک نقارہ کی صدا بلند ہوئی، شادیانے بجنے لگے، طنبورہ، قانون، ارغنوں، چنگ، زمزمے اور ترانے کی آواز بھی فضا میں گونجنے لگی، اہل نشاط نے رقص بھی کیا، امرانے بڑھ کر سیم وزر نچھاور کرنے شروع کیے، جواہرات کا انبار لگ گیا، جس نے جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہا اٹھالیا، خطیب نے خطبہ پڑھا، خطبہ میں اورنگ زیب کے خاندانی فرماں رواؤں کے نام بھی لیے گئے اور ہر نام پر خطیب کو ایک خلعت عطا کیا گیا اور جب خود عالم گیر کا نام آیا تو خطیب کو سب سے زیادہ بیش قیمت خلعت دیا گیا اور روپیے انعام میں دیے گئے، پھر امرا نے بڑھ کر اظہار تعظیم کیا اور ان میں سے ہر ایک کو رنگا رنگ خلعت دیے گئے، دربار کی فضا بخور، ارگجہ، عنبر اور عود کے دھوئیں سے معطر کی جا رہی تھی، مشک برابر چھڑکے جا رہے تھے، پان تقسیم ہو رہے تھے، اسی روز عالم گیر کے نام سے سکہ جاری ہوا اور اس پر یہ شعر کندہ کیا گیا:

سکہ زد درجہاں چو بدرِ منیر ☆ شاہ اورنگ زیب عالم گیر

سکہ کے دوسری طرف دارالضرب، سنہ جلوس اور اورنگ زیب کا پورا نام اور لقب درج ہوا، دبیروں نے اس تخت نشینی کے فرامین تمام صوبوں میں فوراً جاری کیے، اس طرح دیوانِ عام میں اورنگ زیب نے دو گھنٹے ۴۸ منٹ صرف کیے، اس کے بعد وہ محل کے اندر آیا تو بیگمات اور شہزادیاں پروانہ وار اس شمعِ انجمن خلافت کے گرد جمع ہو گئیں، انھوں نے طبق در طبق زر و گوہر نچھاور کیے، عالم گیر نے بھی اُن کو دل کھول کر انعامات دیے، روشن آرا بیگم کو پانچ لاکھ روپیے ملے، زیب النسا بیگم کو چار لاکھ، زینت النسا بیگم کو دو لاکھ، بدر النسا بیگم کو ایک لاکھ، ساٹھ ہزار اور زبدۃ النسا بیگم کو ایک لاکھ پچاس ہزار روپیے دیے گئے، محل سے عالم گیر دیوان خاص آیا، جہاں مخصوص امرا تھے، یہاں اس نے اپنے شہزادوں میں سے شہزادہ محمد سلطان کو تین لاکھ شہزادہ محمد معظم اور محمد اعظم کو دو لاکھ اور محمد اکبر کو ایک لاکھ روپے دیے اور ان سب کے مناصب میں اضافہ کیا، پھر علما، صلحا، اتقیا، شعرا، ارباب نشاط بھی حسب مراتب نوازے گئے، یہاں عالم گیر ۴۸ منٹ ٹھہرا شعرا اور فضلا نے تخت نشینی کی طرح طرح کی تاریخیں پیش کیں، اسی روز عالم گیر نے حکم دیا کہ نوروز تہوار کی بدعت ختم کر دی جائے کیوں کہ یہ اسلامی تہوار نہ تھا، مسکرات اور نشہ آور چیزوں پر بھی پابندی عائد کر دی گئی اور اس کے لیے محتسب مقرر ہوئے اور بہت سے غیر شرعی ٹیکس بھی اٹھائے گئے، یہ جشن کئی ہفتہ تک جاری رہا، شہزادے اور امرا برابر نذرانے پیش کرتے رہے اور ان کو حسب مراتب خلعت، مناصب اور نقد انعامات، ہاتھی، گھوڑے، شمشیر با ساز مینا کار، جمدھر مرصع، قلمدان، موتیوں کے ہار، کمر بند اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیورات ملتے رہے، مسلسل کئی رات تک جمنا کے کنارے چراغاں ہوتا رہا اور شمع کی گل ریزی سے دریا کی سطح صحنِ چمن اور ساحت گلشن بن جاتی، امرا دریا میں کشتیوں کی قطاریں لگا کر ان پر بھی چراغاں کرتے اور ان پر نقارے، کرنا، اور نفیری بجائے جاتے، جن سے محظوظ ہونے کے لیے لوگوں کا کثیر انبوہ ہوتا، طرح طرح کی آتش بازی کا بھی مظاہرہ کیا گیا، دیوان خاص کے سامنے جمنا کے کنارے آتش بازی چھوڑی جاتی تو خود اورنگ زیب جھروکہ سے دیکھ کر محظوظ ہوتا۔(۱)

عالم گیر سے پہلے یا اس کے بعد تخت نشینی کی تقریب اتنے پرشکوہ طریقہ پر کبھی نہیں ہوئی، عالم گیر کے بعد جتنے بادشاہ تخت پر بیٹھے، انھوں نے اس شاہی روایت کی پابندی کی لیکن جوں جوں اُن کے زوال کے آثار بڑھتے گئے، ان کی تقریبوں میں شان وشوکت کی بھی کمی ہوتی گئی یہاں تک کہ سلطنت کا چراغ ٹمٹمانے لگا اور وہ جب سنبھالا لے رہی تھی تو بہادر شاہ ظفر تخت نشیں ہوا، موجودہ دور کے ایک تذکرہ نگار نے اس کی تخت نشینی کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

''دیوان خاص کے فردوس میں آخری بہار آئی، ۳۰ر ستمبر ۱۸۳۷ء مطابق ۲۹ر جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ کو سنیچر کے دن مرزا ابوظفر بہادر شاہ ثانی ساعتِ سعید میں محل سے برآمد ہوئے، جامع مسجد دہلی کے امام میر احمد علی نے رسم تاج پوشی کا افتتاح کیا، جھنڈیاں ہلیں، توپیں چلیں، فوج نے سلامی دی، شادیانے بجے، ریزیڈنٹ نے نذر پیش کی اور سرکار کمپنی بہادر کی طرف سے تخت نشینی کی مبارک باد دی گئی، ولی عہد خلافت مرزا دارا بخت اور دیگر شاہ زادگان والا تبار نے یکے بعد دیگرے آداب گاہ سے مجرا کیا، بادشاہ کے قریب جا کر نذر دی، خلعت پایا، دوسرے امرا کی نوبت آئی، آداب مجرے ہوئے، نذریں گذریں، خطابات ومناصب تقسیم ہوئے:

از نشۂ دولت بہادر شاہی ☆ شد پر زمے طرب ایاغ دہلی
بہ نشست بہ تخت دولت روز افزوں ☆ نزہت بہ فزود از دماغ دہلی

(۱) عالم گیر نامہ ۴۰۳-۳۵۴۔ مآثر عالم گیری ص ۲۴، ۲۳، ۲۲ وغیرہ، نیز دیکھو ہسٹری آف اورنگ زیب از جدوناتھ سرکار جلد ۲ ص ۳۰۰-۲۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ جلوس آں شہ والا قدر ☆ آمد بہ لب خرد چراغ دہلی
۱۲۵۳ھ

اگلی عظمت کا داغ تازہ رکھنے کے لیے سکہ بھی موزوں کیا گیا۔

بہ سیم وزر زدہ شد سکہ بفضلِ اللہ ☆ سراج دیں ابوظفر بہادر شاہ(۱)

سفرا کی آمد پر دربار کی آرائش: جب باہر سے کوئی سفیر آتا تو اس وقت بھی دربار کی شان وشوکت اور جلال ودبدبہ کا اظہار پورے طور پر کیا جاتا، ۱۲۵۹ء (مطابق ۶۵۸ھ) میں چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا ایلچی سلطان ناصرالدین محمود کے دربار میں آیا تھا تو اس کے استقبال کے لیے دہلی کے باہر دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار زرق برق لباس پہنے، ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ کھڑے تھے، دو ہزار عماری دار جنگی ہاتھی مع آتشیں اسلحہ کے جھوم رہے تھے، ان کے ساتھ شہر کے خواص وعوام کی جماعت بھی بیس صفوں میں یکے بعد دیگرے ایستادہ تھی، امرا اور ملوک بھی اپنی اپنی ٹولیوں میں علم اور جھنڈے کے ساتھ پوری ترتیب اور تنظیم کے ساتھ متعین تھے، طبل اور دمامے بھی بکثرت تھے، ڈھول اور باجوں کی آواز، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لوگوں کے شوروغوغا سے ایک پرشکوہ منظر تھا، ترکستانی ایلچی اور اس کے ہمراہیوں پر اس کے نظارہ سے ایک لرزہ طاری ہوگیا اور جب یہ سفارتی مشن لشکریوں کے حربی کمالات اور ہاتھیوں کے فوجی کرتب دیکھتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور دربار میں آیا تو وہاں شاہی رعب ودبدبہ اور بھی زیادہ نظر آیا، دربار نقرئی وطلائی فرش وفروش سے مرصع ومکلّف تھا، شاہی تخت کی زینت وآرائش پورے کروفر سے کی گئی تھی، اس کے ہر طرف لعل وجواہر آویزاں تھے، اس کے اردگرد ملوک، امرا، علما، مشائخ، ترک شہزادا اور قوی ہیکل پہلوان، راجا، اور رانا بہترین لباس پہنے کھڑے تھے، پورا دربار بقول مؤلف طبقات ناصری بہشت کا نمونہ معلوم ہو رہا تھا، جیسا کہ انھوں نے اپنے ایک قصیدہ میں بیان کیا ہے، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

زہے جشنے کز و اطراف چوں خلد بریں گشتہ ☆ خہے بزمے کز و اکناف عدل راستیں گشتہ

زترتیب نہاد ورسم وآئین ونشاط او ☆ تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمیں گشتہ

زفر ناصرالدین شاہ محمود بن التتمش ☆ ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیشش زمیں گشتہ(۱)

---

(۱) بہادر شاہ ظفر از امیر احمد علوی ص ۴۸۔ (۲) طبقات ناصری ص ۳۱۸-۳۱۹۔ بزم مملوکیہ ۹۵-۱۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان روایتوں کی پابندی مغل بادشاہوں نے بھی کی بلکہ ان کا تمدن اوج کمال پر پہنچ گیا تو انھوں نے ان مراسم کی ادائیگی میں اور بھی زیادہ تمدنی اور تہذیبی شائستگی کا ثبوت دیا۔

عہد اکبری میں مرزا سلیمان حاکم بدخشاں کی آمد: بدخشاں سے مرزا سلیمان ۱۵۷۵ء (مطابق ۹۸۳ھ) میں ہندوستان آیا تو اکبر نے اس کے استقبال میں تمام شاہانہ مراسم ادا کیے، وہ ہندوستان کے حدود میں داخل ہوا، تو شاہی حکم کے بموجب پنجاب کے امرا نے پورے احترام کے ساتھ اس کی پیشوائی کی، اکبر نے دارالسلطنت سے اپنے ایک امیر آقا خاں کو ہندوستان کے بیش قیمت تحفوں کے ساتھ بھیجا، اس نے دریائے سندھ کے ساحل پر مرزا کا خیر مقدم کیا، حدود نیلاب میں راجہ بھگوان داس نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کی پذیرائی کی، لاہور پہنچ کر مرزا سلیمان نے تین روز آرام کیا، پھر دارالسلطنت کی طرف بڑھا، متھرا کے پاس ترسون محمد خاں اور قاضی نظام بدخشی نے دوسرے امرا کے ساتھ خوش آمدید کہا اور فتح پور سیکری جب تین کوس رہ گیا تو اکبر خود روانہ ہوا، اس کے ساتھ دورویہ پانچ ہزار ہاتھی تھے، جن پر سونے اور چاندی کی زنجیریں تھیں، مخمل فرنگی اور زربفت رومی کی جھولیں پڑی تھیں اور وہ جواہرات سے لدے تھے، دو دو ہاتھیوں کے درمیان چیتے کی ایک گاڑی تھی، ان چیتوں کے گلوں میں مخمل کے سنہرے پٹے اور سونے کی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں، گاڑیوں کے بیلوں کے سروں پر زردوزی کے کام کے تاج رکھے ہوئے تھے، خود فتح پور سیکری کی آئین بندی کر کے اس کو نگار خانہ چین بنا دیا گیا تھا، اکبر اپنے کوکبۂ شاہی اور شکوہ سلطنت کے ساتھ جب مرزا سلیمان کے قریب پہنچا تو مرزا گھوڑے سے کود پڑا، اکبر بھی گھوڑے سے اتر گیا، اور دونوں نے ایک دوسرے کو تعظیمی سلام (کورنش) کیے، مرزا نے غایت تعظیم میں سجدہ بھی کیا، اکبر نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا اور جب وہ دربار پہنچے تو اس کے در و دیوار، طاق اور محرابوں میں زرنگار پردے آویزاں تھے، ایوان مخمل کے فرش وفروش اور ابریشمی قالین سے آراستہ و پیراستہ تھا، ابوالفضل نے اس کی زینت وآرائش کو ان اشعار میں ادا کیا ہے:

عجب بزم گاہے بر آراستہ ☆ فراواں درو جشن ناکاستہ

بہر گوشہ خوبانِ چین وچگل ☆ ربانیدہ ہوش وفریندہ دل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکبر نے مرزا کو اپنے پہلو میں بٹھایا، شہزادوں سے ملاقات کرائی اور اس نشاط و انبساط کی مجلس کے بعد دستر خوان لگایا گیا، جس پر طرح طرح کی نمکین اور میٹھی چیزیں تھیں۔(۱)

عالم گیری عہد میں ایرانی سفیر کی آمد: بیرونی مہمانوں کی خاطر داری کے مذکورۂ بالا آداب و مراسم کی پابندی ہر زمانہ میں کی گئی، عالم گیری عہد میں بوداق بیگ شاہ ایران کی خیر سگالی کا پیام لے کر آیا تو شاہی حکم کے بموجب ہر منزل پر اس کا استقبال شاہانہ انداز میں کیا گیا وہ قندھار سے ہوتا ہوا ملتان، لاہور، سرن باولی ہو کر دارالسلطنت آگرہ پہنچا، عالم گیر نے اپنے ایک مقرب خاص کو ملتان بھیج کر بوداق بیگ کو خلعت عطا کیا، پھر ملتان میں وہاں کے حاکم کے ذریعہ پانچ ہزار روپیے نقد اور نو پارچے تحفہ میں دیے گئے، لاہور میں اس کی دعوت کی گئی جس میں کھانے کی چار سو قابیں تھیں، نقلوں اور عطریات کے سات سو خوان تھے، پھر کھانے کے بعد بیس ہزار روپیے ایک مرصع خنجر، ایک مینا کار تلوار اور ہندوستان کے بنے ہوئے کپڑے کی سات کشتیاں نذرانے میں دی گئیں اور جب وہ سرائے باولی پہنچ کر باغ اعزآباد میں مقیم ہوا تو عالم گیر نے اس کے لیے آلوش خاص بھیجا اور جب وہ آگرہ کے پاس پہنچا تو شہر کے باہر بڑے بڑے ارکان سلطنت نے جا کر اس کی پیشوائی کی اور اس کو اپنے ساتھ لا کر عالم گیر کے سامنے دیوان خاص و عام میں پیش کیا جو اس وقت اس لیے بھی بہت ہی آراستہ و پیراستہ تھا کہ جشن عید منایا جا رہا تھا، بوداق بیگ آ کر کورنش و تسلیم بجا لایا اور شاہ ایران کا خط پیش کیا، عالم گیر نے اس باریابی کے موقع پر سفیر کو خلعت، جیغہ، خنجر مرصع، ارگجہ کا ایک پیالہ طلائی خوانچہ اور پاندان عطا کیے، جمنا کے کنارے ایک مکان میں سفیر کو ٹھہرایا گیا، اس کو ہر طرح آراستہ کیا گیا تھا، دوسرے دن دربار میں پھر طلب کیا گیا تو اس کو اور اس کے ساتھیوں کو پھر خلعت دیا گیا، اسی رات کو دریائے جمنا میں کشتیوں پر چراغاں کیا گیا، عالم گیر نے سفیر کو اپنے پاس غسل خانہ میں بلایا اور اس کا تماشا اس کے ساتھ دیکھا اور جب سفیر نے شاہ ایران کے تحائف پیش کیے تو اس موقع پر عالم گیر نے اس کو سات ہزار روپیے دیے اور ایک ہتھنی بھی عطا کی جس پر چاندی کا ہودج اور زربفت کی جھولیں پڑی تھیں اور جب سفیر ایران واپس جانے لگا تو اس کو ایک لاکھ روپیے نقد، خلعت فاخرہ، ایک مینا کار خنجر مع غلاف مروارید، ایک گھوڑا مع طلائی زین و لگام، ایک ہاتھی اور ایک

(۱) اکبر نامہ جلد ۲، ص ۱۵۷-۱۵۶۔ طبقات اکبری ج ۲، ص ۱۶-۳۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دریائی ہاتھی عطا کیے گئے، ہاتھیوں کے گھنٹے چاندی اور جھولیں زربفت کی تھیں(۱)

سفیروں سے چھیڑ چھاڑ: کبھی سفیروں سے ادبی و علمی چھیڑ چھاڑ بھی ہو جاتی تھی، ایک بار ایران سے شاہ عباس صفوی نے اکبر کے پاس قیمتی تحائف لے کر اپنے ایک ایلچی کو بھیجا، جس نے دربار میں آتے ہی ایک مکتوب پڑھا جس کے ابتدا ہی میں یہ رباعی تھی:

زنگی بہ سپاہ خیل ولشکر نازد ☆ رومی بہ سنان وتیغ وخنجر نازد

اکبر بہ خزینہ پراز زر نازد ☆ عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

جب یہ رباعی پڑھی گئی تو دربار کا ہر شخص چونک اٹھا، اکبر نے فیضی کی طرف دیکھا، فیضی اپنے محبوب کی سبکی برداشت نہ کر سکا اور فی البدیہہ یہ رباعی کہہ کر سرِ دربار پڑھی:

فردوس بہ سلسبیل کوثر نازد ☆ دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدرنازد ☆ کونین بہ ذات پاک اکبر نازد

اس کو سن کر دربار میں مسرت وافتخار کی ایک لہر دوڑ گئی۔

اسی طرح ایک موقع پر قیصر روم یعنی ترکی کے حکم راں نے اپنے ایک سفیر کے ذریعہ ایک خط لکھ کر یہ اعتراض کیا کہ صرف ہندوستان کا بادشاہ ہو کر شاہ جہاں کا لقب اختیار کرنا صحیح نہیں، اس اعتراض سے شاہ جہاں کچھ پریشان ہوا لیکن کلیم نے ایک قصیدہ میں اس کی توجیہ کر کے سفیر کو لاجواب کیا:

ہند و جہاں ز روے عدو ہر دو چوں یکے است

شہ را خطاب شاہ جہانی میرمن ست

تواضع وخاک ساری کے نمونے: لیکن اس شان وشوکت کے ساتھ ان فرماں رواؤں کی غیر معمولی تواضع اور خاک ساری کی مثالیں بھی ملتی ہیں، خصوصاً جب کوئی معزز مہمان باہر سے آتا تو اُس کے خیر مقدم میں بڑی عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کیا جاتا، مثلاً سلطان محمد تغلق کے عہد میں المستنصر باللہ خلیفۂ بغداد کے خاندان کا ایک رکن امیر غیاث الدین محمد عباسی دہلی آیا تو ابھی وہ سندھ

---

(۱) عالم گیرنامہ ص ۲۷،۲۱۳-۲۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی میں تھا کہ سلطان نے استقبال کے لیے آدمی بھیجے اور جب وہ سرسہ پہنچا تو قاضی کمال الدین صدر جہاں کو حکم دیا کہ وہ فقہا کے ساتھ اس کا استقبال کریں پھر کچھ امرا بھیجے اور جب وہ مسعود آباد پہنچا تو سلطان خود خیر مقدم کے لیے روانہ ہوا اور جب دونوں ملے تو امیر غیاث الدین محمد عباسی پاپیادہ ہوگیا، سلطان بھی سواری سے نیچے اتر آیا، غیاث الدین نے حسب دستور زمین بوسی کی تو سلطان بھی اسی طرح زمین بوس ہوا، امیر غیاث الدین کچھ نذرانے اپنے ساتھ لایا تھا ان میں کپڑوں کے تھان بھی تھے، سلطان نے ایک تھان اپنے کندھے پر ڈال لیا اور جس طرح اور لوگ سلطان کی زمین بوسی کرتے ہیں، اسی طرح اس نے سلام کیا پھر گھوڑے آئے سلطان نے ایک گھوڑے کو پکڑ کر امیر کے سامنے کیا اور قسم دے کر کہا کہ آپ اس پر سوار ہوں اور خود رکاب پکڑ کر کھڑا ہوگیا پھر خود سوار ہوا اور سب اس کے جلو میں چلے شاہی چتر دونوں پر لگائے گئے پھر سلطان نے اپنے ہاتھ سے امیر کو پان دیا، یہ سب سے بڑھ کر تواضع تھی کیوں کہ سلطان اپنے ہاتھ سے کسی کو پان نہیں دیتا ہے، جب دونوں اس سراچہ یعنی خیمہ میں پہنچے، جو سلطان کے لیے کھڑا کیا گیا تھا تو سلطان نے امیر کو اس میں ٹھہرایا اور اپنے واسطے علاحدہ خیمہ لگوایا، دوسرے دن دونوں شہر میں داخل ہوئے اور سیری کا محل جو سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی نے بنایا تھا اس کی سکونت کے لیے مقرر کیا اور سلطان نے خود محل کے اندر جا کر امیر کی راحت و آسائش کا سامان کیا اس کے لیے نہ صرف چاندی اور سونے کے برتنوں کا انتظام تھا بلکہ اس کے استعمال کے لیے سونے کا ایک حمام بھی تھا، چار لاکھ دینار سرشوئی کے لیے دیے گئے اس کے علاوہ لونڈی اور غلام مقرر ہوئے، روزانہ خرچ کے لیے تین سو دینار مقرر کیے گئے، پھر سیری کے پورے علاقہ کے ساتھ سو گاؤں جاگیر میں دیے اور دہلی کے شرقی علاقہ کی حکومت بھی عطا کی گئی، امیر غیاث الدین جب بادشاہی محل میں آتا تو اس کے لیے ہدایت تھی کہ جہاں تک سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر آیا کرتا ہے، وہاں تک وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور تمام درباریوں کو حکم تھا کہ جس طرح سلطان کو زمین بوس کرتے ہیں، اسی طرح اس کی بھی تعظیم کریں، جب امیر سلطان کی خدمت میں آتا تو وہ تخت سے نیچے اتر آتا تھا اور اگر چوکی پر ہوتا تو کھڑا ہو جاتا تھا اور دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے، سلطان اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب وہ چلنے کو کھڑا ہوتا تو وہ بھی کھڑا ہو جاتا، پھر سلطان اس کو سلام کرتا اور وہ سلطان کو۔(۱)

صوفیہ کرام کا احترام: سلاطین کی تواضع صوفیہ اور صلحا کے ساتھ اور بھی زیادہ ہو جاتی اور ان سے ملنے میں شاہانہ آداب و وقار کا لحاظ کم کرتے، سلطان ایلتتمش کے عہد میں اسلامی ممالک سے بکثرت مشائخ و صلحا دہلی آئے، ایلتتمش ان میں سے ہر ایک سے غایت تعظیم و تکریم سے پیش آتا، حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو ایلتتمش نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور اُن کو آگے کر کے خود اُن کے پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔(۲)

قاضی قطب الدین کاشانی دہلی تشریف لائے تو اُن کو ایلتتمش نے شاہی محل آنے کی زحمت دی اور جب وہ پہنچے تو ایلتتمش نے اُن کو دیکھتے ہی سلام کیا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔(۳)

قاضی حمید الدین ناگوری ایلتتمش کے دربار میں ایک محضر میں بلائے گئے تو دربار کے مفتیوں نے سلطان سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب قاضی حمید الدین محضر میں آئیں تو سلطان اپنی طرف سے کسی تعظیم و تکریم کا اظہار نہ کرے لیکن جب قاضی حمید الدین تشریف لائے تو سلطان اُن کے رُخ پرنور کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا، اُس نے اپنے مفتیوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ بھول گیا، اُن کی تعظیم کے لیے تخت پر سے اُتر گیا اور ان کی طرف لپک کر اُن کے ہاتھوں پر بوسے دیے اور پھر محضر کے دوران میں ان سے اس قدر متاثر ہوا کہ ان کے قدموں پر گر پڑا۔(۴)

سلطان ایلتتمش کو اپنے مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے جو والہانہ عقیدت تھی اُن کی تفصیل ہم اپنی کتاب بزم مملوکیہ میں بیان کر چکے ہیں، بلبن کی شاہانہ شوکت و حشمت کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں لیکن وہ بھی مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا اور حصول برکت کے لیے اُن کے گھروں پر بے تکلف جاتا، سلسلۂ چشتیہ کے ایک بزرگ شیخ علی چشت سے آکر دہلی میں مقیم تھے، چشت کی

---

(۱) ابن بطوطہ ص ۱۲۷-۱۲۵۔ (۲) سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۲، ص ۳۱، (۳) فوائد الفوائد ص ۲۳۶۔ (۴) فتوح السلاطین مدراس اڈیشن ص ۱۱۹-۱۱۷ تفصیل کے لیے دیکھو بزم مملوکیہ ص ۸۱-۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سجادہ نشینی کے لیے دو بزرگ اُن کو دہلی سے لے جانے کے لیے آئے، شیخ علی چشت جانے کے لیے تیار ہوئے تو سلطان بلبن اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے قدموں پر گر کر قسم کھائی کہ اگر آپ چشت تشریف لے گئے تو میں بھی اپنی مملکت چھوڑ کر آپ کے رکاب میں چشت پہنچوں گا، خواجہ نے سلطان کو اپنا گرویدہ پایا تو دہلی میں قیام کرنا گوارا کرلیا(۱)، سلطان بلبن حضرت فریدالدین گنج شکر اور شمس الدین ترک پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دست بستہ کھڑا رہتا۔(۲)

سلطان علاء الدین خلجی کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے بڑی عقیدت رہی، اُس نے اپنے دولڑکوں خضر خاں اور شادی خاں کو اُن کے حلقۂ ارادت میں دے دیا تھا اور جب حضرت خواجہ کی مجلس سماع کے اشعار وہ سنتا تو اُن کو بار بار پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، ایک بار اس سے پوچھا گیا کہ اس حسن عقیدت کے باوجود اُس نے حضرت خواجہ سے شرف ملاقات حاصل کیوں نہیں کیا، تو اُس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ ہوں سر سے پاؤں تک دنیا سے آلودہ ہوں، اس آلودگی کے ساتھ ایک پاک بندہ سے ملتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔(۳)

سلطان فیروز شاہ تو مشائخ کی تعظیم و تکریم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا، حضرت سید جلال الدین بخاری ہر دوسرے یا تیسرے سال اوچہ سے سلطان کی ملاقات کے لیے دہلی تشریف لاتے، جب وہ فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو سلطان مند تک استقبال کے لیے جاتا اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو سلطان حضرت جلال الدین بخاری کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتا اور جب وہ دربار میں ملنے کو آتے تو جیسے ہی محل حجاب پہنچ کر سلام کرتے، سلطان تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا اور بے حد تواضع کے ساتھ پیش آتا اور دونوں تخت پر ساتھ بیٹھتے اور جب حضرت جلال الدین بخاری واپس ہوتے تو اس وقت بھی سلطان تخت پر کھڑا ہو جاتا اور جب تک وہ محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا یہاں پہنچ کر وہ سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا اور جب حضرت جلال الدین نظروں سے غائب ہو جاتے تو اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا۔(۴)

---

(۱) سیر الاولیاء ص ۲۱۲ (۲) بزم مملوکیہ ص ۲۲۷-۲۸ (۳) تفصیل کے لیے دیکھو بزم صوفیہ ص ۱۵۴ (۴) عفیف ص ۵۱۴-۱۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور موقع پر حضرت جلال الدین بخاری دہلی میں آکر قیام پذیر ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے کئی بار اُن کی قیام گاہ پر حاضری دی، ایک بار تو وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے لیکن جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی، حضرت جلال الدینؒ نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا اور جب سلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت جلال الدینؒ اس کو رخصت کرنے کے لیے سیڑھی سے نیچے آنا چاہتے تھے لیکن سلطان نے ان کا دستِ مبارک پکڑ کر نیچے آنے سے روکا، اس پر انھوں نے فرمایا کہ تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں، سلطان نے کہا واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں۔(۱)

شاہانہ مغلیہ اور صوفیۂ کرام: شاہان مغلیہ بھی اپنے عہد کے صوفیہ اور صلحا کے معتقد رہے اور اُن سے آداب شاہی سے بے نیاز ہو کر ملتے اور حصول سعادت کرتے، بابر حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے آستانہ پر خود حاضر ہوا تھا اور حضرت گنگوہیؒ نے بھی اس کو اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ سے نصیحت کی کہ وہ عدل قائم کرے اوامر ونواہی کی پابندی کرائے، نماز با جماعت کا پابند رہے اور علما کو دوست بنائے اور ہر شہر میں محتسب مقرر کرے۔(۲)

اکبر کو شیخ سلیم چشتی سے جو محبت و عقیدت رہی وہ اس کی زندگی کا اہم جزو ہے، جہاں گیر اپنی تزک میں لکھتا ہے:

> ”جن دنوں والد بزرگوار کو فرزند کی بڑی آرزو تھی، ایک پہاڑ میں سیکری علاقہ آگرہ کے پاس شیخ سلیم نام ایک درویش تھے، جو صاحبِ حال تھے اور عمر کی بہت منزلیں طے کر چکے تھے، ادھر کے لوگ ان کے بڑے معتقد تھے، میرے والد بزرگوار درویشوں کے بڑے نیاز مند تھے، اُن کے پاس بھی جاتے رہتے، ایک روز جب وہ بے خودی کے عالم میں تھے تو اُن سے پوچھا کہ میرے کتنے لڑکے ہوں گے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو تین فرزند دے گا، والد نے کہا کہ میں نے منت مانی ہے کہ پہلے لڑکے کو آپ کے دامن تربیت وتوجہ

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو بزم صوفیہ ص ۴۲۴-۴۲۲ (۲) مکتوبات قدوسی مطبع احمدی دہلی ص ۳۳۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دوں گا اور آپ کی شفقت وعنایت کو اس کا حامی اور محافظ بناؤں گا، شیخ نے فرمایا مبارک ہو، میں بھی اس کو اپنا ہم نام بناؤں گا اور جب میری والدہ کو حمل رہا اور وضع حمل کا وقت قریب آیا تو اُن کو شیخ کے پاس بھیج دیا گیا تا کہ میری ولادت وہیں ہو، میری ولادت کے بعد میرا نام سلطان سلیم رکھا گیا لیکن میں نے اپنے والد کو اُن کی زبان سے مستی یا ہوشیاری کے عالم میں محمد سلیم یا سلطان سلیم کہتے نہیں سنا، وہ مجھ کو شیخو بابا کہا کرتے، میرے والد نے میری جائے ولادت سیکری کو مبارک سمجھ کر اپنا پایۂ تخت بنایا اور چودہ پندرہ سال میں اس پہاڑ اور جنگل میں ایک ایسا شہر آباد کیا جہاں طرح طرح کے باغات اور دلکش عمارتیں بنوائیں۔(۱)

اکبر شہزادہ سلیم کی پیدائش کی خوشی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر حاضری دینے کے لیے آگرہ سے اجمیر تک پاپیادہ گیا، راستہ میں روپیے اور اشرفیاں لٹاتا گیا اور وہاں پہنچ کر شاہانہ طریقہ سے خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کے لیے کئی عمارتیں بنوائیں اور درگاہ کے انتظام میں ہر قسم کی سہولتیں پہنچائیں، اس کو جب کبھی ملکی اور قومی کاموں سے رخصت مل جاتی تو خواجہ معین الدین چشتیؒ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتا، میدان جنگ میں حضرت خواجہ سے حصول برکت کی خاطر ''یا معین'' کا نعرہ بھی لگاتا۔(۲)

اکبر کو جو عقیدت ومحبت حضرت شیخ سلیمؒ سے تھی، اس کا اندازہ حسبِ ذیل واقعہ سے بھی ہوگا جسے جہاں گیر نے اپنی تزک میں خود قلم بند کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ایک دن میرے والد نے کسی تقریب سے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہوگی اور آپ کب ملک بقا کو ارتحال فرمائیں گے، فرمایا کہ حق جل شانہ ہی خفیہ باتوں کا جاننے والا ہے لیکن جب والد نے زیادہ اصرار کیا تو مجھ نیاز مند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب شہزادہ اتنا بڑا ہوگا کہ معلم یا کسی اور کی بتائی ہوئی چیزوں کو یاد کر کے دہرانے لگے تو سمجھنا کہ میرا وصال نزدیک ہے، میرے والد نے یہ سن کرتا کید کردی کہ مجھ کو نظم ونثر کی کوئی تعلیم نہ دی جائے، اس طرح دو سال اور سات مہینے گذر گئے، محلّہ میں ایک عورت رہتی تھی،

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۳۔(۲) اکبر نامہ ج ۲،ص ۳۵۰،۱۶۲، ۲۳۴ وغیرہ ج ۳،ص ۳۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی گذر بسر صدقہ وخیرات سے ہو جایا کرتی تھی، اس کو اس بات کا علم نہ تھا ایک دن اس نے مجھ کو تنہا پا کر یہ شعر یاد کرا دیا۔

الٰہی غنچۂ امید بکشا ☆ گلے از روضۂ جاوید بنما

میں اس کو یاد کر کے شیخ کے پاس چلا گیا اور اُن کے سامنے پڑھا، اس کو سن کر وہ بے اختیار اچھل پڑے، والد کے پاس دوڑے آئے اور یہ واقعہ بیان کیا، اتفاق سے اسی روز ان کو بخار آیا، دوسرے دن تان سین کلانوت کو بلا بھیجا جو بے مثل گانے والا تھا، تان سین نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر گانا شروع کیا، پھر والد کو بلوایا، جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ وعدۂ وصال قریب ہے، تم سے رخصت ہوتے ہیں، اس کے بعد اپنے سر سے دستار اتار کر میرے سر پر رکھ دی اور کہا کہ سلطان سلیم کو اپنا جانشین بنایا اور اس کو خدا کے سپرد کیا کہ وہی حفاظت اور مدد کرنے والا ہے، ضعف بڑھتا جاتا تھا اور وفات کے آثار ظاہر ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ محبوب حقیقی سے جا ملے۔(۱)

ابوالفضل کے بیان کے مطابق اکبر نے فتح پور سیکری کو تمام شہروں کا سرتاج بنا دیا، یہاں ایک سنگین قلعہ تعمیر کر کے اس کو عالی شان محلات سے مزین کیا، پہاڑی کی چوٹیوں پر قصر شاہی اور امرائے سلطنت کی عالی شان حویلیاں بنوائیں، نیچے میدانوں میں کوسوں تک بے شمار پرفضا باغات اور موسم گرما میں ہوا خوری کے لیے بارہ دریاں تعمیر کرائیں، ایک بلند دروازہ، ایک مسجد، ایک مدرسہ ایک خانقاہ، ایک حمام بنوایا، بازار لگوائے۔

یہاں کی عمارتوں کی دل ربائی اور صنعت کو دیکھ کر سیاح واقعی محوِ حیرت ہو جاتے تھے اور ابوالفضل کا یہ کہنا صحیح تھا کہ یہ شہر رشک معمورۂ عالم بن گیا تھا(۲) اور یہ تمام زیب وآرائش حضرت شیخ سلیم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے تھی۔

جہاں گیر حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے سایۂ عاطفت میں پلا، اس لیے بزرگوں درویشوں حتی کہ سنیاسیوں کی عقیدت اس کی گھٹی میں پڑ گئی تھی، ۱۴ھ جلوس میں اجین گیا، تو اس کو معلوم ہوا کہ جدروپ سنیاسی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک دشوار گذار بھٹ میں رہتے ہیں، جس کا طول ساڑھے

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۶۴،۲۶۳۔ (۲) اکبر نامہ جلد اول ص ۲۶۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچ گرہ اور عرض ساڑھے تین گرہ تھا یہ اس قدر تنگ تھا کہ اس میں مشکل سے ایک شیر خوار بچہ سما سکتا تھا، جہاں گیر کو اُن سے ملنے کا شوق پیدا ہوا، وہاں تک سواری پہنچ نہ سکتی تھی مگر وہ تین میل پا پیادہ چل کر وہاں پہنچا اور چھ گھڑی اُن کی صحبت میں رہا اور اُن سے بہت متاثر ہوا اور دو بار پھر جا کر ملا اور آخری بار اُن سے رخصت ہوا تو اُن کی جدائی اس پر شاق گذری۔(۱)

عالم گیر نے سلوک و طریقت کی تعلیم حضرت مجددؒ کے صاحبزادے حضرت محمد معصومؒ سے پائی اور اس نے حضرت مجدد کی تعلیمات کی تمام جزئیات کا خود بھی مطالعہ کیا، اس لیے شریعت کا بڑا پابند رہا اور اپنی شاہانہ سطوت و حشمت کے باوجود نماز اول وقت مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتا، جمعہ کی نماز بھی مسجد میں تمام مسلمانوں کے ساتھ ادا کرتا، دولت خانہ کی مسجد میں رات کو اہل اللہ کے ساتھ گفتگو کرتا اور ذکر میں مشغول رہتا، اُن کے سامنے کبھی تکیہ لگاتا اور نہ مسند پر بیٹھتا، رمضان شریف میں دو پہر رات گذرنے پر علما اور اولیا کے ساتھ ذکر و عبادت کرتا رہتا (۲) جو مشائخ شریعت کے پابند تھے، اورنگ زیب اُن سے بڑا والہانہ لگاؤ رکھتا حضرت شاہ ولی اللہ کے والد بزرگ وار شاہ عبدالرحیم سے وہ ملنے کا برابر مشتاق رہا، مگر شاہ صاحب سلاطین اور امرا کے گھر جانا، اپنے روحانی بزرگوں کے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، ایک بار عالم گیر نے شاہ صاحب کے پاس شوق ملاقات کا پیام بھیجا مگر وہ عالم گیر کے دربار میں جانے پر مطلق راضی نہ ہوئے بلکہ ایک معمولی کاغذ پر جس میں ان کا جوتا لپٹا ہوا تھا، ایک رقعہ لکھ کر بھیجا، جس میں تحریر فرمایا کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے، حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے، عالم گیر کو جب یہ رقعہ ملا تو اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا اور جب کپڑے بدلتا تو پھر اس کو اپنی جیب میں رکھ لیتا اور فرصت کے وقت پڑھ کر روتا تھا۔(۳)

اس عہد کے ایک مشہور بزرگ حضرت شیخ بایزید نے ایک روز جامع مسجد میں تمام لوگوں کے سامنے عالم گیر سے پوچھا کہ اس کی لڑکیوں میں بعض ناکتخدا کیوں ہیں، یہ پوچھ کر تلقین کی خاطر ایک وعظ کہا عالم گیر نے ان نصیحتوں کو خاموشی سے سنا۔(۴)

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۸۳۔ (۲) منتخب اللباب ج ۲ ص ۵۶۵-۵۵۰۔ (۳) انفاس العارفین ص ۱۶۹۔

(۴) منتخب اللباب ج ۲، ص ۵۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درباری شعرا: شعرا دربار کے اہم جز ہوتے، دربار میں جب کوئی جشن منایا جاتا، کوئی اہم تقریب ہوتی تو ایسے موقع پر شعرا اپنے قصیدوں میں حکمرانِ وقت اور درباریوں کو ضرور محظوظ کرنے کی کوشش کرتے اور گراں قدر انعامات سے نوازے جاتے، قطب الدین ایبک کے دربار میں مولانا بہاء الدین اوشی، جمال الدین محمد اور قاضی حمید الدین نے اس کی شان میں بہت سے قصائد کہہ کر اپنی خوش گوئی اور فصیح البیانی کی داد لی اور اس کے فیض و کرم سے سیراب ہوئے (۱)

سلطان ایلتتمش کو خلیفہ ابوجعفر منصور المستنصر نے اُس کی حکومت کے استقلال وخود مختاری کو تسلیم کر کے خلعت بھیجا تو سلطان نے نہایت احترام کے ساتھ خلعت لانے والے کا خیر مقدم کیا، تمام دارالسلطنت کو آراستہ کیا گیا، شہر میں قبے بنائے گئے، شادیانے بجائے گئے، امرا کو خلعت دیے گئے اور جب سلطان نے خلعت پہنا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اس موقع پر تاج الدین ریزہ نے ایک طویل قصیدہ لکھ کر اپنا شاعرانہ کمال دکھایا، (۲) اسی لیے انوری اور خاقانی کے طرز پر سلطان رکن الدین فیروزشاہ کی شان میں بھی قصائد کہے (۳) مولانا منہاج سراج نے ناصرالدین محمود کے عہد میں ہلاکو خاں کے ایلچی کی آمد کے موقع پر جو قصیدہ دربار میں پیش کیا، اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، امیر خسرو نے تو اپنے تمام معاصر سلاطین کی خدمت میں قصائد پیش کیے، انھوں نے اپنی کم سنی میں خاقانی کے رنگ میں ایک قصیدہ کہہ کر غیاث الدین بلبن کی خدمت میں پیش کیا، سلطان کیقباد کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا تو اس نے اُن کو خلعت اور دینار کے دو تھیلے مرحمت (۴) کیے، قطب الدین مبارک خلجی کی خدمت میں انھوں نے اپنی مثنوی نہ سپہر پیش کی تو اُس نے اُن کو ہاتھی کے برابر روپے تول کر انعام میں دیے، اُن کے ساتھ تمام معاصر سلاطین کی نوازشیں جاری رہیں، سلطان محمد تغلق کے عہد میں ملک غازی اپنے زمانے کے بڑے خوش طبع شاعر تھے، سلطان ان کو ہر سال ایک لاکھ تنکہ دیا کرتا تھا۔ (۵)

شہاب الدین العمری کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق کے دربار میں عربی فارسی اور ہندی کے

---

(۱) لباب اللباب ج ا، ص ۸۹-۱۸۸ (۲) خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الاذکار از علی تقی الدین محمد الحسنی والکاشانی۔

(۳) بزم مملوکیہ ص ۱۳۶۔ (۴) قرآن السعدین ص ۳۲۳۔ (۵) تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہزار شعرا تھے ان میں بدر الدین چاچی کو اس نے فخر الزماں کا خطاب دیا تھا، ایک بار عبید زاکانی نے اس کے دربار میں اپنا ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا تو اس کا مطلع سنتے ہی سلطان بول اٹھا کہ بس بس اب اور اشعار نہ پڑھو کہ تمہارے انعام کے لیے خزانے میں روپے نہیں ہیں اور پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے چاروں طرف پاؤں سے سر تک سونے کی تھیلیاں رکھ دی جائیں اور یہ اس کو انعام میں دے دی جائیں۔(۱)

بابر اور ہمایوں کی شان میں شیخ جمالی نے لمبے لمبے قصائد کہے، فیضی کو اکبر کی خاطر قصائد کہنے میں خاص لطف ملتا اور اکبر نے بھی نہ صرف اس کو ملک الشعرا کا خطاب دے کر نوازا بلکہ اس کی ہر طرح کی قدردانی کی، فیضی کو بھی اس سے بڑی محبت اور شیفتگی رہی، جس کا اظہار وہ بار بار اپنے قصائد میں کیا کرتا تھا، عرفی نے اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، شہزادہ سلیم کی ولادت کے موقع پر خواجہ حسین ہروی نے ایک قصیدہ کہا تو اکبر نے اس کو انعام میں دو لاکھ ٹنکے دیے۔

جہانگیر طالب آملی کی شاعری کی تشبیہات کی ندرت اور استعارات کی لطافت و نزاکت سے ایسا متاثر ہوا کہ اس کو دربار کا ملک الشعرا بنایا، جس کے بعد اس نے بڑی خوشحالی سے زندگی بسر کی، جہانگیر کے پانچویں سال جلوس میں نظیری نے انوری کے انداز میں اُس کی شان میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا، تو اس نے اس کے صلہ میں ایک ہزار روپیہ گھوڑا اور خلعت عطا کیا، ۱۰۴۲ھ میں حاجی محمد جان قدسی شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ کہا تو اس کے صلہ میں شاہ جہاں نے قدسی کے منھ کو سات دفعہ جواہرات سے بھرا، پھر آگے چل کر ملک الشعرا کا خطاب عطا کیا، ۱۰۴۵ھ میں قدسی نے جشن نوروز کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا جو شاہ جہاں کو بہت پسند آیا، انعام میں اس کو روپیے میں تلوایا جو وزن میں پانچ ہزار پانچ سو تھے جہاں آرا بیگم جل گئی تھی اور جب اچھی ہوئی تو اس کی صحت یابی کی خوشی میں ایک جشن منایا گیا اس موقع پر قدسی نے ایک قصیدہ کہا تو شاہ جہاں نے دو ہزار روپے عطا کیے، شاہ جہاں کے دربار میں ابوطالب کلیم بھی ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا گیا، ۱۰۴۴ھ میں جب شاہ جہاں نے ایک کروڑ روپے کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا

(۱) ریاض الطاہرین ورق ۶۰۰ بحوالہ دی ایڈمنسٹریشن آف دی سلطنیٹ آف ڈلہی از اشتیاق حسین قریشی ص ۱۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آگرہ میں جشن نوروز کے موقع پر اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو دربار کے شعرا نے اس تقریب میں قصائد کہہ کر اپنی لیاقت و ذہانت کا ثبوت دیا، کلیم نے بھی ایک قصیدہ کہا، شاہ جہاں نے اس کو اس کے صلہ میں روپے کے برابر تلوایا جو ۵۵۰۰ وزن میں آئے ۱۰۵۵ھ میں شاہ جہاں پھر کشمیر گیا، تو کلیم نے قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس کے انعام میں خلعت اور دو سو اشرفیاں ملیں، شاہ جہاں جب واپس ہونے لگا تو کلیم نے پھر ایک قصیدہ کہا اور ۲۰۰، اشرفیاں پھر انعام میں دی گئیں، کلیم کو شاہ جہاں کی فرمائش پر شعر کہنے کی قدرت اتنی حاصل تھی کہ اُس نے شاہی تخت مرصع، شاہی سپر، شاہی شمشیر اور شاہی قلمدان پر اشعار کہے اور ہر چیز پر شاہ جہاں نے اس کے اشعار کندہ کرا دیے تھے، شاہ جہانی دربار کا ایک مقبول شاعر باقیا نائی بھی تھا، ۱۰۴۶ھ جشن نوروز کے موقع پر باقیا نے بھی ایک قصیدہ کہا تو شاہ جہاں نے قدسی اور کلیم کی طرح اس کو بھی روپیہ سے تلوایا جو وزن میں پانچ ہزار ہوئے ۱۰۶۵ھ میں میر صیدی طہرانی نے شاہ جہاں کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا تو اس کو انعام میں ایک ہزار روپیے ملے جب اورنگ زیب شہزادہ شجاع سے لڑ رہا تھا تو روشن ضمیر نے ایک قطعہ تاریخ میں اس کو فتح و کامرانی کی مبارک باد پہلے ہی دے دی جو اُس کو بہت پسند آئی اور انعام میں پانچ ہزار روپیے مرحمت کیے اسی طرح عالم گیر نے کلام پاک حفظ کیا تو اس موقع پر روشن ضمیر نے ایک قطعۂ تاریخ کہا تو عالم گیر نے خوش ہو کر اُس کو انعام میں سات ہزار روپیے عطا کیے۔

بادشاہوں کی شان میں قصائد کہنے کا دستور آخر آخر وقت تک رہا اور جب مغلوں کی حکومت شامِ غریباں بن کر رہ گئی تھی اس وقت بھی غالب اور ذوق نے بہادر شاہ ظفر کی شان میں بہت سے قصائد کہے۔

سنسکرت اور ہندی کے شعرا: ہندو مسلمانوں میں یگانگت پیدا ہوئی تو دربار میں سنسکرت اور ہندی زبان کے فضلا و شعرا بھی رہنے لگے اور معاصر سلاطین کی شان میں مدحیہ تحریریں پیش کرتے رہے، بلبن کے عہد کا ایک کتبہ قلعہ دہلی میں آثار قدیمہ کے عجائب گاہ میں موجود ہے، یہ پالم کے پاس ایک گاؤں کے کنویں میں نصب تھا، جو موجودہ دہلی سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع تھا اس کی زبان سنسکرت ہے، اس میں بلبن سے متعلق ہے کہ وہ بادشاہ ہے جس کی قابل تعریف حکومت میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تمام ملک مطمئن اور قانع ہے، بنگال کے گور شہر سے افغانستان کے شہر غزنہ تک اور دکن میں اور دراوڑ علاقہ اور رامیشور تک ہر جگہ ملک اس طرح منور ہو رہا ہے جیسے درختوں کی خوبصورتی سے موسم بہار میں زمین مزین ہو جاتی ہے اور اس بادشاہ کی خدمت میں جو متعدد راجے آتے جاتے ہیں، اُن کے مکٹوں سے گرے ہوئے جواہرات کی چمک دمک کھل جانے سے سارا ملک جگمگا رہا ہے، فوجوں کی قوت کے متعلق لکھا ہے کہ گنگا کے دہانے سے سندھ کے دہانے تک بحر تا بحر وہ تمام ملک پر حاوی تھیں اور اُن کی بدولت ہر شخص امن و سلامتی سے دن بسر کر رہا تھا، جب سے اس سلطان ذی شان نے دنیا کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا ہے، دنیا کو سہارا دینے والے شش ناگ دھرتی کے بوجھ سے سبک دوش ہو بیٹھے ہیں اور وشنو بھگوان جہاں کی نگہبانی کا خیال چھوڑ کر اطمینان سے دودھ کے سمندر پر محوِ استراحت ہیں اس سلطان کے عہد معدلت مہد میں جو سیکڑوں عالی شان شہروں کا والی ہے، دہلی کا دل فریب شہر خوشحال اور فارغ البال ہے، یہ شہر دھرتی ماتا کی طرح بے شمار جواہرات کا خزانہ ہے، شورگ دھام کی طرح عیش و عشرت کا ٹھکانا ہے پاتال کے مانند شہزوردیتوں کا مسکن ہے اور مایا کی طرح دلکش اور دل فریب ہے۔(۱)

فیروز شاہ تغلق رتن سیکھر شاعر کا بڑا احترام کرتا، اکبر کے زمانے سے تو ہندی اور سنسکرت کے شعرا اور فضلا دربار میں برابر رہنے لگے، اس کے دربار کے بعض ہندی اور سنسکرت شعرا اور فضلا کے نام یہ ہیں:

راجہ ٹوڈر مل، راجہ بیربل، عبدالرحیم خانخاناں، مرزا منوہر، مہاپاتر نرہری، بندی جن، ہول رائے، جگناتھ، راجہ مکند سنگھ ہاڈا، گنگ، گنگ بھٹ، میاں تان سین، راجہ مان سنگھ کچھواہہ، اکبر یہ کالیداس، بھانو چندر، سدھا، چندرا وغیرہ، اکبر راجہ بیربل کو بہت محبوب رکھتا تھا، دونوں ایک جان دو قالب تھے، اسی لیے اکبر نے فتح پور سیکری میں اس کا مکان اپنے محل کے بغل ہی میں تعمیر کروایا، جو اب بھی اپنی باریک بیلوں اور نقش و نگار کی وجہ سے سیاحوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، اکبر کو اس کی ہندی شاعری بہت پسند تھی، اسی لیے کب رائے کا خطاب دیا، پھر منصب دو ہزاری عطا ہوا،

(۱) ہندوستان کے معاشرتی حالات ازمنہ وسطیٰ میں، عبداللہ یوسف علی ص ۱۰۰-۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لیے صاحب السیف والقلم کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا، اکبر کا بڑا محرم راز رہا، اسی لیے حرم سرا کے اندر بھی بلا لیا جاتا تھا، ۱۵۸۶ء میں یوسف زئی کے خلاف ایک مہم میں بھیجا گیا، جہاں ہلاک ہوا، اس کی لاش کا پتہ نہ چلا، اکبر کو اس کی خبر ملی تو دو رات دن کھانا نہ کھایا اور اپنے غمناک جذبات کا اظہار اس شعر میں کیا :

دین دیکھی سب دین ایک نہ دینو دوسہ دکھ
سو ہم کہوں ادب دیں کچھ نہیں راکھیو بیربل

اکبر نے اپنے دربار کے دوسرے ہندی شاعر کو مہا کوی کا خطاب دیا تھا ایک بار اس نے اپنی کبتائیں سُنائی تو اکبر، ایسا متاثر ہوا کہ اس کے بعد گاؤکشی اپنی سلطنت میں بند کرادی، ایک اور ہندی شاعر سورج داس اکبر کے زمانہ میں امین کے عہدے پر تھا، اس نے سادھوؤں کی تواضع اور دعوت میں شاہی خزانہ میں سے تیرہ لاکھ دام خرچ کر دیے اور حسب ذیل ہندی شعر لکھ کر روپوش ہوگیا :

تیرہ لاکھ سنڈ یلے آئے، سب سادھوؤن میلی گٹکے
سورج داس مدن موہن کوی راتی آدھی ہی سٹکے

اکبر کو یہ معلوم ہوا تو سورج داس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔(۱)

سنسکرت میں بھی اکبر کی شان میں بہت سے اشعار کہے گئے، اکبر یہ کالیداس نے اکبر کی شان میں جو اشعار سنسکرت میں کہے اس کے یہ معنیٰ تھے کہ اس کے گلابی ہاتھ میں چمکتی ہوئی سیاہ تلوار ایسی معلو ہوتی ہے، جیسے کنول کے اوپر شہد کی مکھیوں کا جھنڈ یا جیسے چاند میں سیاہ دھبے یا جیسے آگ میں دھواں ہو یا ہاتھی دان کرتے وقت اس کے سر میں مستی سے بھری ہوئی لکیر، ایسی معلوم ہوتی ہے، جیسے حسن کی جھیل میں گھاسوں کے بیچ میں بط ہو وغیرہ۔

جگناتھ پنڈت راج نے اکبر کو اپنی ایک کبت میں دلیشورواجگدیش دروا کہا ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ دہلی کا بادشاہ جگت کا بادشاہ ہے جگناتھ پنڈت راج نے جہاں گیر اور شاہ جہاں کی

(۱) مڈیول انڈیا کوارٹرلی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جولائی اکتوبر ۱۹۵۷ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شان میں بھی مدحیہ اشعار لکھے، جہاں گیر کو مخاطب کر کے کہتا ہے، آپ کا مقدس دھاگا سیاہ کیوں ہوگیا، یہ سیاہ سوت سے مل گیا، کہاں ملا، نربدا کے پانی میں، پانی میں کاجل کیسے ملا؟ جو غصہ سے بھرے ہوئے بادشاہ نورالدین (جہاں گیر) کے دشمن ہیں، ان کی لڑکیوں کی خوب صورت آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا وہی پانی میں مل گیا۔

شاہ جہاں کی شان میں کہتا ہے، ''اے بادشاہ شہاب الدین (شاہ جہاں) یہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص دنیا میں نہ موجودہ اور نہ گذشتہ زمانہ میں آپ کی لیاقت کے برابر ہوا اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اگر خالق دنیا کو پھر سے نئی چیزوں سے پیدا کرے تو بھی کوئی کسی لحاظ سے آپ کی برابری نہیں کر سکے گا۔''

شاہ جہاں کی ملکہ ممتاز محل بنسی دھر مصرا کی شاعری پسند کرتی تھی، اس لیے شاہ جہاں کے محبوب شاعر جگناتھ سے اس کی نوک جھونک بھی ہوتی، ایک بار جگناتھ نے اپنی شاعری میں کہا کہ شاہ جہاں ایک شیر کی طرح ہے جو کسی جگہ ہاتھی نہیں دیکھتا، بلکہ اپنے چاروں طرف صرف ہرنوں کو دیکھتا ہے، جو ادنیٰ نسل کے ہیں، وہ اپنے پنجوں کی غیر معمولی طاقت کا اظہار کس طرح کرے، بنسی دھر نے کہا کہ وہ شنکر کا محبوب ہے، اس لیے ایک سانڈ (شنکر کی سواری) ہے اور وہ (بنسی دھر) درگا دیوی (یعنی ممتاز محل) کا محبوب ہے، اس لیے ایک شیر (درگا دیوی کی سواری) ہے۔

ہری نرائن مصرا بھی شاہ جہاں کے دربار کا ایک سنسکرت شاعر تھا، وہ شاہ جہاں کو مخاطب کر کے اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ ایک بڑے اور بھاری بادل نے ایک بلند پہاڑ کی اونچی چوٹی پر برسنا شروع کیا تو اے بادشاہ! سرسوتی کا دریا فتح مند پُرشور اور پاک وصاف ہوگیا، اے شاہ جہاں میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس دریا کی پاکی کی وجہ سے اس میں جو نہاتا ہے، اس کا سر کنول کی طرح چمکیلا اور روشن ہوجاتا ہے اور اس کے بال شہد کی مکھی کی طرح ہوجاتے ہیں، بادل سے مراد شاعر ہے، بلند پہاڑ کی اونچی چوٹی بادشاہ کے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بادشاہ کی تعریف میں شاعر کی شاعری سنتا ہے تو اس کا چہرہ کنول کی طرح شگفتہ ہوجاتا ہے۔

سنسکرت کے ایک اہل قلم منیشور نے علم نجوم پر سنسکرت میں ایک کتاب لکھ کر شاہ جہاں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام سے معنون کی، اسی طرح بھگوتی سوامن نے سنسکرت عروض پر کتاب لکھی تو وہ بھی شاہ جہاں کے نام سے معنون ہوئی، ویدنگ راجہ نے بھی اپنی ایک کتاب شاہ جہاں کے نام سے معنون کی۔ (۱)

۱۰۶۱ھ میں ایک ہندی شاعر نے شاہ جہاں کے نام سے ایک کبت کہی تو اس کو دو ہزار روپیے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا، (۲) ہندی میں سندر اس کے دربار کا کب رائے یعنی ملک الشعرا تھا، ہندی کے مشہور شعرا چنتا منی اور راجہ شمبھونات اس کے دربار سے منسلک رہے، ایک شاعر سرسوتی نے شاہ جہاں کی فرمائش پر کوندا کلب لتا لکھی، اس میں شاہ جہاں، داراشکوہ اور جہاں آرا پر مدحیہ نظمیں ہیں، ایک بار شاہ جہاں کے خسر یمین الدولہ نے ترہت کے دو برہمنوں کو دربار میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ دونوں دس ہندی کبتائیں جو دس شاعروں نے تازہ کہی ہوں اور کسی نے نہ سنی ہوں ایک بار سن کر یاد کر لیتے ہیں اور اسی وزن اور مضمون میں دس شعر فی البدیہ کہہ دیتے ہیں، امتحان ہوا تو سچ ثابت ہوا، شاہ جہاں نے دونوں کو خلعت اور ہزار ہزار روپیے انعام دیے۔ (۳)

ادبی مجلسیں: جن سلاطین کو علمی و ادبی ذوق رہا وہ اپنی نجی مجلسوں میں شاعروں اور ادیبوں کو جمع کیا کرتے تھے، جلال الدین خلجی کی نجی صحبتوں میں امیر خسرو اور حسن سنجری تاج الدین عراقی، موید دیوانہ، امیر ارسلان قلی، اختیار الدین باغی، باقی خطیر وغیرہ رہتے اور اس کو اپنی زمزمہ سنجیوں اور نغمہ سرائیوں سے محظوظ کرتے رہتے، جلال الدین نے امیر خسرو کو اپنا دوات دار اور حسن سنجری کو مصحف دار بنا لیا تھا، امیر خسرو کو سفید کمر بند لگانے کی بھی اجازت دے دی تھی جو شاہی خاندان کے افراد اور جلیل القدر امرا کی امتیازی شان تھی۔ (۴)

مسالک الابصار کے مؤلف کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق کے دربار میں بارہ سو فلسفی اور ایک ہزار عربی، فارسی اور ہندی شعرا تھے، ان کو سلطان خاطر خواہ تنخواہیں اور جاگیریں دیا کرتا تھا، شاہی دسترخوان پر یہ لوگ باری باری بلائے جاتے، شعرا کی باریابی سال میں کئی مرتبہ ہوتی، وہ

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو انگریزی مضمون Sanskrit under Muhammadan Patronage از گنڈے راؤ ہرکارے اسلامک کلچر حیدر آباد دکن اکتوبر ۱۹۵۲ء (۲) ہسٹری آف دی ہندی لٹریچر از کئی (۳) مآثر الامرا جلد اول ص ۱۵۸ (۴) برنی ص ۱۹۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیدین اور رمضان مبارک کی پہلی تاریخ کو ضرور حاضر ہوتے اور اپنے قصائد سناتے، بدر چاچ کے قصائد میں سلطان کے جلال وعظمت کا اندازہ ہوتا ہے، خود سلطان پڑھا لکھا تھا، فطرت کی طرف سے اس کو غیر معمولی حافظہ عطا ہوا تھا، ایک جید عالم اور ایک ممتاز شاعر ہونے کے علاوہ منطق، ہیئت، فلسفہ ریاضی اور طبعیات میں بھی پوری استعداد رکھتا تھا، بڑے بڑے علما اور منطقی بھی، اس سے بحث کرنے میں گھبراتے اور وہ ممتاز شعرا، ادبا اور ارباب علم سے بحث کرتا، تو ان کو زچ کر دیتا، اس کی نجی مجلسوں میں برابر علمی مذاکرے ہوتے رہتے، صدر جہاں کے یہاں بھی روزانہ اس قسم کی علمی مجلسیں ہوتی رہتی تھیں، سلطان بلاتکلف اس کے یہاں چلا جاتا اور وہاں سعد منطقی، عبید شاعر، نظام الدین انتشار سے اس کے بڑے بڑے علمی مجادلے ہوتے۔(۱)

تیموریوں کی بزم شاعری: بابر کی معیت میں برابر شعرا رہتے، اس کی ایک ادبی مجلس جالہ میں ہوئی، شیخ زین املاعلی خاں، تروی بیگ وغیرہ شعرا ساتھ تھے اثنائے صحبت میں محمد صالح کا یہ شعر پڑھا گیا:

محبوبی ہرعشوہ گرے راچہ کند کس ☆ جائے کہ تو باشی دگرے راچہ کند کس

اس پر شعرا فکر کرنے لگے، بابر اپنے ساتھ ملاعلی خاں سے بے حد بے تکلف تھا، ہنسی سے اس نے اس کی طرف مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا:

مانند تو مدہوش گرے راچہ کند کس ☆ نرگاؤ کسے مادہ خرے راچہ کند کس

لیکن اس کو فوراً دکھ ہوا، کہ جب وہ مثنوی مبین جیسی مقدس چیز لکھ چکا ہے تو اس کی زبان سے ایسا بے ہودہ شعر نہ نکلنا چاہیے، اسی وقت سے اس نے ہزل کہنا ترک کر دیا، کابل کے مرغزار میں وہ اپنے خوش طبع دوستوں اور شاعروں کے عیش وعشرت کی بزم منعقد کرتا تھا، اسی مناسبت سے حسب ذیل شعر کہہ کر وہاں کے ایک حوض پر کندہ کرایا تھا:

نوروز ونوبہار مئے ودلبرے خوش است ☆ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یہ شعر آج بھی لوگوں کی زبان پر ہے۔(۲)

---

(۱) تزک بابری ص ۵۴-۲۵۳۔ (۲) فرشتہ جلد اول ص ۲۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمایوں کے دامن سے بہت سے ممتاز شعرا مثلاً جنوبی بدخشانی، ملا حیرتی، نادری سمرقندی، فارغی ہراتی، طاہر دکنی، کاہی کابلی وغیرہ وابستہ تھے، وہ ان شعرا کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا، جن سے شعر وشاعری کی مجلسیں برابر گرم رہتیں، ہمایوں کی نکتہ سنجی اور معانی آفرینی ان صحبتوں میں خوب پروان چڑھی، اسی لیے وہ کبھی کبھی اساتذہ کے کلام میں بے تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اس کے سامنے یہ شعر پڑھا:

ہم چو پروانہ بہ شمع سروکاراست مرا ☆ پس اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرع میں اصلاح دی:

ع: می روم پیش اگر بال و پرم می سوزد (۱)

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوتے، اسی طرح ایک موقع پر جاہی تیمان نے شاہ محمد خاں شاہ پوروالی کابل سے ناراض ہوکر اس کی ہجو کہی اور ہمایوں کے سامنے پڑھی، اس کا آخری شعر یہ تھا:

وائے کس کہ بہ خیل شعرا بہ ستیزد ☆ ہر کہ باما بہ ستیزد بہ بلا بستیزد

آخری مصرع سُن کر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس طرح پڑھو:

ہر کہ باما بستیزد بخدا بستیزد

اکبر زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا لیکن فارسی کی مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اُس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاقِ ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوباتِ شرف الدین منیری، گلستان حدیقہ، مثنوی معنوی، جامِ جم، بوستان، شاہنامہ خمسۂ نظامی خسرو اور مولانا جامی کی کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان اس کے سامنے برابر پڑھے جاتے اور وہ پڑھنے والے کو جیب خاص سے انعام دیتا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کو دیوانِ حافظ اور مثنوی مولانا روم کے بہت سے اشعار یاد تھے، بار بار اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کیا کرتا، مثلاً ایک بار اس کے سامنے فغانی کا یہ شعر پڑھا گیا:

---

(۱) اکبر نامہ جلد ا، ص ۲۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسیحا یار وخضرش ہم رکاب وہم عناں عیسیٰ

فغانی آفتابِ من بدیں اعزاز می آید

اکبر نے دوسرے مصرع میں برجستہ یہ اصلاح دی:

فغانی شہ سوار من بدیں اعزاز می آید

ایک موقع پر طالب اصفہانی کی حسب ذیل رباعی اُس کے سامنے پڑھی گئی، اس میں حکیم ابوالفتح گیلانی کی موت پر افسوس اور اس کے بھائی حکیم ہمام کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا:

مہرو وبرادرم کہ دمساز آمد ☆ اوشد بہ سفر دین زسفر باز آمد

او رفت بدنبالہ او عمر برفت ☆ دین آمد وعمر رفتہ ام باز آمد

اکبر نے اس رباعی کو سُنا تو کہا کہ دنبالہ کے لفظ سے شعر میں گرانی پیدا ہوگئی ہے، اس لیے یہ مصرع اس طرح پڑھا جائے تو بہتر ہے۔

او رفت زرفتنش مرا عمر برفت

تمام شعرا میں اکبر فیضی کو بہت محبوب رکھتا، اور جب فیضی کا انتقال ہوا تو اکبر نے غایت اضطراب اور صدمہ میں سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی(۱) اور جب شہزادہ سلیم نے ابوالفضل کو قتل کرایا تو اکبر فرطِ غم سے نڈھال ہوگیا اور کہا کرتا کہ اگر شاہ زادہ کو بادشاہت چاہیے تھی تو مجھ کو قتل کر دیتا لیکن شیخ کو چھوڑ دیتا اور یہ شعر پڑھتا:

شیخ ماازشوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ

زاشتیاق پائے بوسی بے سرو پا(۲) آمدہ

وہ ہندی کے شعرا کے ساتھ کبھی کبھی ہندی میں طبع آزمائی بھی کر لیتا تھا، راجہ مان سنگھ کو اکبر نے اپنے سوتیلے، بھائی مرزا حکیم کے خلاف کابل کی مہم پر روانہ کیا تو راجہ مان سنگھ نے اٹک پہنچ کر آگے بڑھنے سے انکار کیا اور کچھ مذہبی عذر پیش کیا، اکبر نے اس کو حسب ذیل شعر لکھ کر بھیجا:

بسئے بھومی گوپال کی یاین اٹک کہاں ☆ جا کے من میں اٹک ہے سوئی اٹک کہاں(۳)

---

(۱) منتخب التواریخ از بدایونی ج ۲، ص ۴۰۶۔ (۲) مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۱۷۔ (۳) حاشیہ آئندہ صفحہ پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں گیر کا دربار بھی باکمال شعرا سے بھرا رہا، وہ خود شعر وشاعری کا پاکیزہ ذوق رکھتا تھا، اس لیے کبھی یہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس کے سامنے شاعری میں کسی قسم کی بدمذاقی کی جائے، ایک دفعہ ایک شاعر نے جہاں گیر کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا:

ع : اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہاں گیر نے کہا عروض بھی جانتے ہو، شاعر نے کہا، حضور نہیں، جہاں گیر نے کہا اچھا ہوا ورنہ تمہارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کر کے بتایا کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے، لت بر سرت اور یہ سخت بے ادبی ہے۔

اسی زمانہ میں مے تخلص کا ایک شاعر تھا، جو قوم کا کلال تھا، کلال شاہی درباروں دربانی اور چاؤشی کیا کرتے تھے، مَے نے نور جہاں بیگم کے توسل سے جہاں گیر کے دربار میں شاعری کی تقریب سے رسائی پیدا کرنی چاہی، جہاں گیر نے کہا کہ ان لوگوں کا کام چاؤشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت لیکن نور جہاں کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی، مے نے یہ شعر پڑھا:

مے بگر یہ سرے دارد اے نصیحت گر ☆ کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

جہاں گیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشہ کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نور جہاں بیگم نے تقریب کی، مے نے مطلع پڑھا:

من می روم وبرق زناں شعلۂ راہم ☆ اے ہم نفسان دور شوید از سرِ راہم

جہاں گیر نے ہنس کر کہا، وہ اثر کہاں جا سکتا ہے۔(۱)

دربار کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے تمام شعرا بہت ہی شائستہ اور مودّب ہو کر اپنا کلام سنایا کرتے تھے، خود عرفی جیسے مغرور اور خود پسند شاعر کا بیان ہے کہ جب وہ شہزادہ سلیم کے دربار میں حاضر ہوا اور شہزادہ نے وقار و تمکنت سے عرفی کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور اس سے مخاطب ہوا،

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: (۳) مڈیول انڈیا کوارٹرلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جولائی، اکتوبر ۱۹۵۷ء۔

(۱) کلمات الشعراص ۱۰۹، نیز دیکھو شعر العجم حصہ سوم از مولانا شبلی نعمانیؒ ص ۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو عرفی کو محسوس ہوا کہ اس کا سامعہ کوثر کی موجوں میں ڈوب گیا ہے، اسی طرح طالب آملی بھی پہلی دفعہ ایک درباری امیر دیانت خاں کی وساطت سے جہاں گیر کے دربار میں پیش کیا گیا تو طالب اس کے سامنے آ کر ایسا مخمور اور مسحور ہو گیا کہ وہ جہاں گیر کی کسی بات کا جواب نہ دے سکا، دیانت خاں کو بڑی ندامت ہوئی، مگر طالب گھر پر آیا تو دیانت خاں کو معذرت میں ایک قطعہ لکھ کر بھیجا۔

کچھ شعرا ایسے بھی گزرے ہیں جو شاہ جہاں جیسے بارعب بادشاہ کی خدمت میں گستاخ رہے ان ہی میں شیدا بھی تھا، ایک بار شاہ جہاں نے اس سے پوچھا کہ تم شعر اچھا کہتے ہو، یا حکیم حاذق گیلانی، شیدا نے بادشاہ کے اس سوال کو ناپسند کیا کیوں کہ وہ حکیم حاذق گیلانی کو اپنا مدّ مقابل نہیں سمجھتا تھا اور اس کی ہجو کہہ چکا تھا، اس لیے جل کر بولا ہم دونوں سے رائے پائے داس بہتر کہتا ہے، رائے پائے داس شاہی دربار کا ادنی ملازم تھا، جو مضحک اشعار کہتا تھا، شاہ جہاں اس جواب سے بہت کبیدہ خاطر ہوا اور شیدا کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا، ایک موقع پر شیدا کا یہ مشہور شعر شاہ جہاں کو سنایا گیا۔

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے ☆ حسن را پروردگار و عشق را پیغمبرے

شاہ جہاں نے ام الخبائث شراب کی یہ توقیر اپنے قلم رو میں پسند نہیں کی لیکن شیدا نے اپنی برأت میں جامی کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا :

از صراحی دوبار قلقل مے ☆ پیش جامی بہ از چہار قل است

پھر ایک طویل قطعۂ معذرت میں لکھ کر شاہ جہاں کی خدمت میں پیش کیا، اس کو سن کر شاہ جہاں نے اس کو معاف کر دیا۔(۱)

شعر و شاعری کا چرچا مغل خاندان کے بادشاہوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی مجلسوں میں برابر جاری رہا اور اس کی روایت اخیر وقت تک قائم رہی، بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں تو لال قلعہ ایک مستقل مشاعرہ کی مجلس بن کر رہ گیا تھا، اس زمانہ کے تمام شعرا بہادر شاہ ظفر کے حضور میں جمع رہتے، ان میں سب سے زیادہ تقرب ذوق کو حاصل رہا، دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے لطف

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے بزم تیموریہ مؤلفہ خاکسار ص ۳۰۰-۲۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھاتے اور برجستہ اشعار کہتے، ایک بار برسات کا موسم تھا، بہادر شاہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ قطب صاحب گیا ہوا تھا، مرزا فخرو اور ذوق بھی ساتھ تھے، دونوں چاندنی رات میں ایک تالاب کے پاس چاندنی کی بہار دیکھ رہے تھے، مرزا فخرو کی زبان سے نکلا:

چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبیں تالاب پر

ذوق سے کہا گیا کہ مصرعہ لگائیے، انھوں نے فوراً کہا:

تابِ عکسِ رُخ سے پانی پھیر دے مہتاب پر

ایک دن معمولی دربار تھا، ذوق موجود تھے، ایک شہزادہ آیا اور بادشاہ سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ کر چلا گیا، حکیم احسن اللہ نے عرض کیا کہ یہ آنا کیا تھا اور جانا کیا تھا، بادشاہ کی زبان سے نکلا:

ع: اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ذوق نے اسی وقت کہا:

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ☆ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اسی دربار میں بہادر شاہ کی موجودگی میں ذوق اور غالب میں چوٹیں بھی ہوتی رہتیں، غالب نے ذوق ہی پر طنز کیا ہے:

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا ☆ وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

اور پھر جب غالب نے مرزا جواں بخت کی شادی کے موقع پر سہرے کے مقطع میں یہ کہا کہ:

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں ☆ دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

تو ذوق کے ساتھ بہادر شاہ ظفر نے بھی اس کی چبھن محسوس کی اور ذوق نے اپنے سہرے میں یہ کہہ کر جواب دیا:

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دو اس کو ☆ دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

اور آخر میں غالب کو یہ کہنا پڑا:

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ ☆ سودا نہیں، جنون نہیں، وحشت نہیں مجھے

علما کی مجلسیں: جن بادشاہوں کا رجحان زیادہ تر علما کی طرف رہا، وہ اپنی مجلس میں علما ہی کو مدعو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے، ایلتتمش اپنے محل کے اندر ہفتہ میں تین روز علما کی مجلس کرتا، رمضان شریف میں مجلس روزانہ ہوتی، ذی الحجہ اور محرم کے عشرہ میں بھی علما روزانہ جمع ہوتے، جمعہ کے روز نماز کے بعد مشائخ، علما دونوں خاص طور پر بلائے جاتے، اس وقت ان کو حق گوئی اور صاف گوئی کی پوری اجازت ہوتی اور وہ سلطان کو بادشاہت کے فرائض سے آگاہ کرتے۔(۱)

بلبن علما کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، اُن کے سامنے کبھی خود کھانے میں پیش دستی نہیں کرتا، کھانے کے وقت فضول باتیں کرنے کے بجائے علما سے دینی مسائل کی تحقیق کرتا رہتا، جس سے اس کا دسترخوان مذہبی مذاکرے کی ایک مجلس میں منتقل ہو جاتا، وہ اپنے جلال و جبروت کے باوجود، ان کے گھروں پر بھی بے تکلف چلا جاتا، ان میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو تعزیت کے لیے اُن کے گھر پر جاتا، اُن کے جنازے میں شریک ہوتا اور اُن کے عزیزوں کو وظیفہ اور جاگیریں عطا کرتا، اس کی سواری شاہانہ کروفر سے کہیں گذرتی ہوتی اور کسی واعظ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا تو وہیں اتر جاتا اور عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر وعظ میں خدا اور رسول کے احکام سنتے وقت اس پر رقت طاری ہو جاتی اور ڈھاریں مار مار کر رونے لگتا۔(۲)

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں شیخ الاسلام روزانہ ایک پہر دن گزرنے کے بعد اس سے ملنے کو تشریف لاتے اور اس وقت سلطان محل چھجہ میں ایک نہالچہ کے اوپر بیٹھا رہتا تھا جب وہ آتے تو سلطان اُن کے استقبال کے لیے کھڑا ہو جاتا اور اپنے ہاتھ شیخ کے قدموں تک لے جاتا، شیخ الاسلام سلطان کو دعا دیتے اور اپنے سینہ سے لگا لیتے، اس کے بعد دونوں ایک ہی جگہ بیٹھتے کوئی اور نہ ہوتا، دونوں میں بے تکلفانہ باتیں ہوتیں، کھانے، شربت، میوؤں اور پان وغیرہ کا بھی دور چلتا اور جب شیخ الاسلام کو کسی ضرورت کے متعلق کچھ کہنا ہوتا تو وہ زبانی نہ کہتے، بلکہ ایک کاغذ پر لکھ کر اک دستار چہ میں لپیٹ کر وہیں چھوڑ جاتے، سلطان ان کو رخصت کر لیتا تو وہ کاغذ پڑھتا اور اسی وقت جواب لکھ کر کسی ملک کی معرفت بھجوا دیتا اور شیخ الاسلام کے خانقاہ پہنچنے سے پہلے یہ جواب وہاں پہنچ جاتا۔(۳)

---

(۱) برنی ص ۴۲-۴۴، بزم مملوکیہ ص ۸۷-۸۶۔ (۲) برنی ص ۴۷-۴۶۔ (۳) عفیف ص ۸۷-۲۸۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکندر لودی رات کا کھانا علما وفضلا کی موجودگی میں کھاتا اور اس موقع پر مذہبی اور علمی مباحثے ہوتے۔

بابر کے ساتھ شیخ زین الدین جیسے معقولات اور منقولات کے جید عالم، مولانا شہاب الدین جیسے مفسر اور محدث اور مولانا بقائی جیسے عالم اور شاعر برابر رہے، ہمایوں کے دربار کے خواند امیر مولانا یوسف بن محمد ہروی، محمد بن اشرف الحسینی اور بایزید جیسے فضلا نے اس کی ہم جلیسی کی، اکبر نے فتح پور سیکری میں جو عبادت خانہ بنوایا تھا، اس میں وہ علما کو بلاتا اور ان سے مذہبی مسائل پر تبادلہ خیال کرتا، شیخ مبارک ناگوری، ملا عبدالنبی، مولانا عبداللہ سلطان پوری، شیخ نظام نارنولی، شیخ اوہن، شیخ رکن الدین، شیخ عبدالعزیز، شیخ الہدیہ، شیخ عبدالغفور، میر فتح اللہ سبزواری، میر مرتضیٰ، مولانا سعید ترکستانی، حافظ تاشکندی، مولانا علاء الدین، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا نورالدین ترخانی، مولانا عبدالباقی اس کے دربار کے اہم علما تھے۔

جہاں گیر میران صدر جہاں پہانی، مولانا مرزا شکراللہ شیرازی، مولانا تقیاتی شوستری، مولانا مرزا محمد قاسم گیلانی، ملا عبداللطیف سلطان پوری اور آخر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بڑا قدرداں رہا۔

شاہ جہاں کے دربار میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا محمد فاضل بدخشانی، قاضی محمد اسلم، قاضی محمد سعید، ملا میرک ہروی، ملا عبداللطیف، میر محمد ہاشم، ملا فرید دہلوی، میر محمد صالح نے رہ کر اس کے مذہبی خیالات کے نشوونما میں بڑی مدد پہنچائی۔

اورنگ زیب تو سراسر علما کے زیر اثر رہا، وہ اپنے استاذ ملا جیون سے اسی طرح ادب سے پیش آتا، جس طرح بچے باپ سے پیش آتے ہیں، اورنگ زیب اپنے محل میں ہفتہ میں تین روز علمی مجلس کراتا جس میں بہت سے علما شریک ہوا کرتے تھے، شیخ نظام برہان پوری اس کی شاہ زادگی کے زمانے میں اس کے ساتھ چالیس سال رہے، وہ اُن کے علمی تبحر کا بڑا قائل تھا، اس لیے خلوت میں بلا کر اُن سے احیاء العلوم پر مذاکرے کرتا تھا، فتاوے عالم گیری کی تدوین میں تقریباً پچاس علما جمع کیے گئے، اس کے سربراہ شیخ نظام برہان پوری ہی تھے، ان کا معمول تھا کہ وہ ہفتہ میں تین روز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتاوائے عالمگیری کا کچھ حصہ لے جا کر عالم گیر کو سناتے تھے، عالم گیر کی نظر میں جب کوئی مسئلہ کھٹکتا تو اس پر شیخ صاحب سے بحث و تمحیص کرتا تھا۔

نجومی و ہیئت داں: نجومی اور ہیئت داں بھی دربار کے ضروری اجزا تھے، وہ ہر کام کے لیے نیک ساعت مقرر کرتے تو وہ کام انجام دیا جاتا اور اگر وہ کسی کام کے لیے نیک ساعت نہ بتاتے تو وہ کام روک دیا جاتا حتیٰ کہ اہم فوجی کوچ، دربار کے مراسم، تاج پوشی، شادی بیاہ وغیرہ معرض التوا میں آجاتے، سلاطینِ دہلی کے عہد میں معزالدین کیقباد نے اپنے باپ ناصرالدین سے اودھ جا کر ملاقات کی تو وہ اس وقت تک باپ سے نہیں ملا جب تک کہ نجومیوں نے ملنے کی نیک ساعت مقرر نہیں کی، ضیاءالدین برنی نے لکھا ہے:

''ہم برقضیہ مذکور منجمان درگاہ برحسب طالع پدر وپسر روزی مسعود ازبرائے ملاقات اختیار کردند ودراں روز بارگاہِ سلطانی نزدیک چوترہ طالسی برآوردند۔'' (ص ۱۴۲)

مغل بادشاہوں کو تو نجومیوں پر ضرورت سے زیادہ اعتقاد ہو گیا تھا، خود ہمایوں کو علم ہیئت ونجوم سے بڑا شغف رہا، اس فن میں اس کے استاد علامہ الیاس اردبیلی تھے، جو ہیئت کے تمام فنون میں بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، وہ ہمایوں کو اس قدر عزیز تھے کہ اُن سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا، جب تخت وتاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق اور ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس میں مصیبت اور پریشان حالی میں بھی وہ اپنے استاد اور ایک دوسرے ماہر ہیئت شیخ ابوالقاسم جرجانی سے درس لیتا تھا، (۱) وہ جب کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا تو ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا، اس کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہوئی تو اس نے ایک ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بڑا ماہر تھا، کئی مہینے تک اپنے دربار میں روک رکھا تا کہ وہ چاند اور سورج کے گرہوں کا حساب تیار کرے اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خطِ استوا کے نکات پڑھنے میں مدد دے (۲) ہمایوں کی عزیز جان اسی فن کی خاطر گئی، پرانی دہلی میں شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے ایک سہ منزلہ عمارت تھی، ہمایوں کی اس عمارت کی برجی کی بلندی کی وجہ سے اس کو رصد خانہ بنا لیا تھا،

(۱) اکبر نامہ جلد اول ص ۲۲۱۔ (۲) معارف ج ۳۲ ص ۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جارہا تھا، ہمایوں ریاضی دانوں کے ساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر زہرہ کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی، وہ اذان سن کر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا اور سخت زخمی ہو گیا اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا۔(۱)

ہندوستان میں کُرے اور اصطرلاب کا رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا جو اصطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور تھا (۲) پہلے ذکر آچکا ہے کہ اس کا دربار میں بشاط نشاط فلکی دائرے پر مشتمل تھی اور دربار کا لباس بھی ستاروں کی مناسبت سے روزانہ بدلا کرتا تھا، اس نے ایک خرگاہ بھی تیار کرائی تھی، اُس کی تقسیم آسمان کے بارہ برجوں کے مطابق کی تھی، ہر برج کے سوراخوں میں سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے، اس طرح اُس نے زمین پر آسمان کا نقشہ اُتار لیا تھا۔

اس فن کو فروغ دینے کے لیے اکبری عہد میں ملا چاند اکبری نے تسہیلات اور شاہ جہانی عہد میں ملا فرید نے کارنامہ صاحب قرانی زیچ شاہ جہانی اور آخر میں راجہ جے سنگھ کچھواہہ نے زیچ محمد شاہی تیار کرائی، اکبر تو نجومیوں کا اس قدر دلدادہ تھا کہ اس کے محل کے اندر اُن کے بیٹھنے کے لیے ایک خاص عمارت ہوتی، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، وہ کسی مہم سے واپس آتا اور نجومی فتح پور سیکری اور آگرہ سے باہر پایۂ تخت میں داخل ہونے کی ساعت ٹھیک نہیں بتاتے تو وہ باہر اس وقت تک رُکا رہتا، جب تک کہ نیک ساعت نہ آتی، جہاں گیر، شاہ جہاں اور حتی کہ اورنگ زیب (۳) کی تاج پوشی نجومیوں کی مقرر کردہ ساعت ہی پر ہوئی، عام طور سے نکاح بھی اسی ساعت ہوتا، جب نجومی اس کو مبارک بتاتے۔(۴)

ندیم خاص: تمام فرماں رواؤں کے ساتھ اُن کے خلوت وجلوت میں ندیم رہا کرتے تھے، عام طور سے وہ ایسے شخص کو ندیم خاص بناتے جس میں بذلہ سنجی، حاضر جوابی، سخن آرائی، خوش الحانی، مزاج شناسی وغیرہ کا غیر معمولی وصف ہوتا، سلاطین دہلی کے عہد میں امیر خسرو اپنی جامعیت کی وجہ سے یہ

(۱) اکبر نامہ جلد اول ص ۳۶۳۔ (۲) معارف جلد ۳۲ ص ۱۸۸۔ (۳) مآثر عالمگیری ص ۲۲۔ (۴) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام صفتیں بھی رکھتے تھے، اس لیے وہ جلال الدین خلجی جیسے نرم دل، علاء الدین خلجی جیسے تند مزاج، قطب الدین مبارک خلجی جیسے رند اور بدمست اور غیاث الدین تغلق جیسے بیدار مغز فرماں روا کے درباروں میں یکساں طور پر مقبول رہے، مغلوں کے زمانہ میں راجہ بیربل کی ندیمی اپنی مثال آپ ہے، وہ شروع میں کبت پڑھ پڑھ کر بھیک مانگتا پھرتا لیکن بعد میں اکبر سے ملاقات ہوئی تو اس کی ادا اس کو بھا گئی اور اس کی ملازمت میں داخل ہو کر اتنا فروغ پایا کہ کب رائے (ملک الشعرا) اور پھر راجہ بیربل کا خطاب پایا اور اپنی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، حاضر جوابی، چرب زبانی اور مزاج شناسی سے اکبر کے یہاں ایسا رسوخ پیدا کیا کہ اکبر کو اس کے بغیر چین نہ آتا، اسی لیے اپنے محل سے ملحق ہی اس کا محل بھی بنوایا اور ضرورت کے وقت حرم سرا بھی بلا لیتا، اس کا یہ رسوخ دیکھ کر بڑے بڑے امرا اس کی مزاج داری کرتے، مآثر الامرا میں ہے:

> ''اگرچہ از بے بضاعتی وکم مایگی بہ پریشان حالی وخستگی روزگاری گذرانید، اما مجموعہ بود از فرہنگ وشعور برسائی ادراک ودرستی فہم ممتاز اقران وامثال خود چوں برہنمونی قائد اقبال بملازمت عرش آشیانی رسید بہ سخن سنجی ولطیفہ گوئی درزمرۂ ندیمان مخصوصانِ مجلس بادشاہی منتظم گشت وبتدریج گوے مسابقت وتفوق از ہمہ ارباب قرب وخصوصیت ربود اکثر درمخاطبات بادشاہی بمصاحب دانشور راجہ بیر برمورد نوازش می باشد۔'' (جلد دوم ص ۱۱۸)

ان بادشاہوں کو اگر بُرے ندیم مل جاتے تو پھر ان کو غلط راستے پر لگا دیتے، سلاطین دہلی میں معز الدین کیقباد اور قطب الدین مبارک خلجی نے اپنے ادنیٰ درجہ کے ندیموں کے ساتھ جو زندگی اختیار کی، اس سے دربار کے وقار کو بڑا صدمہ پہنچا، اسی طرح مغل بادشاہوں کی حکومت کے آخر زمانے میں، جہاں دار شاہ، محمد شاہ اور احمد شاہ کے مصاحبوں نے ان کو جس رنگ پر لگا دیا، اس سے حکومت آخر میں بالکل شام غریباں بن کر رہ گئی۔

غلام اور خدمت گزار: دربار میں غلاموں، نوکروں اور چاکروں کی بڑی کثرت رہتی، سلاطین دہلی کے زمانے میں غلاموں کا عام رواج رہا جن کی تعداد سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے تک آتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتے پچاس ہزار تک پہنچ گئی تھی، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمد تغلق کے دربار میں اس کے دائیں بائیں سوسو مسلح جوان ہاتھوں میں ڈھالیں تلواریں اور کمانیں لیے برابر کھڑے رہتے، اس کی سواری کے ساتھ بھی کئی ہزار غلام ہوتے (۱) صبح الاعشیٰ کے مصنف کا بیان ہے کہ شاہی محل کے اندر اور باہر ترکی غلام دس ہزار، خزانہ دار ایک ہزار، ہم رکاب غلام دولاکھ (؟) خواجہ سرا دس ہزار اور نیزہ باز ایک ہزار تھے، (۲) ان میں سے ہر ایک کو مہینہ میں دو من گیہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت ملا کرتا، اس کے علاوہ دس تنکے ماہانہ تنخواہ ہوتی اور سال میں چار جوڑے کپڑے بھی دیے جاتے، فیروز شاہ تغلق کے عہد میں دربار سے ایک لاکھ اسّی ہزار غلام وابستہ ہوگئے تھے، ان میں سے کچھ ملتان، کچھ دیپال پور، کچھ سامانہ اور کچھ گجرات میں بسا دیے گئے تھے اور کچھ مختلف صنعت وحرفت میں لگا دیے گئے تھے اور جو دربار سے منسلک تھے، اُن کی تنخواہیں حسب استعداد دس سے سو تنکے تھیں اور وہ دربار اور محل کے اندر آب دار، عطر دار، طشت دار، چتر دار، شمع دار، پردہ دار، جام دار، سلاح دار شکرہ دار، خاصہ دار اور سقہ کی حیثیت سے مختلف خدمات انجام دیتے تھے، وہ قرآن خوانی پر بھی مقرر ہوتے اور کتاب خانہ، علم خانہ اور گھڑیال خانہ میں بھی کام کرتے، دیوان عرض اور دیوان وزارت کے ساتھ بھی منسلک ہوتے اور ترقی کر کے بڑے بڑے عہدے حاصل کر لیتے، فیروز شاہ تغلق اپنے غلاموں کے ساتھ اپنے فرزند ہی کی طرح سلوک کرتا، ان کے خورد ونوش، لباس اور تعلیم وتربیت کا بڑا لحاظ رکھتا۔ (۳)

مغلوں کے عہد میں غلاموں کے رکھنے کا رواج نہیں تھا لیکن دربار اور محل کی نگرانی اور حفاظت کے لیے دربان، خدمتیہ، میوڑہ، لکرایت اور پیادے رہتے تھے، دربان شاہی آستانے کی پاسبانی کرتے تھے، ان کا افسر میردہ کہلاتا تھا، خدمتیہ شاہی محل کے قرب وجوار میں پہرے دیا کرتے تھے اور راستوں کے بھی نگراں ہوتے تھے، میوڑہ دور دراز مقامات سے بڑی احتیاط سے چیزیں لے آتے تھے، وہ اچھے سوار اور اچھے جاسوس بھی ہوتے تھے، لکرایت لاٹھی لے کر پہرے دیا کرتے تھے، پھر پیادوں کی تعداد بے شمار ہوتی تھی، جو ہر بادشاہ کی حکومت کے زمانہ میں ضرورت

---

(۱) ابن بطوطہ [illegible] ص ۲۰۱ (۲) [illegible] جلد ۶ [illegible] (۳) عفیف ص ۲۶۷، ۲۷۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی تھی (۱) محل کے اندر خواجہ سرا اور کنیزیں بکثرت رہتی تھیں۔

شاہانہ سواری: سلاطین محل سے باہر نکلتے تو اُن کے دربار ہی کی طرح ان کی سواریوں میں بھی شان وشوکت اور جلال ووقار قائم رکھنے کا پورا اہتمام کیا جاتا، غیاث الدین بلبن جب باہر نکلتا تو سیکڑوں امرا اور فوجی سردار اس کے گرد وپیش ہوتے۔ اس کی سواری چلتی تو پانچ سو سیستانی، عربی، سمرقندی اور غوری سوار، اُس کے جلو میں ننگی تلواریں لیے ہوئے اور بسم اللّٰہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے، اُن کے نعروں سے بازار اور جنگل گونجنے لگتے، یہ دو دو کوس تک سُنائی دیتے، تماشائی اور سامعین پر لرزہ طاری ہوجاتا، لوگ سو سو اور دو دو سو کوس سے آکر یہ تماشا دیکھتے۔

صبح الاعشیٰ میں ہے کہ جب سلطان محمد تغلق اپنے محلات میں سواری کرتا ہے تو اُس کے سر پر چتر ہوتا ہے اور سلاح دار ہتھیار سنبھالے اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور تقریباً بارہ ہزار ملوک اس کے اردگرد ہوتے ہیں، چتر بردار کے سوا کوئی اُن میں سوار نہیں ہوتا اور اگر محلات سے باہر سلطان سواری کرتا ہے تو سلاح دار اور جامہ دار بھی سوار ہوتے ہیں، اُن کے پاس لباس سلطانی ہوتا ہے، سلطان کے سر پر سیاہ جھنڈے ہوتے ہیں، جن کے درمیان ایک سنہرا اژدہا بنا ہوتا ہے، سلطان کے سوا کوئی امیر سیاہ جھنڈے نہیں رکھتا، اس کے میسرہ میں سرخ جھنڈے ہوتے ہیں، جن میں سنہرے اژدہے بنے ہوتے ہیں، سلطان کے ساتھ طبل ودمامے بھی ہوتے جن کی تفصیل یہ ہے، دو سو نقارے، چالیس بڑے ڈھول، بیس قرنا اور دس جھانجھ۔

مسالک الابصار کے مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ جب سلطان محمد تغلق ہواخوری کے لیے کہیں جاتا تو اس کے ساتھ بکثرت سپاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہوتے تھے، کوتل میں بھی گھوڑے ہوتے جن میں زین کسے ہوتے، لگامیں چڑھی ہوتیں، اُن کے بدن پر سنہری پاکھریں سجی ہوتیں، اُن کے گلے میں ہار پڑے ہوتے اور ہر ہر عضو میں زیور پہنے ہوتے، بعض گھوڑے یاقوت اور جواہرات وغیرہ سے سجے ہوتے، سلطان جب ایک محل سے دوسرے محل میں جاتا تو گھوڑے پر سوار ہوتا، اس کے سر پر چتر ہوتا اور مسلح سپاہی ہاتھوں میں تلواریں لیے ہوتے، اس کے پیچھے پیچھے

(۱) آئین اکبری جلد اول ص ۱۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلتے اور بکثرت غلام سلطان کے گرد حلقہ کیے رہتے، چتر بردار اور جامہ بردار کے علاوہ سب پا پیادہ ہوتے۔

مسالک الابصار کے مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان جب جنگ کے لیے نکلتا یا دور دراز سفر کرتا تو اس کے سر پر سات چتر ہوتے، ان میں زر و جواہر جڑے ہوتے، سلطان کی سواری پایۂ تخت یا اس سے باہر نکلتی، تو اس کے ساتھ خان، ملک اور امیر ہاتھوں میں جھنڈے لیے چلتے، خواتین کی جماعت میں زیادہ سے زیادہ نو جھنڈے ہوتے اور امیروں کی جماعت میں کم سے کم تین، سلطان کی سواری جب پایۂ تخت سے نکلتی تو خوانین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نو جھنڈے ہوتے اور امیروں کے ساتھ دو کوتل گھوڑے۔

سلطان کسی مہم پر جاتا اور واپس آتا تو اس کا خیر مقدم پورے شاہانہ انداز میں کیا جاتا، مثلاً محمد تغلق کی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ دارالسلطنت میں ہاتھیوں کو آراستہ کیا جاتا، ان پر زریں اور جڑاؤ چتر لگائے جاتے اور آگے آگے زین پوش اٹھا کر لے جاتے، اس میں بھی جواہرات جڑے ہوتے، لکڑی کے بڑے بڑے برج بنائے جاتے جن کے کئی درجے ہوتے، ان پر ریشم کا کپڑا منڈھا ہوا ہوتا، ہر ایک درجہ میں لونڈیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیورات پہن کر بیٹھتیں ہر ایک برج کے وسط میں چمڑے کے حوض میں گلاب کا شربت ہوتا، یہ لونڈیاں ہر شخص کو پانی پلاتی رہتیں اور جب وہ پانی پی چکتا تو اس کو پان کی گلوری دی جاتی، شہر سے شاہی محل تک تمام راستوں پر دونوں طرف کی دیواروں پر ریشمی کپڑے منڈھے ہوئے ہوتے اور راستہ پر ریشمی کپڑے کا فرش بچھا رہتا، اس پر بادشاہ کا گھوڑا چلتا، اُس کے آگے ہزاروں غلام ہوتے اور فوج پیچھے پیچھے ہوتی، بعض اوقات ہاتھیوں پر تین یا چار منجنیقیں چڑھا دیتے اور اُن کے ذریعہ دینار اور درہم لوگوں پر پھینکے جاتے اور اس طرح شاہی سواری شاہی محل کے دروازہ تک آتی۔ (۱)

سراج عفیف نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ جب باہر نکلتا تو تیر انداز غلام صف باندھ کر اس کے آگے آگے چلتے اور ہزاروں شمشیر بند غلام اور تازی اور ترکی گھوڑوں کے مسلح سوار پیچھے پیچھے چلتے،

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۹-۱۰۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ غلام بھینسوں پر بھی سوار رہتے۔(۱)

مغل بادشاہوں کی شاہانہ سواری: مغل بادشاہ کی سواری کہیں نکلتی تو اُن کے خاص جھنڈے جو علم اور چتر توق کہلاتے، لہراتے رہتے، علم ریشمی غلاف میں ملفوف رہتا اور ضرورت کے وقت لہرا دیا جاتا، اس کی تعداد کم از کم پانچ ہوتی تھی، چتر توق تبت کے بازکی دم سے بنایا جاتا تھا۔

وہ جب کسی جنگی مہم پر جاتے تو اُن کے کیمپ کے ساز و سامان سے اُن کی شوکت حشمت وسطوت کا اندازہ ہوتا، بڑے بڑے خیمے جو گلال بار، سرغہ، خرگاہ، راوٹی، عجائبی، قلندری سراپردہ گلیمی، سراچہ، بارگاہ وغیرہ کہلاتے، نصب کیے جاتے، ان خیموں میں علاحدہ علاحدہ کمرے ہوتے، مثلاً بارگاہ میں ۲۷ کمرے تھے، بعض راوٹیاں زربفت اور مخمل سے تیار کی جاتی تھیں، خیمے مختلف رنگ کے منقش پردوں فرنگی مخمل، ساٹن، اور قالینوں سے ایسے سجائے جاتے کہ ایک کھلا ہوا چمنستان معلوم ہوتا، نقار خانہ، زین خانہ، دفتر خانہ، سکھ پال، توپ خانہ، چپہ خانہ، قوز خانہ، مشعل خانہ، چراغ خانہ، توشک خانہ، خوشبو خانہ آفتابچی خانہ، آب دار خانہ، شرب خانہ، تنبول خانہ، میوہ خانہ، رکاب خانہ، مطبخ، حوائج خانہ وغیرہ کے لیے چھوٹے چھوٹے خیمے ہوتے، اونٹوں پر شاہی خزانہ لدا ہوتا، ہاتھیوں اور گاڑیوں پر سرکاری کاغذات ہوتے، بادشاہ اور حرم کی بیگمات کے لباس بھی اونٹوں اور گاڑیوں پر لدے ہوتے، بیگمات کے جواہرت ہاتھی پر ہوتے، بادشاہ عموماً ہاتھی پر سفر کرتا، ہاتھی پر ہودج ہوتا جس میں شیشے کی کھڑکیاں ہوتی، اس پر ایک پلنگ بھی رکھ دیا جاتا تاکہ بادشاہ آرام کرسکے، ہاتھی کے ساتھ پالکیاں بھی ہوتیں تاکہ بادشاہ کا دل چاہے تو اس پر سفر کر سکے، بادشاہ کی سواری کے آگے کچھ اونٹ ہوتے جن پر انگیٹھیاں جلتی رہتیں، اُن میں خوشبودار مسالے جلا کر فضا معطر کی جاتی تاکہ بادشاہ کے سفر کا راستہ معطر رہے، اس کی سواری کے دونوں بازوؤں پر شاہی محافظوں کے دستے ہوتے، بادشاہ کی سواری کے پیچھے حرم کی بیگمات کے ہاتھی رہتے، اُن کے ہودج ایسے باریک ململ سے ڈھکے ہوتے کہ وہ باہر کی سب چیزیں دیکھ سکتی تھیں لیکن ان پر کسی کی نظر نہیں پڑسکتی تھی، حرم کی برقعہ پوش خادمائیں گھوڑوں پر پیچھے پیچھے ہوتیں، اُن کے پیچھے ہاتھیوں

(۱) عفیف ص ۲۷۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اونٹوں کے خدمت گزار، خیمہ بردار غلام، چاکر، وغیرہ ہوتے۔ اس لشکر کے ساتھ بادشاہ اور شہزادوں کے پینے کے لیے پانی، مطبخ کا سامان، پھل، مٹھائیاں، پان وغیرہ اونٹوں پر لدے ہوتے، دودھ کے لیے گائیں بھینس ساتھ رہتیں، شکار کھیلنے کی غرض سے باز، کتے اور شکاری شیر بھی ساتھ ہوتے۔

اس ساز وسامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنے کے لیے لاتعداد ہاتھیوں اونٹوں، گاڑیوں، کہاروں، بیلداروں، سقوں، بڑھیوں، خیمہ دوزوں، موچیوں اور خاک روبوں کی ضرورت ہوتی، گھوڑوں اور اونٹوں پر قیمتی جھولیں پڑی رہتیں، ہاتھیوں کی فولادی پاکھرین ہوتیں، اُن کی پیشانی پر ڈھالیں لٹکتی رہتیں بعض کی مسکوں پر نقش ونگار ہوتا، بعض کے چہروں پر گینڈوں، بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلوں سمیت چڑھی ہوتیں اور وہ اس ہیبت ناک اور ڈراؤنی صورت کے ساتھ سونڈوں میں گرز، برچھے اور تلواریں بھی لیے ہوتے جو خاصے کے ہاتھی بھی ہوتے، ان پر جھلابور جھولیں ہوتیں، جن پر موتی اور جواہر ٹنکے ہوتے، وہ زیوروں میں لدے پھندے، سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے، جھومتے جھامتے خوش مستیاں کرتے چلے جاتے۔(۱)

عیدین کے موقع پر مغل بادشاہوں کی سواری کا ذکر آیندہ باب تہوار میں کیا گیا ہے۔

آدابِ دربار کی پابندی میں سختی: دربار کے آداب کی روایت کچھ ایسی قائم ہوگئی تھی کہ زوال پذیر بادشاہوں کے زمانہ میں بھی اس کے قاعدے اور قانون کی پوری پابندی کی جاتی، چنانچہ نصیر حسین خیال نے اپنے خاص انداز میں اکبر ثانی کے دربار کے آداب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''اس خاندان کے جہاں اور آداب تھے، وہاں دربار کا داب بھی مشہور اور وہ بڑے قاعدوں سے برتا جاتا تھا، بادشاہ تخت پر جلوہ گر ہیں، اس کے نیچے اپنے اپنے عہدے اور منصب کے وزیر وامیر دورویہ ہاتھ باندھے بت بنے کھڑے ہیں، داہنی طرف امیروں کی قطار ہے اور بائیں طرف شہزادوں اور مرشد زادوں کی صف، درباری گھنٹوں اسی طرح کھڑے رہتے ہیں اور ہل نہیں سکتے تھے، تخلیہ اور خاص صحبتوں میں وزیروں اور اونچے امیروں کو البتہ بیٹھنے کی اجازت ملتی اور یہ بڑی عزت سمجھی جاتی، مگر بادشاہ کے سوا پیچوان کسی

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو ''ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام باب کیمپ'' از مؤلف۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے آگے نہ لگتا، محمد شاہ نے اس قاعدہ کو ذرا بدلا، اس کے عہد میں اول درجہ کے امیروں کو حقہ اور کبھی کبھی پان بھی ملنے لگا، یہ بڑی عزت افزائی تھی، اس کے حاصل کرنے میں حد سے زیادہ کوششیں کی جاتیں اور بڑی بڑی رقمیں صرف کی جاتیں، اکبر ثانی نے اپنے بزرگوں کے اس داب کو برقرار اور اس شاہانہ طریقہ کو برابر قائم رکھا، اس لیے اس کا دربار مشہور تھا اور اس میں حاضری کی بڑے بڑوں کو ہوس رہتی تھی، جس زمانہ کا ذکر ہو رہا ہے، اس وقت لارڈ مائرا (ہیسٹنگ) یہاں کے گورنر جنرل ہیں، انھوں نے بھی اس دربار میں حاضری کی آرزو کی، عرض قبول ہوئی، تو پرچہ گذرا کہ لاٹ صاحب دربار میں کرسی کے خواہش مند اور عزت افزائی کے بھی آرزو مند ہیں، حکم ہوا کہ اچھا آئیں، عزت بخشی جائے گی، پھر عرض داشت گذری کہ لارڈ مائرا یہاں کی حکومت کے افسر ہیں، وہ پیچوان عنایت ہونے کے بھی امیدوار اور سزاوار ہیں، بادشاہ اس پر خموش رہے، مگر سمجھا گیا کہ یہ گذارش بھی قبول ہوگی، گورنر جنرل حاضر ہوئے، بادشاہ نے اخلاقاً انھیں کرسی عنایت ہونے کا حکم فرمایا کہ ولایت کے امیروں کو وہاں کے درباروں میں کرسی ملتی ہے، مائرا آداب بجالا کر بیٹھے مگر پیچوان سامنے نہ آیا، انتظار دیکھتے رہے، آخر کورنش عرض کی اور رخصت ہوئے، ظاہر ہے کہ بادشاہ اس وقت کمپنی کے وظیفہ خوار ہو چکے اور ان ہی گورنر جنرلوں کی مہربانیوں پر گزارہ کر رہے تھے، مگر یہ بادشاہ اس معاملہ میں دوسرا عالم گیر تھا، وہ اپنے داب سے سرِ مو نہ سرکا، لاٹ صاحب کو خفت ہوئی، پیچوان نہ ملنے پر پیچ و تاب کھاتے رہے، انگلستان تک شکایت پہنچی، مگر حضرت نے پروانہ کی، مائرا یہ ملال دل میں لیے رہے، اسی سفر میں دلی سے جب لکھنؤ آئے تو وہاں اس کا بدلہ لینے کا نقشہ تیار کرنے لگے۔(۱)

شاہی دربار کے اثرات: اس جمہوریت اور اشتراکیت کے دور میں درباری آداب و روایات کی تفصیل پڑھنے والوں کے لیے شاید دلچسپی کا باعث نہ ہو لیکن اس زمانہ میں دربار تہذیب و تمدن کا ایک سرچشمہ بنا رہا اور جو تہذیب یا رسم دربار میں دکھائی دیتی وہ حسب مراتب امرا اور متوسط طبقہ کی

(۱) مغل اور اردو از نواب نصیر حسین خیال ص ۱۳۰-۱۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرت اور زندگی میں سرایت کر جاتی، صوبہ کے حاکم اپنی استطاعت کے مطابق دہلی اور آگرہ کے دربار کی تمام شان وشوکت کی تقلید کرنے کی کوششیں کرتے، اس سے مرکزی حکومت کا دبدبہ اور وقار بھی قائم رہتا اور سرکش عناصر مرعوب رہ کر اختلال وانتشار پھیلانے میں ناکام رہتے اور خودمختار ریاستوں حتیٰ کہ راجپوت راجاؤں اور مرہٹے حکم رانوں کے درباروں میں مغلیہ دربار ہی کی جھلک دکھائی دیتی، جدّ وناتھ سرکار کی اس تحریر کا حوالہ شروع میں دیا جا چکا ہے، کہ مغل بادشاہوں نے دربار کے مراسم خطابات اور سرکاری عہدہ داروں کے آداب میں جن جن باتوں کو رائج کیا، اُن کو اکثر ہندوؤں نے فخریہ نقل کیا(۱) اور مغلوں کے درباری آداب کے مظاہرے برطانوی عہد حکومت میں والیان ریاست کے درباروں میں ہوا کرتے تھے اور خود انگریزوں نے اُن میں سے بعض آداب کو اپنی خاص خاص تقریبوں میں قائم رکھا اور ایک روایت ہے کہ جب دہلی کے قلعۂ معلیٰ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو کچھ زمانہ کے بعد جے پور کے مہاراجہ دہلی آئے تو قلعہ معلیٰ کو دیکھنے بھی گئے، جب اس جگہ پہنچے جہاں تخت رکھا جاتا تھا تو برہنہ پا ہاتھ جوڑ کر تخت کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا، مہابلی پھر کروٹ لے، مہابلی اکبر کا خطاب تھا، مہاراجہ نے دولتِ مغلیہ کی گود میں پرورش پائی تھی، اس لیے عالمِ بےخودی میں اکبر کو پکار اٹھے۔(۲)

متوسط طبقہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں تو دربار کا کروفر دکھانے سے مجبور رہتا لیکن شادی بیاہ کے موقع پر اس کے گھر کی مجلسوں میں درباری شان نظر آنے لگتی، چنانچہ دولھا کو ''نوشاہ'' کہا جاتا ہے، وہ ایک دوروز کے لیے شاہ یعنی بادشاہ بنالیا جاتا اور وہ جہاں پر لا کر بیٹھایا جاتا، وہ ایک چھوٹا سا دربار بن جاتا اور اس موقع پر زینت وآرائش ساز وسامان اٹھنے بیٹھنے تعظیم وتکریم اور آداب وکورنش کے طریقے چھوٹے پیمانہ پر وہی نظر آتے، جو درباروں میں دیکھے جاتے تھے، اب بھی شادی بیاہ کے موقعوں پر کہیں کہیں یہ چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

صوفیہ وعلما کی مجلسوں میں طمطراق تو نہ ہوتا لیکن ان کے یہاں بھی وہی وقار اور جلال نظر آتا

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو انگریزی مضمون ''ہندوستان میں اسلام'' از جدوناتھ سرکار۔(۲) یادِ ایام از عبدالرزاق کانپوری ص ۲۳۱-۲۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو دربا روں میں دکھائی دیتا تھا، اُن کے یہاں سب سے بڑی مجلس سماع کے موقع پر ہوتی لیکن سماع کے آداب یہ تھے:

شرکا دوزانو بیٹھیں، سر کو آگے جھکائے رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش دیں، پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، آپس میں گفتگو نہ کریں، قوال کی خوش گوئی کہ داد نہ دیں، اشعار کو بہتر طریقہ پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں۔(۱)

اردو کے مشہور شاعر اور صوفی میر درد کے یہاں ہر مہینہ ارباب تصوف کا اجتماع ہوتا تھا، اس میں ایک بار شاہ عالم بلا اطلاع چلا آیا، اس روز اس کے پاؤں میں درد تھا، اس لیے ذرا پاؤں پھیلا دیا، میر درد نے اس سے کہا یہ امر فقیر کے آدابِ محفل کے خلاف ہے، بادشاہ نے عذر کیا کہ معاف کیجیے عارضہ سے معذور ہوں، میر درد نے کہا کہ عارضہ تھا تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔(۲)

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

---

(۲) مکتوبات سہ صدی ص ۱۷۰-۲۷۰۔(۳) آب حیات ص ۱۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محلات

رائے پتھورا کا محل: قطب الدین ایبک نے دہلی میں اپنی حکومت قائم کی تو اپنا مسکن پرتھوی راج کے قلعہ ہی کو بنایا، یہ بہت ہی شان دار مضبوط طویل اور عریض قلعہ تھا، اس کی ٹوٹی پھوٹی فصیلیں قطب صاحب کی لاٹ کے پاس اب بھی باقی ہیں، اس کے آثار کئی میل تک پھیلے ہوئے ہیں، یہ ایک چھوٹی پہاڑی پر واقع تھا، اس کے چاروں طرف خندق تھی، جس میں پانی بھرا رہتا تھا، اس میں بڑے بڑے برج تھے، فصیل کی دیواریں بتیس فٹ چوڑی اور ساٹھ فٹ اونچی تھیں، ۱۱۹۸ سمبت میں بکر ماجیت نے اس کو بنایا (۱) لیکن بعد میں قلعہ رائے پتھورا کے نام سے مشہور رہا، اس کے اندر راجاؤں اور رانیوں کی رہائش گاہیں تھیں ان ہی میں ترمیم و اضافہ کر کے قطب الدین ایبک اور اس کے جانشین آرام شاہ، شمس الدین ایلتتمش، سلطان رضیہ، رکن الدین شاہ وغیرہ سکونت اختیار کرتے رہے۔

دولت خانہ وغیرہ: طبقات ناصری میں جا بجا قصر دولت خانہ (۲)، کوشک فیروزی (۳) اور قصر سپید (۴) کا ذکر آتا ہے، معلوم نہیں یہ محل کی عمارتیں علاحدہ سے بنائی گئیں یا رائے پتھورا کے قلعہ کے حصوں ہی کے نام رکھ دیے گئے تھے، اسی طرح ناصر الدین محمود کے ذکر میں قصر سبز کا نام آتا ہے (۵)

قصر بلبنی: غیاث الدین بلبن نے رائے پتھورا کے قلعہ کے جنوب مشرق میں ایک محل بنایا تھا، جس کے برائے نام آثار اب بھی باقی ہیں، (۶) اس کا نام کوشک لعل تھا، جس کو بعد میں علاء الدین خلجی نے بھی اپنا محل بنایا۔ (۷)

---

(۱) آثار الصنادید حصہ اول ص ۸۲ (۲) طبقات ناصری ص ۱۸۵، (۳) ایضاً، (۴) ایضاً ص ۱۹۵۔ (۵) طبقات ناصری ص ۲۰۸ (۶) پرسی براؤن انڈین آرکی ٹیچر (اسلامک پریڈ) ص ۱۲ (۷) برنی ص ۳۳۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر نیا حکمراں ایک نیا محل بنانے کی کوشش ضرور کرتا، چنانچہ بلبن کے بعد معزالدین کیقباد نے بھی کیلوکھری میں ایک محل بنایا۔

کیلوکھری کا محل: اس زمانہ میں دہلی میں تین حصار تھے، پہلے دو حصار کے اندر پرانی دہلی آباد تھی اور اندرونی حصار کے اندر شاہی قلعہ تھا، معزالدین کیقباد نے پرانی دہلی سے مشرق میں تین میل کے فاصلہ پر جمنا کے کنارے کیلوکھری میں ایک محل بنایا، اس کی مفصل کیفیت قران السعدین میں ملے گی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس محل کا عکس جمنا میں پڑتا تھا، نیچے کا حصہ اینٹوں سے بنا تھا، جس پر آئینہ کی طرح صاف شفاف چونے کا گچ تھا، اوپر کے حصہ میں سنگ سفید لگا ہوا تھا، اس کے ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف باغ تھا، جس کے درخت کی شاخیں محل کے اندر آکر لٹکتی تھیں۔(۱)

قصر جلالی: کیلوکھری کے اس محل کو سلطان جلال الدین خلجی نے اور بھی زیادہ ترقی دی، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ جلال الدین نے کیلوکھری ہی میں سکونت اختیار کی اور حکم دیا کہ قصر کیلوکھری کو نقش ونگار سے آراستہ کیا جائے، اسی کے سامنے جمنا کے کنارے ایک باغ لگایا جس میں بے نظیر قسم کے درخت نصب کیے اور اسی کے حکم سے امرا نے کیلوکھری میں مکانات بنوانے شروع کیے اور دکانداروں نے اپنی دکانیں لگائیں اور کیلوکھری کا نام شہر نو ہوگیا، سلطان نے پتھر کا ایک بلند حصار بھی بنایا، اس میں بڑے بڑے برج بھی بنائے گئے، اس حصار کے متعلق امیر خسرو نے کہا:

شہا در شہر نو کردے حصارے ☆ کہ رفت از کنگر او تا قمر سنگ(۲)

قصر علائی یا قلعہ علاؤل: علاء الدین خلجی نے قطب مینار سے تین میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں ۱۳۰۳ء میں سری میں ایک نیا محل بنایا اور اس کے چاروں طرف ایک شہر آباد ہوگیا، تیمور نے ملفوظات تیموری میں لکھا ہے کہ سری ایک گول شہر تھا، اس کی عمارتیں بڑی اونچی تھیں، اس کے گرد ایک مستحکم حصار پتھروں اور اینٹوں سے بنا ہوا تھا، سری سے پرانی دہلی تک ایک مضبوط دیوار

---

(۱) قران السعدین ص ۳۳، تمہید ص ۴، بزم مملوکیہ ص ۳۲۶، (۲) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۱۷۶، برنی نے کیلوکھری کا نیا نام ''شہر نو'' لکھا لیکن طبقات ناصری میں ناصر الدین محمود کے ذکر میں ''شہر نو'' کا ذکر آتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ شہر نو پہلے آباد ہو چکا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلی گئی تھی، جو پتھر اور گچ سے بنی ہوئی تھی، سری میں چار بیرونی اور تین اندرونی پھاٹک تھے(۱)، اس کے اندر علاء الدین خلجی نے جو محل بنایا، اس کا نام قصر ہزار ستون رکھا(۲) جس سے ظاہر ہے کہ اس میں ہزار ستون ہوں گے، اب اس کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

قلعۂ تغلق آباد: غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا تو اس نے ایک پہاڑی پر قطب صاحب سے چار میل مشرق کی جانب متھرا کی سڑک پر ایک قلعہ بنایا، یہ نیم دائرہ کی شکل میں تھا اور چار میل تک پھیلا ہوا تھا، نیم دائرہ کا قاعدہ جنوب کی طرف تھا، اس کی لمبائی ایک میل تھی، اس کے نیچے بند باندھ کر ایک جھیل بنائی گئی تھی، پہاڑ کی چٹان کو تراش کر کے اس کے اوپر ایک بڑے قلعہ کی فصیل بنائی گئی تھی، جو میدان سے ۹۰ فٹ اونچی تھی، جنوب مغربی گوشہ میں قلعہ اور شاہی محل تھا اور پورے حصہ کا نام تغلق آباد تھا، اس کے تین طرف تغلق آباد کا شہر آباد کیا، شہر اور قلعہ کی فصیلیں اس خوبصورتی سے بنائی گئی تھیں کہ شہر اور قلعہ دونوں مل کر ایک بڑا قلعہ معلوم ہوتا تھا، اس قلعہ کے بیچ میں ایک مکان بنا ہوا تھا، جس کا نام جہاں نما تھا۔(۳)

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس قلعہ میں سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک بڑا محل تیار کرایا تھا، جس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا، جس وقت سورج طلوع ہوتا تھا تو اس کی چمک دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا، اس میں سلطان نے بہت سامان جمع کیا تھا، کہتے ہیں کہ اس میں ایک حوض بنوا کر سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا کہ وہ جم کر ایک ڈلا ہو گیا۔

شہر جہاں پناہ: محمد تغلق نے اپنے عہد میں پرانی دہلی، کیلوکھری، سری اور تغلق آباد کو ملا کر ان کے چاروں طرف ایک فصیل بنا دینے کی کوشش کی لیکن اس میں بہت خرچ تھا، اس لیے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا، اس نے ایک نیا شہر جہاں پناہ کے نام سے آباد کیا، ابن بطوطہ نے اس کو دیکھ کر لکھا کہ:

> ''اس شہر کی فصیل تمام دنیا میں بے نظیر ہے، اس کا عرض گیارہ ہاتھ ہے، اس میں کوٹھریاں اور مکانات بنے ہوئے ہیں، جس میں چوکیدار اور دروازے کے محافظ رہتے ہیں اور غلے کے کھتے بھی جن کو انبار کہتے ہیں، فصیل میں بنے ہوئے ہیں، منجنیق اور لڑائی کے سامان بھی

(۱) ملفوظات تیموری، الیٹ جلد سوم ص ۴۸-۴۴۷۔ (۲) برنی ص ۲۸۴-۳۰۳-۳۰۴ (۳) آثار الصنادید ص ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان ہی گوداموں میں رکھے جاتے ہیں، غلہ بھی ان ہی میں جمع کرتے ہیں، یہ غلہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہتا ہے اور رنگ بھی نہیں بدلتا، میرے سامنے ان گوداموں میں سے چاول نکالے گئے، ان کا رنگ اوپر سے سیاہ ہوگیا تھا لیکن مزہ میں کچھ فرق نہ آیا، مکئی یا جوار بھی اس میں تھے،............ فصیل کے اوپر کئی سوار اور پیادے تمام شہر کے گرد گھوم سکتے ہیں، شہر کے اندر کی طرف گوداموں میں نابدان ہیں، جن میں سے روشنی پہنچتی ہے، اس فصیل کے نیچے کا حصہ پتھر کا بنا ہوا ہے اور اوپر کا حصہ پختہ اینٹوں کا، برج تعداد میں بہت ہیں اور قریب قریب ہیں، اس شہر کے ۲۸ دروازے ہیں، ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں، بداؤں دروازہ جو ایک بڑا دروازہ ہے، شہر بداؤں کے نام سے مشہور ہے، مندوی دروازہ جس کے باہر کھیت ہیں اور گل دروازہ جس کے باہر باغ ہیں، نجیب دروازہ اور کمال دروازہ کسی شخص کے نام پر ہیں اور غزنی دروازہ جس کے باہر عیدگاہ اور بعض قبرستان ہیں، پالم دروازہ جو پالم گاؤں کی طرف ہے اور بخالصہ دروازہ ہے، جس کے باہر دہلی کے کل قبرستان ہیں، قبرستان خوبصورت ہیں، ہر ایک قبر پر گنبد نہیں تو محراب ضرور ہوتی ہے اور بیچ میں گلِ شبو، نیل اور گلِ شیریں اور قسم قسم کی پھلواری لگی ہوئی ہے۔

(سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۴۳-۴۲)

محل دار سرا: اس قلعہ کے اندر محمد تغلق نے ایک نیا محل بنایا، جس کا نام دار سرا تھا، اس میں کئی دروازوں میں سے ہو کر اندر داخلہ ہوتا تھا، پہلے دروازہ پر پہرے کے سپاہی اور نفیری نقارے اور سرنا بجانے والے ہوتے، ہر دروازہ کے پہرہ دار علاحدہ علاحدہ ہوتے، ان دروازوں کی تفصیل باب ''دربار'' میں آچکی ہے۔

خرم آباد یا قلعۂ عادل آباد: ۷۴۴ھ میں محمد تغلق نے ایک اور قلعہ بنوایا تھا، جو ظہیر الدین معمار کے اہتمام میں تعمیر ہوا اور نام خرم آباد رکھا گیا، محمد تغلق کا درباری شاعر بدر چاچ اپنے ایک قصیدہ میں اس قلعہ کے بارے میں لکھتا ہے:

خرم آباد نام کردش شاہ ☆ چوں ظہیر الجیوش شد معمار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شد تمام ایں عمارت خرم ☆ درمحرم بہ ہفت صد و چل و چار
بریں عمارت خرم بریں خجستہ سرائے ☆ ہزار دیدکشا داشت چرخ آئینہ دار
شدہ بنامِ خلیفہ بامر خسرو عہد ☆ بریں عمارت خرم ظہیر دیں معمار
تمام گشت بتاریخ ''وادخلوا فیہا'' ☆ کشادہ باتو بگویم کہ ہفت صدو چل وچار

اس قلعہ کی شوکت کو اس طرح دکھاتا ہے اور پھر محل ہزار ستون کا بھی ذکر کرتا ہے۔

سواد قلعہ دہلی اگرچہ در دنیاست ☆ ہزار بار فزوں تر ز جنۃ الماوی است
چہ قلعۂ ایست کہ قوسی ز حلقۂ دارد ☆ محیط نہ ربض ہفت طارم اعلیٰ است
اگر نہ خلد بریں ایں ہزار ستوں ☆ چرا فضائے درش عرصہ گاہ روز جزا ست
چہ قلعۂ ایست کہ جلالت کہ بارہ دری ☆ محیط شش جہت وہشت روضہ عقبی است

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے:

شکوہ قلعہ قلعے عمارت نہ تہ ☆ نمونہ ایست ز برجِ حصار قلعۂ شہ
محیط ہفت فلک راز نقطۂ کم یافت ☆ میان دائرۂ حلقۂ در اومہ
زہے حصار کہ دروے تہی بنا کردند ☆ فلک چو ریگ کبود ونمود در تگ چہ
چو آسماں بسوے قصر شاہ کرد نظر ☆ برفتنش زسر آسماں فتاد کلہ

یہ قلعہ محمد آباد اور عادل آباد بھی کہلاتا تھا، اب یہ قلعہ بالکل ویران ہے اور اس کے آثار تغلق آباد میں پائے جاتے ہیں، اس میں زنانہ محل بھی رہا ہوگا، ایک دیوان خانہ تھا، جو ہزار ستون کہلاتا تھا، یہ اس محل سے مختلف تھا جس کا ذکر ہم علاء الدین خلجی کے قصر کے سلسلہ میں گذشتہ سطور میں کر چکے ہیں، ہزار ستون کی تعریف بدر چاچ نے بہت کی ہے، لیکن اب اس کے صرف آثار باقی ہیں۔(۱)

محلات فیروز شاہی: فیروز شاہ نے اپنے عہد میں ایک نیا شہر فیروز آباد کے نام سے آباد کیا جس کے لیے اٹھارہ گاؤں مثلاً اندرپٹ، سرائے شیخ ملک بار، سرائے شیخ ابوبکر طوسی، کاربن، کیشواڑہ، اندولی، سرائے بلکہ رضیہ، مہرولہ اور سلطان پور وغیرہ کی زمینیں حاصل کی گئیں، یہ شہر پانچ کوس تک

(۱) آثار الصنادید ص ۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھیلا ہوا تھا، اس میں امرا نے بھی اپنے اپنے محل بنوائے عام لوگوں نے بھی پختہ مکانات تعمیر کرائے مسجدیں بکثرت بنوائی گئیں، ہر مسجد میں دس دس ہزار نمازی جمع ہو سکتے تھے، دہلی اور فیروز آباد کے درمیان پانچ کوس کا فاصلہ تھا لیکن آنے جانے کے لیے سواریاں ہر وقت موجود رہتی تھیں، جن کا کرایہ بہت سستا تھا، مثلاً گھوڑے کا کرایہ بارہ جیتل اور ڈولہ کا نیم تنکہ تھا۔(۱)

اس شہر میں فیروز شاہ نے بہت سے محل بنوائے، ان میں سے محل صحن گلبن، محل چھجہ چوبیں اور محل بار عام کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، یہ محل درباروں کے انعقاد کے کام کے لیے تھے، زنانہ محل نہ تھے، فیروز شاہ کے مختلف کوشکوں کا جو جا بجا ذکر آتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے کوشک فیروز آباد، کوشک نزدی، کوشک مہندواری، کوشک شہر حصار اور کوشک شکار نئے شہر میں بنوائے، ان کے علاوہ اس نے فتح آباد، جونپور اور سالورہ میں بھی کوشکوں (۲) کی تعمیر کرائی، تعمیرات کا جتنا ذوق اس کو تھا، اس سے پہلے کے سلاطین کو نہ رہا، اسی لیے اس نے میر عمارت کا ایک عہدہ مقرر کر رکھا تھا، جس کو امتیازی حیثیت دینے کے لیے چوب زر عطا کیا تھا، اسی طرح سنگ تراشوں، چوب تراشوں، بنکروں، آرہ کشوں، چونہ پزوں اور معماروں کے علاحدہ علاحدہ شحنے مقرر تھے۔(۳)

اوپر جتنے محلات کا ذکر کیا ہے وہ یا تو ختم ہو چکے ہیں یا کھنڈرات کے ڈھیر ہیں، اس لیے ان کے اندرونی حصوں کی تفصیل بیان کرنا سعی لا حاصل ہے، پھر بھی یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ محل کسی اونچے مقام یا دریا کے کنارے بنائے جاتے تاکہ یہ بہت ہی ہوادار ہوں اور ان کا حسن بڑھانے کی خاطر، ان کا عکس دن کی روشنی میں اور رات کو چاندنی میں دریا کے بہتے ہوئے پانی میں پڑتا رہے، محل کے اندر چمن اور باغ کے علاوہ مطبخ، شرب خانہ، شمع خانہ، سگ خانہ، آب دار خانہ، فراش خانہ، جام دار خانہ، پوشاک خانہ، غسل خانہ، خواب گاہ اور زنان خانہ وغیرہ ہوتے (۴)، ان میں بعض چیزوں کی تفصیل آگے آئیگی، عام طور سے محل کو آراستہ پیراستہ کر کے بہشت کا نمونہ بنا دیا جاتا، دیواروں پر مخمل مشجر اور ریشمی کپڑے کے پردے ہوتے، جن میں جواہرات ٹکے رہتے، اندر نقرئی

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۳۶-۱۳۴۔(۲) عفیف ص ۳۱۔(۳) ایضاً ص ۳۱-۳۳۰۔(۴) عفیف ص ۱۷۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور طلائی پچی کاری سے زینت و آرائش کی جاتی اور وہاں اسلحہ، زریں ہتھیار، قندیل، شمع دان، قالین، آفتابے، قلم دان، بساط اور کتابوں کی الماریاں ہوتیں، قندیلیں رات کو روشن ہوتیں تو تمام ایوان روشن ہو جاتا، محل کی زینت و آرائش کا ذکر جا بجا آئے گا۔

محل میں گھڑیال ضرور ہوتا، جس سے لوگوں کو ٹھیک وقت معلوم ہوتا رہتا، رات کے وقت محل کے اردگرد سخت پہرہ ہوتا، پہلی گھڑی کے بعد کسی کو محل کے احاطہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، جب تک سلطان کی اجازت نہ ہوتی، ایک خاص عہدہ دار رات کے سانحے قلم بند کرتا رہتا جو وہ صبح کو سلطان کی خدمت میں پیش کرتا۔(۱)

وقارِ حرم: حرم کی بیگمات کے لیے محل کے علاحدہ علاحدہ سکونتی حصے ہوتے اور ان کی خدمت کے لیے کثیر تعداد میں کنیزیں اور خواجہ سرا ہر وقت حاضر رہتے، ان کے رہنے کی جگہ سے الگ تھلگ ہوتی اور صرف وہی رشتہ دار مرد محل کے اندر آ جا سکتے تھے جن کو سلطان کی طرف سے اجازت ملتی تھی، اسلامی پردہ تو یہ تھا کہ عورتیں چہرہ اور ہاتھ کھول کر جلباب یا برقعہ کے ساتھ باہر نکل سکتی تھیں لیکن شاہی عزت و وقار اسی میں سمجھا جاتا کہ بیگمات پر خاص خاص رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور مرد کی نظر نہ پڑے، ان ہی کی تقلید میں عام عورتیں بھی گھر کی چار دیواری میں رہنے لگیں۔

شوکت کا مظاہرہ: بیگمات کی تہذیبی شان و شوکت کا اظہار محل کے اندر تقریبات کے موقع پر ہوا کرتا تھا، وہ صحنوں میں بڑے بڑے سائبان اور خیمے کھڑے کراتی تھیں، اس کے نیچے طرح طرح کے عمدہ فرش بچھواتیں، جن پر دیبا منڈھا ہوتا اور جواہرات بھی ٹنکے رہتے، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمد تغلق کی تاج پوشی کے موقع پر محل کے اندر جو جشن منایا گیا تو اس کی ماں مخدومۂ جہاں ایک سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی اور محل اور امرا کی بیگمات زرق برق پوشاک میں ملبوس اور زیورات سے لدی ہوتی تھیں، اس موقع پر اتنی چمک دمک تھی کہ اس کی چکاچوند سے مخدومۂ جہاں کی بینائی جاتی رہی اور ہر طرح کے علاج کے باوجود کوئی فائدہ نہ ہوا۔(۲)

(۱) سلطان خضر خاں نے ۸۲۱ھ میں جمنا کے کنارے خضر آباد کا قلعہ بنایا اور اس کے لڑکے مبارک شاہ نے ۸۲۸ھ میں مبارک آباد کا قلعہ تعمیر کیا لیکن دونوں کے نام و نشان تک باقی نہیں ہیں۔ (۲) سفر نامۂ ابن بطوطہ ص ۳۰۶-۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریبات کے موقع پر بیگمات جو مراسم ادا کرتی تھیں، اس کا ذکر تقریبات میں آئے گا۔

نذرانے: محل کے اندر جو عورت بیگمات سے ملنے کو جاتی تو اس کے ساتھ مختلف قسم کی نوازشیں کی جاتیں، مثلاً ابن بطوطہ کی بیوی محمد تغلق کی ماں سے ملنے کو گئی تو اس کو ایک ہزار روپیے سونے کے جڑاؤ کڑے اور ہار، زردوزی کتان کے کرتے، زردوزی ریشم کا خلعت اور کپڑے کے کئی تھان دیے گئے، جو عورتیں مہمان بن کر جاتیں وہ بھی اپنے ساتھ طرح طرح کے نذرانے لے جاتیں، ابن بطوطہ کی بیوی نذرانے میں ایک ترکی لونڈی لے گئی تھی۔(۱)

محل کے عہدہ دار: محل کے اندر آنے جانے میں بڑی سختی تھی محل کا کلید بردار وکیل در کہلاتا، جس پر کوئی معزز درباری ہی مامور کیا جاتا اور اسی کی اجازت سے محل کا دروازہ کھلتا، وہ بیگمات شہزادوں، باورچی خانہ، شراب خانہ وغیرہ کا نگرانِ اعلا ہوتا، بیگمات اور شہزادے اسی کے ذریعہ سے سلطان کی خدمت میں معروضات پیش کرتے، اسی لیے وہ بڑا با اثر اور با اقتدار عہدہ دار سمجھا جاتا، اس کے ماتحت نائب وکیل در اور بہت سے ملازم ہوتے۔

محل کے مختلف دروازوں پر پہرہ دار ہوتے، پہرہ داروں کے افسر کو پردہ دار کہا جاتا، اس عہدہ پر بھی امرا ہی مامور کیے جاتے، شاہی محل کے دروازہ پر کوئی واقعہ ہوجاتا تو متصدی اس کی بھی تفصیل لکھ لیتے، سلطان رات کے وقت ان تمام اندراجات کو روزانہ پڑھتا۔(۲)

تیموریوں کے محلات: بابر اور ہمایوں کو ہندوستان میں اتنا چین اور سکون نہ ملا کہ وہ اپنے رہنے کے لیے اکبر اور شاہ جہاں کی طرح بڑی بڑی عمارتیں بناتے، دہلی میں ہمایوں نے اس قلعہ میں بود و باش اختیار کی جو اب پرانا قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔

دین پناہ: یہ قلعہ راجہ آنند پال نے سمبت ۴۴۰ بکرماجیت میں بنایا، معلوم نہیں ہمایوں نے اس کو کس حال میں پایا تھا لیکن اس کو از سر نو بنا کر اس کا نام دین پناہ رکھا، جو اب بھی موجود ہے، اس کے تین دروازے اور کئی کھڑکیاں ہیں، اس کی فصیل بڑی چوڑی ہے، دیواریں چونے اور سنگ خارا کی ہیں، ہمایوں کے زمانہ کے سکونتی مکان تو ختم ہوچکے ہیں، البتہ اس زمانہ کے ایک مدرسہ کی

---

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ص ۲۱۱۔ (۲) ابن بطوطہ ص ۱۰۰، اردو ترجمہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمارت باقی ہے، جس کو اکبر کی مرضعہ ماہم بیگم نے بنوایا تھا، اسی کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے، ان دونوں عمارتوں کے علاوہ ہمایوں کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت مسجد بھی ہے، اس میں پانچ در ہیں، پوری مسجد سنگ خارا کی ہے لیکن روکار میں سنگ سرخ اور سنگ مرمر بہت ہی خوب صورتی سے لگائے گئے ہیں، محرابوں اور گوشوں میں قرآنی آیتیں خط نسخ اور خط کوفی میں لکھی ہوئی ہیں، صحن میں ایک مثمن حوض تھا، مسجد کی چھت پر جانے کا راستہ عجیب طریقہ سے بنایا گیا ہے، دیواروں میں جا بجا نشیمن بنے ہوئے ہیں، بیچ میں ایک گنبد تھا، اس کے دونوں طرف چھتریاں تھیں جواب نہیں ہیں، سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید میں ایک مسجد کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا لداؤ اس خوبصورتی سے بنایا گیا ہے کہ آنکھ اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔(۱)

ہمایوں پر شیر شاہ غالب آیا تو اس نے اس قلعہ میں ایک بہت بلند مینارہ بنایا جو شیر منڈل کے نام سے مشہور ہے، یہ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے، اس کے بیچ میں ایک کمرہ ہے اور چاروں طرف بہت پتلی غلام گردش ہے، سب سے اوپر ایک برجی ہے، یہ سیر گاہ تھی لیکن ہمایوں کو دوبارہ سلطنت ملی تو اس نے اس کو اپنا کتب خانہ اور رصد گاہ بنایا، ایک روز نیچے اتر رہا تھا کہ پھسل کر اس کے زینہ سے گر گیا جس سے اس کی وفات ہوگئی۔

عمارتِ طلسم: ہمایوں دہلی میں تو کوئی علاحدہ محل نہ بنا سکا لیکن آگرہ میں رہنے کے لیے ایک عجیب و غریب عمارت بنائی تھی اور اس کا نام عمارت طلسم رکھا تھا، یہ دریائے جمنا کے کنارے بنائی گئی تھی، جس سے اندر پانی آتا تھا، اس میں تین متصل کمرے تھے، پہلا کمرہ بہت بڑا اور مثمن تھا اور اسی میں ایک مثمن حوض بھی بنایا گیا تھا، حوض کے بیچ میں اندرونی راستے نکالے گئے تھے جو اور دوسرے کمروں کی طرف جاتے تھے، ان راستوں کے سرے پر ایک مثمن قبہ بنا ہوا تھا جس پر پتھر کا ایک بڑا ٹکڑا رکھا تھا، راستوں کو اس طرح بنایا گیا تھا کہ حوض سے ان میں پانی نہیں آتا تھا، بیچ والے کمرہ کی شکل بھی مثمن تھی، اس میں کھڑکیاں بھی تھیں اور اس کے بیچ میں حوض تھا اور اس کے چاروں طرف دہلیز تھی، دو دہلیزوں کے دروازے پہلے اور تیسرے کمرے کی طرف تھے اور ان دونوں کو اس طرح بنایا گیا تھا کہ

(۱) آثار الصنادید ص ۶۹ جلد اول

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کھولا جاتا تو دوسرا بند ہو جاتا، ان تینوں کمروں کے اردگرد اور حجرے بنے ہوئے تھے، جو ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رہتے، پہلے کمرہ میں ہمایوں کا مرصع تخت رہتا، اس کے اوپر اور نیچے زردوزی کی چادریں (اوسقہ) بچھی رہتی تھیں، جن میں موتی کے ڈیڑھ ڈیڑھ گز کی جھالریں ہوتیں، موتی کی ہر لڑی میں دو گول آئینے لگے رہتے، اس طرح موتی کی تیس چالیس لڑیاں ہوتیں، اسی سے متصل حجرے میں مرصع چھپرکھٹ، پان دان، صراحی، پانی پینے کے طلائی اور نقرئی ظروف اور دوسرے برتن رکھے رہتے، ان تین کمروں کے اوپر تین بالا خانے کے کمرے تھے، ایک خانہ دولت کہلاتا، وہاں تلوار، خنجر، جمدھر، کھپوہ، ترکش وغیرہ رکھے رہتے، جن پر زردوزی کے غلاف چڑھے ہوتے، دوسرا کمرہ خانہ سعادت کہلاتا، یہاں جانماز، کتابیں، قلم دان، جزو دان، اچھی تصویریں اور خطاطی کے اچھے نمونے رکھے رہتے، تیسرے کمرے کا نام خانہ مراد تھا، یہاں ایک مرصع چھپرکھٹ، صندلی ظروف، توشک، نہالچے اور دسترخوان وغیرہ ہوتے، جو سب کے سب زربفت سے بنائے جاتے، یہاں طرح طرح کے میوے اور مشروبات بھی ہوتے۔(۱)

محل رواں: ہمایوں نے ایک محل رواں بھی بنایا تھا، اس کی تین منزلیں تھیں اور سب کی سب لکڑیوں کی تھیں، ان کے ٹکڑے اس طرح جوڑے گئے تھے کہ دیکھنے سے کہیں جوڑ نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن سب علاحدہ علاحدہ ہو جاتے تھے، یہ محل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا اور جہاں ضرورت ہوتی وہاں کھڑا کر دیا جاتا۔

کشتیوں کا محل: ہمایوں نے دریائے جمنا میں کشتیوں کا بھی ایک محل بنایا تھا، پہلے چار کشتیاں بنائی گئیں اور ان میں سے ہر ایک کشتی میں چار طاق بنائے گئے، ان کشتیوں کو اس طرح جوڑ دیا جاتا کہ چار طاق ایک دوسرے کے محاذی رہتے، ان چار کشتیوں میں دو کشتیوں کے درمیان مثمن حوض بھی تھا، یہ کشتیاں جمنا میں چلتیں تو ایک معلوم ہوتیں، ہمایوں اکثر اپنے امرا اور بیگمات کے ساتھ ان کشتیوں میں فیروز آباد اور دہلی سے آگرہ گیا، اس محل کے ساتھ اور دوسری کشتیوں پر دوکانیں ہوتیں، جہاں سے لوگ ضرورت کی چیزیں خریدتے رہتے، ان کشتیوں کے علاوہ اور کشتیوں پر

---

(۱) ہمایوں نامہ ص ۳۴-۳۳ قانون ہمایونی ۸۰-۷۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہی باغ بانوں نے باغ بھی لگا رکھا تھا، اس طرح محل کے ساتھ باغ بھی دریا میں چلتا پھرتا نظر آتا۔(۱)

آگرہ کا قلعہ: اکبر نے آگرہ کا قلعہ جمنا کے مغربی ساحل پر اپنے پانچویں سال جلوس (یعنی ۹۶۸ء) میں بنوانا شروع کیا اور پھر ایک مدت تک اس میں ترمیم اور اضافہ ہوتا رہا، پہلے یہاں راجپوتوں کا ایک پرانا قلعہ تھا جو بادل گڑھ کے نام سے مشہور تھا، اسی کو مسمار کر کے اکبر نے اپنے ذوق کا ایک قلعہ بنانا شروع کیا، پہلے یہ اینٹوں سے بنایا گیا لیکن پھر اس میں سنگ سرخ لگایا گیا، اس کی بنیاد بہت ہی گہری کھودی گئی، ابوالفضل کا بیان ہے:

''کارحصہ از ہفت طبقۂ زمین گزرانیدہ بنیاد نہادند''(۲)

اس میں تین چار ہزار کاری گر اور مزدور روزانہ کام کرتے تھے، اس کے سرخ پتھر آپس میں اس طرح جوڑے جاتے تھے کہ دو پتھروں کے درمیان باریک سے باریک بال بھی نہیں جا سکتا تھا، قاسم خاں میر بر و بحر کی نگرانی میں تیار ہوا(۳)، جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ اس کی تعمیر میں ۳۵ لاکھ روپے خرچ ہوئے(۴) اس کی تعمیر میں بڑی جدت پیدا کی گئی ہے، دونوں مثمن مینارے ایک محراب سے ملتے ہیں، اس کی پشت کا حصہ کھلا ہوا ہے لیکن اوپر چھتہ ہے، جس میں جا بجا برجیاں، کوشک اور کنگورے ہیں، ان کی تعمیری زینت و آرائش اپنی مثال آپ ہے، سنگ سرخ کے ساتھ سنگ مرمر کا حسن خوب کھلا ہے، اس کی لمبائی چوڑائی کے بارے میں مورخوں کے مختلف بیانات ہیں لیکن موجودہ قلعہ کا گہرا مطالعہ سید عبداللطیف نے اپنی کتاب ''آگرہ'' میں کیا ہے،(۵) ان کا بیان ہے کہ اس کا دور ڈیڑھ میل ہے، اس میں دہری دیواریں تھیں، بیرونی دیوار زمین سے ۴۰ فٹ اوپر ہے اور اندرونی دیوار بیرونی دیوار سے ۳۰ فٹ اور بلند ہے، دو خندقیں بھی تھیں، بیرونی خندق تو اب نہیں ہے لیکن اندرونی خندق اب بھی دکھائی دیتی ہے، یہ تیس فٹ چوڑی ہے، اس خندق کے پاس ایک پل ہے جس کو عبور کرنے کے بعد دہلی دروازہ آتا ہے جو دیکھنے میں بہت

(۱) قانون ہمایونی ص۶۴-۵۰۔ (۲) اکبر نامہ جلد دوم ص۱۲۲۔ (۳) ایضاً ص۲۴۷۔ (۴) تزک جہاں گیری ص۳۔ (۵) آگرہ از سید عبداللطیف باب دوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی شاندار اور مستحکم معلوم ہوتا ہے، اس کی دیوار دس فٹ چوڑی ہے اور اس کے دو طرف سنگ سرخ کے ہشت پہل بڑے بڑے دو مینارے ہیں جن میں جابجا سنگ مرمر لگے ہوئے ہیں، ان کی شکلیں بھی قلعہ کی ایسی ہیں، ان کی اوپر اور نیچی والی منزلوں پر نگراں رہا کرتے تھے، دہلی دروازہ ہی کے پاس یہ کتبہ ہے۔

''شہنشاہِ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فی ۱۰۰۸ء''

اس کے یہ معنی ہیں کہ دروازہ سنگ بنیاد رکھنے کے چالیس سال کے بعد بنا۔

ان میناروں کے درمیان ایک راستہ ہے جس کے اوپر دو گنبد ہیں، ان کے نیچے بہت سی خوب صورت عمارتیں ہیں، جن پر طرح طرح کے نقش و نگار ہیں، ان ہی کے درمیان نقار خانہ کی عمارت ہے، اس کے آگے ایک صحن ہے جس پر چھتہ دار راستہ ہے، اس میں پہلے نیزہ بازی کی مشق کی جاتی تھی، اس کے آگے اندرونی پھاٹک ہے جو ہتھیاپول کہلاتا ہے، یہاں پتھر کے دو ہاتھی کھڑے تھے، جن پر اعلا قسم کے نقش و نگار تھے، ان پر چتوڑ کے دو راجپوت سردار جیمل اور پٹو کی مورتیاں تھیں، اکبر نے چتوڑ کے محاصرہ میں ان کو زیر کیا تھا لیکن ان کی بہادری کو خراج عقیدت پیش کرنے کی خاطر ان ہی کی مورتیں دونوں ہاتھیوں پر رکھوا دی تھیں، اورنگ زیب نے ان کو اپنے زمانہ میں علاحدہ کروا دیا تھا، اندرونی دروازے سے اکبر اپنی رعایا کو درشن دیا کرتا تھا اور اسی کے نیچے لڑائیوں کا تماشا دکھایا جاتا تھا، پہلوان کشتی لڑا کرتے اور نٹ کرتب دکھایا کرتے تھے، بھانڈ اور ناچنے والیاں رقص و سرود سے محظوظ کیا کرتی تھیں۔

اس پھاٹک کے علاوہ چار اور دروازے اور دو کھڑکیاں تھیں، ایک دروازہ شمال میں تھا، اسی دروازہ سے محلوں میں آمد و رفت تھی، اسی میں جہاں گیر نے طلائی زنجیر عدل لگا رکھی تھی، دوسرا بازار کی طرف تھا جو کچہری دروازہ کہلاتا تھا، یہاں قاضی بیٹھا کرتا تھا، آمدنی، فرامین اور جاگیروں سے متعلق تمام معاملات یہیں طے ہوتے تھے، جنوب کی طرف کا پھاٹک اکبری دروازہ کہلاتا تھا، بعد میں امر سنگھ پھاٹک کہلانے لگا، مشرق کی طرف دریا کے سامنے بھی ایک پھاٹک تھا جو دریائی دروازہ کہلاتا تھا، اس دروازے سے دریا کی سیر کی جاتی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالفضل کا بیان ہے کہ قلعہ کے اندر بنگال اور گجرات کے طرز تعمیرات کے نمونے کی پانچ سوعمارتیں تھیں، جوسب سنگ سرخ کی تھیں، اکبر نے اس قلعہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا، ایک حصہ میں فوج، اسلحہ خانہ اور خادموں کی رہائش تھی، اسی حصہ میں سرکاری دفاتر اور کارخانہ جات بھی تھے، دوسرے حصہ میں امراء رہا کرتے تھے، تیسرے حصہ میں خود رہا کرتا تھا، یہاں دولت خانہ اور شبستان اقبال کتب خانہ وغیرہ بھی تھے، ایک بنگالی محل بھی تھا، جہاں ہر جگہ کی عورتیں رہا کرتی تھیں۔

اکبر کی بنائی ہوئی عمارتوں میں صرف جہاں گیری محل رہ گیا ہے، بقیہ عمارتوں کو جہاں گیر اور شاہ جہاں اپنی ضرورت کے مطابق منہدم کرتے رہے، جہاں گیری محل کی تعمیر میں ہندوؤں کے طرز تعمیرات کے اثرات غالب ہیں، ان میں وہ تناسب اور توازن نہیں جو شاہ جہاں کی عمارتوں کی خصوصیات بن گئی تھیں لیکن اسی محل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے طرز تعمیر میں مسلمانوں کے تعمیری ذوق سے کیا کیا نئی باتیں پیدا ہونے لگی تھیں، پوری عمارت سنگ سرخ کی ہے لیکن اس کو سنگ مرمر کی تحریروں سے خوب صورت بنایا گیا ہے، اس پوری عمارت میں کہیں محراب نہیں ہے، چھتیں سنگ سرخ کے ستونوں پر کھڑی کی گئی ہیں، ستونوں پر اعلا قسم کا نقش و نگار ہے اور اندرونی چھتوں میں طلائی و نقرئی رنگ آمیزی کا اعلا قسم کا کام تھا جو اب مٹ چکا ہے، دیواروں کے کھچے بالکل ہندوانہ ذوق کے ہیں لیکن ان پر بہت عمدہ قسم کے نقش و نگار اور کھدائی کے کام ہیں، ان میں جا بجا کنول کے پھول کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کے دونوں طرف پرندے بھی ہیں، چھتوں کے نیچے ہاتھیوں کے نقشے ہیں، ایک جگہ مندر بھی بنا ہوا ہے، جس کے طاقچہ پر ہنومان جی کا بت رکھا ہوا تھا، زنانہ حصہ کے پیچھے ایک مخفی راستہ ہے، جہاں جالیاں لگی ہوئی ہیں، یہاں کنیزیں اور خواجہ سرا حفاظت کے لیے متعین رہتے تھے اور اسی کے پاس کچھ راستے بھی ایسے بنے ہوئے ہیں جہاں بیگمات آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھیں، اس محل کی بلندی دوسو اٹھاسی فٹ اور چوڑائی دوسو ساٹھ فٹ ہے، اندر کا چوکور محل چوہتر فٹ ہے۔

محل میں ایک تہ خانہ بھی تھا، جہاں روشنی کے لیے دریچے بھی لگے تھے، یہ تہ خانہ بڑا طویل تھا جو ایک باولی کے پاس جا کر ختم ہوتا تھا، گرمی کے موسم میں جب لو چلنے لگتی تو جہاں گیر محل کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیگمات کے ساتھ اندر چلا جاتا، جہاں جا بجا فوارے چھوٹتے رہتے، جس سے فضا اور بھی ٹھنڈی رہتی، تہ خانے نقرئی اور طلائی کاموں سے آراستہ پیراستہ رہتے، جہاں بیگمات آ کر بیٹھتیں اور محل کی کنیزیں ان کو اپنے رقص و سرود سے محظوظ کرتیں، اسی تہ خانہ سے تاج اور سکندرہ تک سرنگیں کھودی گئی تھیں لیکن اب ان کا پتہ نہیں، اس کے اندر کچھ کمرے بھی بنے ہوئے تھے، جہاں اشرفیاں، جواہرات، مرصع آلات اور دوسری قیمتی چیزیں رہا کرتی تھیں۔(۱)

زنانہ محل کی چھتوں پر جا بجا حوض بنے ہوئے تھے، ان میں جا بجا پانی بھرا رہتا، گرمیوں کے موسم میں تانبے کی نلکیوں سے محل کے ہر حصہ میں پانی پہنچایا جاتا تاکہ درو دیوار ٹھنڈے رہیں۔

اس محل کی بیرونی فصیل میں ایک ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہیں بھی بنی ہوئی ہیں، بیگمات اور کنیزیں علاحدہ علاحدہ کھڑی ہو کر باہر میدان میں ہاتھیوں، درندوں کی لڑائیاں یا فوجی کرتب یا شاہانہ تقریب کے جلوس دیکھا کرتی تھیں۔

شاہ جہاں نے اس محل کو پتھروں اور اینٹوں کا پایا تھا لیکن اپنے عہد میں اس کو سنگ مرمر کا بنا دیا، جودھ پور ریاست کے مکرانہ کی کانوں سے اس کو بے شمار سنگ مرمر ملے اور ان کو اس نے اپنے محل کے ہر حصہ میں استعمال کیا اور ان پر منبت کاری، نقاشی اور پرچین کاری کے ایسے ایسے نمونے دکھلائے کہ اس کا دور فن تعمیر کا زریں عہد سمجھا جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنگ مرمر کو موم کی طرح اپنی خواہش کے مطابق موڑ سکتا تھا، اسی لیے اس نے اپنے صناعوں اور کاری گروں کے ذریعہ سے سنگ مرمر کی طرح طرح کی صناعی اور کاری گری دکھلائی، اعلاقسم کی محرابیں گنبد اور ستون سنگ مرمر کے بننے لگے، جن کے نقش و نگار، منبت کاری، پرچین کاری اور پچے کاری میں بڑی پاکیزگی، نفاست اور لطافت ہوتی، یہ آگرہ کے محل سے شروع ہوئی اور دہلی کے لال قلعہ اور آخر میں تاج محل پر انتہا کو پہنچ گئی۔

خاص محل: آگرہ کے قلعہ کے دیوان عام اور دیوان خاص کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اس قلعہ کے اندر ایک عمارت خاص محل کے نام سے موسوم ہے، جو خالص سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، یہ شاہ جہاں اور بیگمات کی آرام گاہ تھی، اس کی کرسی بہت اونچی ہے، اس کے سامنے جو انگوری باغ تھا، اس سے

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۳۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ عمارت چار فٹ بلند ہے، یہ پورا حصہ ۱۱۲×۹۶ فٹ کا ہوگا، اگلے حصوں میں ستونوں کی ایک قطار ہے، جس میں محراب دار دستے ہیں، اندر کے ایوان میں کھڑکیاں اور سنگ مرمر کی جالی دار ٹٹیاں لگی ہوئی ہیں، جن سے دریائے جمنا کی بہار دیکھی جاتی تھی، اس کے بارے میں بادشاہ نامہ میں ہے:

''آرام گاہ کہ مقدس منشائے سعادت ومہبط برکات است ایوانے است از سنگ مرمر بدرازی بیست وشش ذراع وپہنائے دہ ونیم کہ جدران تا کرسی اسیاطین منبت اندود دست وجداول آن پرچیں کاری باحجار ملونہ وسقفش مفرج بہرمانی کہ منبت آن را نیز بطلا اندوہ دہ اند''(۱)

اس میں پہلے دودمان تیموری کے تمام حکم رانوں کی قلمی تصویریں بنی ہوئی تھیں جو مصوری کے اعلانمونے تھے لیکن جاٹوں نے ان کو خراب کرڈالا، اس کی چھت میں نہایت اعلاقسم کا طلائی کام بنا ہوا تھا، جواب باقی نہیں ہے، لارڈ کرزن نے اپنے زمانہ میں نمونہ کے طور پر کچھ حصہ میں طلائی کام بنانے کی ناکام کوشش کی تھی، اس میں روشنی دینے والا ایک پتھر بھی لگا ہوا تھا، جس پر سورج کی روشنی پڑتی تو اس سے اور بھی زیادہ روشنی پھیل جاتی، جابجا قندیلیں اور جھاڑ فانوس لٹکنے کے لیے بھی جگہیں بنی ہوئی ہیں، خاص محل کے نیچے تہ خانے بھی تھے، جہاں گرمیوں کی لو سے بچنے کے لیے بیگمات اور شہزادیاں جاکر آرام کیا کرتی تھیں۔

حوض: اس خاص محل کے سامنے ایک حوض ہے جس میں کیوڑے اور گلاب کے فوارے برابر چلا کرتے تھے، بادشاہ نامہ میں ہے:

''درصحن آرام گاہ معلی کہ ہشتاد گز مربع است حوضے است بطول پانژدہ گز وعرض نہ دوران پنج فوارہ درجوش۔(۲)

درخشندہ حوضے چو لوحِ ضمیر ☆ چو آئینہ عقل صورت پذیر
زلالش بہ روشن ولی چون بصر ☆ بہر قطرہ اش مایۂ صد گہر

اس حوض کے کنارے بیٹھنے کی جگہیں بھی بنی ہوئی ہیں جن پر بیگمات اور شہزادیاں بیٹھ کر

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۴۰۔ (۲) ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوارے سے لطف اندوز ہوا کرتی تھیں۔

ایوان ملکۂ دوراں: اس خواب گاہ کے بغل میں ایک ایوان ہے جس کو عبدالحمید لاہوری نے ایوان ملکۂ دوران لکھا ہے اور اب جہاں آرا بیگم کے نام سے مشہور ہے، عبدالحمید لاہوری نے اس محل کے بارے میں لکھا ہے:

''پہلو آرام گاہ گردوں جاہ ایوانے است منقش بہ گونا گوں نقوش درکمان زیبائی و تکلف وقرینہ عمارتے کہ میان شاہ برج وآرام گاہ مقدس واقع شدہ وپس ایوان طینی خانہ در رنگ آمیزی بسان ایوان شرقی، درصحن ایں میانے بنگلۂ ایست مشرف بردریائے چوں قرینہ بنگلہ مبارک ودو جانب آں درحجرۂ است زیب افزا جدروسقوف واساطین بنگلہ وہردو حجرہ طلا اندود ونقوش آمود است، پشت بام ایں منازل سہ گانہ بالواح طلا آرائش یافتہ۔(۱)

انگوری باغ: خاص محل کے سامنے ایک باغ تھا، جو انگوری باغ کہلاتا تھا، اس کا صحن ۱۷۰×۲۳۵ تھا، اس کی تمام روشیں سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں، اس کے تین طرف حجرے بنے ہوئے تھے جن کے اردگرد ستون تھے، چوتھے طرف سنگ مرمر کا چھوٹا سا بنگلہ تھا، ان عمارتوں کے اندر سنہرا کام تھا، اس میں عجیب وغریب صورت کا ایک حوض بھی بنا ہوا تھا، یہاں بیگمات آکر تفریح کیا کرتی تھیں، اس کے ہرگوشہ پر مرودار خانے بنے ہوئے تھے اور وسط حوض میں پانچ فوارے تھے، اس حوض میں پانی کے بجائے گلاب اور کیوڑے کا عرق بھرا رہتا تھا، اسی کے پاس ایک دوسرا حوض بھی تھا جس کے سامنے پتھر کی خوب صورت کیاریاں بنی ہوئی تھیں، اس باغ کے واسطے شاہ جہاں نے کشمیر سے مٹی منگوائی تھی، جس میں اعلاقسم کے انگور کی کاشت ہوتی تھی، خاص محل کی قربت کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ بیگمات اس کے حجروں میں رہا بھی کرتی تھیں، بادشاہ نامہ میں اس کے بارے میں ہے:

''باغ است خلد آسا کہ چار چمنش بہ اقسام ازہار وانواع ریاحین مشحون است چبوترۂ میان باغ وخیابانہائے آں راہمہ از سنگ مرمر ساختہ اند(۲)

بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۴۱۔(۲) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۴۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیش محل: اس باغ کے مغربی وشمالی گوشہ میں شیش محل ہے،اس میں دو درجے ہیں، جہاں دو حوض بنے ہوئے ہیں، دونوں حوض سنگ مرمر کے ہیں، اس میں اوپر سے پانی ایک حوض میں آتا اور دوسرے میں داخل ہوتا، قیمتی شیشوں کے ٹکڑوں کو تراش کر کے کاری گروں نے چھت اور دیواروں میں بیل بوٹے اور گل دستے بنائے تھے، اب بھی جب کہ یہ محل بالکل خستہ ہو چکا ہے، اس میں روشنی کی جاتی ہے، تو لاکھوں تارے چمکتے نظر آتے ہیں، اس کی ایک دیوار سے ضرب لگانے پر صدا بلند ہوتی ہے، اس پر ضرب لگا کر ضرورت کے وقت کنیزوں اور خواصوں کو بلایا جاتا۔

حمام: اسی سے ملا ہوا حمام ہے جس کا ذکر آیندہ باب سنگار میں آئے گا۔

مثمن برج: اس محل کا حسین ترین حصہ سمن یا مثمن برج ہے، شاہ نامہ میں ہے:

> ''عمارتے دیگر از سنگ مرمر در نہایت دل کشائے مشتمل بر مثمن خانہ بقطر ہشت ذراع کہ اضلاع پنج گانہ آں مشرف است بر دو خانہ ادا دین بہ غایت رنگیں و دل نشیں و در سہ ضلع غربی آں سہ شاہ نشین است در نہایت زینت و پیش آں ایوانے است سر چشمہ اساس پذیرفت، تمامی ایں عمارت از درون و بیرون پرچیں کاری است باصناف احجار''(۱)

اوپر کی عبارت سے ظاہر ہوگا کہ خالص سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا، اس میں نہایت قیمتی پتھر لگے ہوئے تھے لیکن اب رنگین پتھروں کی صرف پچے کاری باقی رہ گئی ہے، اس میں چمیلی کے پھول بھی بکثرت بنے ہوئے ہیں، اس کا برج خالص سونے کا تھا لیکن اب اس پر سونے کا ملمع ہے، اس کے بیچ میں ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا ہے جو گلاب کے پھول کی طرح کھلا نظر آتا ہے، اس میں قیمتی جواہرات لگے ہوئے تھے، کہا جاتا ہے کہ ممتاز محل اس میں اپنا منہ دھویا کرتی تھیں، مثمن برج کی اندرونی چھت میں دو کھڑکیاں نظر آتی ہیں، جن کے اندر ممتاز محل اپنے زیورات اور جواہرات رکھا کرتی تھی اوپر چڑھنے کے لیے سونے کی ایک سیڑھی رکھی رہتی تھی، اس برج کے سامنے دریائے جمنا کی موجیں لہراتی رہتی تھیں اور یہیں سے بیٹھ کر بیگمات جانوروں کی لڑائیاں اور دوسرے تماشے بھی دیکھا کرتی تھیں، یہاں سے تاج محل سامنے نظر آتا ہے، اس میں ایک چھوٹا سا شیشہ بھی لگا ہوا ہے،

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص: ۲۴۰-۲۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جس میں تاج محل کا پورا عکس پڑتا رہتا ہے، شاہ جہاں اپنے اخیر زمانہ میں اپنی محبوب رفیقۂ حیات کے روضۂ تاج محل کا نظارہ کیا کرتا تھا اور اسی جگہ وہ تاج محل کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے دنیا سے رحلت کر گیا۔

پچیسی: مثمن برج کے آگے فرش سنگین پر پچیسی کے سنگ مرمر کے خانے بنے ہوئے ہیں، جہاں شاہ جہاں یا حرم کی بیگمات پچیسی کھیلا کرتی تھیں، خانوں میں مہروں کے بجائے کنیزیں کھڑی کی جاتی تھیں جو اشارہ پا کر ایک خانہ سے دوسرے خانہ میں چلی جایا کرتی تھیں۔

بیت الخلا: مثمن برج کے آگے دو دروازے ہیں، ایک دروازہ کا راستہ شاہی پاخانہ کو گیا ہے، جو تہ خانہ کی طرح بنا ہوا ہے، اس کے قدمچے سنگ مرمر کے ہیں اور دیواریں بھی سنگ مرمر کی ہیں، اس میں زینہ کے اوپر ایک سفید رنگ کا پتھر لگا ہوا ہے، جو روشنی کا کام دیتا تھا اور چراغ کے بغیر اس میں روشنی رہا کرتی تھی۔

مچھی بھون: دیوان عام کے عقب میں ایک تالاب تھا جس کے بارے میں عام طور سے کہا جاتا ہے کہ یہاں بادشاہ اور شہزادے مچھلی کا شکار کھیلا کرتے تھے، اسی لیے یہ مچھی بھون کہلاتا ہے۔

مینا بازار: دیوان عام کے باہر وسیع میدان کے بائیں جانب مینا بازار کی جگہ تھی جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔

نگینہ مسجد: اس بازار کے جنوب اور مشرقی گوشہ میں نگینہ مسجد ہے جس کو عالم گیر نے ۱۶۵۸ء میں بنایا، اس میں محل کی بیگمات نماز پڑھا کرتی تھیں، جانمازوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جانمازیں بھی بنی ہوئی ہیں جو بچوں کے لیے تھیں، جنوب کی طرف ایک ایک کمرہ وضو کے لیے تھا جس میں برابر گرم پانی رہا کرتا تھا، ایک اور کمرہ اوراد و وظائف کے لیے تھا۔

مینا مسجد: یہ مسجد مچھی بھون کے دائیں طرف ہے، یہ بادشاہوں کے اوراد و وظائف کے لیے تھی۔

موتی مسجد: قلعہ کے اندر سب سے دل کش اور دل آویز عمارت موتی مسجد کی ہے، جو ۱۶۵۴ء میں تعمیر ہوئی، اس میں جس نفاست سے تمام چیزیں اپنی اپنی جگہوں پر لگائی گئی ہیں، پھر اس میں جو خوش نما دالانوں، محرابوں، ستونوں، برجوں اور برجیوں کے سلسلے نظر آتے ہیں اور اوپر جو گنبد ہیں ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب میں ایسا تناسب اور توازن ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ نظر واقعی کسی موتی پر گڑی ہوئی ہے، یہ مسجد باہر سے ۲۳۴×۱۸۷ فٹ ہے، مسجد کے صحن کی لمبائی ۱۵۸ فٹ اور چوڑائی ۱۵۴ فٹ ہے، اندر ہر جگہ سنگ مرمر ہے وضو کرنے کا ایک حوض ۲۷ فٹ لمبا اور ۳۷ فٹ چوڑا ہے اور سب سنگ مرمر کے ہیں، مسجد کے تین دروازے ہیں، ایک تہ خانہ بھی ہے جس سے حرم کی بیگمات بھی اس میں نماز پڑھنے کے لیے آیا کرتی تھیں، یہ مسجد تین حصوں میں منقسم ہے، جس میں سنہرے کھمبوں کی قطار در قطار دالانیں ہیں، باہر کی طرف محرابوں میں اشعار کندہ ہیں، جانمازیں جا بجا بنی ہوئی ہیں، عورتوں کے لیے علاحدہ مصلّے ہیں صحن میں دھوپ گھڑی بھی لگی ہوئی ہے، تاج محل کے بعد اس مسجد کی عمارت کا کوئی جواب نہیں اور ایسی خوب صورت مسجد شاید ہی دنیا کے کسی اور حصہ میں ہو، ایک عیسائی نے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی عظمت اور رفعت کا اندازہ اسی مسجد کو دیکھ کر ہوتا ہے کہ کسی عیسائی نے ایسا خوب صورت گرجا نہیں بنایا۔(۱)

ابوطالب کلیم نے اس محل کے کمالِ صنعت پر اشعار لکھ کر اپنا شاعرانہ کمال دکھایا ہے، شاہ جہاں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

زہے دل کشا قصر خاطر پسند ☆ ز کرسی تو شانِ رفعت بلند
ترا می رسد از سر کبرو ناز ☆ کہ درروی قارون کنی پا دراز
زہے دل نشیں قصر خاطر فریب ☆ غم از دل ربائے لسان شکیب
ز دیوار تو عکس گلہائے باغ ☆ نماند چو ز آئینہ عکس چراغ

پھر ایک اور قصیدہ میں کہتا ہے:

جہات اربع از دو ازہایش ☆ کدامی کردہ فیض جانفزایش
بہ رفعت سرفراز از روزگار ست ☆ براہِ سائلاں چشمش چہار ست

(۱) یہ تمام تفصیلات بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۴۱-۲۳۵ آگرہ از: عبداللطیف اور مختلف گائڈ بک سے لی گئی ہیں، مؤلف نے اس قلعہ کو جا کر خود دیکھا بھی ہے اور دیکھ کر بھی بعض باتیں قلم بند کی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفا اندودہ دیوارش جلا دار ☆ تمامی عکس شہر از وے نمودار
چہ دیواری نگہ لب تشنۂ او ☆ ز موی در زخالی صفحۂ او
ازاں سنگش بہ سرخی می گراید ☆ کہ رنگ آتش از وی می نماید
بہ سنگش صحبت آتش اثر کرد ☆ کہ چوں آتش سوئے بالا سفر کرد
فلک را ہر چہ بود از نقد اختر ☆ نثار کنگر او گشت یکسر
زمیں را ہر چہ بود از نقد مدفون ☆ بپایش ریخت حتی گنج قاروں
رعنائی و چوبی انچناں گشت ☆ کہ چوں خندق بگردش می تواں گشت
بنوعی کنگرش سر پنجہ بفراشت ☆ کہ دایم از شفق ہر کف حنا داشت
یکے برجِ شرف ماوائے شاہست ☆ کہ زریں قبہ اش براوج ماہست
ز نور قبہ اش خود تاب گیرد ☆ ز سنگ مرمرش ابر آب گیرد
بدریا جملہ در ہایش کشادہ ☆ تماشا بے درو چشم آب دادہ
بگردوں بر جہا را داغ یابی ☆ زر شک ایں ہمایوں برج آبی
ہمیں برجی کہ سُر را دل پذیرست ☆ چناں در دل کشاے بے نظیر ست
ستونہا جملہ مرمر قبہ از زر ☆ دمیدہ از سپیدہ مہر انور
پرچینہاے طاقش چشم بد دور ☆ بدر گہ پیشکش آوردہ فغفور
صراحی ہائے طاق از چینی وزر ☆ فروزاں چو بطاق چرخ اختر

شاہ جہاں کا نظام اوقات: اس محل میں شاہ جہاں جس طرح اپنا وقت گذارتا، اس کی تفصیل سے محل کے اندر کی ساری سرگرمیاں ظاہر ہوں گی۔

وہ طلوع آفتاب سے دو ساعت پہلے جاگتا، وضو کرتا، اس کی خلوت گاہ کے پاس جو مسجد ہے، اس میں نماز ادا کرتا، تھوڑی دیر وظیفہ بھی پڑھتا، اس کے بعد حرم کے اندر جاتا، دو تین گھڑی چڑھے جھروکہ میں آکر درشن دیتا، جھروکہ کے سامنے میدان میں لشکر شماری بھی ہوتی جس کو وہ دیکھتا یا کبھی مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ کر محظوظ ہوتا، جھروکہ سے دیوان عام میں آتا، جہاں کے امور کبھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چار،کبھی پانچ گھڑی میں انجام دے کر نشیمن خاص یعنی دیوان خاص میں آتا، جہاں کے مشاغل سے فارغ ہوکر شاہ برج میں آتا، یہاں شاہ زادوں اور مخصوصین کے سوا کوئی اور نہ ہوتا، یہاں کچھ دیر ٹھہر کر، دوپہر کے قریب محل میں داخل ہوتا، ظہر کی نماز پڑھتا اور وظیفہ سے فارغ ہوکر کھانا کھاتا اور قیلولہ کرتا، اس وقت صرف بیگمات اور شہزادیاں ہوتیں، عصر کی نماز کے بعد جھروکہ کے پاس آکر بیٹھتا، دیوان خاص میں مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا، پھر خوب روشنی کی جاتی، یہاں چار پانچ گھڑی گذارتا، گانے اور بجانے والے اسی وقت اس کو آکر محظوظ کرتے، پھر عشا کی نماز پڑھتا اور شاہ برج میں چلا جاتا، اگر دن کا کوئی کام رہ جاتا تو یہیں انجام پاتا، آج کا کام کل پر نہیں ٹالا جاتا، اس کے بعد محل میں جاتا، جہاں کنیزوں سے گانا سنتا، پھر پلنگ پر لیٹ جاتا، پس پردہ انبیا، اولیا اور سلاطین کے حالات پڑھے جاتے، یہاں تک کہ وہ سو رہتا۔(۱)

الہ آباد کا محل: اکبر نے ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں الہ آباد کا محل گنگا کے کنارے سعید خاں، مخلص خاں، راجہ ٹوڈرمل، رائے بھارت دیوان اور پیاگ داس کی نگرانی میں بنوایا، یہ ایک حصار کے اندر تھا، حصار کے بنوانے سے پہلے ایک مستحکم بند تیار کیا گیا جو ایک کوس طویل، چالیس گز عریض، چار گز بلند تھا، پھر قلعہ کے اندر چار حصے بنوائے گئے، ایک میں دولت خانہ شاہی تھا، دوسرے میں بیگمات اور شہزادوں کی رہائش تھی، تیسرے میں اعزا و اقربا اور ملازمین کے مکانات تھے، چوتھے میں لشکر کے رہنے کی جگہ تھی، جا بجا باغ بھی تھے، جس میں دل کشا ایوان بنے ہوئے تھے، یہ اپنی مضبوطی کے لیے بہت مشہور تھا لیکن انگریزوں نے اپنے زمانہ میں اس کے زیادہ تر حصے کو مسمار کردیا(۱) اور اب اس کو دیکھ کر دنیا ایک سرائے فانی معلوم ہوتی ہے۔

لاہور کا محل: اکبر نے آگرہ کے طرز پر لاہور میں بھی راوی کے کنارے ایک محل بنوایا، جہاں پہلے پرانا ایک مٹی کا قلعہ تھا، اکبر نے اس کی جگہ پر ۱۵۸۶ عیسوی میں اینٹوں کا ایک محل بنوایا، اس کے

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۵۴-۱۴۲، تاریخ ہندوستان از: ذکاء اللہ جلد ہفتم ص ۶۹-۶۳ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۶-۴۱۵، عالم گیر نامہ ص ۱۲۶، منتخب اللباب حصہ اول ص ۲۳۶ خلاصۃ التواریخ از: سبحان رائے قلمی نسخہ دار المصنفین مفتاح التواریخ از جان بیل ص ۱۹۶،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پورب طرف ایک بڑا پھاٹک اب بھی ہے جو ستی دروازہ کہلاتا ہے، اس کے اندر جو عمارتیں بنوائیں، ان میں آگرہ کے محل سے زیادہ تناسب اور توازن تھا، کیوں کہ لاہور کے قلعہ کی زمین متوازی الاضلاع ۱۰۵۰×۱۲۰۰ فٹ تھی (۱)، اسی میں اکبر نے ایک محل بنوایا، جس میں دولت خانہ خاص و عام بھی تھا، اس میں ایک جھجا بھی تھا جس کے آگے صحن تھا اور صحن کے چاروں طرف عمارتیں تھیں، اب یہ عمارتیں نہیں رہ گئی ہیں۔

جہاں گیر نے اپنے زمانہ میں اس میں کافی ترمیم و اضافہ کیا، چنانچہ ۱۰۲۷ھ (۱۸-۱۶۱۷ء) میں معمور خاں نے اس کی فرمائش اور ذوق کے مطابق اس کے اندر بہت سی عمارتیں بنوائیں، جہانگیر ۱۰۳۱ھ میں یہاں آیا تو وہ لکھتا ہے:

''بے تکلف منازل دل کشا و نشیمن ہائے روح افزا در غایت لطافت و نزاہت ہمہ منقش و مصور بہ عمل استاداں نادرہ کار آراستگی یافتہ باغہائے سبز خرم بانواع و اقسام گل و ریاحینِ نظر فریب گشتہ

زفرقِ تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست''(۲)

یہ تمام عمارتیں ایک چوکھنڈی میں تھیں جن کی ہیئت سکھوں اور انگریزوں کے زمانے میں بدل چکی ہے، جہاں گیری محل کا راستہ ایک ایسی عمارت سے ہو کر جاتا تھا، جو مکتب خانہ کہلاتا تھا، اس پر اب تک عمارت کی تاریخِ تعمیر کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے، اندر محل کی دیواروں اور چھتوں پر طلائی کام تھا اور ہر کمرہ میں قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے، جہاں گیر کی پہلی بیوی مان بائی یعنی خسرو کی ماں کے محل کے سامنے اکاس دیا تھا اور محل کے اندر دیواروں پر جا بجا تصویریں بنی ہوئی تھیں، مثلاً ایک منظر یہ تھا کہ جہاں گیر اپنی خواب گاہ میں تخت پر بیٹھا ہوا ہے، اس کے دائیں طرف سلطان پرویز، خرم، طہمورث، مراد، دانیال، مرزا رستم خاں، خافی خاں، قطب الدین خاں کوکہ، راجہ مان سنگھ، خان اعظم، آصف خاں، شیخ فرید، قلیچ خاں اور راجہ جگناتھ کھڑے ہوئے ہیں، بائیں طرف راجہ بھاؤ سنگھ،

(۱) انڈین آرکی ٹک چر اسلامی پریڈاز: برسی براؤن ص ۱۰۰۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۳۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجہ رام دیو، شریف خاں، خان جہاں، زمانہ بیگ (مہارت خاں) راجہ باسو، راجہ رن سنگھ، راجہ کیشو داس اور لالہ رنبیر سنگھ ہیں، ایک دوسرا منظر یہ تھا کہ جھروکہ کے پاس تخت پڑا ہے، اس کے سامنے جہاں گیر کھڑا ہے، جس کے ہاتھ میں ایک شکرہ ہے، جہاں گیر کے بغل میں خسرو پرویز اور خرم ہیں، خسرو کی ماں کے محل کی دیوار پر ایک منظر یہ تھا کہ جہاں گیر بیگمات کے ساتھ کھڑا ہے اور دوسری عورتیں ساغر، پنکھے، تلوار اور تیرو کمان ہاتھ میں لیے کھڑی ہیں، اسی محل میں بابر، ہمایوں اور اکبر کی بھی شبیہیں بنائی گئی تھیں (۱)، ایک دوسری عمارت کی دیوار پر حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اور ایک اور دیوار پر فرشتوں اور دیوؤں کی تصویریں تھیں۔

موتی مسجد: اس قلعہ میں جو موتی مسجد ہے وہ بھی جہاں گیر کی بنوائی ہوئی ہے، اس کے اوپر جانے کے لیے گیارہ سیڑھیاں ہیں، اندر صحن سنگ مرمر کا ہے، نماز پڑھنے کی جگہ ایک دو فٹ اونچی ہے، سامنے پانچ محرابیں ہیں، درمیانی محراب بڑی ہے، سنگ مرمر کے فرش پر نماز کی صفوں میں سنگ موسیٰ کے مصلّے بنے ہوئے ہیں، دیواروں پر جابجا پر چین کاری ہے، تین گنبد ہیں، مسجد بڑی حسین ہے، سکھوں اور انگریزوں کے زمانے میں یہ بہت مجروح ہوگئی ہے لیکن لارڈ کرزن نے پھر سے اس کے حسن کو قائم کرنے کی کوشش کی۔ (۲)

شاہ جہاں نے اس محل میں اور بھی ترمیمیں کیں اور اپنے ذوق کے مطابق اس میں جا بجا سنگ مرمر کی عمارتیں بنوائیں اور ان عمارتوں کی کرسی زیادہ سے زیادہ بلند کی اور سنگ مرمر کے ساتھ دوسرے قیمتی پتھروں کی چینہ کاری سے تمام عمارتوں کو خوب صورت بنانے کی کوشش کی، جھروکہ تو جہاں گیر کے عہد کا بنا ہوا ہے لیکن جھروکہ کے آگے چالیس ستونوں کا ایوان شاہ جہاں نے بنوایا، جو دیوان عام کے نام سے مشہور ہوا، اس میں آگرہ اور دہلی کے دیوان عام کا حسن نہیں ہے، دیوان عام کے عقب میں باہر چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں، جو جہاں گیر کے عہد کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، ان کمروں کی دیواروں کے ستون کا زیریں حصہ سنگ مرمر کا تھا، جس کے حاشیوں میں ترصیع تھی

(۱) اسلامک کلچر حیدر آباد دکن جنوری ۱۹۵۹ء، (۲) تفصیل کے لیے دیکھو جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، جنوری ۱۹۵۳ء (مضمون لاہور کے قلعہ میں، موتی مسجد از: ظفر حسن)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوپر کے حصوں میں قیمتی استر کاری تھی اور جا بجا تصویریں بھی تھیں لیکن اب وہ ختم ہو چکی ہیں۔(۱)

دیوان خاص: اس قلعہ کے اندر بھی دیوان خاص تھا، اس کی عمارت بھی شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی ہے، جو اس کے ذوق کے مطابق سنگ مرمر کی ہے، اس میں پانچ پانچ ستونوں کی پانچ قطاریں ہیں، جن کے اوپر خوب صورت محرابیں ہیں، کنگوں پر لدا ہوا ایک چھجہ عمارت کے چاروں طرف ہے اور اتر کی طرف جالیاں ہیں، چھت میں طلائی صناعی اور کاری گری تھی، فرش سنگ مرمر کا تھا، جس میں دوسرے رنگ کے بھی پتھر لگے تھے، بیچ میں ایک فوارہ تھا جس میں رنگین قیمتی پتھروں سے آرائش کی گئی تھی۔(۲)

عرض گاہ: اس کے پاس ہی عرض گاہ تھی جہاں فوجی امرا کا معائنہ ہوتا تھا اور ان کے نام احکام صادر کیے جاتے تھے۔

بارہ دری: اس کی مخالف سمت میں سنگ مرمر کی ایک بارہ دری اب بھی موجود ہے، اس میں تین ایوان ہیں، جن کے آگے ایک چھجہ بھی تھا جو اب نہیں رہا۔

خلعت خانہ: ایک عمارت خلعت خانہ کے نام سے موسوم تھی، جہاں امرا کو خلعت دیے جاتے تھے۔

حمام: اسی سے ملا ہوا حمام تھا جو اب بھی ہے۔

خس خانہ: اسی سے ملا ہوا خوشبوئیات اور عطریات کا ایک کمرہ تھا جو خس خانہ کہلاتا تھا۔

زنانہ مسجد: بیگمات کے لیے ایک خوب صورت مسجد بھی تھی لیکن انگریزوں نے اس کو اصطبل بنا دیا تھا۔(۳)

شاہ برج: محل کے شمال مغرب میں شاہ برج ہے جو شاہ جہاں کے خسر یمین الدولہ آصف خان کی نگرانی میں تعمیر ہوا، اس کی بلندی کے متعلق بادشاہ نامہ میں ہے:

"با پشت و گاؤ ماہی در اصل ہم قرین با برج گاؤ و ماہی در قرع ہم قرآں بتوان از
ومشاہدہ کردن بہ چشم سر کیفیت کواکب واشکال آسماں"

---

(۱) جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی، ج ا ص ۵ (۲) جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی، ج ا ص ۵

(۳) ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ زمین کی سطح سے ۲۱ رذراع اوپر ہے، یہ ہشت پہل ہے، اس لیے مثمن بھی کہلاتا ہے جس کی خرابی سمن برج ہے، اس میں سنگ مرمر کے دوہرے ستونوں کی ایک لمبی قطار ہے جس کی پانچ محرابیں بہت ہی مرصع ہیں، جہاں محرابیں ملتی ہیں، ان کے اندرونی حصوں میں بڑی زینت وآرائش ہے جواب بھی دیکھی جا سکتی ہے، دو بیرونی محرابوں پر انگور کی خوب صورت بیلیں ہیں۔

شیش محل: اس کا سب سے بڑا ایوان مستطیل ہے جس کے ستون کے حاشیوں میں سنگ مرمر ہے اور اس کی دیواروں کے بالائی حصوں اور چھتوں میں حلبی شیشے لگے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے یہ عوام میں شیش محل کے نام سے مشہور ہو گیا، اس کے چاروں طرف نو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، ان میں سے ایک میں سنگ مرمر کی جعفری ہے جس کی جالیاں بہت خوب صورت ہیں۔

نولکھا: شاہ برج کے پچھّم طرف سنگ مرمر کا ایک بنگلہ ہے، جس میں عقیق، مرجان اور دوسرے قیمتی پتھروں کی پرچین کاری ہے، یہ عمارت آگے چل کر نولکھا کے نام سے مشہور ہوئی، شاید اس لیے کہ اس کی تعمیر میں نو لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اس بنگلہ کے اتر اور دکھن جانب دو ایوان اور تھے جن میں سنگ موسیٰ اور سنگ مریم کی گرہ بندی تھی اور ان کے سامنے صحن میں ایک خوب صورت حوض تھا، جس میں آکر چار نہریں گرتی تھیں، اس صحن کے جنوب میں ایک نشیمن تھا، جس کے پورب پچھّم دو حجرے تھے۔

خواب گاہ: ان حجروں کے پاس خواب گاہ تھی جو نو گز لمبی اور پانچ گز چوڑی تھی، اس کے اندر مصوروں نے اپنا کمال دکھا کر اس کو جامِ جہاں نما بنا دیا تھا، اس کے آگے بھی ایک صحن تھا۔ (۱) یہ اب چھوٹی خواب گاہ کے نام سے مشہور ہے، بڑی خواب گاہ وہ ہے جو جہاں گیر کی چوکھنڈی میں ہے۔

حضوری باغ دروازہ: اورنگ زیب نے اس محل کے اندر تو کوئی خاص اضافہ نہیں کیا، البتہ جب اس نے اس قلعہ کے سامنے ۱۶۷۳ء میں لاہور کی بادشاہی مسجد بنوائی تو اس کے سامنے ایک بڑا پھاٹک بنوایا، جو حضوری باغ کے پاس ہے، گو یہ اکبری دروازہ بھی کہلاتا ہے لیکن اب یہ قرار پا گیا ہے کہ یہ دروازہ عالم گیری عہد کی تعمیر ہے۔ (۲)

---

(۱) بادشاہ نامہ ج ا، ص ۲۵-۲۲۴۔ (۲) جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی ج نمبر ا، ص ۴۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فتح پور سیکری کا محل: اکبر کی زندہ تعمیری یادگاروں میں فتح پور سیکری کا محل ہے، جب جہاں گیر کی ماں کو حمل کے آثار نمایاں ہوئے تو اکبر نے حصول برکات کی خاطر جہاں گیر کی ماں کو حضرت شیخ سلیم چشتی کے گھر بھیج دیا، جہاں ۱۷؍ربیع الاول ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) کو شہزادہ سلیم اور محرم ۹۷۸ھ ۱۵۷۰ء کو شہزادہ مراد پیدا ہوا، اس خوشی میں اکبر نے ۹۷۱ھ میں حضرت شیخ سلیم چشتی کے مکان کے پاس ایک محل بنانے کا حکم دیا اور تھوڑے دنوں میں یہ پہاڑی اور جنگلی علاقہ عالی شان محلات سنگین اور گچ کاری کی عمارتوں، بالا خانوں، حماموں، سرسبز باغوں، سیر گاہوں، مسجدوں، مدرسوں، چوڑے چوڑے بازاروں اور دل کش دکانوں سے آباد ہو گیا۔

فصیل: یہ عمارتیں کچھ تو پہاڑی پر اور کچھ پہاڑی کے نیچے بنائی گئیں، پہاڑی کے شمال میں ایک چھوٹی سی ندی کھاری بہتی ہے، اس پہاڑی کے تین طرف کنگورے دار فصیل بنائی گئی، جس کا دور چھ میل تھا، شمال و مغرب میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہاڑ کے اوپر دو منزلہ سے لے کر نو منزلہ تک عمارتیں بنائی گئیں، اس لیے اس طرف فصیل بنانے کی ضرورت نہیں ہوئی، فصیل کے ہر موڑ پر برج بنائے گئے۔

دروازے: اس میں آٹھ بڑے بڑے دروازے تعمیر ہوئے، جن کے اندر محافظوں اور پہرہ داروں کے لیے عمارتیں بنی ہوئی ہیں، ان دروازوں کے یہ نام رکھے گئے (۱) دہلی دروازہ (۲) لال دروازہ (۳) آگرہ دروازہ (۴) بیر پول دروازہ (۵) چندر پول دروازہ (۶) گوالیار دروازہ (۷) تیرہ دروازہ (۸) اجمیری دروازہ، تیرہ اور اجمیری دروازہ کے درمیان میں پہاڑ پر ایک معمولی دروازہ ہے، جو چور کھڑکی کے نام سے مشہور ہے، آنے جانے کا خاص پھاٹک آگرہ دروازہ تھا، ایک پھاٹک کا نام ہتھیا پول بھی تھا، جس کے سامنے پتھر کے بڑے بڑے ہاتھی ابھی تک موجود ہیں لیکن یہ فصیل کے اندر محل میں داخل ہونے کا دروازہ تھا، فصیل کے اندر امرا کے بھی بڑے بڑے مکان بنے ہوئے تھے اور اس کے ارد گرد کوسوں تک آبادی چلی گئی تھی، اسی کے اندر حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مزار ہے، جس کے سامنے بلند دروازہ ہے، یہ اپنی بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے دنیا میں اپنی آپ مثال ہے، مزار ہی کے پاس ایک شاندار مسجد ہے لیکن ہم اس باب میں صرف محلات کا ذکر کرنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہتے ہیں، اس لیے ان عمارتوں کا ذکر نظر انداز کرتے ہیں۔

محل خاص: دولت خانۂ خاص جو عام طور سے محل خاص کے نام سے مشہور ہے، ایک مستطیل احاطہ میں واقع ہے، اس کا طول ۲۱۱ فٹ اور عرض ۱۵۳ فٹ ۴ انچ ہے، اس کی تعمیر ۱۵۷۱ء میں ہوئی، اس کے دکھن طرف دالان اور کمروں کا سلسلہ ہے، اس کے جنوب و مشرق میں ایک منقش کمرہ خواب گاہ کے لیے تھا، جس کا تفصیلی ذکر ہم آیندہ باب میں کریں گے، اس کمرہ کے آگے تین طرف برآمدے ہیں، مشرقی برآمدہ سے ایک راستہ ترکی سلطانہ کے مکان تک گیا ہے، اس کمرہ کی پشت پر ایک دوسرا کمرہ ہے، جہاں سے اکبر درشن دیا کرتا تھا، اس سے ملے ہوئے اتر کی طرف دو منقش ستون نصب ہیں، جن پر نہایت خوب صورت انگوری بیل اور پھول پتیاں منقش ہیں، اس کے پورب میں ایک غسل خانہ تھا جس میں پانی آنے جانے کے لیے اندر ہی اندر نالی بنی ہوئی تھی۔

اسی میں ایک دروازہ دفتر خانہ کی آمد و رفت کے لیے تھا، اس کے بعد دالان در دالان بنے ہوئے ہیں، درمیان میں نیچے پٹاؤ کا ایک دالان پاٹ کر اس کی چھت پر ایک درمیانی دالان بنایا ہے، جس کے ستون اس ترتیب سے نصب ہیں کہ یہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے، اتر طرف وسط میں ایک شہ نشیں بنی ہوئی ہے، جہاں سے تمام محل دکھائی دیتا ہے، ان دالانوں میں مختلف قسم کی گلکاریاں کی گئی تھیں، اسی درمیانی بالا خانہ کے زینہ کے پاس چھت پر چڑھنے کے لیے ۱۵ سیڑھیاں ہیں، محل خاص کے مغرب جانب ایک چبوترہ ہے، جو پنچ محلا تک چلا گیا ہے، اس کے اوپر ایک دالان ہے، اس کے وسط میں ایک دروازہ لگا ہے جو مریم کے محل میں جانے کے لیے ہے، جنوب و مغربی گوشہ میں بھی ایک دروازہ ہے جس کے اندر دالان کے درمیان ایک حوض ہے، اس میں مختلف نالیوں کے ذریعہ سے پانی جمع ہوتا تھا اور یہاں سے محل کے بڑے حوض میں پہنچتا تھا۔

خواب گاہ: محل خاص کی جنوبی عمارت کی چھت پر ایک بہت ہی خوب صورت کمرہ ہے جو بادشاہ کی خواب گاہ تھی، اس کا ذکر آیندہ آئے گا، خواب گاہ کے صحن میں مغربی دالان کی چھت پر ہوتا ہوا ایک پردہ دار راستہ بنا ہوا ہے، جس کے ذریعہ سے بیگمات محل کے اندر ہر حصہ میں آتی جاتی رہتی تھیں، تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر نشست گاہیں اور باہر دیکھنے کے لیے جالی دار کھڑکیاں اور چلمن کے بنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی تھیں، دیواروں میں طرح طرح کے نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے تھے۔

انوپ تلاؤ: محل خاص کے صحن میں ایک مربع سنگین حوض بنا ہوا ہے، جو انوپ تلاؤ کہلاتا تھا، اس حوض کا ہر ضلع ۹۵ ½ فٹ ہے، چاروں طرف سیڑھیاں ہیں، درمیان میں سنگین ستونوں کی چھت پر ایک مربع چبوترہ بنا ہے، اس کے چاروں طرف جالی دار کٹہرے ہیں، چبوترہ کے درمیان میں ایک شہ نشیں ہے، چبوترہ اور شہ نشیں میں آمد و رفت کے راستے حوض میں چاروں طرف پتھر کے چوکور ستونوں پر چار پل قائم ہیں، اس حوض میں کارخانۂ آب رسانی سے پانی مختلف نالیوں کے ذریعہ سے بیربل کے مکان، مریم کے محل اور محل کے مغربی دالان سے ہوتا ہوا آتا تھا اور جب یہ حوض بھر جاتا تو شمالی جانب کی نالی سے ہو کر پچیسی اور دیوان خاص کے فرش سے گزرتا ہوا دیوان خاص کے حوض میں جا کر گرتا تھا۔

مکان ترکی سلطانہ: محل خاص کے شمالی و مشرقی گوشہ میں سلیمہ سلطانہ بیگم کا مکان ہے، یہ ہمایوں کی بھانجی تھی، پہلے بیرم خاں سے بیاہی گئی، اس کے بعد اکبر کے حبالۂ عقد میں آئی، بڑی صاحب علم اور سخن فہم خاتون تھی، جیسا کہ باب ''حرم'' میں اس کے ذکر سے اندازہ ہوگا، اس مکان کے اکثر حصے منہدم ہوگئے ہیں، اب اس کا چھوٹا سا کمرہ باقی ہے، جس کے چاروں طرف سنگ سرخ کا برآمدہ ہے، کمرہ اور مغربی جانب کے برآمدے کی چھت منقش ہے، اس کے آگے بھی ایک نقش و نگار سے بھرا ہوا چھجہ ہے۔

> ''تمام عمارت نیچے سے اوپر تک منقش اور باکمال سنگ تراشوں کی مختلف دست کاریوں سے مرصع ہے، اگر اس کو نگار خانۂ چین لکھیں تو روا ہے، یا زمانۂ قدیم کے سنگ تراشوں کی دست کاریوں کا بے نظیر عجائب خانہ کہیں تو بجا ہے، اس کی باریک بیلیں نہایت نفیس، مشجر گل دستے، پھول پتے دیکھ کر عقل بے کار ہو جاتی ہے، حجر میں شجر کو تراشنا پھر اس میں غنچہ اور شگوفہ کی مینا کاری دکھانا، کلیوں کا چٹخنا، پھولوں کا کھلنا، پتوں کا ہوا سے مڑنا، خوشوں کا درختوں میں لٹکنا، مختلف جانوروں کا جنگل میں پھرنا، چڑیوں کا درختوں پر چہچہانا ایسا عجیب کمال ہے جو ہر شخص کو محو حیرت کرتا ہے، نہ معلوم یہ سنگ تراشوں کی کارستانی ہے یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی با کمال موجد نے پتھر کو موم کر کے مختلف سانچوں میں ڈھال دیا ہے، غرض کہ کل عمارت میں کوئی جگہ سادہ نہیں ہے، کمرہ کے اندر دروازوں کے بغلوں میں فرش چار فٹ کی بلندی پر ایک خاص قسم کے کشتی نما مختلف پہل کے بہت سے طاق پتھر میں ترشے ہوئے ہیں، چاروں دروازوں کے اوپر، ایک جالی دار کھڑکی لگی ہوئی ہے، طاقوں کے نیچے اکثر مقامات کے منظر دکھائے گئے ہیں، مشرقی دروازہ کے شمالی بغل میں ہمالیہ کے کسی پرفضا جنگل کا منظر دکھایا ہے، درختوں کی ٹہنیوں پر طوطے مینا وغیرہ کی قسم کی چڑیاں بیٹھی ہوئی نغمہ سرائی کر رہی ہیں، درخت کے نیچے دو شیر بیٹھے ہوئے ہیں، اس کے برابر دروازہ کی دوسری جانب کسی دوسری جگہ کا منظر ہے، برگد کا عظیم الشان درخت ہے، جس پر لنگور اور بندر کود رہے ہیں، چڑیاں ٹہنیوں پر جمی ہوئی ہیں، درخت کے نیچے تالاب ہے جس میں کنول کے خوش نما پھول کھل رہے ہیں، ایک جانور تالاب میں پانی پی رہا ہے، کچھ جانور بچوں کو دودھ پلا رہے ہیں، لنگور اور بندر ان چوپایوں کو درخت کے اوپر سے دیکھ رہے ہیں، ایک طرف ہرا بھرا باغ ہے جس میں انگور اور کھجور کے درخت بھی موجود ہیں، انگور کے درخت میں خوشے لٹک رہے ہیں، ایک طرف جھاڑیاں ہیں، بقیہ میں دروازوں کے ارد گرد چھالیا، سرو، تاڑ اور دوسرے پہاڑی درخت اور گل دستے نہایت خوب صورتی سے ترشے ہوئے ہیں، اکثر درختوں میں خوشے تاڑ کے درختوں میں تاڑی کے لوٹے لٹک رہے ہیں، جانوروں کی تصویریں جہاں جہاں ہیں، ان کی صورتیں مسخ کر دی گئی ہیں، اس کی نسبت مشہور ہے کہ شہنشاہ عالم گیر نے شریعت کا لحاظ کر کے ان صورتوں کو بگڑوا دیا ہے۔(۱)

مدرسۂ نسواں: محل خاص کے شمال و مغربی گوشوں میں لڑکیوں کا مدرسہ تھا، اس میں دو کمرے ہیں، دیواروں پر خوش نما گلکاریاں ہیں، کمروں میں خوب صورت الماریاں، طاق، کتابیں اور قلم دان رکھنے کے واسطے بنے ہیں۔

شاہی حمام: محل خاص کے مشرقی جانب ترکی سلطانہ کے پائیں باغ کے بعد شاہی حمام تھا جس کا

(۱) تاریخ فتح پور سیکری از سعید مارہروی ص ۹۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر آئندہ باب ''سنگار'' میں آئے گا، اس میں جنوبی کارخانہ آب رسانی سے پانی آتا تھا۔

فرش پچیسی: محل خاص اور دیوان خاص کے درمیان پچیسی کا فرش ہے، جہاں اکبر اپنی بیگمات کے ساتھ پچیسی کھیلا کرتا تھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ پچیسی کے خانوں میں مہروں کے بجائے کنیزیں کھڑی کی جاتی تھیں۔

نشست گاہ رمال: فرش پچیسی کے شمال و مغرب میں ایک گنبد نما چھتری ہے جس میں اکبر کا رمال یا نجومی بیٹھا کرتا تھا، یہ ایک مربع چبوترہ ہے جو چار ستونوں میں بنایا گیا ہے ستونوں کے درمیان میں ایک لہریہ دار محراب بنی ہوئی ہے، پتھر میں مگرمچھ کے منہ تراش کر کے ستونوں میں نصب کیے گئے ہیں، پھر ان کے درمیان میں محراب ہیں، اس کی چھت گنبد نما ہے، جس میں سرخ زمین پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، پہلے اس کے چاروں طرف کٹہرا بھی لگا ہوا تھا۔

آنکھ مچولی یا خزانہ: اس نشست گاہ رمال سے ملی ہوئی سنگ سرخ کی ایک نہایت مضبوط عمارت ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں بیگمات آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھیں لیکن تاریخ فتح پور سیکری کے مؤلف سعید احمد مارہروی کا خیال ہے کہ یہ عمارت کسی خاص دفتر یا خزانہ کے استعمال کے لیے بنائی گئی ہوگی، اس میں تین کمرے ہیں، درمیانی کمرہ کے چاروں طرف چوڑا گیلری نما راستہ ہے، مشرق و مغرب میں تین تین اور شمال و جنوب میں ایک ایک دروازہ ہے، ان میں جا بجا جالی دار کھڑکیاں بھی ہیں، چاروں گوشوں پر دو سنگین الماریاں، دیواروں میں ترشی ہیں اور ان میں سے بعض میں گہرے صندوق بنے ہوئے ہیں، ان میں ڈھکن لگا رہتا تھا جس میں قفل لگا دیے جاتے تھے، چاروں طرف توڑوں کے اوپر شہ تیر نما پتھر رکھ کر اس پر معمولی اینٹوں کی پٹاؤ دار چھت بنائی گئی ہے، تین تین پٹاؤ کے درمیان ایک ایک پھول ہے، توڑے بھی بہت عمدہ ہیں، ہر ایک میں ہاتھی کا منہ بنا ہوا ہے، اس میں سے ایک لہریہ دار بیل نکال کر ایک مگرمچھ کے منہ میں ملا دی گئی ہے، بقیہ دو اور کمروں میں کم و بیش ایسی ہی چیزیں ہیں، اس عمارت کے شمال و مغرب میں بھی کوئی اور عمارت تھی، اس کا ایک چھوٹا سا کمرہ باقی رہ گیا ہے، اس کے سامنے دو چھوٹے چھوٹے دروازے لگے ہوئے ہیں، جن سے ہو کر شفا خانہ کو راستہ جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پنچ محلا: اس محل کی سب سے نمایاں عمارت پنچ محلا ہے، اس کی پانچ منزلیں ہیں، پہلی منزل ایک سنگین چبوترہ پر بنائی گئی ہے، اس میں ۸۴ ستون ہیں، اس کی چھت چار چار ستونوں کے درمیان پتھروں کی پٹیوں سے بنی ہے، اس کے درمیان ایک ابھرا ہوا خوش نما پھول ہے، دوسری منزل میں ۵۶ ستون ہیں، ہر ستون بیلوں، خوشوں، درختوں، گل دستوں، پھولوں اور پتیوں سے منقش ہے اور اس کا اہتمام رکھا گیا ہے کہ ایک ستون پر جو نقش آرائی ہے، وہ دوسرے ستون سے بالکل مختلف ہے، اس منزل پر دکھن کی طرف جالی دار کٹہر لگا ہے، تیسری منزل میں ۲۰، چوتھی میں ۱۲ اور پانچویں میں چار ستون ہیں، آخری منزل پر گنبد دار بر جی بنی ہوئی ہے، یہاں بیگمات اور شہزادیاں آکر ہوا کھایا اور شہر کے مناظر دیکھا کرتی تھیں۔

محل مریم زمانی بیگم: محل خاص کے مغربی جانب یہ محل ہے، یہ اکبر نے جہاں گیر کی ماں کے لیے بنوایا تھا، جو راجا بھارامل کچھواہا کی نور نظر اور راجہ مان سنگھ کی پھوپھی تھی اور اکبری محل میں آنے کے بعد مریم الزمانی بیگم کہلائی، یہ محل سنہرا مکان کے نام سے مشہور ہے، کیوں کہ جب یہ بنا تھا تو اس کے تمام ستونوں، دیواروں اور دروں میں باکمال مصوروں نے طرح طرح کی طلائی اور نقرئی شگوفہ کاری کی تھی، اس کی دیواروں اور محرابوں پر مصوری کے مختلف نمونے تھے، جو اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں، کہیں ایک فرشتہ کی تصویر بنی ہوئی ہے جو ایک کرسی پر بیٹھا ہے، اس کی ایک ٹانگ سمٹی ہوئی اور دوسری کرسی سے نیچے لٹک رہی ہے، وہ ایک نیلے رنگ کا جبہ پہنے ہوئے ہے، کہیں دو ہاتھیوں کی لڑائی کا منظر ہے، کہیں ندی بہ رہی ہے، جس کے کنارے کچھ درخت ہیں، وہاں ایک شیر بھی موجود ہے اور ایک بڑے درخت پر مختلف رنگ کی خوب صورت چڑیاں شاخوں پر بیٹھی چہچہا رہی ہیں، کہیں شاہ نامہ کی کسی لڑائی کا منظر ہے، کہیں پیدل سپاہیوں کی لڑائی دیکھائی گئی ہے کہیں چیتا کا شکار ہو رہا ہے، کہیں شکار گار کا منظر ہے، ایک دیوار پر چوگان بازی کا میدان بنایا گیا ہے، جہاں سوار پیادے اپنے کرتب دکھا رہے ہیں، کہیں رام، کرشن اور ہنومان جی کی بھی تصویریں ہیں، چھتوں پر فیضی کے اشعار لکھے ہوئے ہیں، جو اسی محل کی تعریف میں لکھے گئے تھے، ان کی کتابت محمد حسین کشمیری، مولانا محمود باقر، محمد امین مشہدی، مولانا عبدالحی اور میر عبداللہ نظامی نے کی تھی، پورا محل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی صناعی اور آرائش کی وجہ سے طلسم ہوش ربا معلوم ہوتا تھا۔

یہ محل سنگین چبوترہ کے وسط میں بنا ہوا ہے، اس میں چار کمرے ہیں اور شمالی کمرہ کے آگے برآمدہ ہے، بڑا کمرہ مستطیل شکل کا، شمال سے جنوب کو اور تین اس سے چھوٹے ہیں، جو بڑے کمرے سے مل کر جنوبی گوشہ میں زاویہ قائمہ بناتے ہیں، ان کمروں میں کل سولہ دروازے ہیں، چاروں کمروں کی چھت پر ایک ہوادار چھتری بنی ہوئی ہے، جس کے نیچے ایک کوٹھری بھی ہے، چھت کے اوپر دو پتھر کے کلس ہیں۔

باورچی خانہ: محل کے صحن کے پورب اور دکھن طرف ایک خوب صورت مکان ہے جو باورچی خانہ کہلاتا ہے، یہ ۴۶×۲۴ فٹ ہے اور اس کے جنوب میں ایک کوٹھری ہے، اس کے آگے برآمدہ ہے، اس مکان کے تمام در و دیوار پر طرح طرح کی بیلیں، گل دستے وغیرہ پتھر میں ترشے ہوئے تھے، اس کا چھجہ بھی منقش تھا۔

مریم کا چمن: اس محل کے اتر پچھّم طرف ایک زنانہ باغ تھا، جو مریم کا چمن کہلاتا ہے، یہ $\frac{2}{3}$ ۹۲ فٹ لمبا اور $\frac{2}{3}$ ۶۲ فٹ چوڑا تھا، یہ چار دیواری سے گھرا تھا، اس میں شاہ زادیاں اور بیگمات بادشاہ یا شاہ زادے کے ساتھ گل گشت کرتی تھیں، مالیوں کی جگہ مالنیں کام کرتی تھیں، تاریخ فتح پور سیکری کے مؤلف محمد سعید احمد مارہروی نے لکھا ہے:

> ''اکبری عہد میں اس باغ کے اندر گلزار ارم کا جلوہ نظر آتا تھا، پختہ سنگین روشوں پر سب رنگ کے پھول عطر پاشی کرتے تھے، خیابانوں میں ہر قسم کے نایاب، نفیس اور لذیذ میوے شاخوں میں جھوما کرتے تھے، ہمیشہ صاف و شفاف پانی، مؤدبانہ خرام سے خوش نما نالیوں میں گل گشت کرتا رہتا تھا، جس وقت موسم بہار میں خاتونانِ عفت مآب اپنے اپنے عشرت کدوں سے نکل کر باغ کی روشوں پر خراماں خراماں سیر کرتی ہوئی پھرتی ہوں گی، اس وقت قسم قسم کے پھولوں کی مہک، سنبل کا بال بکھیرنا، ریحان کا چشم دل فریب سے تکنا، معطر ہوا کا چلنا،...... طائرانِ خوش الحان کا نغمہ سرائی کرنا، فرشِ زمردیں کا لہلہانا کیا عجیب و غریب اور دل چسپ منظر پیدا کرتا ہوگا۔'' (ص ۱۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مچھی تال: اسی باغ میں ایک مچھی تال بھی تھا، جہاں ایک ڈھلواں جھرنے سے ماہی پشت جال سے پانی آتا تھا، اس تال میں ۱/۲ ۸ انچ چوڑے اور ۷ انچ گہرے طاق کھدے ہوئے تھے، بیچ میں پتھر کا تراشا ہوا ایک چھوٹا سا ہشت پہل حوض تھا، رات کے وقت طاقوں میں مختلف رنگ کے چراغ رکھ دیے جاتے تھے، جھرنے کا پانی آتا تو ان رنگین چراغوں کی وجہ سے اس کا پانی بھی رنگین ہوجاتا تھا، تال میں خوب صورت مچھلیاں چھوڑ دی جاتی تھیں، جن کے نتھنے میں سونے کی نتھنیاں پڑی رہتی تھیں، اس کے دکھن پورب مربع شکل کا حوض تھا، جس پر چھت پڑی ہوئی تھی، گرمیوں کے موسم میں شہزادیاں اور بیگمات یہاں آکر غسل کیا کرتی تھیں، اس کے چاروں طرف پردہ کی دیوار تھی۔

مریم کا حمام: اسی کے پاس ایک مسقّف حوض ہے، جو مریم کا حمام کہلاتا تھا، یہاں بیگمات گرمیوں میں غسل کیا کرتی تھیں، اس کے چاروں طرف پردہ کی دیوار تھی۔

زنانہ مسجد: مریم کے چمن کے پورب جانب ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی تھی، جہاں بیگمات آکر نمازیں پڑھتی تھیں، یہ نگینہ مسجد کے نام سے موسوم ہے، اس میں تین محراب دار در کے دو درجے ہیں، اس کی چھت سنگ سرخ کے ستونوں پر پتھر کی پٹیوں سے بنی ہے، مغربی دیوار میں لٹو نما محرابیں ہیں، صحن کا فرش سنگین ہے، اس میں ایک حمام بھی تھا۔

شفاخانہ: پنچ محلا اور مریم کے چمن کے درمیان میں ایک شفاخانہ تھا، اس میں مریضوں کے لیے علاحدہ علاحدہ بارہ قطعے بنے ہوئے تھے، ان کے آگے ایک چوڑا برآمدہ تھا، اس کے پچھّم طرف پاخانے اور باورچی خانے تھے، اس عمارت کی منقش چھت کھپریل نما ہے، دیواروں پر چونے کی استرکاری تھی، دروازوں اور کھڑکیوں کے چاروں طرف سرخ وسفید رنگ کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے، کپڑے ٹانگنے کے لیے کھونٹیوں کے بجائے ہلالی خم دار ترشے ہوئے پتھر دیواروں میں نصب تھے، جن میں جانوروں کے چہرے ترشے ہوئے تھے، شمالی دیوار میں چھ ہوادار دروازے لگے تھے، جن سے پہاڑ کے نیچے کوسوں تک کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

جہاں گیری محل: ان عمارتوں سے ملحق ایک زنانہ محل جودھ بائی کے نام سے مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ اکبر نے محل جہاں گیر کی بیوی جودھ بائی کے لیے بنایا، لیکن اس کو تسلیم کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کچھ تامل اس لیے ہے کہ فتح پوری کی عمارتیں ۱۵۷۱ء میں بننی شروع ہوگئی تھیں اور خود جہاں گیر کا بیان ہے کہ یہ چودہ پندرہ برس میں بن کر مکمل ہوگئی تھیں، جگت گسائیں سے جہاں گیر کی شادی ۱۵۸۶ء میں ہوئی، جب کہ اکبر فتح پور کو چھوڑ کر لاہور منتقل ہو چکا تھا اور وہاں سے چودہ برس کے بعد ۱۵۹۸ء میں آگرہ واپس ہوا۔

راجہ بھگوان داس کی لڑکی مان متی سے شہزادہ سلیم کی شادی ۱۵۸۵ء میں ہوئی جو جہاں گیر کی ماں مریم الزمانی کے سگے بھائی کی لڑکی تھی، یہ شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی، راجہ بھگوان داس سے اکبر کو جو تعلق رہا، اس کی بنا پر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ محل اسی راج پوت شہزادی کے لیے بنا ہوگا، یہ پورا سنگ سرخ سے بنا ہوا ہے، اس کے صحن کے بیچ میں ایک پتھر کا تھانولا رکھا ہوا ہے، جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس میں پوجا پاٹ کے واسطے ترسا کا درخت لگا ہوا تھا، اس محل کے پچھّم جانب وسط میں ایک مندر بھی بنا ہوا ہے، اس کی چھت میں مختلف قسم کے نقش و نگار ہیں، پچھمی دیوار سے ملا ہوا سنگھاسن بنا ہوا ہے، جس کے اوپر مورت استھان یعنی مورتیں رکھنے کا طاق بنا ہے، اس کے علاوہ اسی طرح کے چھ طاق اور بنے ہوئے ہیں، یہ مندر غالباً جہاں گیر کی راج پوت رانی کی سہیلیوں اور کنیزوں کے لیے بنایا گیا، جو اس کے ساتھ فتح پور سیکری آئیں، کیوں کہ جہاں گیر کی رانیاں محل میں آنے کے بعد غالباً پوجا پاٹ نہ کرتی ہوں گی، مورخوں نے ان کے باضابطہ مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر وضاحت سے تو نہیں کیا ہے لیکن ان کی کوئی اولاد ہندو نہیں رہی، سب کی سب مسلمان رہی۔

خواب گاہ: جودھ بائی کے محل میں بالاخانے پر جو خواب گاہیں ہیں، ان کی چھتوں پر سفال کی کھپریل ہے، جس کے اوپر نہایت عمدہ چینی کا روغن پھرا ہوا ہے، جو ملتانی کاریگروں کی صناعی کے اعلانمونے ہیں، کھپریل کے خراب ہوجانے کے بعد اس کی مرمت نہ ہوسکی، کیوں کہ اس کا صناع کہیں دستیاب نہ ہوسکا، ان کمروں کے اندر طلائی اور نقرئی شگوفہ کاری تھی، جواب ختم ہو چکی ہے، ان کمروں اور ان کے اطراف میں جالی دار کٹہرے ہیں، اس کی چھت پر پتھر کا خوب صورت گل دستہ بنا ہوا ہے، جس سے سنگ تراشی کی کاریگری ظاہر ہوتی ہے، رنگ سازی کے ذریعہ سے جا بجا پھول بھی بنے ہوئے تھے، ان کے درمیان کتبات بھی تحریر ہوتے، اکبر اپنی خواب گاہ کو بہت حسین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بناتا، ان میں تصویریں بھی ہوتیں، اشعار بھی لکھے رہتے، مثلاً اس کے محل خاص کے خواب گاہ کے پچھمی دروازہ پر یہ اشعار لکھے تھے:

قصرِ شاہی است بہر باب بہ از خلد بریں ☆ سخنے نیست دریں باب کہ خلد یست بریں

غرفۂ شاہ نشیں و خوش و مطبوع بلند ☆ کردہ در قطعۂ جنت اعلا تضمین

پوربی دروازہ پر یہ تحریر تھا:

فرش ایوان ترا آئینہ ساز و رضواں ☆ خاکِ درگاہِ ترا سرمۂ حورالعین

اتر جانب کے دروازہ پر یہ تھا:

چو ملک ہر کہ کند سجدۂ خاک درِ تو ☆ شود از خاصیت خاک ذات زہرہ جبیں

ہوا محل: زنانہ رہائش گاہ میں ہوا کا پورا لحاظ رکھا جاتا، چنانچہ محل میں ایک ہوا محل بھی ہے، جو ایک مستطیل شکل کا کمرہ محل کی چار دیواری سے باہر نکلا ہوا ہے، نیچے ایک چبوترہ بنایا گیا ہے، اس میں بڑے بڑے ستون ہیں، اس کی چھت پر یہ محل بنایا گیا ہے، اس کا رقبہ ۲۶ فٹ ۱۰ انچ × ۲۰ فٹ × ۱۰ انچ ہے، اس کے دکھن طرف پتھر کی ایک دیوار ہے، جس کے درمیان میں وہ دروازہ ہے، جس سے اس محل میں داخل ہوا جاتا ہے، باقی تین طرف سنگ سرخ کی خوش نما جالیاں ہیں جن سے اب بھی چھن چھن کر خوب ہوا آتی رہتی ہے۔

مینا بازار: جہاں گیری محل کے دروازہ سے لے کر مریم کے صحن اور باغ تک زنانہ مینا بازار لگتا تھا، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

لال قلعہ دہلی: شاہ جہاں کے تعمیری ذوق نے اس کو ایسا محل بنانے پر آمادہ کیا جو لاہور اور آگرہ کے محلات سے بہتر ہو، اسی لیے اس کے حکم سے ۱۰۴۳ھ (۱۶۳۹ء) میں عزت خاں کے اہتمام میں دہلی میں جمنا کے کنارے ایک محل کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو قلعہ معلی یا لال قلعہ کے نام سے مشہور ہوا، اس کے معمار استاد احمد و حامد مقرر ہوئے، پانچ مہینے تک اس کی بنیادیں کھودی جاتی رہیں، عزت خاں سندھ کا حاکم مقرر ہو کر وہاں چلا گیا، تو اس کی تعمیر کا کام اللہ وردی خاں کے سپرد ہوا جس نے دو برس ایک مہینے چودہ دن میں قلعے کے گرد بارہ بارہ گز کی اونچی فصیل اٹھوائی، اللہ وردی خاں بنگال کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حاکم مقرر ہوا، تو محل کی تعمیر کا کام مکرمت خاں کے سپرد ہوا، جس نے نو سال میں محل کی تعمیر کا کام مکمل کیا، اس کی تعمیر میں تقریباً ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا، ۱۰۵۸ھ (۱۶۴۸ء) میں شاہ جہاں نے آ کر اس کو آباد کیا، پورا محل ایک ہشت پہل پھول کی شکل میں ہے اور شروع سے آخر تک سنگ سرخ سے گل رنگ ہے، اسی لیے لال قلعہ کہلاتا ہے، اس کے ہشت پہل شکل کے دو بڑے ضلعوں میں ایک تو دریا کی طرف ہے اور دوسرا شہر کی جانب ہے، چھ چھوٹے چھوٹے ضلعے شمال اور جنوب کی سمت میں ہیں، قلعہ کا دور قریب قریب ڈیڑھ میل کے ہے، طول تقریباً تین ہزار فٹ اور عرض بجانب دریا اٹھارہ سو فٹ ہے، دریا کی طرف کی فصیل ساٹھ فٹ اونچی ہے، مگر قلعہ کی زمین اس قدر بھری گئی ہے کہ اس فصیل کے ہم سطح ہے، فصیل اور دریا کی طرف ایک بڑا بھاری کرار ریت کا تھا، جس پر کبھی پانی نہیں چڑھتا تھا، شہر کی طرف تین طرف گہری خندق تھی، جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا، خندق سے ملے ہوئے بڑے بڑے باغات تھے جن میں انواع و اقسام کے ہرے بھرے درخت اور رنگ برنگ کے پھول کھلے رہتے تھے، قلعہ کے دو سر بہ فلک دروازے ہیں جن پر بڑے بڑے برج ہیں، ایک دروازہ مغربی دیوار کے بیچ میں ہے اور دوسرا فصیل کے جنوب و مغربی کونے اور قلعہ کی جنوبی دیوار میں ہے، ان کے علاوہ دو اور چھوٹے چھوٹے دروازے ہیں، ایک مثمن برج کے پاس دریا کی طرف ہے جو خضری دروازہ کہلاتا ہے اور دوسرا اتر کی طرف سلیم گڑھ کے پاس ہے، ان کے علاوہ دو کھڑکیاں بھی ہیں، ایک جنوب مشرق کے کونے میں اسد برج کے پاس ہے اور دوسری شاہ برج کے بیچ میں ہے، فصیلوں پر مورچہ بندی کا کنگورہ ہے جس میں ۲۱ چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں، ان میں ۷ گول اور باقی ہشت پہل ہیں۔

لاہوری دروازہ: قلعہ کا بڑا پھاٹک لاہوری دروازہ کہلاتا تھا، اس کے پیش برج کے سامنے خندق کے اوپر قفلی دار پل تھا اور ایسا ہی دہلی دروازے کے سامنے بھی تھا، جس کو اکبر ثانی نے تڑوا کر ۱۸۱۱ء میں سنگ بست پل بنوا دیا تھا، لاہوری دروازہ محراب دار ہے، اس کی بلندی ۴۱ فٹ اور چوڑائی ۲۴ فٹ ہے، یہ دروازہ سہ منزلہ ہے، جس پر مثمن شکل کے کمرے بنے ہوئے ہیں، اس کے اوپر برجوں پر ہشت پہل چھتریاں بنی ہوئی ہیں، برجوں کے کنگوروں کے بیچوں بیچ دروازے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیانی کنگورا ہے، دروازے کے بالائی کنگورے کی منڈیر پر سنگ سرخ کی تین تین فٹ اونچی کھلی ہوئی محرابوں کی ایک قطار ہے جن پر سات چھوٹی چھوٹی سنگ مرمر کی برجیاں محرابوں کے برابر برابر ہیں، اس خوب صورت اور خوش نما جنگلے کے دونوں جانب پتلے پتلے سنگ مرمر کے مینار ہیں۔

اس دروازہ کے سامنے چاندنی چوک تک کوئی اوٹ نہ تھی، اس لیے عالم گیر نے اس کے آگے ایک پیش برج (گھوگس) بنایا، جس نے گھونگٹ کا کام دیا۔

دہلی دروازہ: بالکل اسی طرز کا جنوبی طرف دہلی دروازہ ہے، اسی دروازہ کے سامنے محراب کے ادھر ادھر پتھر کے دو ہاتھی کھڑے کیے گئے تھے، اسی لیے یہ دروازہ ہتیا پول بھی کہلاتا تھا، عالم گیر نے ان کو تڑوا دیا تھا، اس دروازے کے آگے بھی کوئی اوٹ نہ تھی، اسی لیے عالم گیر نے اس کے آگے ایک چوک اور بنا کر اس کا دروازہ دوسرے ضلع یعنی جانب غرب رکھا، اس سے دروازہ کی اوٹ ہوگئی اور اس موڑ کا نام بھی گھوگس ہے، اس ترمیم سے شاہ جہاں بھی خوش ہوا تھا اور اس نے اپنی اسیری کے زمانہ میں عالم گیر کو لکھ بھیجا کہ تم نے قلعہ میں گھونگٹ نکال کر اس کو دلہن بنا دیا۔

چھتہ لاہوری دروازہ: لاہوری دروازے میں داخل ہونے کے بعد ایک لمبا چوڑا چھتہ ملتا ہے، جس کے بیچ میں مثمن شکل کا ایک چوک ہے، یہ چھتہ لداؤ بھی ہے اور مرتفع بھی، جس سے یہ آسمان کی شکل کا نظر آتا ہے، اس میں طرح طرح کی لہریں اور موڑ توڑ ہیں، اس کے دونوں طرف دل کشا مکانات اور ایوان بنے ہوئے تھے، جو سب کے سب دو منزلے تھے، اس چھتہ کو شاہ جہاں کے وقت میں بازار مسقّف کہتے تھے، اسی قسم کا چھتہ دہلی دروازہ کے سامنے بھی ہے۔

نقار خانہ: لاہوری دروازہ کے چھتہ میں سے گذرنے کے بعد ایک آراستہ پیراستہ چوک ہے، جس کے اردگرد مکانات بنے ہوئے تھے، ان میں زمانہ قدیم میں رکاب کے حاضر باش امرا اور منصب دار رہتے تھے، اس چوک کے دکھن اور پچھّم طرف کچھ عمارتیں تھیں، جن میں ارکانِ دولت امورِ سلطنت انجام دیا کرتے تھے، چوک کے وسط میں ایک حوض تھا، جس میں نہر گرتی تھی اور ہر وقت لبریز رہتا تھا، یہ نہر چوک کے بیچ میں سے ہوکر گذرتی تھی، جس سے اس مربع قطعہ کے دو ٹکڑے ہوگئے تھے، نہر کے برابر پھر دو طرفہ ایک چوڑی سڑک شمال سے جنوب کو تھی، جو ایک طرف شاہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باغات کو چلی گئی تھی، جن کو یہی نہر سیراب کرتی تھی اور جنوب کی طرف دہلی دروازے سے ملتی تھی، اس قطعہ میں محراب دار مکانات بھی تھے جن میں اوسط درجہ کے امرار ہا کرتے تھے، حوض کے سامنے اور لاہوری دروازے کے بازار کے اندرونی دروازے کے بالمقابل ایک پختہ جنگلے کے اندر نقار خانہ کی پختہ عمارت تھی، جو سنگ سرخ سے بنائی گئی تھی، انگریزوں نے یہاں کی عمارتوں کو اس طرح توڑ پھوڑ دیا کہ اب نہ اس چوک کی دیواریں ہیں نہ حوض ہے اور نہ عمارت اور سنگین جنگلا ہے لیکن نقار خانے کی عمارت اب تک قائم ہے، بازار کے دروازے اور نقار خانے کے درمیان کی ساری عمارتیں منہدم کردی گئی ہیں، اس وجہ سے کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس میں پہلے کون کون سی عمارتیں تھیں، اس نقار خانہ پر روزانہ پانچ وقت نوبت بجا کرتی تھی، اتوار اور بادشاہ کی ولادت کے دن تمام دن نوبت بجتی رہتی تھی، پورا نقار خانہ تین فٹ اونچے چبوترہ پر بنا ہوا ہے، نقار خانہ کا ہال ستر فٹ چوڑا اور چھیالیس فٹ اونچا ہے، اس کے چاروں کونوں پر دس فٹ اونچی برجیاں ہیں، نقار خانہ کا دروازہ ۲۹ فٹ اونچا اور سو فٹ چوڑا ہے، جس کے دونوں جانب دو منزلہ حجرے ہیں، ان کے آگے بھی محرابیں ہیں اور ادھر ادھر اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں ہیں، اس کے اوپر پنج درہ دالان ہے جس میں شاہی نوبت بجا کرتی تھی، چھت کے شمال مغربی اور جنوب مغربی کونوں پر چار چار ستونوں کی مربع برجیاں ہیں، جن کے گنبدوں کے نیچے ایک چوڑا چھجہ ہے، یہ پوری عمارت سنگ سرخ کی ہے۔

کارخانہ جات: نقار خانہ کے پاس ہی قلعہ کے شمالی رخ کی فصیل کے جانب کے میدان میں مختلف قسم کی عمارتیں تھیں، ان میں کارخانہ جات تھے، جن میں زردوز، کارچوب، سنار نقاش، رنگ ساز، لوہار، بڑھئی، خراد، درزی، موچی، باریک ململ، پگڑیاں، سیلے، پٹکے، دوپٹے اور ہر طرح کے پھول دار زنانہ لباس تیار کرنے والے صبح سے شام تک کام کرتے رہتے، وہ صبح کو قلعہ کے اندر آتے اور شام کے قریب اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے۔

کارخانہ شاہی کے سلسلے میں آب دار خانہ، دوا خانہ، نوشہ خانہ، جواہر خانہ، فیل خانہ، بگھی خانہ، شتر خانہ، بخشی خانہ، کتب خانہ، کبوتر خانہ، فراش خانہ، پالکی خانہ، جمع دار خانہ وغیرہ کے نام جا بجا آتے ہیں، ان کی بھی عمارتیں جا بجا قلعہ کے اندر ہی ہوں گی، جو اب نہیں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیوان عام: نقار خانہ کے بعد ہی دیوان عام ہے، جس کا ذکر ہم باب دربار میں کر چکے ہیں۔

دیوان خاص: دیوان عام کے آگے بڑھ کر دیوان خاص ہے، جس کا ذکر ہم باب دربار میں کر چکے ہیں، یہ شاہ محل بھی کہلاتا تھا۔

حمام: دیوان خاص کے شمال میں شاہی حمام ہیں، جن کا ذکر ہم باب سنگار میں کریں گے۔

تسبیح خانہ، خواب گاہ، بڑی بیٹھک: حمام کے برابر اور دیوان خاص کے جنوب میں سنگ مرمر کے بنے ہوئے چند کمرے ہیں جن کے بیچ میں سے نہر رواں رہتی تھی، ان کمروں اور دیوان خاص کے درمیان سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے، اسی کے بعد تسبیح خانہ، خواب گاہ اور بیٹھک سب ایک ہی عمارت میں ہیں، تسبیح خانہ کے تین کمرے دیوان خاص کے سامنے ہیں، ان کے پیچھے تین کمرے خواب گاہ کے نام سے موسوم تھے، خواب گاہ سے ملا ہوا جو بڑا کمرہ ہے وہ توشک خانہ کہلاتا، بادشاہ کو جب خلوت کی ضرورت ہوتی یا مخصوص امرا کا دربار کرتا تھا تو وہ تسبیح خانہ چلا جاتا، جس کے دیوار کے بیچ میں سنگ مرمر کی میزان بنی ہوئی ہے اور وہاں میزان عدل لکھا ہوا ہے، اسی تسبیح خانہ سے خواب گاہ کا راستہ ہے، جو خاص ڈیوڑھی کہلاتی تھی، ان تمام کمروں میں رنگ برنگ کے پتھروں کی پچی کاری تھی لیکن اب ان کے بجائے رنگ بھر دیے گئے ہیں۔

اسی عمارت کے پاس ایک پنچ درہ دالان بھی ہے، جس کے بیچ میں سنگ مرمر کا ایک حوض ہے، اس میں فوارے چھوٹتے رہتے تھے، اس کی تہ میں طرح طرح کے رنگین اور بیش قیمت پتھر لگے ہوئے تھے، جو گل بوٹے اور پتیوں کی طرح نظر آتے تھے اور ہر ہر پھول کی پنکھڑی میں ایک سوراخ ہوتا اور فوارے ان ہی سوراخوں سے چھوٹتے تھے، اس حوض کی پچی کاری میں ہزاروں پنکھڑیاں نظر آتی تھیں۔

برج طلا یا مثمن برج یا خاص محل: خواب گاہ کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا ایک گنبد دار برآمدہ ہے، اس گنبد پر تانبے کا خول چڑھا ہوا تھا جس پر سونے کا ملمع تھا، اس کمرہ کے تین کونے تو خواب گاہ میں آگئے اور پانچ کونے لب دریا ہیں جن میں سے چار میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں، یہ بہ طور جھروکہ کے استعمال ہوتا تھا، جہاں سے بادشاہ اپنی رعایا کو اپنا درشن دکھاتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ محل یا امتیاز محل: شاہ جہاں کے زمانہ میں قلعہ کے اندر سب سے اہم زنانہ حصہ رنگ محل یا امتیاز محل کہلاتا، اس محل کا طول سوگز اور عرض ۳۶ گز تھا، اس محل کی روکار سنگ مرمر کی تھی، آگے کرسی دے کر ایک چبوترہ بنا تھا، اس کے نیچے دو تہ خانے تھے، چبوترہ پر پانچ درہ دالان تھا، بیچ کے در کے سامنے سنگ مرمر کا بہت بڑا حوض تھا، اس سے پانی نکل کر نیچے آتا تھا، جہاں ایک دوسرا حوض بنا ہوا تھا، وہاں سے پانی ایک نہر میں بہتا تھا، جہاں سے اندرونی حصہ کے حوض میں جاتا، بیرونی حوض میں پانچ فوارے چھوٹتے رہتے تھے اور نہر میں بھی پچیس فوارے لگے ہوئے تھے، وہاں ایک باغچہ بھی تھا، اس کی روشوں اور پٹریوں میں بیرونی حوض کی نہر سے پانی برابر آتا رہتا، باغیچہ کے گرد سنگ سرخ کا مجحر لگا ہوا تھا، اس پر دو ہزار سنہری کلسیاں لگی ہوئی تھیں، اس کے تین طرف دل کشا عمارتیں تھیں اور پچھم طرف جمنا بہتی تھی اور وہاں بھی ایک پائیں باغ تھا، بیرونی حصہ کی چھت کے چاروں کونوں پر چار چوکھنڈیاں تھیں جن سے اس محل کی رفعت و شان ظاہر ہوتی تھی، پھر نیچے چاروں کونوں پر پتھر کے چار بنگلہ نما ایوان تھے، گرمیوں میں خس کی ٹہنیاں لگا کر یہاں آرام کیا جاتا تھا۔

رنگ محل کے اندر بھی سنگ مرمر کا ایک حوض تھا، جو ایک کھلا ہوا پھول معلوم ہوتا تھا، جس کی پنکھڑیاں اصلی نسترن و یاسمن سے بھی زیادہ بھلی لگتی تھیں، اس میں منبت کاری، پرچین سازی اور پچے کاری طرح طرح سے کی گئی تھی اور گل بوٹے بیل پتے ایسے بنائے گئے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، حوض سات گز مربع تھا لیکن حوض کی اندرونی سطح بہت خوب صورت تھی، اس میں جس وقت پانی بھرتا اور لہراتا تو تمام بیل بوٹے ہلتے دکھائی دیتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ ایک باغ ہے جس میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور ہوا سے لہرا رہے ہیں، اس حوض میں سنگ مرمر کا ایک پیالہ بھی تھا، جس پر عمدہ قسم کی منبت کاری اور پرچین سازی تھی، پیالہ میں رنگین پتھروں سے گل بوٹے اور پتے بنے ہوئے تھے، اس طرح کہ پھول میں سے بیل اور بیل میں سے پھول نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اس پیالہ میں ایک سوراخ بنا تھا، جس کے نیچے ایک نہر بہتی تھی جو دکھائی نہیں دیتی تھی، اس پیالہ کے سوراخ سے نہر ابلتی رہتی تھی اور اس کے کنارے سے پانی گرتا رہتا، پیالہ کے پانی میں گل بوٹے لہراتے نظر آتے، نہر بہشت لال قلعہ کے موتی محل اور دیوان خاص سے ہوتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ محل کے اندر آتی اور دکھن طرف بہتی ہوئی گذر جاتی، ایک دوسری نہر محل کے اندرونی حوض سے پورب پچھّم کی طرف بہتی اور پورب ہوتے ہوئے ایک چادر کی طرح گرتی اور ہر ایک نہر میں منبت کاری، پرچین سازی اور پچے کاری کے عمدہ نمونے دکھائی دیتے محل کی تمام محرابیں بھی سنگ مرمر کی تھیں اور اس ترکیب سے بنائی گئی تھیں کہ بیچ میں ایک چوکھنڈی سی بن گئی تھی، اس کے تمام در و دیوار پر سونا لپا ہوا تھا اور سونے کے کام سے گل بوٹے بنائے گئے تھے، اس محل کی چھت چاندنی کی تھی، فرخ سیر کے عہد میں یہ اکھاڑ دی گئی اور اس کے بدلے تانبے کی چھت دی گئی، پھر تانبے کی چھت کو بھی اکھاڑ کر لکڑی کی چھت لگا دی گئی۔

دریا محل: رنگ محل کے پاس ایک اور محل تھا جو دریا محل کہلاتا تھا، اس کے سامنے دریا کی طرف ایک سائبان نکلا ہوا تھا، جس میں ایک پرندہ کی شکل بنی ہوئی تھی، اب یہ عمارت باقی نہیں ہے۔

چھوٹی بیٹھک یا خورد جہاں: یہ عمارت امتیاز محل کے جنوب میں جو دریا کی طرف محلات کا سب سے آخری حصہ تھا، اب یہ عمارت نہیں ہے، بشیر الدین احمد دہلوی مصنف واقعات دار الحکومت دہلی لکھتے ہیں:

> ''اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوئی، اس میں پھول، باغ اور انواع و اقسام کے نوادر درخت تھے، ممکن ہے کہ دنیا میں چھوٹا سا باغ جنت کا دکھلایا ہو، نہایت افسوس ہے کہ اب اس کا پتہ و نشان تک باقی نہیں رہا، خوش نما روشیں، گھنے سایہ دار درخت، منڈوے، فوارے، آبشار، سرد خانے، بارہ دریاں، مصفا چبوترے، جا بجا چھڑکاؤ، سبزہ زار، فرش زمردیں کے تختے بچھے ہوئے تھے، جدھر نگاہ اٹھاؤ، سرسبزی اور بہار خوش بو سے معطر، دلی کی گرمی اور لو جس میں آفتاب کی تمازت سے آدمی سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہو جاتا، یہاں آ کر دم میں دم آ جاتا تھا۔'' (حصہ سوم ص ۸۱)

ممتاز محل: آج کل اس میں آثارِ قدیمہ کا عجائب خانہ ہے، یہ بھی زنانہ محل تھا، انگریزوں نے اس کی ہیئت بالکل بدل دی ہے، اس کی چھت کے چاروں کونوں میں سنہری چھتریاں تھیں، تمام دیواروں کا زیریں حصہ سنگ مرمر کا تھا، دیواروں پر پچے کاری اور آئینہ بندی تھی، جواب ختم ہو چکی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیگمات کے محل: دیوان عام کے جنوب میں امتیاز محل اور رنگ محل کے بیچ میں اور دوسرے شاہی محلات تھے، جن میں مختلف بیگمات اور شہزادیاں علاحدہ علاحدہ رہا کرتی تھیں، ان ہی کے ساتھ محل کے اندر رہنے والے منصب داروں کے مکانات بھی تھے، ان محلات اور مکانات کا سلسلہ قلعہ کی جنوبی فصیل تک چلا جاتا تھا، شاہی محلات بیگمات کے مرتبہ اور اعزاز کے مطابق ہوتے، محل کے ہر کمرہ کے سامنے حوض اور آب رواں ہوتا اور ہر طرف خانہ باغ، دل کش چمن، روشیں، سایہ دار درخت، فوارے، حجرے اور تہ خانے ہوتے، منصب دار امرا کے مکانات بھی وسیع اور کشادہ ہوتے، جن میں شان وشوکت کے مظاہرہ کے علاوہ خانہ باغ، حوض اور فوارے کا ہونا ضروری تھا۔

شاہی مطبخ: دیوان عام کے شمال میں شاہی مطبخ اور مودی خانہ تھا، اس کی تفصیل باب خورد ونوش میں ملے گی۔

شاہی اصطبل: قلعہ کے شمالی فصیل میں شاہی اصطبل تھا۔

اسد برج: محل میں بڑے بڑے برج شان وشکوہ کے لیے ضرور بنائے جاتے، لال قلعہ کے جنوب ومشرق کے کونے میں ایک بہت بڑا برج تھا، جو اسد برج کہلاتا تھا۔

شاہ برج: ان برجوں میں سب سے مشہور برج شاہ برج تھا جو حمام سے تھوڑی دور قلعۂ سلیم گڑھ سے ملا ہوا ہیرا محل کے شمال ومشرق میں ہے، یہ سہ منزلہ ہے اور یہاں سے دریا کا منظر بہت اچھا دکھائی دیتا ہے، اب بھی یہ موجود ہے، اس کا قطر سو گز کا ہے، اس کے تین طبقے ہیں، پہلے حصہ کو زمین سے بارہ گز کی کرسی دے کر بنایا گیا ہے اور اس کی چھت اندر سے گول اور اوپر سے مسطح ہے، اس عمارت میں اجارے تک تو سنگ مرمر لگے ہوئے ہیں، جس میں رنگ برنگ کے پتھروں کی پچی کاری ہے اور اجارے سے چھت تک سنگ پٹھانی ہے، جس کو پالش کر کے سفید کر دیا گیا ہے اور اس میں سنہرے گل بوٹے اور پتے بنے ہوئے ہیں، یہ درہ ہشت پہلو ہے اور اس کا قطر آٹھ گز کا ہے اور اس میں چار طاق اور دو نیم مثمن نشیمن بنائے گئے ہیں، جس کا رو کار سنگ مرمر کا ہے، شمالی اور مشرقی طاق کا طول وعرض چار چار گز ہے اور مغربی اور جنوبی طاقوں کا طول ۱۵ گز اور عرض تین گز ہے اور اس کے بیچ میں ایک حوض ہے، جس کی منبت کاری کی نفاست اعلا درجہ کی ہے، مغربی طاق میں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبشار ہے اور چھوٹے چھوٹے محراب دار طاق بنائے ہیں، ان میں دن کو پھول اور رات کو چراغ رکھے جاتے تھے، اس آبشار کے آگے ایک سنگ مرمر کا حوض تھا، اس حوض سے مشرقی طاق کے کنارے تک ایک سنگ مرمر کی نہر تھی، جس میں عقیق اور مرجان جڑے ہوئے تھے، اس نہر میں سے ایک اور نہر نکل کر مغربی حوض کے طاق میں گرتی تھی، اس سے برج کی نہر میں آ کر پھر مثمن حوض میں سے ہر کر مشرقی طاق کی طرف بہتی تھی، اس کے نیچے دریا کی طرف ایک آبشار بنی ہوئی تھی، سارے قلعہ میں اسی مقام سے نہر گئی تھی اور ہر جگہ پانی جانے کے قلبے اسی برج میں بنے ہوئے تھے اور ہر ہر قلبہ پر نام لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں حوض اور فلاں نہر کا قلبہ ہے، دوسرے درجہ کی عمارت بھی مثمن ہے، جس کا قطر آٹھ گز ہے، اس کے آٹھ ضلعوں پر جو بیس ستونوں کا ایک ایوان ہے اور تیسرے درجہ کی عمارت ایک گنبد نما نشیمن ہے جو آٹھ ستونوں پر ایستادہ ہے، اس کا گنبد سنگ مرمر کا تھا اور کلس سنہری تھی۔

نہر بہشت: شاہ برج کے پاس سے یہ نہر قلعہ میں داخل ہوتی تھی جو دیوان خاص اور خواب گاہ ہوتی ہوئی رنگ محل کو چلی گئی تھی (۱)، یہ نہر دراصل سب سے پہلے سلطان فروز شاہ تغلق نے بنائی تھی، یہ دریائے جمنا سے خضر آباد کے پاس نکالی گئی تھی جو تیس کوس تک اس کے شکارگاہ شہر سفیدون تک چلی گئی تھی، اس کی وفات کے بعد یہ خشک ہو گئی تھی، اکبر کے عہد میں دہلی کے حاکم شہاب الدین احمد خاں نے اس کو مرمت کر کے پھر سے جاری کرایا اور اس کا نام نہر شہاب رکھا لیکن اس کے بعد یہ پھر خشک ہو گئی، شاہ جہاں نے لال قلعہ بنوانا شروع کیا تو اس نے حکم دیا کہ خضر آباد سے سفیدون تک اس کی مرمت کی جائے اور ایک نئی نہر شاہی محل تک کھودی جائے، جب یہ تیار ہوئی تو اس کا نام نہر بہشت رکھا گیا۔

۲۴ ربیع الاول ۱۰۵۸ھ (۱۶۵۰ء) میں شاہ جہاں نے لال قلعہ میں آ کر اس کو باضابطہ آباد کیا اس موقع پر بھی بڑی شان و شوکت سے جشن منایا گیا، ہر ایوان اور ہر نشیمن میں رنگین بساط، اونی قالین اور کشمیری فرش بچھائے گئے، ہر حجرہ میں رومی، فرنگی، چینی، خطائی اور زردوزی مخمل کے

---

(۱) یہ تفصیلات آثار الصنادید، واقعات دار الحکومت دہلی حصہ سوم اور مختلف گائڈ بک کی مدد سے قلم بند کی گئی ہیں، راقم نے اس قلعہ کو خود بھی دیکھا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پردے لٹکائے گئے، در و دیوار کو نادر اور لطیف کپڑوں سے سجایا گیا، دل بادل کا خیمہ نصب کیا گیا، جس کو تین ہزار فراشوں نے مل کر کھڑا کیا، اس کے چاندی کے ستون ۲۲ رگز اونچے تھے، یہ بارہ سو گز زمین میں کھڑا ہو سکا، اس کے اندر دس ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے، اس کے سائبان کے چاندی کے ستونوں میں مخمل اور زربفت بھی لگا دیے گئے تھے، اس میں جا بجا نقرئی مجر تھے، پھر اسپک اور خرگاہیں بھی تھیں، جن کے نقرئی پایوں میں مخمل، زربفت، کلابتوں اور گجراتی اور ایرانی دیبا لگے ہوئے تھے، ان میں موتیوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں، جا بجا مرصع تخت اور زریں سپر رکھے ہوئے تھے، بیچ میں تخت طاؤس رکھنے کی جگہ تھی، اس کے گرد سونے کا کٹہرا تھا۔

شاہ جہاں ۲۴/ربیع الاول ۱۰۵۸ھ میں آگرہ سے دریا کے راستہ شاہ جہاں آباد آیا، پہلے دیوان عام کی سیر کی، پھر تخت طاؤس پر آکر جلوہ افروز ہوا، بیگمات کو انعامات دیے، شہزادوں اور امرا کو مناصب عطا کیے، بیس روز تک امرا، فضلا، صلحا، سفرا اور ارباب طرب انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے رہے، ایران، توران، ہندوستان اور کشمیر کے ماہرین رقص و موسیقی نے آکر اپنا اپنا کمال دکھایا اور انعام میں زر و گوہر پایا، صنعت و حرفت والوں نے اپنی صناعی دکھا کر اپنی شمع مراد کو روشن کیا، اس جشن کی بہت سی تاریخیں پیش ہوئیں لیکن شاہ جہاں کو سب میں یہ تاریخ زیادہ پسند آئی،

ع : ”شد شاہ جہاں آباد از شاہ جہاں آباد“(۱)

ہیرا محل: اس محل میں شاہ جہاں کے بعد حسب ضرورت دوسرے بادشاہ بھی محلوں کا اضافہ بھی کرتے رہے، مثلاً بہادر شاہ ظفر نے اس میں ۱۸۲۴ء میں ایک ہیرا محل بنوایا، جو حمام کے شمال میں ہے، یہ بھی سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے لیکن شاہ جہانی طرز عمارت سے بہت مختلف ہے، اس کی چھت کے چاروں کونوں پر چار چھوٹی چھوٹی چوکھنڈیاں بنی ہوئی ہیں، جن کی برجیاں سنہری تھیں، اس کے صحن میں چار گز کی ایک نہر تاریخ کی طرح سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اس نہر کے بیچ میں سنہرے روپہلے چوبیس فوارے تھے، جو برابر جاری رہتے تھے۔

---

(۱) بادشاہ نامہ از محمد وارث ورق ۲۸ ذکاء اللہ: تاریخ ہندوستان جلد ہفتم ص ۴۰۸-۴۱۰ ہسٹری آف شاہ جہاں از: بنارسی پرشاد سکسینہ ص ۳۱۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظفر محل یا جل محل: مہتاب باغ کے حوض کے بیچ میں بہادر شاہ ظفر نے ۱۸۲۴ء میں ایک اور محل بنایا تھا، جس کے چاروں طرف غلام گردشیں تھیں اور کونوں پر حجرے اور چاروں ضلعوں میں نشیمن تھے، اس کے اندر جانے کے لیے ایک پل بھی تھا۔

موتی محل: ہیرا محل کے شمال اور حیات بخش کے مشرقی آبشار کے سامنے موتی محل تھا جو اب باقی نہیں ہے، سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ یہ محل سنگ سرخ کا تھا جس کو سنگ پٹھانی سے سفید کیا گیا تھا، پھر اس میں رنگ آمیزی کر کے طلا کاری کے گل بوٹے بنائے گئے تھے، اس میں دو شہ نشینوں کا ایک درجہ تھا، جو ۱۵×۸ گز کا تھا، اس کے بیچ میں ایک حوض ۴×۳ گز کا تھا، ہر ایک شہ نشیں کے پیچھے ایک ایک درجہ تھا، ۸×۵ گز اور دیوان تھے، بیچ درے کے جانب پورب طرف دریا کا رُخ تھا اور پچھّم جانب باغ حیات بخش سامنے پڑتا تھا، اندر کی عمارت اجارے تک سنگ مرمر کی تھی اور باقی میں سنگ سرخ لگا ہوا تھا، جس کو سنگ مہتابی سے سفید کر دیا گیا تھا، اس میں ایک حوض اور نہر تھی، جس میں سے ایک چادر حیات بخش کے حوض میں پڑتی تھی اور یہ حوض وہی تھا جو اب رنگ محل کے سامنے رکھا ہوا ہے۔

موتی مسجد: شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب نے اس قلعہ میں اپنے اور بیگمات کی نماز کے لیے ایک خوبصورت مسجد بھی بنوائی جو موتی مسجد کے نام سے مشہور ہے، اس کی عمارت شروع سے آخر تک سنگ مرمر کی ہے لیکن گنبد سنہرا تھا، اس لیے اس کو سنہری مسجد بھی کہتے تھے، مسجد کا دروازہ برنجی چادر کے جڑے ہوئے پٹ ہیں، صحن ۳۵×۱۰ ہے، چار دیواری بیس فٹ بلند ہے، دیواروں کے بیرونی رخ پر سنگ سرخ اور اندر سنگ مرمر لگا ہوا ہے، دیواروں میں چوڑی چوڑی سلیں لگی ہوئی ہیں، جن میں ستون بھی ہیں، ان پر سنگ مرمر کی برجیاں ہیں، احاطے کی شمالی دیوار میں زنانے محل میں سے آنے کا راستہ ہے جس سے بیگمات آ کر، نماز میں شریک ہوتی تھیں، صحن کے وسط میں سنگ مرمر کا ایک حوض ہے، جہاں باغ حیات بخش کی نہر سے پانی برابر آتا رہتا تھا، مسجد کے تین در نہایت خوب صورت بنگڑی دار محرابوں کے ہیں، ان کے چار ستون ہیں، جن کے اوپر اور نیچے تو نقش و نگار ہیں بیچ کا ... اور بیچ کی ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دگنی ہیں، پیش دالان کے پیچھے ایک اور دالان ہے، اس کے بھی تین در ہیں، اس طرح اس مسجد میں ستونوں کی دو قطاروں سے چھ حصے ہو گئے ہیں، چبوترے کی چار سیڑھیاں ہیں، جن میں سنگ موسیٰ کی تحریر کے مصلے ہیں، مسجد کی پشت کی دیوار میں حسب معمول دیوار دوز محراب ہے، درمیانی محراب زیادہ چوڑی اور گہری ہے، سامنے کی محرابوں میں ایک سنگ مرمر کا چوڑا چھجہ ہے، چھت کی منڈیر پر بہت کچھ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، یہ منڈیر بیچ کے در پر محراب دار ہے اور باقی دروں پر سنگ مرمر کے سنہرے گنبد ہیں، اس مسجد کے شمال میں ایک حجرہ ہے جو اوراد و وظائف کے لیے تھا، اس میں بھی ایک حوض تھا، اس کی گرد آئین بندی کی ہوئی ہے، اس مسجد میں جو منبت کاری ہے، اس کے متعلق سر سید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھے ہیں:

"حقیقت میں ایسی منبت کاری تمام قلعہ میں کسی مکان پر نہیں، بلکہ قلعہ کیا روئے زمین پر نہ ہوگی۔" (جلد دوم ص ۱۸)

اس کو عالم گیر نے اپنی تخت نشینی کے دو سال کے بعد ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ میں بنوایا۔

باغ حیات بخش: موتی مسجد کے شمال میں باغ حیات بخش تھا اور اس کے مغرب میں مہتاب باغ تھا، ان دونوں کا ذکر آگے آئے گا۔

باولی: حیاتِ باغ کے مغرب میں ہشت پہل ایک باولی تھی، جس کا قطر ۲۱×۴۴ عمق ۴۶×۱۰ تھا اور اسی کے پاس ایک تالاب بیس فٹ مربع تھا۔

مچھی بھون: محل کے اندر خوب صورت تالاب اور حوض بھی بنوائے جاتے تھے، جن میں خوبصورت مچھلیاں چھوڑ دی جاتی تھیں، فتح پور سیکری کے مچھی تال کا ذکر پہلے آچکا ہے، قلعہ آگرہ کے مچھی بھون میں بیگمات مچھلی کا شکار بھی کھیلا کرتی تھیں اور اس میں پانی دریائے جمنا سے آیا کرتا تھا۔(۱)

ساون بھادوں: دہلی کے لال قلعہ میں دو حوض بنے ہوئے ہیں، جو ساون بھادوں کہلاتے ہیں، یہ دونوں سنگ مرمر کے ہیں، دونوں ایک ہی قسم کے ہیں اور اس طرح بنایا گیا ہے کہ کرسی کے لیے ایک چبوترہ ہے، اس پر سولہ ستون لگا کر ایک دل کش عمارت بنائی ہے، اس کے اوپر دو ایوان ہیں اور

(۱) تاریخ آگرہ از: عبد اللطیف ص ۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے آگے پیچھے بنگلہ نما دو عمارتیں ہیں، ستونوں کے بیچ میں ایک چوکھنڈی بن گئی ہے اور اسی میں سنگ مرمر کا ایک حوض ہے، اس میں نہر بہشت سے ایک نہر آتی تھی اور چادر کی طرح گرتی تھی، یہی نہر نکل کر ایک دوسری نہر میں پھر چادر کی طرح گرتی تھی، ان دونوں میں پانی کا پڑنا اور چادر کا چھوٹنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ساون بھادوں کی بارش ہو رہی ہے، حوض میں چھوٹے چھوٹے محرابی طاق بنے ہوئے ہیں، ان میں رنگین گل دان رکھ دیے جاتے تھے اور رات کو کافوری شمعیں جلا کرتی تھیں، اوپر سے پانی کی چادر گرتی رہتی ہے، نیچے گل دانوں کی خوش نمائی اور چراغوں کی روشنی سے عجیب عالم ہوا کرتا تھا،(۱) دونوں چھتوں کے چار کونوں پر چار سنہری برجیاں بنی ہوئی تھیں، بیگمات یہاں آ کر رات کو تفریح کرتی تھیں اور ان کے مناظر سے محظوظ ہوتی تھیں۔

باغات: محل کے اندر باغات بھی ضرور ہوا کرتے تھے، جہاں بیگمات پہنچ کر گل گشت کیا کرتی تھیں، فتح پور سیکری میں مریم الزمانی کے محل کے باغ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، آگرہ کے قلعہ میں خاص محل کے سامنے ایک زنانہ باغ تھا جو انگوری باغ کہلاتا، اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

باغ حیات بخش: دہلی کے لال قلعہ کے باغ کا نام حیات بخش تھا، اس میں ہر طرف سے نہر بہشت کا پانی آتا، اس لیے درختوں اور پھولوں سے بھرا رہتا، اس کے بیچ میں ایک حوض تھا جو ۶۰×۶۰ گز تھا، جب اس کے وسط میں آفتاب اپنی شعاعیں ڈالتا اور پھولوں کا عکس اس پر پڑتا تو یہ نگار خانہ چین معلوم ہوتا، اس کے بیچ میں چاندی کے ۴۹ فوارے لگے ہوئے تھے، اس کے اردگرد بھی ۱۱۲ چاندی کے اور فوارے تھے، اس کے چاروں طرف سنگ سرخ کی بیس گز چوڑی روشیں بنی ہوئی تھیں، ان میں چھ گز چوڑی نہر بہتی، جس کے بیچ میں بھی بیس فوارے لگے ہوئے تھے، اس باغ کی لمبائی دو سو پچاس گز اور چوڑائی ایک سو پچیس گز تھی۔(۲)

مہتاب باغ: حیات بخش کے مغرب میں مہتاب باغ تھا جس کے چپے چپے پر نہریں بھی تھیں اور حوض بھی، اس میں بہادر شاہ ظفر نے سنگ سرخ کا ایک جھرنا بھی بنایا تھا اور اسی باغ میں ایک درگاہ

---

(۱) آثار الصنادید ص ۲۰-۱۹۔ (۲) آثار الصنادید ص ۱۹-۱۸ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد ہفتم ص ۳-۲۰۲، واقعات دارالحکومت دہلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدم شریف کی بھی تھی جس کا سنگ مرمر کا حوض اب قلعہ کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے۔

زنانہ حصہ: عام طور سے زنانہ حصہ کو بہت پر تکلف بنایا جاتا، فتح پور سیکری میں ترکی سلطانہ کا ایک محل اب بھی ہے، جس میں باکمال سنگ تراشوں کی مرصع دست کاریوں کے اعلا نمونہ دیکھے جاسکتے ہیں، گل دستے، پھول، پتے بہت ہی نفاست سے دکھلائے گئے ہیں، پتھر کاٹ کر درخت بنائے گئے ہیں، ان میں غنچوں اور شگوفوں کی مینا کاری ہے، کلیاں چٹختی، پھول کھلتے، پتے ہوا سے مڑتے، درختوں میں خوشے لٹکتے، جنگل میں جانور چلتے پھرتے اور درختوں پر چڑیاں چہکتی ہوئی دکھائی گئی ہیں، یہ تو پتھروں میں کارستانی ہوتی تھی، شاہ جہانی عہد میں یہ ساری چیزیں سنگ مرمر میں دکھائی دیتی تھیں اور سنگ مرمر کو کاری گر موم کی طرح جس طرح چاہتے استعمال کرتے اور اپنا کمال فن دکھاتے۔

امرا کی حویلیاں: اس زمانہ میں تہذیب وتمدن کے بھی سربراہ شاہی خاندان ہی ہوتے، اس لیے اس کے افراد جو کچھ کرتے، اسی کی تقلید ان کے امرا بھی کرتے رہتے، چنانچہ امرا اپنے لیے جو مکانات بنواتے وہ شاہی محل کے طرز ہی کے ہوتے، دہلی میں خان دوراں کی حویلی، نواب مصطفیٰ خاں کی حویلی، اعظم خاں کی حویلی، نواب مظفر خاں کی حویلی، آگرہ میں عبدالرحیم خانخاناں کی حویلی، نواب بدھن خاں کی حویلی، خان دوراں نصرت جنگ کی حویلی، اسلام خاں رومی کی حویلی، اس دور کی یاد تازہ کرتی ہیں، ان کے اندر جو رہنے سہنے کا طریقہ تھا، اس میں بھی شاہی محل کی جھلک ہوتی، چنانچہ برنیر نے اس دور کی حویلیوں کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''ایک اچھے گھر کے اندر ہمیشہ چار پانچ موٹی دری کا فرش رہتا تھا، جس پر گرمیوں میں سفید براق سی چاندنی بچھی رہتی تھی اور جاڑوں میں ریشمی قالین، کمرے کے صدر میں ایک یا دو پھول دار مغربی ریشمیں کارچوبی کام کی مسندیں لگی رہتی ہیں، جن پر صاحب خانہ یا کوئی اور آجاتا تو بیٹھتا، ہر مسند پر ایک بڑا گاؤ تکیہ اسی قسم کا سہارا لگا کر بیٹھنے کے لیے ہوتا، اس کے علاوہ اور تکیے بھی دوسرے لوگوں کے لیے لگے رہتے، چھت سے پانچ چھ فٹ نیچے دیواروں پر مختلف قسم کے چھوٹے بڑے طاق رہتے، جن میں بلوریں گل دان اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گملے سجے رہتے، چھت میں ملمع کاری ہوتی لیکن انسان یا حیوان کسی کی تصویر نہیں ہوتی، کیوں کہ تصاویر کا رکھنا مذہباً مسلمانوں میں منع ہے، صاحب خانہ عموماً مسند تکیہ لگا کر تخت یا چوکی پر بیٹھتا، جس کے گرد فوا کہات، مٹھائی کی کشتیاں، حقہ، تلوار، پیش قبض کٹار اور دوسرے ہتھیار فوری ضرورتوں کے لیے رکھے رہتے۔‘‘

محلوں کے طرز تعمیر پر ایک نظر: مسلمان حکم رانوں کے قلعوں اور محلوں کے طرز تعمیر میں ہندو اور مسلمان دونوں کے تہذیبی اور قدرتی عناصر کی بڑی خوش گوار آمیزش نظر آتی ہے، مسلمان ہندوستان آئے، تو اپنے ساتھ حجازی، سلجوقی اور وسط ایشائی طرز تعمیر کے اثرات ساتھ لائے لیکن ہندوستان کے عالی شان قلعوں، عمارتوں اور تالابوں کو دیکھ کر متاثر بھی ہوئے، البیرونی ہندوستان آیا تو یہاں کے تالابوں کو دیکھ کر لکھتا ہے کہ جب ہمارے ہم قوم ان تالابوں کو دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں اور ان کی تعریف بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں، محمود غزنوی اپنے فاتحانہ پندار کے باوجود متھرا کے مندر کے بارے میں ایک خط میں لکھتا ہے کہ ’’اگر کوئی ایسی عمارت بنانا چاہے تو لاکھوں سرخ دینار خرچ کرنے کے بعد بھی دوسو برس میں یہ تعمیر ہو سکے گی، بشرطیکہ اس کے لیے تجربہ کار اور لائق معمار مل جائیں‘‘، بودھ زمانہ کی قدیم یادگاروں میں اعلا قسم کے ستون، توپ اور منبت کاری کے کٹہروں کی یادگاریں، امراوتی اجنٹا اور سانچی میں اب بھی پائی جاتی ہیں، بدھ کے مندروں میں بڑے بڑے دالان بھی ہوتے، جن میں بعض تو پہاڑوں میں کھود کر نکالے گئے تھے، ان میں چھوٹے بڑے چبوترے اور ان کے گرد ترشے ہوئے ستون ہوتے، اجنٹا میں بعض دالان ۲۸ میٹر (ایک میٹر ۲۸۱۰۳ فٹ کے برابر) لمبے ہیں اور ۲۴۲۴ بڑے سنگین ستون چھت کو سہارا دیے ہوئے ہیں، ان ستونوں کی بلندی تقریباً چار میٹر ہے، اجنٹا کی دیواروں پر جو رنگین تصویریں بنائی گئی ہیں، ان سے مصوری کا اعلا کمال ظاہر ہوتا ہے، یہ تصویریں زیادہ تر گوتم بدھ کی زندگی کے مختلف واقعات کو پیش کرتی ہیں لیکن ان میں کہیں باغچوں، جنگلوں، رتھوں، راج درباروں، ہاتھیوں، گھوڑوں، ہرنوں، ہنسوں، پرندوں اور پھولوں وغیرہ کی بے شمار تصویریں بنی ہوئی ہیں، عورتوں کی جہاں تصویریں ہیں، ان میں اعضا کا تناسب، خط وخال، انداز و ادا، وضع قطع، زلف و کاکل اور رنگ روپ دکھانے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا کمال نظر آتا ہے، بعض تصویریں تو جذبات انسانی کی اعلا مثالیں ہیں، جن پر چہرہ سے دل کی کیفیت کا پورا پورا اظہار ہوتا ہے۔

ایلورا میں اندرا اور کیلاش کے مندر بھی ہندوستانی طرز تعمیر کے عجیب وغریب نمونے ہیں، کیلاش کے مندر کا زمانۂ تعمیر آٹھویں صدی مسیحی ہے، یہ شیو کے نام پر بنا ہے اور سنگ تراشی کی اعلا مثال ہے، یہ ایک بڑے چٹان سے بنایا گیا ہے، اس کی بلندی تقریباً ۳۲ گز ہے، اس کے صحن میں داخل ہونے کا راستہ ایک سائبان سے ہے، جو ستونوں پر ہے، اندر ایک بڑا دالان ہے، یہ بھی ستونوں پر قائم ہے، اس کے اردگرد عبادت گاہیں ہیں، اس کے چاروں طرف شیر، ہاتھی اور دوسرے حیوانات بنے ہوئے ہیں جو گویا اس مندر کو سنبھالے ہوئے ہیں، اس میں مندروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو پہاڑوں کے اندر تک چلے گئے ہیں اور ہر جگہ سنگ تراشی کی کاری گری دکھائی گئی ہے، کل دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیں پتھر ہی سے بنائی گئی ہیں اور مہا بھارت کی مشہور کہانیاں بھی پتھروں ہی کے ذریعہ بیان کی گئی ہیں، عشق ومحبت کی سرمستیاں بھی سنگ تراشی سے ظاہر کی گئی ہیں، یہ سب کی سب عجائبات روزگار میں سے ہیں۔

اڑیسہ میں بھونیشور، لنگ راج، اودے پور، راج میں ناگدا اور باڈولی، ریاست جھالا وار میں چتوڑ گڈھ، چندراوتی، جودھپور میں اوسیان وسط ہند میں کھجراہو کے مندروں میں بھی فن تعمیر کے اعلا نمونے ملتے ہیں، بعض مندروں میں محرابیں بھی بنی تھیں اور ان پر اہرامی صورت کندہ تھی، جن کے اضلاع خم دار ہوتے تھے، ایسے مندر اڑیسہ میں زیادہ تھے، بعض مندروں میں کئی درجے ہوا کرتے تھے اور ان کے دالانوں کے دروازے اہرامی صورت کے ہوتے تھے۔

باڈولی کے مندر میں سنگ تراشی کی حیرت انگیز کاریگری ہے، اس کے ستون، چھت اور کنگرہ کا ایک پتھر چھوٹے سے مندر کا نظارہ دکھاتا ہے، ہر ایک ستون پر نقاشی کا کام بہت ہی باریک ہے۔

کھجراہو، آبو، ناگدا، مکت گری اور پالی تانا کے مندر بھی ہندوستانی طرز تعمیر کے اعلا نمونے ہیں، کھجراہو کے جیسے بہترین مندر کہیں اور نہیں ہیں، اس کے مہادیو مندر کا طول ۲۳ میٹر اور بلندی ۳۵ میٹر ہے، آبو کے ایک جین مندر کا طول ۴۴ میٹر ہے، اس میں ساٹھ سے زیادہ حجرے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجروں کے سامنے ستونوں کی دہری قطار ہے جو برآمدہ کے طور پر ہے، ہر ایک دروازہ کے اوپر منبت کاریاں ہیں، پھر ایک مستقل دالان کے سامنے ایک بہت بڑا سائبان ہے، جس پر ایک گنبد بنا ہوا ہے، جو ۴۸ ستونوں پر قائم ہے اور یہ سب کے سب سفید سنگ مرمر کے ہیں، ان ستونوں پر جو گنبد ہے وہ مسطح پتھروں سے بنا ہوا ہے۔

ہندوؤں کے اعلا فن تعمیر کا مظاہرہ ان کے حربی قلعوں میں بھی نظر آتا ہے، سندھ میں برہمن آباد کے قلعہ کا دور چار میل تھا، گوالیار کے قلعہ کو دیکھ کر تاج المآثر کا مصنف اس قدر متحیر ہو گیا تھا کہ لکھتا ہے کہ یہ اتنا اونچا ہے کہ تیز اور تند ہوا بھی اس کی اونچائی کو نہیں پہنچ سکتی، فصیل پر بادل بھی نہیں پہنچ سکتا، ارنگل کے قلعہ کے بارے میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ اس کی اندرونی دیوار تو پتھر کی تھی، لیکن بیرونی دیوار مٹی کی تھی، جو اتنی سنگین تھی کہ لوہے کی اینٹ بھی اس سے زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتی تھی، اس کی برجیاں ثور سے زیادہ مضبوط تھیں، خود برج جوزا اس کے سامنے جھکا رہتا تھا، رن تنبھور کی اونچائی اور مضبوطی کو دیکھ کر ابوالفضل متحیر ہو گیا تھا، لکھتا ہے کہ خیال کی منجنیق بھی اس کی اونچائی تک نہیں پہنچ سکتی ہے، چتوڑ کے قلعہ کو دیکھ کر سلاطین، لشکری اور اہل قلم سب ہی متحیر ہو جاتے، یہ پہاڑی قلعہ ۱/۲ ۴ میل کی اونچائی پر واقع تھا، نیچے آٹھ میل کا دور تھا اور قلعہ کی دیوار پانچ سو فٹ اونچی تھی، آسام کے قلعوں میں کھڑ گاؤں کا قلعہ برہم پتر کے کنارے واقع تھا، اس کی دیواروں کا عرض نیچے کی طرف نو گز اور اوپر کی طرف پانچ گز تھا، اس کا دور ایک کردہ سے زیادہ تھا اس کی پچھمی دیوار پہاڑ کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی اور دکھن طرف دریائے برہم پتر سے محفوظ تھی، پورب کی طرف دریائے مناس قلعہ کی دیوار سے گزرتا ہوا برہم پتر سے جا ملتا تھا اور اتر کی طرف خندق کے علاوہ گھنے جنگل اور پہاڑ تھے، ایک اور قلعہ سیملا گڈھ میں تھا جس کی دکھنی دیوار چار کردہ تک پھیلی ہوئی تھی اور اتری دیوار کا طول تین کردہ تھا، دونوں دیواروں کے اندر پانچ بڑی بڑی برجیاں تھیں جن میں ہر ایک کا دور چار سو تیس گز کا تھا اور برجی پچاس گز کے فاصلہ پر تھی، اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی برجیاں جا بجا تھیں، ان برجیوں کے آگے حصار کے طور پر کنگرہ دار دیواریں تھیں، جن کے آگے پیچھے خندق کھدی ہوئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان قلعوں کے اندر بڑے بڑے محلات بھی ہوتے تھے، جن کی تعمیر میں پورا کمال دکھایا جاتا تھا، ان کی دیواریں سفید ریشمی پردے لٹکا کر آراستہ کی جاتی تھیں، فرش پر چندن کے عرق کا چھڑکاؤ ہوتا تھا، اس میں مشک اور کیوڑے بھی ملے رہتے تھے۔(۱)

اس کتاب کے دائرہ سے کچھ ہٹ کر یہ تفصیل اس لیے بیان کی گئی ہے کہ معلوم ہو کہ ہندوؤں کا فن تعمیر بہت ترقی یافتہ تھا، پھر ظاہر ہے کہ اس سے مسلمانوں کا متاثر ہونا ضروری تھا، کیوں کہ وہ جو بھی عمارت بناتے اس کے بنانے والے معمار اور کاریگر ہندو ہی ہوتے، وہ باہر سے لائے ہوئے اپنے تصور کو یہاں کے معماروں کے ذہنی سانچے میں ڈھالنا بھی چاہتے تو ممکن نہ تھا، اسی لیے انہوں نے یہاں کی بہت سی چیزوں کو خوشی سے قبول کیا اور خود ہندوؤں کا فن تعمیر بھی کچھ ایسا ترقی یافتہ تھا کہ اس کو قبول کرنا ہی حسن ذوق کی دلیل تھی لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے اس فن میں جو طرح طرح کی جدتیں پیدا کیں، وہ ہندوستان کے فن تعمیر کی ایک زریں تاریخ بن گئی ہے۔

مسجدوں اور مقبروں کے بنانے میں تو انہوں نے اپنے روایاتی تصورات کو حتی الامکان برقرار رکھا لیکن غیر مذہبی قسم کی عمارتوں میں ہندوستانی طرز تعمیر کے محاسن سے بے تکلف فائدہ اٹھاتے رہے۔

ہندو اپنی عمارتوں میں نمود و نمائش، زینت و آرائش، ترصیع اور منبت کاری پر زیادہ زور دیتے تھے، اسی لیے کہیں پتھر کاٹ کر دیوتاؤں اور انسانوں اور جانوروں کی مورتیں بناتے کہیں بکھرے پھول، پھولوں کے ہار اور ٹوکریاں اور طرح طرح کے نقش و نگار سے دیواروں کو مزین کرتے، مسلمانوں نے یہ زینت و آرائش ہندوؤں سے لی محتاط مسلمان حکم راں تو اپنے محلوں کی دیواروں پر انسانوں اور جانوروں کی تصویریں بنانے سے پرہیز کرتے لیکن اکبر اور جہاں گیر کے محلوں میں تو یہی ہندوستانی زینت و آرائش ان کی نمایاں چیز ہے، اکبر کے بنوائے ہوئے محلوں میں ہندوستانی طرز تعمیر کا اتنا غلبہ ہے کہ مسلمانوں کا طرز تعمیر دب کر رہ گیا ہے لیکن جہاں گیر اور شاہ جہاں

(۱) ہندوؤں کے معاشرتی حالات کے لیے دیکھو ہندوستان کے معاشرتی حالات از: عبداللہ یوسف علی، وقرونِ وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب از: گوری شنکر ہیرا چند اوجھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے زمانہ میں نور جہاں اور ممتاز محل کے خاندان کے چھا جانے کے بعد ہندوستانی اور ایرانی طرز تعمیر کا ایسا خوش گوار امتزاج ہوا کہ موجودہ دور کی اصطلاح میں یہ انڈو مسلم فن تعمیر کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہندو اپنے جمالیاتی ذوق کی بنا پر زینت و آرائش پر اتنا زور دیتے کہ اس میں شوکت تو ضرور پیدا ہو جاتی لیکن ضرورت سے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اس میں موجودہ ذوق کے مطابق لطافت اور نفاست باقی نہ رہتی، مسلمانوں نے اس زینت و آرائش کو قبول ضرور کیا لیکن اپنے جمالیاتی ذوق کو سامنے رکھ کر اس میں لطافت، نظافت، تناسب، توازن اور ہم واری پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، جس کے اعلا نمونے نہ صرف مقبرہ اعتماد الدولہ اور تاج محل بلکہ دہلی اور آگرہ کے شاہ جہانی محلوں میں بھی ملتے ہیں۔

ہندوؤں کو سنگ تراشی میں غیر معمولی قسم کی قدرت تھی، اسی لیے وہ پہاڑوں کے سینے چاک کر کے وہاں تالاب، مندر اور قلعے بناتے رہے اور مورتیں بنانے میں تو ان کا فن انتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا، مسلمانوں نے مورتیں نہیں بنائیں لیکن ہندوستان کے فن سنگ تراشی سے غیر معمولی فائدہ اٹھایا، اسی لیے وہ کبھی سنگ سرخ، سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر سے عمارتیں بنواتے اور ان میں ستون، محراب، مینارے حسب خواہش موم کی طرح موڑ کر تعمیر کراتے رہے اور اسی سنگ تراشی کے فن سے فائدہ اٹھا کر پتھر کے حروف کبھی خط کوفی اور کبھی خط طغرا اور کبھی کسی اور قسم کے خط میں لکھواتے رہے، جس کو دیکھ کر یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ یہ لکھے ہوئے ہیں یا پتھر سے کاٹ کر بنائے گئے ہیں، خطاطی کے پیچ و خم کی رعنائی، ان کی عمارتوں میں بھی نظر آتی ہے۔

اس باب کا موضوع تعمیرات نہیں ہے، اس لیے ہم تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر نہیں لکھ رہے ہیں، پھر بھی مختصر طریقہ پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے فن تعمیر سے جہاں بہت سی چیزیں لیں، وہاں ان کی وجہ سے بہت سی نئی چیزیں پیدا ہوئیں، مثلاً:

۱۔ مختلف قسم کی محرابیں، ہندوؤں کی بعض عمارتوں میں محرابیں ہیں لیکن مسلمانوں کے زمانے میں طرح طرح کی محرابیں بنیں، مثلاً ان کی عمارتوں میں ایسی محراب بھی دکھائی دیتی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے جوڑ ایک نقطہ منتہی پر ختم ہوتے ہیں، یہ مسلمانوں کی جدت ہے، اسی طرح ایسی محرابیں بھی بنائی گئیں، جو مربع مینار کے زاویے کی ایک ڈاٹ ہوتی اور یہ بالائی ہشت پہلو کے سہارے کے لیے بنی ہوتی، اسی طرح دندانہ دار، پیالہ دار اور نوک دار محرابیں اس زمانہ کی خاص چیزیں ہیں، جو آگے چل کر انتہائی کمال کو پہنچ کر شاہ جہانی محرابیں کہلانے لگیں اور ان کی نقالی رہائشی مکانات میں بھی ہونے لگی۔

۲- ہندوؤں کی عمارتوں میں قبہ نما چھتیں نہیں ہوتی تھیں لیکن ہندوستان میں قبہ نما اور محراب دار چھتیں مسلمانوں کے بعد سے شروع ہوئیں۔

۳- ہندوؤں کی بعض عمارتوں میں گنبد ضرور ملتے ہیں لیکن ہندوستان میں شلغم نما گنبد کی تعمیر مسلمانوں کی وجہ سے رائج ہوئی۔

۴- برج ہندوؤں کے قلعہ میں ضرور تھے لیکن کئی کئی پہل کے برج خصوصاً محلوں میں مثمن برج کی تعمیر مسلمانوں کی خاص چیز ہے۔

۵- زینت و آرائش میں، ابھرواں نقاشی، مینا کاری، استر کاری بھی مسلمانوں کی آوردہ ہے۔

۶- کاشی کار اینٹیں اور کھپڑے بھی مسلمانوں نے رائج کیے۔

۷- مزیک کا کام بھی مسلمانوں ہی کی عمارتوں سے شروع ہوا۔

۸- جڑائی کے خاص مسالے (Mortar) مسلمانوں کے آوردہ ہیں۔

۹- سنگ مرمر قیمتی پتھروں کی اعلا پچے کاری بھی خاص مسلمانوں کی جدت ہے جس کی فراوانی لال قلعہ اور تاج محل میں دکھائی دیتی ہے۔

۱۰- محل کے بلند پھاٹک بھی اس زمانہ کی خاص چیز ہے، جس کے اوپر برج، برجیاں، گنبد اور پہرہ داروں کے سکونتی مکانات بھی ہوتے۔

۱۱- لکڑی کے بڑے بڑے دروازے بھی مسلمان ساتھ لائے۔

۱۲- محل کے اندر بڑے بڑے صحن کا رواج بھی اسی زمانہ سے شروع ہوا، کیوں کہ بیگمات پردہ میں رہتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳- محل میں شہ نشینوں اور بارہ دریوں کا اضافہ بھی اسی عہد کی یادگار ہے۔

۱۴- محل کے اندر چمن آرائی کا رواج بھی مسلمانوں ہی نے شروع کیا، مغل بادشاہوں کے جمالیاتی ذوق کی تسکین اس وقت تک نہیں ہوتی تھی، جب تک ان کی عمارتوں میں سرو سمن اور گھنے درختوں کی قطاریں نہ ہوتیں۔

۱۵- محل کے اندر نہروں اور فواروں کی جو فراوانی ہوتی، وہ بھی اسی زمانہ کی تہذیب کا نتیجہ تھی۔

۱۶- تعمیرات کی شوکت، تناسب اور توازن کے ساتھ انتہائی درجہ کی لطافت، نفاست اور نزاکت بھی اسی دور میں پیدا ہوئی۔

ہندو مسلم طرز تعمیر کی آمیزش سے ایک نیا ذوق بنا اور اسی کے مطابق نہ صرف سلاطین اور امرا بلکہ خود ہندو راجاؤں نے اسی طرز پر اپنے اپنے محل بنوانے شروع کیے، اس کی ایک عمدہ مثال راجہ مان سنگھ کا محل ہے، جس کی تفصیل خود بابر نے تزک بابری میں لکھی ہے، اس کے اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو کہ اس زمانہ میں ہندو راجاؤں کے محل کس طرح تعمیر ہوتے تھے:

”مان سنگھ اور بکرماجیت کے تمام محلوں میں پھر کر میں نے سیر کی، عجیب مکانات ہیں، اگرچہ بے ڈول ہیں، مگر سب پتھر کے تراشے ہوئے ہیں، راجہ مان سنگھ کا محل سب سے عمدہ اور عالی شان ہے، مان سنگھ کے محل کے اور اضلاع کی پشت شرقی ضلع بڑا پر تکلف ہے، اس کی بلندی تخمیناً چالیس گز ہوگی، سب عمارت پتھر کی ترشی ہوئی ہے، اوپر چونا بھرا ہوا ہے، بعض جگہ چو منزلہ مکان ہے اور اس کے نیچے کی منزل میں اندھیرا گھپ ہے، بہت دیر ٹھہرنے کے بعد ذرا ذرا اجالا معلوم ہوتا ہے، میں نے شمع کی روشنی میں سیر کی، اس عمارت کے ہر ضلع میں پانچ برج ہیں، ہر برج میں چار طرف ہندوستانی طریقہ سے چار برجیاں ہیں، ان پانچوں پر سنہری کلسیاں ہیں، ان کی دیواروں پر باہر کی طرف سبز چینی کا کام کیا ہوا ہے، اس کے گرد سبز چینی سے کیلوں کے درخت بنا دیے ہیں، شرقی ضلع کے برج میں ہتیا پول ہے، ہندی میں فیل کو ہاتھی اور دروازہ کو پول کہتے ہیں، دروازہ کے باہر کے رخ پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھی کی سنگین مورت کھڑی کردی ہے اور اس پر ہاتھی بان بیٹھا ہوا ہے، یہ مورت بالکل ہاتھی معلوم ہوتی ہے، اسی لیے اس کو ہتیاپول کہتے ہیں، جو چومنزلہ مکان ہے، اس کے نیچے کی منزل ہاتھی پر اتنی جھکی ہوئی ہے کہ باقی اس سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے، اوپر کی منزل میں وہ برج ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے، دوسری منزل نشست کی جگہ ہے، یہ بھی جگہ جگہ سے جھکی ہوئی بنائی گئی ہے۔'' (بابرنامہ اردو ترجمہ ص ۳۲، ۳۳۱)

امیر کا محل: گوالیار کے راجہ مان سنگھ کے محل کے بعد امیر کے راجہ مان سنگھ المتوفی ۱۶۱۵ء کا محل راجپوتوں کے طرز تعمیر کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں اکبری عہد کے فتح پور سیکری، الٰہ آباد اور لاہور کے طرزِ تعمیر کے اثرات نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں، اس میں دیوان عام بھی بنایا گیا، پھر مغلوں کے محل کی طرح زنانہ محل چھجے باغات اور فوارے بھی بنائے گئے۔

اودے پور کا محل: اسی زمانہ میں مہارانا امر سنگھ نے اودے پور میں ایک جھیل کے کنارے ایک بڑا محل بنایا، اس کی پانچ منزلیں تھیں، اس کی بالائی منزل سنگ مرمر کی ہے، پھر اس میں چھجہ دار کھڑکیاں اور جالی دار جعفریاں بھی ہیں، جابجا ہاتھیوں کی مورتیں بنی ہوئی ہیں، بعد کے مہارانوں نے اس میں شہ نشینوں اور کوشکوں کا اضافہ کیا، جن میں یقیناً ہندو مسلم طرزِ تعمیر کے اثرات ہیں۔

جگ نواس: رانا جگت سنگھ نے اودے پور میں سنگ موسیٰ کا محل بنایا اور اس کے کمروں کی دیواروں پر قیمتی تصویریں بنائی گئیں، اس میں بنگالی طرز کی جھکی ہوئی کارنسوں چوٹی دار گنبدوں کوشکوں، بالکنیوں اور کھلے ہوئے چبوتروں سے بڑی خوب صورتی پیدا کی گئی۔

جگ مندر: رانا کرن کے لڑکے رانا امر سنگھ نے امر محل اور جگ مندر کے نام سے محل بنوائے، ان میں جو محرابیں، ترصیع کاری، ستونوں پر زینت و آرائش ہے، ان سب میں مغلوں کے فنِ تعمیر کے اثرات پائے جاتے ہیں، امر سنگھ کے جانشین نے اودے پور کے محلوں کے اندر موتی محل، مانک چوک، رمالی محل اور دل کشا محل کے نام سے بہت سی عمارتوں کا اضافہ کیا، ان کے نام بتاتے ہیں کہ یہ راجپوت حکم راں ناموں کے رکھنے میں بھی مغل فرماں رواؤں کی تقلید کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندی کا محل: یہ بھی ایک جھیل کے کنارے تھا، اس کی بالکنیوں میں بڑے نقش و نگار تھے اور بڑے کمروں کے اندر ستونوں کی دوہری لہرے دار قطاریں تھیں۔

دتیا محل: سترہویں صدی عیسوی میں اورچھا کے راجہ بیر سنگھ نے دتیا میں ایک محل بنوایا، یہ پورا محل گرانیٹ سے بنا ہوا تھا، اس کی سات منزلیں تھیں، چاروں منزلوں پر بڑے بڑے کمرے تھے، جن کے اوپر محراب دار چھتیں تھیں، چھتوں کا سہارا استونوں پر تھا اور ان سے اوپر ایک مربع برج تھا اور ایک مرکزی گنبد تھا، بیر سنگھ نے ایک محل اورچھا میں بھی بنایا۔

مدورا کا محل: مدورا میں نری چولائی نایک کے محل کے بڑے بڑے کمروں، ستونوں، محرابوں، کھڑکیوں کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ ہندو راجہ یا کسی مسلماں حکم راں کا محل ہے، یہ سترہویں صدی میں تعمیر ہوا۔

تنجور کا محل: مرہٹوں نے تنجور کا محل مدورا ہی کے طرز پر بنایا۔

مؤرخین نے اس کو متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ انیسویں صدی میں جتنے محلات، مقبرے، سمادھی اور مندر بنائے گئے، خواہ وہ جام نگر کے پچھمی علاقہ یا کلکتہ کے پوربی حصوں یا پنجاب میں سکھوں کی ریاستوں یا وسط ہند میں جینیوں کے علاقوں میں ہوں، سب کے سب ہندو مسلم طرزِ تعمیرات کے مطابق بنائے گئے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرم

ماں کا احترام: سلاطین دہلی کے عہد میں عام طور سے محل کے اندر سلطان کی ملکہ کا اثر اتنا نہ ہوتا جتنا کہ اس کی ماں کا ہوتا، سلطان شمس الدین ایلتمش کی بیوہ شاہ ترکان نے اپنے لڑکے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے عہد میں سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی، وہی فرمان جاری کرتی اور جن جن بیگمات یا امرا سے اس کو اپنے شوہر سلطان ایلتمش کے زمانے میں عداوت تھی، اس کا پورا انتظام اس نے اپنے لڑکے کے عہد میں لیا، یہاں تک کہ امرا اس کے مخالف ہو گئے اور اس کو قید کر دیا۔(۱)

"سلطان محمد تغلق اپنی ماں کا بڑا احترام کرتا اور اس کی اطاعت میں کوئی کمی نہ کرتا، ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ:

> "بادشاہ اس کی تعظیم اور اطاعت غایت کرتا، کہتے ہیں کہ ایک بار وہ سفر میں بادشاہ کے ساتھ گئی اور بادشاہ کچھ دنوں پہلے چلا آیا لیکن جب وہ دار الخلافہ واپس آئی تو بادشاہ نے اس کا استقبال کیا اور گھوڑے پر سے اتر پڑا، جب وہ پالکی میں سوار ہوئی تو اس کے پاؤں کو بوسہ دیا، اس وقت سب لوگ دیکھ رہے تھے۔"(۲)

سلطان محمد کی ماں بیرونی مہمانوں کو شاہانہ طریقہ پر دعوتیں دیا کرتی، ان کو قیمتی تحفوں سے نوازا کرتی، وہ سلطان ہی کی طرح تحفے اور نذرانے قبول کیا کرتی، جن کی باضابطہ فہرست رکھنے کے لیے کاتب مقرر تھے، اس نے بڑی بڑی خانقاہیں تعمیر کرائیں، جہاں مسافروں کو مفت کھانا ملا کرتا تھا،(۳) سلطان اس کی کسی بات میں رکاوٹ پیدا نہ کرتا تھا۔

ماں کا جو احترام کیا جاتا، اس سے بعض بیگمات سازش کر کے بے جا فائدہ بھی اٹھاتی رہتیں،

---

(۱) طبقات ناصری ص ۱۸۴-۱۸۲۔ (۲) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۲۰۴۔ (۳) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلال الدین خلجی کا قتل ہوا تو اس کی بیوی ملکہ جہاں نے اپنے بڑے لڑکے ارکلی خاں کو نظر انداز کر کے اپنے چھوٹے لڑکے قدر خاں کو سلطان رکن الدین ابراہیم کے لقب سے تخت پر بٹھایا اور خود جیسا کہ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے ''جہاں داری اور جہانبانی کرنے لگی لیکن علاء الدین خلجی کے سامنے بازی نہ لے جاسکی اور جب اس نے علاء الدین کو اپنی قوت وشوکت پر غالب ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ارکلی خاں کو باپ کا جانشین بنانا چاہا لیکن اس وقت تک علاء الدین تمام امرا کو اپنا موافق بنا چکا تھا۔(۱)

بیویوں کی رقابتیں: ایک سلطان کئی بیویاں ایک ساتھ رکھتا تھا، ظاہر ہے کہ ان میں سوکنوں کا فطری جلاپا ضرور رہتا ہوگا لیکن جلاپے کی ظاہری بدنمائی کا صرف ایک ہی واقعہ تاریخوں میں آتا ہے، وہ بھی علاء الدین خلجی کی بادشاہت کا نہیں، بلکہ شہزادگی کے زمانے کا ہے، علاء الدین کی شادی اس کے چچا سلطان جلال الدین کی لڑکی سے ہوئی تھی لیکن اس نے ایک دوسری شادی ملک سنجر (الپ خاں) کی بہن ماہرو (یا ماہک) سے بھی کر لی تھی، سلطان جلال الدین کی لڑکی کو یہ ناگوار گذرا اور ایک روز علاء الدین اپنے خلوت کدہ میں ماہرو کے ساتھ تھا تو وہ وہاں پہنچی اور اپنے غیظ وغضب کا اظہار کیا، علاء الدین بھی مشتعل ہوگیا اور اپنی تلوار نکال کر ماہرو کی مدافعت کی، جس سے سلطان جلال الدین کی لڑکی کچھ زخمی بھی ہوئی (۲)، جلال الدین کی لڑکی نے یہ حرکت اپنی ماں کے اشارے سے ہی کی تھی، کیوں کہ اس کی ماں علاء الدین خلجی کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ اس کے لڑکے کے بجائے اس کا داماد تخت نشیں ہو۔

ملکہ ماہرو: علاء الدین تخت پر بیٹھا تو ماہرو کو ملکۂ جہاں کا لقب عطا ہوا اور وہ جلال الدین خلجی پر اس طرح چھا گئی کہ سلطنت کے بعض معاملات میں دخیل ہونے لگی اور اپنے شہزادوں کی شادی اپنی مرضی سے کرتی رہی، اس کے بڑے لڑکے خضر خاں کو گجرات کے رائے کرن کی دیول رانی سے عشق تھا لیکن ملکۂ جہاں نے اس کی شادی اس کی خواہش کے خلاف اپنے بھائی الپ خاں کی لڑکی سے کر دی اور اس سے دیول رانی کا خیال دور کر دینے کی فہمایش کی۔

---

(۱) برنی ص ۲۴۵ (۲) ظفر الوالہ ص ۵۵۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضا جوئی مادر خود کنی ☆ دل از میل آں نازنیں بشکنی (۱)

لیکن خضر خاں کا عشق جاں گداز ثابت ہوا تو ملکۂ جہاں نے خضر خاں کو دیول رانی سے شادی کرنے کی اجازت دی، شادی بیاہ کے موقع پر ہندو اور مسلمان امرا اسی کے مشورے پر مدعو کیے جاتے، (۲) علاء الدین کے آخری دور زندگی میں وہ اپنے لڑکوں کے جشن شادی میں اس طرح مستغرق رہنے لگی تھی کہ علاء الدین کو مرض الموت میں شکایت ہوگئی تھی کہ اس کی تیمارداری سے غفلت برتی جاتی ہے (۳)، وہ اپنے لڑکے خضر خاں کو علاء الدین کے بعد تخت نشیں کرانا چاہتی تھی لیکن ملک کافور کی سازشوں کے سامنے وہ بے بس رہی اور اس کو اپنی آخری زندگی کوشک لعل میں محبوس ہو کر گذارنی پڑی۔(۴)

عقد ثانی: محل کے اندر اسلامی قانون کے مطابق بیوہ عورتیں عقد ثانی کر سکتی تھیں، علاء الدین خلجی کی ایک بیوہ سے جو شہاب الدین عمر خلجی کی ماں تھی، ملک کافور نے عقد کر لیا تھا اور قطب الدین مبارک خلجی کی وفات کے بعد خسرو خان نے اس کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا لیکن یہ نکاح زیادہ تر سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے ہوتا تھا، ورنہ شاہانہ وقار اسی میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ بیوہ رہ کر اپنے بیٹوں کے ساتھ باعزت اور باعصمت زندگی گذاریں اور اگر کسی کی عفت اور عزت پر الزام ثابت ہو جاتا تو وہ سنگسار کر دی جاتی۔(۵)

ماں کا احترام: تمام مغل بادشاہ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ انتہائی محبت و احترام کے ساتھ پیش آتے، بابر کی ماں تغلق نگار خانم کا انتقال ہوا تو اس نے کابل کے باغ نوروز میں اس کے مالک سے ایک ہزار تنکہ مثقالی میں زمین خریدی اور خود ہی قبر میں اتر کر اس کو سپرد خاک کیا اور جب اس کی نانی شاہ بیگم اور خالہ مہر نگار خانم تعزیت کے لیے آئیں تو وہ ماں کو یاد کر کے بہت پریشاں ہوا، خود لکھتا ہے کہ ان کے آنے سے سوگ تازہ ہوگیا، جدائی کی آگ بھڑک اٹھی، تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد آش اور کھانا پکوا کر غربا کو کھلایا، فاتحہ دلوائی، دل کو ذرا تسلی دی اور رنج دفع کیا۔(۶)

---

(۱) فتوح السلاطین مدارس اڈیشن ص ۳۲۷۔ (۲) ایضاً ص ۳۲۴۔ (۳) برنی ص ۳۶۸۔ (۴) ایضاً۔(۵) ابن بطوطہ ص ۱۴۵۔(۶) تزک بابری ص ۱۶۱ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابر اپنے خاندان کی بیگمات کا بھی بڑا احترام کرتا، ہندوستان میں اس کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے اپنی دو پھوپھیوں فخر جہاں اور خدیجہ کو کابل سے ہندوستان مدعو کیا، وہ اپنے بچوں کے ساتھ آگرہ پہنچیں تو بابر نے شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ایک مبارک ساعت میں ان کو لے کر شہر میں داخل ہوا، ان کے ساتھ فخر جہاں کی اور بہنیں بھی آئیں، بابر نے ان کا بھی ویسا ہی خیر مقدم کیا، وہ اپنے رشتہ دار خواتین کے عزت واحترام کا بڑا اہتمام کرتا، ان کی قیام گاہوں کے لیے پر تکلف سامان بہم پہنچاتا، ان کو وظائف دیتا، ضرورت کے وقت ان سے مشوروں کا بھی طالب ہوتا، مشکلات میں ان کی ہمدردی اور دل جوئی سے سکون حاصل کرتا اور ان کی باتوں میں اطمینان قلب پاتا، ان کو اپنے یہاں مدعو کر کے ان کی پوری خاطر تواضع کرتا (۱)، کابل میں اپنی خالاؤں کے گھر برابر جاتا رہتا، آگرہ کے قیام میں اپنے چچا کی بیویوں سے ملاقات کے لیے ہر جمعہ کو جایا کرتا تھا، ایک جمعہ کو سخت گرمی پڑ رہی تھی، اس کی بیوی ماہم بیگم نے اس کو ابوسعید مرزا کی لڑکی کے یہاں جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ اگر ایک جمعہ ناغہ ہی ہو گیا تو کیا ہرج ہوگا لیکن بابر نے کہا کہ ماہم تم ایسا نہ کہو، یہ سب اپنے باپ اور بھائیوں سے جدا ہو گئی ہیں، مجھ کو ان کی خاطر ہر حال میں لازم ہے۔(۲)

ماہم بیگم: ہمایوں کی ماں ماہم بیگم تھی، مسلکاً شیعہ تھی لیکن بابر کی سب سے چہیتی بیوی تھی، اس کا انتقال ہمایوں کی تخت نشینی کے پانچ چھ سال کے بعد ہی ہو گیا تھا، اس لیے اس کو اپنے بیٹے کی زندگی کی خزاں کے بعد اس کی بہار دیکھنے کا موقع زیادہ نہیں ملا لیکن جب تک زندہ رہی مریم بن کر ہمایوں کو عیسیٰ بنائے رہی (۳)، اس کی علالت کی خبر سنتی تو اسی طرح بے چین ہو جاتی جس طرح ایک تشنہ مہجور آب ہو کر بے چین رہتا ہے (۴) ماں کی حیثیت سے اس کو بڑی فکر رہی کہ ہمایوں کے اولاد نرینہ ہوتا کہ وہ اس کے بعد سلطنت کا وارث بنے، اس لیے جب اس کی نظر کسی تندرست حسین اور جمیل لڑکی پر پڑ جاتی تو اس کو وہ ہمایوں کے عقد میں لانے کی کوشش کرتی، گل بدن بیگم کی خدمت میں ایک لڑکی میوہ جان رہا کرتی تھی، جو ایک یساول کی لڑکی تھی، ماہم کو پسند آ گئی، ماہم نے ہمایوں

(۱) دیباچہ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۲۰۔ (۲) ہمایوں نامہ ص ۲۰، ۱۴، ۸ (۳، ۴) ایضاً ۲۱، ۲۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کی سفارش کی تو اس نے اس سے عقد کر لیا، اس کے تیسرے دن ہمایوں کی چہیتی بیوی بیگہ بیگم کابل سے آئی، بیگہ بیگم حاملہ ہوئی تو میوہ جان نے بھی کہا کہ اس کے بھی حمل کے آثار ہیں، ماہم بے حد خوش ہوئی اور ایک قیمتی زیور (براق) بنوایا اور کہتی رہی کہ دونوں میں سے جس کے لڑکا پیدا ہوگا یہ زیور اس کو دوں گی، بیگہ بیگم کے لڑکی پیدا ہوئی اور میوہ جان کا حمل جھوٹا ثابت ہوا (۱)، ماہم بیگم کی یہ آرزو مرتے وقت تک پوری نہ ہوئی۔

وہ اپنی اس مایوسی کی تلافی دوسرے طریقہ سے کیا کرتی تھی، وہ ہمایوں کی تاج پوشی کی سالگرہ پورے حوصلے سے منایا کرتی تھی، اس کی دوسری سالگرہ میں اس نے بہت دھوم دھام سے جشن منایا اور دعوت کی، اسی کے حکم سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں کی بھی آئین بندی کی گئی، اس سے پہلے گھروں کی آئین بندی نہ ہوتی تھی، لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کو خوب سجا کر ان کو حسین بنایا، گلبدن بیگم کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے ہندوستان میں گھروں کی آئین بندی کا رواج شروع ہوا، ایک تخت مرصع بچھایا گیا، جس کے اوپر جانے کے لیے چار زینے تھے، اس پر زردوزی کا اوسقہ (چادر) ڈالا گیا اور اس کے اوپر زردوزی کے توشک اور تکیے رکھے گئے، خرگاہ اور بارگاہ کے اندر تو فرنگی زربفت اور باہر پرتگالی کپڑے (سقلات) لگائے گئے، ان کے ستونوں پر سونے کا کام تھا، جن کے حاشیے قنات اور سرقنات گجراتی زرکش کے تھے، گلاب کے پانی سے بھرے ہوئے آفتابے، شمع دان، پانی پینے کے ظروف اور گلاب پاش وغیرہ بھی سونے کے تھے، (۲) اس موقع پر سات ہزار آدمیوں کو خلعت دیے گئے اور یہ جشن کئی روز تک رہا، یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ ماں کے ان تمام محبت بھرے رویے کا اثر ہمایوں پر برابر رہا جو اس کی خاطر خواہ سعادت مندی اور اطاعت گذاری سے ظاہر ہوتا رہا۔

ماہم بیگم کی وفات کے بعد ہمایوں اپنی سوتیلی ماؤں اور رشتہ دار خواتین کے ساتھ اسی جذبۂ اطاعت کا اظہار کرتا رہا، اس نے اپنی چچی (عمہ) خان زادہ بیگم کی فرمائش پر دو بڑی دعوتیں کیں، ایک دعوت تو اس کی تاج پوشی کی سالگرہ اور دوسری مرزا ہندال کی شادی کی تھی، دونوں کا اہتمام

(۱) ہمایوں نامہ ص ۲۷۔ (۲) ایضاً ص ۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاں زادہ بیگم نے شاہانہ روایت کے ساتھ کیا، پہلی دعوت عمارت طلسم میں ہوئی، جہاں ایک مثمن کمرہ تھا، اسی میں ایک مثمن نشست گاہ بنائی گئی تھی، اس پر قالین بچھائے گئے، جہاں حسین اور خوش گلو گانے والے اور گانے والیاں بٹھائی گئیں، اس کے مقابل میں شاہی تخت رکھا گیا، اس پر زردوزی کی توشک بچھائی گئی، ہمایوں اور خان زادہ بیگم دونوں ساتھ اس پر بیٹھے اور ان دونوں کے دائیں بائیں چھتیس بیگمات بیٹھیں، ہمایوں کے حکم سے تمام امرا اور بیگمات نے نذرانے (ساچق) پیش کیے، ہمایوں نے ان نذرانوں کے تین حصے کیے، تین خوان میں اشرفیاں اور چھ خوان میں شاہ رخیاں رکھی گئیں، پھر ان کو امرا، وزرا، علما، صلحا، فقرا اور مساکین میں تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا، ایک خوان میں اشرفیاں بیگمات کے پاس لائی گئیں اور ان سے کہا گیا کہ مٹھی بھر بھر کر اس سے اشرفیاں لے لیں اور باقی جو رہ گئیں وہ بیگمات میں لٹادی گئیں اور ہر ایک نے سوسو اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو اشرفیاں لوٹیں، اسی اثنا میں ہمایوں نے خان زادہ بیگم سے صلاح کر کے خاموشی سے حوض میں پانی آنے کا راستہ کھول دیا، پانی یکا یک آیا تو بیگمات تر بہ تر ہو ہو گئیں، اس تفریح کے بعد بارہ ہزار خلعت تقسیم کیے گئے، ایک دوسرے کمرے کی کھڑکیوں سے بازی گروں کے کھیل تماشے دکھائی دیتے تھے، ایک زنانہ بازار بھی لگایا گیا تھا، سامنے دربار میں کشتیوں کی آئین بندی کی گئی تھی، ایک کشتی میں چھ آدمیوں کے لیے چھ علاحدہ علاحدہ کنج تھے، ایک کشتی پر بالا خانہ بنایا گیا تھا، جس میں قلعہ تاج خروس لالہ اور دوسرے پھول کھلے ہوئے تھے۔(۱)

ہندال کی شادی کی دعوت کا ذکر آیندہ تقریبات کے باب میں آئے گا، ہمایوں اتوار اور منگل کو جمنا کے دوسرے ساحل پر بیگمات کے ساتھ چلا جایا کرتا تھا، بیگمات کے لیے خیمہ وخرگاہ نصب کیے جاتے، سب سے نمایاں خیمے ہمایوں کی بہنوں مثلاً معصومہ سلطان بیگم، گل رنگ بیگم اور گلبدن بیگم وغیرہ کے ہوتے تھے، ان کے بعد ہمایوں کی بیویوں گلبرگ بیگم، بیگہ بیگم وغیرہ کے خرگاہ کھڑے کیے جاتے، ہمایوں بہنوں کے خیموں میں جاتا، تو اس کے ساتھ اور بیگمات بھی ہوتیں، بعض بیگمات کے یہاں دیر تک مجلس ہو جاتی اور نغمہ وسرود کا سامان بھی ہوتا، ان تفریحات میں

---

(۱) ہمایوں نامہ ۳۵-۱۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمایوں کو اپنی بیویوں سے ملنے کا کم موقع ملتا، وہ گلہ مند ہوتیں، تو ہمایوں ان سے کہتا کہ میری خوشی منظور ہے تو وہ ہر حال صبر و شکر سے کام لیں، اس پر بعض بیگمات کہتیں کہ یہ حذر بدتر از گناہ ہے۔(۱)

ماہم آنگہ: اکبر کی ماں حمیدہ بیگم تھی لیکن ماہم آنگہ نے اس کو دودھ پلایا تھا، اس لیے اکبر اس کو ماں ہی کی طرح عزیز رکھتا تھا، ماہم آنگہ اپنی عقل و دانش اور بالغ نظری کی وجہ سے پوری سلطنت پر چھائی رہی اور حکومت اسی کے ہاتھ میں آگئی تھی، اسی کے مشورے سے بڑے بڑے عہدے تقسیم کیے جاتے تھے لیکن ماہم آنگہ اپنے لڑکے ادہم خان کے اقتدار کی خاطر دربار کی سازشوں میں اس طرح پھنس گئی کہ ادہم خاں کے ساتھ اس کا انجام بھی اچھا نہ ہوا، ادہم خاں نے وزیر سلطنت شمس الدین آنگہ خاں کو پہلے قتل کیا پھر اکبر پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے اکبر نے مشتعل ہو کر اس کو محل کی فصیل پر سے نیچے پھنکوا کر ہلاک کرا دیا، اکبر کو دکھ ہوا کہ اس نے اپنی مرضعہ (رضاعی ماں) کے لڑکے کو قتل کروا ڈالا، اس لیے وہ خود ماہم آنگہ کے پاس پہنچا جو اس وقت بستر علالت پر تھی اور جب اس نے ادہم خاں کی موت کی خبر اس کو دی تو اس عاقلہ روزگار نے صرف اتنا کہا "خوب کردند"

بیٹے کی موت کی خبر سن کر اس کو انتہائی رنج ہوا لیکن اس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا اور چالیس روز کے بعد خود اسی غم میں چل بسی، اکبر اس کی وفات پر خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا (۲) اور پھر اپنی رواداری کا یہ ثبوت دیا کہ ان دونوں کے لیے دہلی میں حضرت بختیار کاکی کے مزار اقدس کے حوالی میں ایک شاندار مقبرہ بنوایا جس کو سیاح اب تک شوق سے دیکھتے ہیں۔

حمیدہ بیگم: حمیدہ بیگم طبعاً خاموش اور گوشہ نشین تھی، اکبر کی وفات سے کچھ ہی سال پہلے اس کا انتقال ہوا لیکن شہنشاہِ وقت کی ماں کی حیثیت سے امور سلطنت میں کبھی دخیل نہیں ہوئی، بلکہ حتی الامکان اپنی بردباری اور قوت برداشت سے فتنے کو روکا کرتی تھی، ملا عبدالنبی اکبر کے استاد تھے، وہ اس سے اپنی جوتیاں سیدھی کرایا کرتے اور مسجد میں جھاڑو دلواتے، حمیدہ بیگم یہ سب دیکھتی لیکن مزاحمت نہ کرتی، بلکہ ایک دفعہ اکبر کی سالگرہ کی تقریب میں کپڑوں پر زعفران کا رنگ چھڑک کر دربار میں گیا، تو ملا عبدالنبی نے اس کو ایک مشرکانہ فعل تصور کیا اور اس قدر برہم ہوئے کہ اپنے

(۱) ہمایوں نامہ ص ۳۸-۳۶۔ (۲) مآثر الامرا جلد اول ص ۷۳۔ اکبرنامہ جلد دوم ص ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عصا سے اس کو سر دربار مارا، اکبر کو ناگوار ہوا، محل میں جا کر ماں سے شکایت کی کہ دربار میں اس طرح ذلیل کرنا مناسب نہ تھا، وہ خلوت میں جو چاہتے کرتے، نیک نفس ماں نے کہا کہ بیٹا دل پر میل نہ لاؤ، یہ نجات اخروی کا سبب بنے گا، قیامت تک یہ چرچا رہے گا کہ ایک مفلوک الحال ملا نے بادشاہ وقت کے ساتھ یہ حرکت کی لیکن بادشاہ نے اپنی سعادت مندی سے اس کو برداشت کیا(۱)، بیرم خاں کے خلاف تو اس نے اپنے لڑکے کی حمایت میں سازش ضرور کی لیکن اس کے بعد امور سلطنت سے بالکل الگ تھلگ رہی، حالاں کہ اکبر اس کا بڑا احترام کرتا اور میدان جنگ میں اس کو ساتھ لے جاتا اور فوجی کیمپ میں اس کا خیمہ بھی ساتھ رہتا لیکن ماہم آنگہ جب تک زندہ رہی، وہی اکبر پر چھائی رہی، اس کے بعد اکبر کی سوتیلی ماں حاجی بیگم اور اس کی پھوپھی گلبدن بیگم حاوی رہیں، یہاں تک کی حمیدہ بیگم حج کے لیے گئی تو اس کا سارا اہتمام سلیمہ سلطان بیگم (بیرم خاں کی بیوہ اور اکبر کی منکوحہ) اور گلبدن بیگم کے ذمہ تھا، اکبر ماں سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا تھا، اس کے ساتھ وہ خود بھی حج کے لیے جانا چاہتا تھا لیکن اس کے مشیروں نے رائے دی کہ سلطنت چھوڑنا مناسب نہیں، اکبر کو مشکل سے روکا جا سکا لیکن خود نہ جا سکا، تو اس نے سلطان خواجہ نقش بندی کو امیر حج مقرر کیا اور چھ لاکھ روپے اور بارہ ہزار خلعت حرمین شریفین میں تقسیم کرنے کے لیے دیے اور اعلان کرایا کہ قافلہ کے ساتھ جس کا جی چاہے حج کے لیے جا سکتا ہے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو اس نے خود بھی احرام باندھا، ننگے سر اور ننگے پاؤں کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ گیا،(۲) زائرین حج کا یہ قافلہ حجاز میں ساڑھے تین سال تک ٹھہرا اور چار حج کی سعادت حاصل کی، واپسی میں عدن کے پاس ان کی کشتیاں غرقاب ہوتے ہوتے بچیں، یہ قافلہ سات ماہ تک وہیں پڑا رہا اور بہ مشکل تمام گجرات پہنچا اور جب بیگمات اجمیر پہنچیں تو اکبر نے شہزادہ سلیم کو ان کی پیشوائی کے لیے بھیجا اور روزانہ کسی نہ کسی کو بھیج کر تحفے اور پیام بھیجتا رہا اور جب وہ کنواہا پہنچیں تو اکبر خود ان کے استقبال کے لیے پہنچا، اکبر اتنی مدت کی جدائی کے بعد ماں اور دوسری خواتین سے مل کر بہت خوش ہوا، بیگمات نے اس کو تحفے پیش کئے اور رات بھر جاگ کر مقدس سرزمین کے واقعات سنائے، جو وہ

(۱) مآثر الامراء جلد دوم ص ۵۶۱۔ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۹۲، بدایونی جلد دوم ص ۲۳۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شوق سے سنتا رہا، اس کے بعد سب فتح پور سیکری کی طرف روانہ ہوئیں (۱)، واپسی پر حمیدہ بیگم اور گلبدن بیگم کو معلوم ہوا کہ اکبر نے مراد کی تعلیم کے لیے کسی عیسائی پادری کو مامور کیا ہے تو انہوں نے احتجاج کیا اور اکبر نے اپنی ماں کی خاطر پادری کو علاحدہ کر دیا۔ (۲)

حمیدہ بیگم کو سلیم سے بڑی محبت رہی اور جب جب باپ بیٹے کے تعلقات خراب ہوئے تو وہ اور سلطان سلیمہ بیگم بیچ میں پڑ کر معاملات کو سدھارنے کی کوشش کرتیں، الہ آباد میں جہاں گیر نے اکبر کے خلاف بغاوت کی تو سلیمہ سلطان بیگم وہاں خود گئی اور سلیم کو منا کر آگرہ ساتھ لے چلی اور جب سلیم آگرہ کے قریب پہنچا تو حمیدہ بیگم نے غایت محبت میں آگرہ سے باہر جا کر اس کا خیر مقدم کیا اور جب اپنے چہیتے پوتے سے ملی تو اسے گلے سے لگا لیا، دونوں پر رقت طاری ہوگئی، سلیم کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنے محل میں ٹھہرایا اور جب اکبر سے ملنے آیا تو سلیمہ سلطان اور حمیدہ بیگم دونوں نے جہاں گیر کو اکبر کے گلے سے لگا دیا (۳) لیکن یہ ملاپ زیادہ دن تک قائم نہیں رہا اور سلیم الہ آباد واپس ہو کر پھر باپ کے خلاف ہو گیا، اکبر اس مرتبہ خود ایک لشکر لے کر الہ آباد روانہ ہوا، جس سے حمیدہ بیگم کو بڑا دکھ ہوا اور شاید وہ اسی رنج میں صاحب فراش ہوگئی، ابھی اکبر راستہ ہی میں تھا کہ ماں کی علالت کی خبر پا کر واپس لوٹ آیا لیکن جب ماں کے پاس پہنچا تو اس کی حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ وہ بیٹے سے کچھ بول نہ سکی، اکبر کو انتہائی صدمہ ہوا اور جب اس کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوئی تو انتہائی غم میں داڑھی، مونچھ اور سر کے بال منڈوا دیے، اس کی خاطر ہزاروں امیر اور منصب داروں نے بھی یہی کیا اور جب جنازہ روانہ ہوا تو اکبر نے اس کو اپنے کاندھے پر خود اٹھایا، پھر امرا نے باری باری کاندھے دیے، لاش دہلی لائی گئی اور ہمایوں کے پہلو میں دفن کی گئی (۴)، مورخین اس کو مریم مکانی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، جو اکبر کی طرف سے عطا ہوا تھا، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اس کے بڑے بڑے القاب لکھے ہیں، مثلاً قدوۃ طاہرات، اسوۂ زاہرات، سراج حطیم عبادت، مشکوٰۃ حریم سعادت، نعمت کبرائے مائدۂ ربانی، دولت عظمائے

(۱) اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۸۵۔ (۲) دیباچہ انگریزی ہمایوں نامہ ص ۷۵۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۱۲۔ (۴) ایضاً ص ۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موہبت آسمانی وغیرہ وغیرہ۔(۱)

حاجی بیگم: بیگا بیگم عرف حاجی بیگم اکبر کی سوتیلی ماں تھی، اکبر حمیدہ بیگم کے بعد اسی کو محبوب رکھتا تھا، وہ حمیدہ بیگم کے ساتھ حج کے لیے بھی گئی، ۱۵۸۱ء میں ستّر سال کی عمر میں وفات پائی۔(۲)

جہاں گیر کی ماں: جہاں گیر کی ماں راجہ بہارامل کچھواہہ کی بیٹی اور راجہ بھگوان داس کی بہن تھی، محل میں وہ مریم الزمانی کہلاتی تھی، جہاں گیر اپنی ماں کا ذکر تزک میں بہت کم کرتا ہے، اس کے تیسرے سال جلوس میں اس کی شادی جگت سنگھ یعنی راجہ مان سنگھ کے لڑکے کی لڑکی سے ہوئی تو عقد کے مراسم مریم زمانی ہی کے مکان پر ادا ہوئے، جب تک زندہ رہی، جہاں گیر کے شہزادوں کا بھی نکاح اسی کے محل میں ہوتا رہا، اس کا انتقال جہاں گیر کے اٹھارہویں سال جلوس میں ہُوا، جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

"دریں والا از آگرہ خبر رسید کہ حضرت مریم الزمانی بقضائے ایزد سبحانہ بخلوت سرائے جاودانی شتافتند، امید کہ اللہ تعالیٰ ایشاں را غریق بحر رحمت خویش گرداند"۔(۳)

جہاں گیر کا خود بیان ہے کہ وہ شروع سے ماں کے بجائے اپنی رضاعی ماں کی گود میں پلا، جو حضرت شیخ سلیم چشتی کی صاحب زادی اور قطب الدین کوکہ کی ماں تھیں، جہاں گیر ان کا بڑا احترام کرتا، ان کا انتقال اس کے دوسرے سال جلوس میں ہوا تو وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"ذی قعدہ کے مہینہ میں قطب الدین خاں کوکہ کی والدہ رحمت ایزدی میں پیوست ہوگئیں، انہوں نے مجھ کو دودھ پلایا تھا اور میری والدہ کی جگہ پر تھیں، بلکہ ماں سے زیادہ مہربان رہیں، میں نے بچپن سے ان ہی کی گود میں پرورش پائی، میں اپنے کاندھے پر ان کا جنازہ اٹھا کر کچھ دور لے گیا اور ان کی وفات سے ایسا رنج والم طاری ہوا کہ کچھ روز تک نہ کھانے اور نہ لباس تبدیل کرنے کی خواہش ہوئی۔(۴)

جہاں گیر نے اپنی رضاعی ماں کی محبت میں اس کے لڑکے قطب الدین کو اپنی حکومت کے زمانہ میں بہت سی عنایتوں سے نوازا اور پنج ہزاری منصب دار بنا کر بنگال کا صوبہ دار بنایا، جہاں وہ

---

(۱) اکبر نامہ ج اول ص ۱۷ (۲) ہمایوں نامہ انگریزی ص ۲۲۰ (۳) تزک جہاں گیری ص ۷۰ (۴) ایضاً ص ۳۷۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مہر النسا (یعنی نور جہاں) کے شوہر شیر افگن خاں سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔(۱)

شاہ جہاں کی ماں: شاہ جہاں کی ماں موٹا راجہ اودے سنگھ کی لڑکی جگت گسائیں تھی، جو جودھ بائی کے نام سے مشہور ہے، وہ اپنی دانش مندی، خوش بیانی اور حاضر جوابی سے ممتاز رہی، اس کی وفات جہاں گیر کی زندگی ہی میں ہوگئی، اس لیے شاہ جہاں کو اپنی بادشاہت کے زمانے میں اس کی خدمت کرنے کا موقع نہ ملا لیکن اس کی حکومت میں اس کا لقب بلقیس مکانی رہا۔

شاہ جہاں اور نور جہاں: شاہ جہاں کے تعلقات نور جہاں سے اچھے نہیں رہے، نور جہاں کی کوشش برابر یہی رہی کہ وہ شہر یار کو جہاں گیر کا جانشین بنائے لیکن اس کی کوشش شورشِ بے مدعا بن کر رہی اور شاہ جہاں غالب آ کر تخت نشیں ہوا، شاہ جہاں نے اس کے لیے دو لاکھ روپیے کا سالانہ وظیفہ ضرور مقرر کیا لیکن دونوں میں اندرونی کشیدگی باقی رہی، جہاں گیر کے مرنے کے اٹھارہ سال کے بعد نور جہاں کی وفات ہوئی لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ اعتماد الدولہ اور جہاں گیر کے مقبرے کی بنانے والی خاتون لاہور میں ایک ایسے مقبرہ میں مدفون ہے، جو کس مپرسی کی حالت میں ہر زمانہ میں رہا اور رہے گا، گو یہ کہا جاتا ہے کہ نور جہاں نے اس کو اپنے لیے خود بنوایا تھا اور اس کی اپنی خواہش پر وہاں دفن کی گئی لیکن جس طرح اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو ممتاز محل کے پہلو میں دفن کر کے باپ کی مرضی کی خلاف ورزی کی، کیوں کہ شاہ جہاں نے اپنا مقبرہ جمنا کے دوسری جانب منتخب کیا تھا، اسی طرح اگر شاہ جہاں نے بھی اپنے باپ کی چہیتی اور محبوب بیوی کو اسی کے پہلو میں دفن کر دیا ہوتا، تو اس کی رواداری، فراخ حوصلگی اور تیموری خاندان میں سوتیلی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کی روایت کی پابندی اور وضع داری کا ثبوت ہوتا لیکن نور جہاں کے مقبرہ کی کس مپرسی اس حسن سلوک کی شہادت نہیں دیتی ہے، گو عالی شان مقبرہ میں دفن ہونا ایک غیر اسلامی فعل ہے لیکن معاشرتی اور روایتی حیثیت سے تیموری خاندان کے افراد کے عزت و وقار کا معیار یہی ہو گیا تھا کہ وہ مرنے کے بعد پر شکوہ مقبروں میں دفن کیے جائیں۔

اورنگ زیب کی ماں: اورنگ زیب کی ماں ممتاز محل کا انتقال شاہ جہاں کی زندگی میں ہو گیا تھا، اس

(۱) تزک جہاں گیری ص ۴۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے اس کو بھی اپنی بادشاہت کے زمانے میں ماں کی خدمت کا موقع نہ ملا لیکن جہاں آرا نے رفتہ رفتہ یہ جگہ لی، جہاں آرا داراشکوہ کی برابر پاس داری کرتی رہی لیکن دارا کی موت کے بعد اورنگ زیب کے التفات سے اس کی طرف مائل ہوتی گئی، اورنگ زیب نے اس کا سالانہ وظیفہ بارہ لاکھ سے سترہ لاکھ کر دیا اور کچھ دنوں کے بعد وہ پورے وقار کے ساتھ اس کو دہلی لے آیا، جہاں وہ پہلے اورنگ زیب ہی کے ساتھ مقیم رہی، پھر حویلی علی مروان خاں میں منتقل ہوگئی، اورنگ زیب یہاں برابر ملنے کو آتا رہا، وہ اپنے وزیر دانش مند خاں کو بھی برابر بھیجتا رہا، تاکہ اس کا جو حکم ہو وہ بجا لائے، وقتاً فوقتاً تحائف بھی اس کے یہاں پہنچتے رہے، اس دل جوئی کے بعد جہاں آرا کو وہ تمام رسوخ حاصل ہوگیا جو اس کو باپ کے زمانہ میں تھا، وہ بادشاہ بیگم کہلاتی رہی اور اسی کے گھر میں داراشکوہ کی لڑکی جہاں زیب بانو کی شادی اورنگ زیب کے تیسرے لڑکے محمد اعظم سے بہت دھوم دھام سے ہوئی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جہاں آرا نے دونوں بھائیوں کی اولاد کو یگانگت اور محبت کے رشتہ میں بھی منسلک کرنے کی کوشش کی اور جب ۷۷ برس کی عمر میں اس کی وفات ہوئی تو اس وقت اورنگ زیب برہان پور میں تھا، خبر پا کر روتا رہا، تین دن تک شاہی نوبت کا بجنا موقوف کرا دیا اور جب اس کا غم غلط ہوا تو اس نے بہن کے تمام ملازمین اور متعلقین کے ساتھ ہر قسم کے سلوک کو روا رکھا اور آیندہ سے سرکاری کاغذات میں صاحبۃ الزمانی لکھنے کی ہدایت کی (۱) یہ گویا مریم مکانی مریم زمانی اور بلقیس مکانی کے سلسلہ کا لقب تھا۔

بہادر شاہ اول کی ماں: بہادر شاہ اول کی ماں راجوری (کشمیر) کے راجہ راجو کی لڑکی تھی، اس طرح وہ بھی نومسلم راجپوت شہزادی کے بطن سے تھا، گو مورخوں نے اس کے عہد سلطنت میں اس کی ماں کو نسباً سید بتانے کی کوشش کی ہے اور تفصیل یہ لکھی ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں ایک بزرگ شاہ میر...... راجوری کی پہاڑیوں میں آکر عبادت و ریاضت کرتے تھے، راجوری کا راجہ ان کا معتقد ہوگیا، اپنی ایک لڑکی کو مسلمان بنا کر ان کے عقد میں دے دیا، اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی شاہ میر کچھ دنوں کے بعد حج کے لئے چلے گئے، وہاں سے واپس نہیں ہوئے راجہ نے

(۱) مآثر عالمگیری ص ۲۱۴، ۲۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑکے اور لڑکی کی پرورش کی اور ان کی ولدیت کا راز پوشیدہ رکھا، شاہ جہاں نے راجہ سے باج وخراج میں ایک لڑکی بھی طلب کی، تو راجہ نے سید زادی کو اس کے پاس بھیج دیا، محل میں وہ آئی تو اس کی باضابطہ تعلیم و تربیت ہوئی، شاہانہ آداب سکھائے گئے، زبان درست کرائی گئی، پھر شہزادہ اورنگ زیب سے نکاح پڑھایا گیا اور اس کا نام رحمت النسا رکھا گیا اور آگے چل کر نواب بائی ہوئی، خافی خاں لکھتا ہے:

''بہ حسن صورت و سیرت ذکا موصوف بود، بہ انواع صفت وخوبی آراستہ بود''(۱)

اس کا انتقال عالم گیر کے عہد ہی میں ۱۶۹۱ء میں ہو گیا تھا، اس لیے اپنے بیٹے کی بادشاہت کی بہار دیکھنے سے محروم رہی۔

جہاں دارشاہ کی ماں: جہاں دار شاہ بہادر شاہ اول کی بیوی نظام بائی کا لڑکا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی کوئی راجپوت شہزادی تھی، اس کی تفصیل کچھ اور نہ معلوم ہو سکی، اس کا انتقال جہاں دار شاہ کی تخت نشینی سے پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن جہاں دار شاہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اپنی پھوپھی زینت النسا کا احترام ماں ہی کی طرح کرتا تھا۔(۲)

فرخ سیر کی ماں: فرخ سیر بہادر شاہ اول کے لڑکے عظیم الشان کا بیٹا تھا، شہزادہ عظیم الشان کی ماں روپ سنگھ راٹھور کی لڑکی تھی (۳)، فرخ سیر اسی راجپوت شہزادی کا پوتا تھا لیکن اس کی ماں ایک کشمیری عورت تھی جس کا بھائی خواجہ عنایت اللہ شایستہ خاں تھا (۴)، فرخ سیر کی شادی راجہ اجیت سنگھ کی لڑکی سے ہوئی، تو یہ تقریب اس کی ماں ہی نے بہت دھوم دھام سے رچائی، مورخوں کا بیان ہے کہ یہ شادی جس شان و شوکت سے ہوئی، ہندوستان میں کسی راجہ اور بادشاہ کے عہد میں کوئی اور شادی نہ ہوئی تھی۔(۵)

رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات کی ماں: ان کی ماں نور النسا بنت شیخ باقی تھی، جو بہادر شاہ اول کے چوتھے لڑکے رفیع القدر رفیع الشان سے بیاہی ہوئی تھی۔

---

(۱) منتخب اللباب ج ۲ ص ۲۰۴۔ (۲) اردون لیٹر موغلز جلد اول ص ۱۹۵، ۱۴۱۔ (۳) مآثر عالمگیری ص ۴۹،
مآثر الامرا د جلد دوم ص ۲۷۰۔ (۴) اردون جلد اول ص ۱۴۴۔ (۵) سیر المتاخرین جلد دوم ص ۳۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد شاہ کی ماں: محمد شاہ کی ماں کا نام فخر النسا بیگم تھا، وہ شہر قاضی (؟) کی نسل سے تھی، محمد شاہ کی بادشاہت کے زمانے میں چودہ سال تک زندہ رہی، ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں وفات پائی، محمد شاہ کے عہد میں حضرت بیگم کہلاتی رہی اور خطاب نواب قدسیہ تھا(۱)، وہ ایک نومسلم عمال جان محمد کی لڑکی رحیم النسا کو بہت عزیز رکھتی تھی، کیوں کہ اس کے باپ نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کا لڑکا روشن اختر آگے چل کر بادشاہ ہوگا اور ایسا ہی ہوا، اس لیے محمد شاہ کے عہد میں اس کی ماں کی وجہ سے رحیم النسا کو محل میں بڑا رسوخ حاصل ہوا اور وہ مصلحۃً رضاعی بہن قرار دے دی گئی، اس لیے وہ کوکہ باکوکی جیو کہلاتی رہی، وہ بڑی چالاک اور ہوش مند عورت تھی، محمد شاہ نے ایک بار کہا کہ اگر وہ مرد ہوتی تو وہی اس کی وزیر ہوتی، کسی درباری نے تمسخر کیا کہ وزیر روشن الدولہ کی داڑھی اس کے چہرہ پر لگا دی جائے، اسی کے پاس شاہی مہر رہتی اور وہی اہم کاغذات پر مہر لگاتی، دربار کی سازشوں میں اس کا حصہ بھی رہتا اور وہ بڑی بڑی رقمیں لے کر امرا کو عہدے اور منصب (۲) دلاتی۔

احمد شاہ کی ماں: محمد شاہ کے لڑکے اور جانشین احمد شاہ کی ماں اودھم بائی ایک نومسلمہ رقاصہ تھی، جو محمد شاہ کی محبوبہ بن کر اس کی بیگمات میں داخل ہوگئی، احمد شاہ جب تخت نشیں ہوا تو اس کو بائی جیو صاحبہ، نواب قدسیہ صاحب الزمانی صاحب جیو صاحبہ، حضرت اور قبلۂ عالم وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کو پانچ لاکھ سوار کا منصب عطا کیا گیا، اس کی سال گرہ بہت دھوم دھام سے منائی جاتی اور اس کا بھائی مان خاں ایک ادنیٰ درجہ کا نچنیا اور گویا تھا لیکن اس کو چھ ہزاری منصب اور معتقد الدولہ بہادر کا خطاب دیا گیا اور وہی احمد شاہ کی جگہ حکومت کرنے لگی، امرا اس کی ڈیوڑھی پر جاتے وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر خواجہ سراؤں کے ذریعہ ان سے باتیں کر کے احکام صادر کرتی اور اس کا حکم آخری سمجھا جاتا، اس کا سب سے بڑا معتمد علیہ ایک خواجہ سرا جاوید خاں تھا، جو برابر اس کے ساتھ محل میں رہتا، اس کو ہفت ہزاری منصب دے کر نواب بہادر کا خطاب بھی دیا گیا، جس کے ساتھ ماہی مراتب نوبت اور مرصع پالکی استعمال کرنے کی بھی اجازت دی گئی، کسی اور زمانہ میں ایک خواجہ سرا کو اتنا عروج نہیں ہوا، محل کے ملازمین اس کو پسند نہ کرتے، وہ اودھم بالی اور جاوید خاں

(۱) منتخب اللباب ص ۹۳۶۔ (۲) منتخب اللباب ص ۹۴۔ اردن جلد دوم ص ۱۶۵-۲۶۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دونوں کے مخالف ہو گئے، ایک روز محل کے پھاٹک پر ایک گدھے اور کتیا کو باندھ دیا گیا اور جو امرا آتے، ان سے ان ہی دونوں کو مجرا بجالانے کو کہا جاتا، گدھا گویا جاوید خاں تھا اور کتیا اودھم بائی تھی، امرا بھی ان دونوں کے مخالف رہے(۱)، جہاں دار کی طوائف لال کنور کی بدعنوانیوں اور بدمستیوں سے محل کی عزت و ناموس پر حرف آ ہی چکا تھا، بچا کھچا وقار اودھم بائی کی حرکتوں سے جاتا رہا۔

عالم گیر ثانی کی ماں: وہ جہاں دار شاہ کا لڑکا تھا اور انوپ بائی کے بطن سے ملتان میں ۱۰۹۹ھ (۸۸-۱۶۸۷ء) میں پیدا ہوا(۲)، اس کا انتقال عالم گیر ثانی کی تخت نشینی سے پہلے ہو چکا تھا، کیوں کہ وہ ۵۴ سال کی عمر میں ۱۷۵۴ء میں بادشاہ بنایا گیا، شہزادگی کے زمانے میں اس کا نام عزیز الدین تھا۔

شاہ عالم کی ماں: عالم گیر ثانی کا جانشین شاہ عالم اس کا بیٹا تھا، اس کی ماں کا نام نواب زینت محل تھا جو شاہ فخر الدین دہلوی سے بہت عقیدت رکھتی تھی، اس نے ان کی خدمت میں ایک رتھ بھی گذرانی (۳)

بیویوں سے لگاؤ: تیموری خاندان کے تمام فرماں رواؤں کو بھی اپنی اپنی بیویوں سے بڑا والہانہ لگاؤ رہا، اس کی ابتدا خود تیمور کی ذات سے ہوتی ہے، اس کی پہلی شادی شہزادی الجائی سے ہوئی، جو خاتون آغا کہلانے لگی اور گو وہ زیادہ دنوں رفاقت نہیں کر سکی لیکن جب تک زندہ رہی، تیمور کے پہلو میں کوئی دوسری عورت نہ بیٹھ سکی، اس کے مرنے کے بعد تیمور نے اپنی زوجیت میں اور عورتوں کو لیا، ان میں سرائے ملک خانم بڑی ملکہ اور شہزادی خان زادہ چھوٹی ملکہ کہلاتی تھیں، سرائے ملک خانم امیرزادہ شاہرخ کی ماں تھی اور امیرزادہ محمد سلطان اور امیرزادہ پیر محمد کی ماں شہزادی خان زادہ تھی، سرائے ملک خانم جب کبھی کسی بات کی سفارش کرتی تو تیمور کے لیے اس کا رد کرنا مشکل ہو جاتا، ایک بار اس نے ایک کنیز شہزادی ملک کے قتل کا حکم صادر کر دیا تھا لیکن سرائے ملک خانم بیچ میں پڑی تو تیمور نے اس حکم کو منسوخ کر دیا(۴)، تیمور جب کبھی باہر سے فاتح و کامراں آتا تو اس پر موتی اور سونا نچھاور کیا جاتا، یہاں تک کہ اس کے گھوڑے کے قدموں پر جواہرات کا فرش بچھ جاتا، نچھاور

(۱) فال آف دی موغل امپائر از جدو ناتھ سرکار جلد اول ص ۹۰-۱۸۸۔ (۲) اردن جلد اول ص ۲۴۲۔ (۳) فخر الطالبین ص ۱۰۵ بحوالہ مشائخ چست ص ۵۰۳۔ (۴) ظفر نامہ جلد دوم ص ۴۱-۷۴۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والیوں میں تیمور کی بیگمات بھی ہوتیں۔

تاتاری عورتوں کا مال شوہر کے مال سے جدا ہوتا تھا، اس مال میں شادی کے وقت ماں باپ کی دی ہوئی چیزیں اور شادی کے بعد شوہر کے دیے ہوئے تحفے بھی شامل ہوتے تھے، عورتیں اپنا ساز و سامان نوکر چاکر سب علاحدہ رکھتی تھیں، محلوں میں ان کے رہنے کا مکان اور سفر میں ان کے خیمے وخرگاہ جدا ہوتے تھے، ہیرلڈ لیمب نے لکھا ہے کہ یورپ کی بہنوں کی طرح تاتاری عورتیں کارچوب پر گل دوزی یا کارگاہ پر گلیم یا دیوار پوشوں پر گل بوٹے کاڑھنے میں اپنا وقت صرف نہ کرتی تھیں، بلکہ وہ مردوں کے ساتھ لڑائیوں میں جاتیں اور یہاں ان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوتی کہ مبارزوں کے بچوں کی پرورش کریں اور جشن فتح میں بیٹھ کر خوش ہوں، (۱) یہ باتیں تیموری خاندان میں بھی باقی رہیں، اکبر سے لے کر آخری دور تک بیگمات کے رہنے کے علاحدہ علاحدہ محلات اور حصے تھے اور جب ان کے شوہر کسی فوجی مہم پر کہیں جاتے تو وہ بھی ساتھ ہوتیں اور ان کے ساتھ ان کا بھی یکساں حشر ہوتا، یہاں پر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام نے ایک وقت میں چار بیویوں کا شوہر ہونا جائز رکھا ہے، اگر ان بادشاہوں میں کسی نے اس کی پابندی نہیں کی تو یہ اسلامی قانون کی سراسر خلاف ورزی تھی، چار بیویوں کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اس لیے جن بادشاہوں نے چار بیویوں کے علاوہ کوئی بیوی رکھی تو وہ معصیت کا ارتکاب کرتے رہے، کنیزوں کا رکھنا اس وقت جائز ہے جب وہ میدانِ جنگ میں واقعی حاصل ہوئی ہوں، کہیں سے کسی عورت کو حرم میں لاکر رکھ دینا اور اس کو کنیز سمجھنا ہرگز جائز نہیں۔

بابر کی بیویاں: بابر کی پہلی شادی اس کی چچازاد بہن عائشہ سلطان بیگم سے ۸۹۴ھ (۱۴۸۸ء) میں ہوئی، جو سمرقند کے والی سلطان احمد میرزا سیران شاہ اور قتلق بیگم کی لڑکی تھی، بابر اس شادی کے متعلق خود لکھتا ہے کہ سلطان احمد میرزا کی تیسری بیٹی عائشہ سلطان بیگم تھی، میں پانچ برس کا تھا تو سمرقند گیا، وہاں اس سے میری منگنی ہوگئی، اس کے بعد لڑائی جھگڑوں کے زمانے میں جب وہ خجند آئی تو میں نے اس سے شادی کرلی، جب میں نے دوسری دفعہ سمرقند فتح کیا تو اس کے یہاں بیٹی

(۱) تیمور از ہیرلڈ لیمب اردو ترجمہ از محمد عنایت اللہ ص ۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوئی، جو چند دنوں کے بعد مرگئی، وہ تاشقند کی ویرانی سے پہلے اپنی بڑی بہن کے بہکانے سے مجھ سے علاحدہ ہوگئی تھی، (۱) ایک دوسرے موقع پر اسی شادی کے متعلق لکھتا ہے:

''اگرچہ ابتدا میں جب کہ نئی نئی شادی ہوئی مجھے اس سے بہت محبت تھی، مگر شرم کی وجہ سے دسویں، پندرہویں، بیسویں دن اس کے پاس جایا کرتا تھا، آخر خود ہی وہ محبت نہ رہی اور حجاب اور زیادہ ہوگیا، مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میری والدہ خانم نے بہت دھمکایا اور بڑی دقتوں سے مجھے اس کے پاس بھیجا۔'' (۲)

بابر کی دوسری شادی ۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء) میں سمرقند کے سلطان محمود میرزا کی پانچویں بیٹی زینب سلطان بیگم سے ہوئی، جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے:

''جب میں نے کابل لے لیا، تو اپنی والدہ قتلق نگار خانم کے کہنے سے میں نے زینب سلطان بیگم سے شادی کر لی، مگر کچھ موافقت نہ ہوئی، دو تین برس کے بعد چیچک کے مرض سے اس کا انتقال ہوگیا۔'' (۳)

یہ بھی بابر کی چچازاد بہن اور سلطان احمد میرزا کی بھتیجی تھی، اس کی ماں کا نام خان زادہ بیگم تھا اس کی تیسری شادی ماہم بیگم سے ہوئی، جو خراسان کے کسی امیر کے خاندان سے تھی اور شیعہ تھی، بابر کو اس سے بڑی محبت رہی، گلبدن بیگم نے لکھا ہے کہ جو محبت رسول اللہ کو حضرت عائشہ سے تھی یہی محبت بابر کو ماہم بیگم سے تھی، بابر نے اس سے ہرات میں ۹۱۲ھ (۱۵۰۶ء) میں شادی کی، ہمایوں اسی کے بطن سے ۱۵۰۸ء (۹۱۳ھ) میں پیدا ہوا، اس سے چار اور اولاد ہوئی، جن کے نام باربل، مہر جان، انسان، دولت تھے لیکن ان میں کوئی زندہ نہیں رہا، (۴) بابر کو چوں کہ اس سے محبت تھی، اسی بنا پر وہ ہمایوں کو اپنا جانشین بنانے پر مجبور ہوا۔

ماہم بیگم کابل سے آگرہ آئی تو بابر اس کے پیشوائی کے لیے بے تابانہ بڑھا، وہ کول (یعنی علی گڑھ) کے پاس پہنچی تو بابر نے اس کے لیے دو محافے اور تین سوار بھیجے اور خود بھی روانہ ہونا چاہتا

---

(۱) بابر نامہ ص ۲۱۔ (۲) بابر نامہ ص ۵۷۔ (۳) بابر نامہ ص ۲۹۔ (۴) ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم انگریزی ص ۲۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ اس کو خبر ملی کہ آگرہ سے دو گروہ قریب پہنچ گئی ہے، اپنے گھوڑے کا انتظار کیے بغیر پاپیادہ چل کھڑا ہوا اور جب ماہم کے پاس پہنچا تو ماہم سواری سے اترنا چاہتی تھی لیکن بابر نے اترنے نہ دیا اور خود پاپیادہ آگرہ تک آیا۔(۱)

اس کا چوتھا نکاح معصومہ سلطان بیگم سے ۹۱۳ھ (۱۵۰۷ء) میں ہوا(۲)، اس سے ایک لڑکی ہوئی لیکن زندہ نہ رہی اور خود بھی اسی ولادت کے سلسلہ میں جاں بحق ہوگئی، وہ سلطان احمد میران شاہی کی چھوٹی لڑکی تھی، اس کی ماں کا نام حبیبہ سلطان تھا، اس طرح بابر کی پہلی بیوی عائشہ کی سوتیلی بہن تھی (۳)، شادی سے پہلے بابر اس کے سوزِ عشق میں جلا کرتا تھا۔

اس کا پانچواں نکاح گل رخ بیگم سے ۹۱۴ھ اور ۹۲۵ھ (۱۵۰۸ء-۱۵۱۹ء) کے درمیان ہوا، کامران اور عسکران اسی کے بطن سے پیدا ہوئے، اس سے تین اور لڑکے شاہ رخ، احمد اور گلزار ہوئے جو بچپن ہی میں مر گئے۔(۴)

اس کا چھٹا نکاح دل دار بیگم سے ہوا، جس سے گل رنگ ۱۵۱۱ء اور ۱۵۱۵ء کے درمیان پیدا ہوئی اور الور بھی اسی کا لڑکا تھا جو ہندوستان میں ۱۵۲۹ء میں مرا، گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں اس کا ذکر بہت احترام سے کیا ہے۔

اس کا ساتواں نکاح ۱۵۱۹ء میں مبارکہ بی بی سے ہوا، جو قبیلہ یوسف زئی سے تھی، بابر یوسف زئی سے برسرپیکار ہوا تو وہ وہاں کے قبیلہ کے ایک سردار شاہ منصور کی لڑکی مبارکہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر فریفتہ ہوگیا، بابرنامہ میں ایک شعر اس طرح درج ہے:

صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را ☆ کہ سر بکوہ وبیاباں تو دادۂ ما را

بابرنامہ کے انگریزی مترجم کا خیال ہے کہ بابر نے یہ شعر مبارکہ ہی کے لیے لکھا ہے(۵)، اس قبیلہ سے صلح اسی پر ہوئی کہ مبارکہ کی شادی بابر سے کر دی جائے، مبارکہ نے حجلۂ عروسی میں بابر سے پہلا وعدہ یہی لیا کہ وہ یوسف زئی کا دشمن کبھی نہ ہوگا، بابر نے وعدہ کر کے اس کا ایفا بھی کیا، بابر

---

(۱) ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم انگریزی ص ۱۷۔ (۲) بابرنامہ ص ۲۱۴۔ (۳) ہمایوں نامہ انگریزی ص ۲۶۲۔ (۴) ایضاً ص ۲۲۴۔ (۵) بابرنامہ ص ۳۷۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن خود اس کو بابر سے بڑی محبت رہی آخر وقت میں بابر کے بستر مرگ کے پاس وہی تھی، بابر کی لاش ہندوستان سے کابل اسی کی نگرانی میں گئی (۱) وہ اکبر کے ابتدائی عہد حکومت تک زندہ رہی۔

گل نار آغاچہ اور نار گل آغاچہ اس کی دو کنیزیں تھیں، ان کو شاہ طہماسپ نے بابر کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجا تھا جو اس کے مرنے کے بعد برابر ہمایوں کے ساتھ رہیں۔ (۲)

ہمایوں کی بیگمات: ہمایوں کی پہلی بیوی بیگہ بیگم تھی جو بعد میں حاجی بیگم بھی کہلاتی تھی اور وہ ایک عرصۂ دراز تک ہمایوں پر چھائی رہی، (۳) ۱۵۳۹ء میں چونسہ کی جنگ ہوئی تو بیگہ بیگم میدان جنگ میں ہمایوں کے ساتھ تھی، شکست کے بعد کچھ ایسی بھگدڑ مچی کہ ہمایوں اپنی بیگمات کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکا اور بیگہ بیگم دوسری بیگمات کے ساتھ شیر خاں کے قبضہ میں آگئی لیکن شیر خاں نے اس کو پورے احترام کے ساتھ ہمایوں کے پاس بھجوادیا (۴) اور آخر وقت تک اسی کا دم بھرتی رہی اور جب وہ مرا تو اسی کی نگرانی میں اس کا مقبرہ بنا اور اس کی تعمیر کے دوران میں وہیں مقیم رہی، کہا جاتا ہے کہ اس مقبرہ کے تمام اخراجات خود اسی نے برداشت کیے (۵)، اکبر کو اس سے بڑی محبت تھی اور اسی کو دوسری ماں سمجھتا رہا، ہمایوں جب کبھی اس سے بے التفاتی کرتا تو وہ گلہ مند ہوتی، پہلے ذکر آچکا ہے کہ ہمایوں اپنی بوڑھی رشتہ دار خواتین کے ساتھ وقت گذارتا اور ان کی دل جوئی کی خاطر ان ہی کے یہاں عیش و عشرت کی مجلس گرم کرتا، ایک موقع پر بیگہ بیگم کو یہ ناگوار گذرا اور اس نے ہمایوں سے شکایت کر کے کہا کہ آخر یہ مجلسیں میرے یہاں بھی ہوسکتی ہیں اور میرے پاس بھی تو دل ہے، ہمایوں کو یہ ناگوار گذرا اور اس نے اپنی بہنوں اور سوتیلی ماؤں کو جمع کر کے کہا کہ میں اپنی انہی رشتہ دار خواتین کی دل جوئی میں لگا رہتا ہوں، جو بیگمات کی بھی رشتہ دار ہیں، اگر میں اپنی بیگمات کے یہاں آنے جانے میں تاخیر کروں تو ان کی سعادت مندی ہے کہ وہ سمجھیں کہ جو میری مرضی ہے، وہی ان کی مرضی بھی ہے، یہ سن

---

(۱) ہمایوں نامہ انگریزی ص ۳۳۶، بابر نامہ انگریزی جلد دوم ضمیمہ ص ۳۶۔ (۲) ہمایوں نامہ فارسی ص ۴۷۔ (۳) ایضاً ص ۲۷-۳۷۔ (۴) الیٹ جلد چہارم ص ۳۷۶۔ (۵) اکبر نامہ انگریزی ص ۵۱۳۔ نوٹ جلد دوم اکبر از وی راے اسمتھ ص ۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر اور بیگمات نے اس سے اتفاق کیا، مگر بیگہ بیگم نے یہ کہہ کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا کہ یہ عذر بدتر از گناہ ہے لیکن اس تکدر کے باوجود وہ ہمایوں کی اطاعت گذار بنی رہی۔(۱)

ہمایوں کی دوسری بیوی بی بی گونور تھی، اس سے ایک لڑکی بخشی بانو بیگم پیدا ہوئی (۲)، چاند بی بی اور شادبی بی بھی اس کی بیویاں تھیں جو چونسا کی شکست کے بعد گنگا میں ڈوب کر مر گئیں۔(۳)

گل برگ بیگم برلاس بھی ہمایوں کی ایک بیوی تھی (۴)، وہ بابر کے رفیق کار نظام الدین خلیفہ کی لڑکی تھی، ہمایوں کی ایک دوسری بیوی کا نام میوہ جان تھا، جس کو ہمایوں نے اپنی ماں کے کہنے پر اپنی زوجیت میں اس لیے لیا تھا کہ اس سے کوئی اولاد نرینہ ہو، وہ ایک یساول کی لڑکی تھی، اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

۱۵۴۱ء میں ہمایوں کی شادی حمیدہ بیگم سے ہوئی جس کی تفصیل دل چسپ ہے، ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر سندھ کے ریگستانوں میں صحرا نوردی کر رہا تھا، ایک دن سیہوان کے علاقہ پاتر میں اپنے سوتیلے بھائی ہندال کی ماں دل دار بیگم سے ملنے آیا، اس موقع پر ہندال کے یہاں تمام عورتیں جمع ہوئیں، انہی میں حمیدہ بانو بھی تھی جو ہندال کے اخوند میر بابا دوست مشہدی کی لڑکی تھی، ہمایوں کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کی طرف بے اختیار کھنچ گیا اور جب ہمایوں نے اپنی شادی کا پیام دیا تو میرزا ہندال کو ناگوار گذرا، کیوں کہ وہ اس کو اپنی سگی بہن کے برابر سمجھتا تھا لیکن دل دار بیگم کو اپنے لڑکے سے زیادہ ہمایوں کی ناگواری کا خیال ہوا اور وہ خود درمیان میں پڑ کر یہ رشتہ کرانے پر آمادہ ہوگئی لیکن حمیدہ بانو کی ماں کو یہ رشتہ پسند نہ تھا، کیوں کہ حمیدہ بانو پستہ قد تھی اور ہمایوں کا قد بہت لمبا تھا، پھر دونوں کی عمر میں بڑا تفاوت تھا، حمیدہ اس وقت ۱۴ سال کی تھی اور ہمایوں ۱۹ سال اس سے بڑا تھا، پھر بھی دل دار بیگم مایوس نہیں ہوئی اور اس نے اپنی کوشش جاری رکھی، ایک بار ہمایوں پھر اس کے گھر آیا اور حمیدہ بانو کو اس کے سامنے آنے کی دعوت دی گئی تو اس نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ بادشاہ کے سامنے آنے کا ایک بار شرف حاصل ہو چکا تو پھر دوسری بار کس لیے آؤں، ہمایوں کو ضد ہوئی تو اس نے ہندال کے پاس آدمی بھیجا لیکن حمیدہ بانوں نے پھر کہلا بھیجا کہ ایک بار

(۱) ہمایوں نامہ ص ۳۸۔ (۲) ایضاً ص ۴۹۔ (۳) ایضاً ص ۴۲۔ (۴) ایضاً ص ۱۴۸ انگریزی ص ۲۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ کے سامنے آنا تو جائز ہے لیکن وہ نامحرم ہے، اس لیے دوسری بار جانا ناجائز ہے، ہمایوں نے کہلا بھیجا کہ وہ اس نامحرم کو محرم بنالے، چالیس روز تک یہی نامہ و پیام رہا اور حمیدہ بانو کسی طرح شادی کے لیے راضی نہ ہوتی تھی، ایک روز دل دار بیگم نے اس کو سمجھایا کہ آخر اس کو کسی سے شادی تو کرنی ہی ہے، پھر ایک بادشاہ سے کیوں نہ کرے، حمیدہ نے چڑھ کر کہا شادی ایسے آدمی سے ہو کہ میں اس کا گریبان پکڑ سکوں نہ کہ ایسے آدمی سے ہو جس کا دامن بھی نہ چھو سکوں، یہ معنی خیز جملہ اس لحاظ سے بھی تھا کہ ہمایوں بہت دراز قد تھا، بالآخر حمیدہ بانو راضی کی گئی اور دونوں کا نکاح پاتر میں ۹۴۸ھ (۱۵۴۱ء) میں انجام پایا، میر ابوالبقا نے نکاح پڑھایا، جس کے انعام میں ہمایوں نے اس مصیبت کے عالم میں بھی دو لاکھ نکاحانہ دیے۔(۱)

یہ شادی اس لیے اہم ہوگئی کہ حمیدہ بانو شیعہ تھی، اس کا باپ میر بابا دوست شیخ احمد زندہ پیل کے خاندان سے تھا، مشہد کا رہنے والا تھا، پہلے ہندال سے وابستہ ہوا، آگے چل کر ہمایوں کے امرا میں ہوگیا، ہمایوں کی ماں بھی شیعہ تھی، ہمایوں سلطنت کھو کر ایران پہنچا تو اس کی چہیتی بیوی حمیدہ بانو ساتھ تھی، اس لیے شاہ ایران کو ہمایوں سے ہمدردی پیدا ہوئی اور اس نے ہمایوں کو کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے میں بڑی مدد پہنچائی، حمیدہ بانو بھی ایک وفا شعار اور اطاعت گذار بیوی بن کر برابر ساتھ رہی اس کی قدر و منزلت اسی وجہ سے بھی زیادہ ہوگی کہ ہمایوں کو اب تک کسی بیوی سے اولاد نرینہ نہ ہوئی تھی، امرکوٹ میں جب ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا تو اس کی اور اس کے خاندان والوں کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہوگئی، حمیدہ بانو کی آزمائش اس وقت ہوئی جب ہمایوں نے اس کو اپنے اکلوتے بچہ کو قندھار میں چھوڑ دینے کو کہا ماں کی مامتا شوہر کی اطاعت گذاری کے نیچے دب کر رہ گئی اور وہ بچہ چھوڑ کر شوہر کے ساتھ قسمت آزماتی پھری، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اس کے لیے لمبے لمبے القاب لکھے ہیں جن میں کچھ یہ ہیں:

''ولیۂ عصر، بازغۂ دہر، کاملۂ آموزگار، چراغ خاندانی ولایت، صفوت زمین و زماں، رفعت بخش طیلسانی عصمت وغیرہ۔(۲)

---

(۱) ہمایوں نامہ گل بدن بیگم ص ۵۳-۵۱۔ (۲) اکبر نامہ جلد اول ص ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن عام طور سے وہ مریم مکانی کہلاتی رہی۔

۱۵۴۶ء میں ہمایوں نے بیرم اغلان کی بہن ماہ چوچک بیگم سے نکاح کیا، اس سے دولڑکے محمد حکیم اور فرّخ فال اور چار لڑکیاں بخت النسا، سکینہ بانو، آمنہ بانو اور فخر النسا ہوئیں، ماہ چوچک شاہ ابوالمعالی کے ہاتھوں کابل میں قتل ہوئی۔ (۱)

اکبر کی بیگمات: ﴿۱﴾ اکبر کی پہلی بیوی (زن کلاں) سلطان رقیہ بیگم تھی، جو مرزا ہندال کی لڑکی تھی، اس نے ۸۴ برس کی عمر پائی لیکن لاولد رہی، جہاں گیر کے عہد میں ۱۰۳۵ھ میں انتقال کیا، شہزادہ خرم کی پرورش اسی نے کی اور جب نور جہاں کے پہلے شوہر شیر افگن کا انتقال ہوا، تو وہ بنگال سے آکر اسی کے یہاں رہی۔ (۲)

﴿۲﴾ اکبر کی دوسری بیوی عبداللہ خاں مغل کی لڑکی تھی، عبداللہ مغل کی بہن مرزا کامران سے بیاہی تھی، ابوالفضل نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

''بہ اصالت موصوف بود'' (۳)

﴿۳﴾ اکبر کی تیسری بیوی سلیمہ سلطان بیگم تھی، یہ بابر کی نواسی اور گل رخ بیگم اور میرزا نورالدین محمد نقشبندی کی لڑکی تھی، پہلے ہمایوں کی خواہش کے مطابق خانخاناں بیرم خاں سے بیاہی گئی، اس کے انتقال کے بعد اکبر کے حبالۂ عقد (۹۶۵ھ) ۱۵۵۷ء میں آئی، سیاسی واقعات میں اس کا نام نمایاں اس وقت ہوا، جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، سلیمہ سلطان ہی کی کوشش سے اکبر اور سلیم میں مصالحت ہوئی، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، وہ حمیدہ بانو بیگم اور گل بدن بیگم کے ساتھ حج کے لیے بھی گئی، جہاں گیر کے ساتویں سال جلوس میں اس کا انتقال ہوا اور اپنے لگائے ہوئے باغ منڈاکر میں مدفون ہے، ہمایوں اپنی تزک میں اس کی بڑی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ تمام صفات سے آراستہ تھی اور جو ہنر و قابلیت اس میں تھی، وہ عورتوں میں کم ہوا کرتی ہے، اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا، شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتی تھی اور مخفی

---

(۱) ہمایوں نامہ انگریزی ص ۶۰ ۲ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۵۸۔ (۲) آئین اکبری، بلاخ من ص ۳۲۱ و ہمایوں نامہ گل بدن نامہ بیگم انگریزی ص ۲۷۴۔ (۳) اکبر نامہ جلد دوم ص ۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تخلص کرتی تھی، ابوالفضل (۱) نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

''آں دردانہ یکتائے فطرت بہ اصالت نسب وجلالت حسب از مخدرات سرادق عصمت ومکنونات معادن عفت ممتاز بود'' (۲)

﴿۴﴾ ۹۶۸ھ (۱۵۶۰ء) میں اکبر کے حرم میں امبر کے کچھواہہ خاندان کے راجہ بہاری مل کی لڑکی اور راجہ بھگوان داس کی بہن داخل ہوئی، اس ازدواجی رشتہ کے متعلق ابوالفضل نے صرف اتنا لکھا ہے کہ بہاری مل نے سانبھر میں اپنی صبیۂ سعادت سرشت کی شادی کا دل کش جشن منایا، دلہن کا نام لیے بغیر لکھتا ہے کہ اس کی پیشانی سے فروغ عفت ودانش ظاہر ہوتا تھا (۳)، طبقات اکبری کے مؤلف نے بھی اس رشتہ کے ذکر میں اختصار سے کام لیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ اکبر اپنی تخت نشینی کے چھٹے سال میں اجمیر زیارت کے لیے جارہا تھا کہ سانبھر میں راجہ بہارا (بہاری) مل نے اپنے لڑکے بھگوان داس کے ساتھ حاضر ہوکر ''کمالِ ارادت'' اور ''صدقِ اخلاص'' کے اظہار کرنے کا شرف حاصل کیا اور اپنی لڑکی کو اکبر کی زوجیت میں دے کر امتیاز پایا، مؤلف طبقات اکبری لڑکی کا نام لیے بغیر اس کو ''مخدرۂ عصمت'' لکھ کر خاموش ہوجاتا ہے (۴)، سبحان رائے کی خلاصۃ التواریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر نے اپنے آبا واجداد کے طریقہ پر اس سے نکاح کیا، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

''راجہ بہاری مل کچھواہہ سرفرازی خویش دریں دانستہ صبیۂ خودرا درعقد نکاح حضرت خاقانِ زماں درآورد''۔

بروزی کہ طالع برومند بود ☆ نظر ہا سزاوار پیوند بود
جہاں دار بر سم آبائے خویش ☆ پری چہرہ را کرد ہمتائے خویش (۵)

محل میں آنے کے بعد اس کا لقب مریم زمانی ہوا، فتح پور سیکری میں جب اس کے لیے محل

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۱۱۴، مآثر الامرا جلد اول ص ۳۷۶ بزم تیموریہ ص ۴۴۰۔ (۲) اکبر نامہ جلد دوم ص ۶۴۔ (۳) اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۵۶-۱۵۷۔ (۴) طبقاتِ اکبری جلد دوم ص ۱۵۵۔ (۵) خلاصۃ التواریخ قلمی نسخہ دارالمصنفین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنایا گیا تو اسی کے لقب کی نسبت سے اس کا محل مریم کا محل اور چمن مریم کا چمن کہلایا، یہ لقب بتاتا ہے کہ وہ محل میں آنے کے بعد مسلمان ہوگئی تھی، اس نے لاہور میں ایک مسجد بنوائی، جس میں ایک کتبہ اسی کا لکھوایا ہوا ہے،(۱) مرنے کے بعد وہ مسلمانوں کی طرح دفن کی گئی، اس کا مقبرہ آگرہ میں خواجہ کی سرائے کے پاس ہے،(۲) وہ محل میں اس لیے نمایاں اور محبوب ہوگئی کہ اسی کے بطن سے اکبر کا ولی عہد شہزادہ سلیم پیدا ہوا، اکبر کی اور بیویوں سے بھی اولادیں پیدا ہوئیں لیکن وہ زندہ نہیں رہیں، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ۹۷۲ھ (۱۵۶۵ء) میں اکبر کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے، تو محل میں غیر معمولی خوشی منائی گئی اور ان کے نام حسن اور حسین رکھے گئے لیکن وہ ایک مہینے کے ہوکر مر گئے، تو اکبر کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا(۳)، ابوالفضل نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ بچے اکبر کی کس بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، وہ عموماً اکبر کی بیگمات کے نام لکھنے میں بخل سے کام لیتا ہے، شاید اس کو سوءِ ادب سمجھتا ہو، اسی طرح ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں وہ شہزادہ سلیم کی ولادت کا ذکر کئی صفحوں میں کرتا ہے(۴) لیکن اس کی ماں کا نام نہیں لکھتا ہے، گو یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ بہاری مل کی لڑکی تھی اور جب وہ حاملہ ہوئی تو اس کو شیخ سلیم الدین چشتی کے پاس بھیج دیا گیا(۵)، پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اکبر کے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ یہ بچہ ان ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، اس لیے جب شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو خوشی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کی زیارت کے لیے آگرہ سے اجمیر پا پیادہ گیا، راستہ میں روپیے اور اشرفیاں لٹاتا گیا، روزانہ دس بارہ کوس پیدل چلتا اور جب وہاں پہنچا تو اپنی جبین اخلاص کو آستانہ پر رگڑ کر فیوض و برکات کا طلب گار رہا، وہاں برابر عبادت میں مشغول رہا، شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کے لیے کئی عمارتیں بھی بنوائیں۔(۶)

﴿۵﴾ اسی سال تین مہینہ کے بعد ایک دوسری بیوی سے اکبر کی ایک لڑکی پیدا ہوئی،

---

(۱) اکبر دی گریٹ از وی، اے اسمتھ ص ۵۷۔ (۲) تاریخ آگرہ از سید عبداللطیف ص ۱۹۲۔ (۳) اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۶، ۲۳۵۔ (۴) اکبر نامہ جلد دوم ص ۵۱-۳۴۳۔ (۵) تزک جہاں گیری ص ۳-۲۔ (۶) اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کا نام خانم سلطان رکھا گیا، مورخین اس کی ماں کا نام بھی نہیں لکھتے، جہاں گیر اپنی تزک میں صرف اتنا لکھتا ہے کہ:

"بعد سہ ماہ از تولد من ہمشیرہ ام شاہزادہ خانم از شکم یکے از خواصان تولد یافت دادرا بوالدہ خود مریم مکانی سپردند" (۱)

شہزادہ سلیم کی پیدائش کے دس مہینہ کے بعد ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) میں شہزادہ مراد پیدا ہوا، اس کی ولادت کے موقع پر بھی بڑی خوشی منائی گئی، (۲) اس کی ماں کا نام بھی معلوم نہ ہوسکا، جہاں گیر نے اس کے بارہ میں صرف اتنا لکھا ہے:

"پسر ہم یکے از خواصان و خدمت گاراں متولد گردید اوراشاہ مراد نام گردانید، چوں تولداو در کوہستان فتح پور روے دادہ بوداوراپہاڑی مخاطب می ساختند" (۳)

دو سال کے بعد ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) میں شہزادہ دانیال کی پیدائش ہوئی، وہ اجمیر میں شیخ دانیال کے گھر میں تولد ہوا، اسی لیے اس کا نام دانیال رکھ دیا گیا، (۴) جہاں گیر اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"از خواصی دیگر پسرے بوجوہ آمدہ اورادانیال نام داشتند"۔ (۵)

اکبر کی دو لڑکیاں اور تھیں، ان کے نام شکرالنسا بیگم اور آرام بانو بیگم تھے، جو دانیال کے بعد پیدا ہوئیں۔

﴿۶﴾ ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) میں اکبر کی نظر آگرہ کے ایک شخص عبدالواسع کی بیوی پر پڑی جو بہت ہی حسین و جمیل تھی، اکبر نے اس عورت کے باپ اور شوہر دونوں کے پاس پیام بھیجا کہ وہ اس کو اس کے عقد مناکحت میں دے دیں، چنگیز خانی تورہ کا یہ قانون تھا کہ بادشاہ کی نظر کسی کی بیوی پر پڑ جائے اور وہ نکاح کی خواہش ظاہر کرے تو شوہر کو طلاق دے دینا چاہیے، چنانچہ اسی توراہ کے مطابق عبدالواسع نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ اکبر کے نکاح میں آ کر اس کے محل میں داخل

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۱۵۔ (۲) اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۵۲-۳۵۳، منتخب التواریخ جلد دوم ۱۳۳۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۱۵ (۴) اکبر نامہ جلد دوم ص ۳۷۲۔ (۵) تزک جہاں گیری ص ۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی۔(۱)

﴿۷﴾ ۹۷۲ھ (۱۵۶۴ء) میں خاندیش کے حکمراں میران مبارک شاہ کی لڑکی بھی اکبر کے حرم میں داخل ہوئی۔(۲)

﴿۸﴾ اکبر نے ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں قسیمہ بانو بنت عرب شاہ سے بھی نکاح کیا، اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ اس موقع پر بڑا جشن منایا گیا۔(۳)

﴿۹﴾ جہاں گیر اپنی تزک میں اکبر کی بیویوں میں دولت شاہ کا ذکر بھی کرتا ہے اور اس کے نام کے ساتھ بی بی لکھتا ہے، خواصی کی حیثیت سے اس کا نام نہیں ہے، اسی سے دو لڑکیاں شکرالنسا اور آرام بانو تھیں، شکرالنسا کی تعریف کرتے ہوئے جہاں گیر کہتا ہے کہ:

''از ایام طفلی وخرد سالی تا حال در محبت من بے اختیار است''(۴)

آرام بانو کے بارہ میں لکھتا ہے کہ وہ بڑی تند مزاج اور بدتمیز تھی لیکن اکبر کی سب سے لاڈلی لڑکی یہی تھی۔(۵)

﴿۱۰-۱۱﴾ اکبر کے حرم میں قاضی عیسیٰ اور شمس الدین چک کی لڑکیاں بھی داخل ہوئیں (۶)

اکبر کو اپنی بیگمات کی راحت وآسائش کا بڑا خیال رہتا، شہزادہ سلیم اور شہزادہ مراد کی مائیں زچگی کے لیے حضرت سلیم چشتیؒ کی درگاہ میں جا کر مقیم ہوئیں تو ان کی راحت رسانی کی جو ممکن صورتیں ہوسکتی تھیں، وہ سب فراہم کی گئیں اور گو وہ خود آگرہ میں تھا لیکن درگاہ برابر آتا جاتا رہتا۔

۹۹۷ھ (۱۵۸۸ء) میں وہ کشمیر گیا، تو سفر میں بیگمات بھی ساتھ تھیں، ان کو شہزادہ سلیم کی نگرانی میں چھوڑ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا اور دیور پہنچ کر بیگمات کی آمد کا منتظر تھا کہ یکا یک سلیم تنہا پہنچا اور اطلاع دی کہ دشوار گذار راستے کی وجہ سے بیگمات نوشہرہ میں رک گئی ہیں، یہ سن کر اکبر کو بڑا غصہ آیا، سلیم سے ملنا بھی پسند نہیں کیا اور فوراً گھوڑا منگوا کر چند ساتھیوں کے ساتھ ان کو لانے کے لیے خود روانہ ہوگیا، اس وقت بارش ہورہی تھی، راستے میں بڑی پھسلن تھی لیکن اکبر کو ان بیگمات کے

---

(۱) منتخب التواریخ جلد دوم ص ۶۱۔ (۲) اکبر نامہ جلد دوم ص ۲۳۱۔ (۳) ایضاً جلد سوم ص ۱۱۸۔ (۴) تزک جہاں گیری ص ۱۷۔ (۵) تزک جہاں گیری ص ۱۷۔ (۶) آئین اکبری انگریزی ترجمہ از بلاخ من ص ۶۸۶-۴۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے جو پریشانی تھی، اس میں ان دشواریوں کا مطلق خیال نہیں کیا اور صبح سے شام تک مسلسل چلتا رہا، جب تک ان سے نہ ملا دم نہیں لیا، باپ کے اس غصہ پر سلیم کا کھانا پینا اور سونا حرام ہو گیا۔(۱)

جہاں گیر کی بیگمات: ﴿۱﴾ جہاں گیر کی پہلی شادی راجہ بھگوان داس کی لڑکی اور راجہ مان سنگھ کی بہن مان بائی سے ۹۹۳ھ ۱۵۸۵ء میں ہوئی،(۲) اس وقت اس کی عمر پندرہ سال کی تھی، یہ شادی بہت ہی تزک و احتشام سے انجام پائی، جس کا تفصیلی بیان تقریبات کے ذیل میں آئے گا، مان بائی کا خطاب محل میں آنے کے بعد شاہ بیگم ہو گیا تھا، وہ بیس سال تک جہاں گیر کی رفاقت میں رہی، اس سے شادی کے دوسرے سال ۹۹۴ھ ۱۵۸۵ء میں ایک لڑکی سلطان النسا پیدا ہوئی جو آگے چل کر سلطان بیگم کہلائی، یہ شہزادی ساٹھ برس تک زندہ رہی، ۹۹۵ھ-۱۵۸۷ء میں لاہور میں شہزادہ خسرو پیدا ہوا، شاہ بیگم بہت ہی دانش مند، غیور اور وفا شعار تھی، اس کو شہزادہ سلیم سے محبت نہیں بلکہ عشق رہا، خسرو جوان ہوا تو اکبر کی جانشینی کا خیال خام اس کے دماغ میں پیدا ہوا، اس نے باپ سے سرکشی کی اور اس کے ماموں مادھو سنگھ نے اس کی حمایت کی، تو شاہ بیگم کو بڑا دکھ پہنچا، اس کے دماغ کا توازن بگڑ گیا اور افیون کھا کر جان دے دی، جہاں گیر کو بھی اس سے بڑی محبت والفت رہی، مرزا ہادی لکھتا ہے کہ ”حرم سرا کی تمام بیگمات میں سے جہاں گیر کو سب سے زیادہ اسی سے انس و محبت تھی“، جہاں گیر اپنی تزک میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ”اس کی خوبیاں اور نیکیاں کیا لکھوں، انتہا کی عقل مند تھی، میرے ساتھ اس کا اخلاص اس درجہ تھا کہ وہ اپنے ہزار لڑکوں اور بھائیوں کو میرے ایک بال بیکا ہونے پر قربان کر دینے کے لیے تیار رہتی، (جب خسرو نے سرکشی کی) تو اس نے خسرو کو بارہا لکھا اور میری محبت واخلاص کی طرف مائل کیا لیکن جب دیکھا کہ کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے اور انجام معلوم نہیں کہ کیا ہو تو غیرت کے مارے جو راجپوت عورتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے، اپنی جان کھو دینے کا تہیہ کیا، جن دنوں میں شکار کے لیے گیا ہوا تھا، ۲۶ رذی الحجہ ۱۰۱۳ھ کو

---

(۱) اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۴۲۔ (۲) ایضاً ص ۴۵۰-۴۵۱۔ ودیباچہ تزک جہاں گیری ص ۶ و مآثر الامرا جلد دوم ص ۱۳۰، ہسٹری آف جہاں گیر از ڈاکٹر بنی پرشاد ص ۲۸-۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عین شورش دماغ میں اس نے بہت سی مقدار میں افیون کھالی اور تھوڑی دیر میں چل بسی۔"(۱)

اس کی موت سے جہاں گیر کو بڑا دکھ پہنچا اور اس کی یاد میں بڑا بے چین اور بے قرار رہا، خود لکھتا ہے:

"اس کی موت سے دل کے لگاؤ کی وجہ سے مجھ پر بڑا سخت وقت گذرا، زندگی کی کسی قسم کی کوئی لذت میرے لیے باقی نہیں رہی، چار رات دن جس کے بتیس پہر ہوتے ہیں، انتہا درجہ کا رنج واندوہ رہا، کھانے پینے کی کوئی چیز منہ میں نہ گئی، میرے والد بزرگوار کو یہ حال معلوم ہوا تو بڑی شفقت و محبت سے دلاسا کا خط لکھا، خلعت اور اپنی مبارک پگڑی سر سے جس طرح اتاری تھی، اسی طرح بندھی ہوئی میرے لیے بھیجی، میرے سوز وگداز کی آگ پر اس عنایت سے پانی پڑ گیا اور میرے اضطراب، اضطرار میں کچھ قرار آیا۔"(۲)

﴿۲﴾ سلیم کی دوسری شادی اکبر نے ۱۹/ رجب ۹۹۴ھ میں کلیان مل کے لڑکے رائے سنگھ بھتہ کی لڑکی سے کی۔(۳)

جہاں گیر اپنی تزک میں اس کا ذکر نہیں کرتا ہے، شاید وہ شادی کے بعد جلد ہی وفات پا گئی۔

﴿۳﴾ اس کی تیسری شادی ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) ہی میں موٹا راجہ، راجہ اودے سنگھ کی لڑکی جگت گسائیں سے ہوئی جو جودھ بائی بھی کہلاتی ہے، اس سے پہلی اولاد ایک لڑکی ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں پیدا ہوئی، جس کا نام بیگم سلطان رکھا، (۴) جو صرف ایک سال زندہ رہ کر انتقال کر گئی، پھر ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) میں خرم پیدا ہوا (۵) جو شاہ جہاں بن کر جہاں گیر کا جانشین بنا، اس سے ایک اور لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی جو پیدائش کے کچھ دنوں کے بعد ہی مر گئی، عام طور سے جودھ بائی کی خوش بیانی، حاضر جوابی اور نور جہاں سے نوک جھوک کے قصے بہت مشہور ہیں، مورخوں نے شاہجہانی دور میں اس کو زیادہ اہمیت دی، کیوں کہ وہ شاہ جہاں کی ماں تھی، ورنہ جہاں گیر اس کی

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۷-۲۵۔ (۲) تزک جہاں گیری ۲۷-۲۵۔ (۳) منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۵۳۔

(۴) اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۸۱۔ انگریزی ترجمہ ص ۸۸۰۔ (۵) ایضاً جلد سوم ص ۶۰۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفات کا ذکر اپنے چودھویں جلوس میں چند جملوں میں کرتا ہے:

''جمعہ کے روز شاہ جہاں کی والدہ رحمت ایزدی کے جوار سے پیوست ہوگئی، دوسرے روز میں خود آں فرزند کی رہنے کی جگہ پر گیا اور قسم قسم کی خاطر جوئی اور دل نوازی کر کے اس کو دولت خانہ پر ساتھ لایا۔''(۱)

﴿۴﴾ سلیم کی چوتھی شادی زین خان کوکلتاش کے چچا خواجہ حسن کی لڑکی صاحب جمال سے ہوئی، اس سے ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں شہزادہ پرویز ہوا (۲)، سلیم کو اس بیگم سے بھی بڑی محبت رہی اور جب ۱۰۰۸ھ میں اس کا انتقال لاہور میں ہوا تو اس کے مقبرہ پر یہ شعر کندہ کرایا:

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را ☆ آہ گر من باز بینم روئے یارِ خویش را

اور نیچے مجنوں سلیم اکبر لکھ دیا، یہ مقبرہ لاہور میں انارکلی میں واقع ہے اور اسی مقبرہ کے شعر سے انارکلی کا وہ جھوٹا افسانہ تیار ہوا جو آج ڈرامہ اور فلموں کی شکل میں بہت مقبول ہو رہا ہے۔ (۳)

﴿۵﴾ راجہ کیشو داس راٹھور کی لڑکی کرم سی سے سلیم کی پانچویں شادی ہوئی، اس سے ایک لڑکی بہار بانو ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں پیدا ہوئی، (۴) یہ بیگم سلیم کی شہزادگی کے زمانہ میں وفات پا گئی تھی۔

﴿۶﴾ سلیم کا ایک نکاح دریا بلہاس کی لڑکی سے بھی ہوا تھا، جو لاہور کے پہاڑی علاقہ کا کوئی راجہ تھا، اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام دولت النسا رکھا گیا، یہ لڑکی صرف سات مہینہ تک زندہ رہی، سلیم کی یہ بیگم بھی اس کی شہزادگی کے زمانہ ہی میں وفات پا گئی تھی۔

﴿۷﴾ ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۱ء) میں اس کا نکاح ہمایوں کے بھائی کی لڑکی اور میرزا مظفر حسین کی بہن سے بھی ہوا، جو خراسان کے فرماں رواں سلطان حسین مرزا کی لڑکی کی پوتی تھی اور اس کا باپ ابراہیم حسین مرزا اکبر کا ایک معزز مقرب بارگاہ تھا، مرزا مظفر حسین اکبر کا داماد بھی تھا، اس کی بڑی لڑکی سلطان خانم اسی سے بیاہی ہوئی تھی۔ (۵)

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۷۰۔ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۶۸۔ (۳) تفصیل کے لیے دیکھو Lahore Past & Present از محمد باقر۔ ص ۴۱۷-۴۱۲۔ (۴) اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۸۱۔ (تزک جہاں گیری۔ (۵) آئین اکبری انگریزی ترجمہ از بلاخ من ص ۵۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿۸﴾ ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۲ء) میں سلیم کا نکاح مرزا کامران کی نواسی یعنی شہزادی گل رخ بیگم کی لڑکی سے بھی ہوا، یہ تقریب خود گل رخ بیگم کی خواہش پر اکبر نے انجام دی۔(۱)

﴿۹﴾ سلیم زین خان کوکہ کی لڑکی کے حسن پر فریفتہ ہوا، تو اکبر نے ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ء) میں اس کا نکاح اس لڑکی سے کر دیا، گو اکبر کو یہ رشتہ پسند نہ تھا، کیوں کہ زین خاں کی چچازاد بہن جہاں گیر کے حرم میں پہلے آ چکی تھی لیکن سلیم کی فریفتگی سے وہ مجبور ہو گیا، اس بیگم کا خطاب خاص محل تھا اور وہ شاہ جہاں کے سال جلوس ۱۰۴۲ھ (۱۶۳۲ء) تک زندہ رہی۔(۲)

﴿۱۰﴾ سلیم کا ایک نکاح جیسلمیر کے راول بھیم کی لڑکی سے بھی ہوا، جس کا خطاب محل میں آنے کے بعد ملکۂ جہاں ہو گیا تھا۔(۳)

﴿۱۱﴾ خاندیش کے حکم راں کی بھی ایک لڑکی کا عقد شہزادہ سلیم سے ہوا جو اکبر کے اکتالیسویں سنہ جلوس میں وفات پا گئی۔(۴)

﴿۱۲﴾ کھکر سے سعید خاں کی ایک لڑکی بھی سلیم کے حرم میں داخل ہوئی، اس سے ایک لڑکی التفات بانو پیدا ہوئی۔(۵)

﴿۱۳﴾ خضر خاں ہزارہ کے لڑکے میرزا سنجر کی ایک لڑکی بھی جہاں گیر کے عقد مناکحت میں دی گئی۔(۶)

﴿۱۴-۱۵﴾ سلیم کی دو کنیزیں بھی تھیں، جس سے جہاں دار اور شہریار پیدا ہوئے۔(۷)

﴿۱۶﴾ جہاں گیر نے اپنے تیسرے سال جلوس میں راجہ مان سنگھ کے بڑے لڑکے جگت سنگھ کی لڑکی سے شادی کی۔(۸)

﴿۱۷﴾ چوتھے سال جلوس میں اس کی شادی رام چند بندیلہ کی لڑکی سے ہوئی۔(۹)

﴿۱۸﴾ چھٹے سالِ جلوس میں اس کا نکاح مہر النسا بیگم سے ہوا جو نور جہاں بن کر تمام محل پر

---

(۱) اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۳۲۔ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۰۷۔ آثار الصنادید ص ۴۸۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۱۶۰۔ بلاخ من ص ۵۳۳۔ (۴) اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۳۔ (۵) بلاخ من ص ۵۳۳۔ (۶) ایضاً۔ (۷) تزک جہاں گیری ص ۹۔ (۸) ایضاً ص ۷۰۔ (۹) بلاخ من ص ۵۳۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھا گئی، اس طویل فہرست سے اندازہ ہوگا کہ جہاں گیر کی شادیاں زیادہ تر اس کی شہزادگی کے زمانے میں ہوئیں اور یہ رشتے اکبر نے اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر قائم کیے، جن میں سلیم کو اپنی مرضی کا دخل زیادہ نہیں رہا، زین خاں کوکہ کی لڑکی سے اس کا نکاح تو اس کی مرضی کے مطابق ہوا، ورنہ اور تمام شادیاں اکبر نے خود اپنی مرضی سے کیں، وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا ولی عہد تھا، اس لیے با اثر ہندو اور مسلمان منصب دار اپنی اپنی لڑکیوں کو اس کے حرم میں بڑی بڑی امیدوں کے ساتھ داخل کرتے رہے اور خود یہ راج کماریاں اور امیر زادیاں ملکہ بننے کے شوق میں بھی سوکنوں کا خیال کیے بغیر داخل ہوتی رہیں، پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ اسلام میں ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہ تھی، جن بادشاہوں نے اپنے حرم میں چار سے زیادہ بیویاں رکھیں، انہوں نے اسلامی قانون کی خلاف ورزی کی اور ان کے دامن پر یہ بدنما داغ ہے لیکن ہندوستان کے شاہی محلوں میں تعدد ازدواج کا عام رواج تھا، اکبری عہد میں مارواڑ کے راجہ اودے سنگھ کی کئی رانیوں سے چھتیس اولادیں تھیں، (۱) جہاں گیر کے سالے راجہ بھگوان داس کے لڑکے راجہ مان سنگھ کی پندرہ سو بیویاں تھیں (۲) عالم گیری عہد کے مشہور راجپوت منصب دار راجہ جسونت سنگھ کی وفات پر اس کی چتا پر آٹھ رانیاں ستی ہوئیں۔ (۳)

نور جہاں کے اثرات: محل میں نور جہاں کے آجانے کے بعد جہاں گیر اپنی اور تمام رانیوں اور بیگمات سے بے نیاز ہو گیا، اس کا نام مہر النسا تھا محل میں آنے کے بعد نور محل ہوگئی، (۴) اور آگے چل کر نور جہاں کے خطاب سے نوازی گئی، آخر میں جہاں گیر نے سلطنت کا کاروبار اسی کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور شاہی سکوں پر اس کا نام بھی کندہ ہونے لگا تھا، شاہی محل میں آتے ہی اس نے اپنے صاف ستھرے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتوں کا سارا مذاق بدل دیا، پہننے اوڑھنے، بناؤ سنگار، فرش فروش اور زیور و آرائش کی چیزوں میں اتنی جدتیں پیدا کیں کہ پوری سلطنت میں یہی رنگ غالب آ گیا، اگر وہ محل میں نہ آتی تو شاید مغل فرماں رواؤں کے محل اور دربار میں راجپوتوں کا

---

(۱) ٹاڈ جلد دوم ص ۳۰۔ (۲) مآثر الامرا جلد دوم ص ۱۷۰۔ (۳) ٹاڈ جلد دوم ص ۵۔ (۴) تزک جہاں گیری ص ۱۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمدن غالب ہو جاتا لیکن اس کے آنے کے بعد وہ اپنے تمام خاندان والوں کے ساتھ محل اور دربار میں چھا گئی، جس کے بعد ایرانی تمدن ہر جگہ اتنا نمایاں ہو گیا کہ یہی تمدن آگے چل کر اسلامی تمدن کہلانے لگا، جہاں گیر کو نور جہاں سے اور نور جہاں کو جہاں گیر سے بڑی محبت رہی آج بھی دونوں کی محبت کے افسانے مشہور ہیں، نور جہاں نے جہاں گیر کا مقبرہ جس دل سوزی اور تن دہی سے بنوایا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کے سارے جذبات اس عمارت میں منتقل ہو گئے ہیں۔

نور جہاں کے ذوق تعمیرات کی نفاست اور پاکیزگی کا اظہار اعتماد الدولہ کے مقبرہ سے ہوتا ہے، تاج محل کے بعد یہی مقبرہ اپنے تعمیری حسن کے لیے مشہور ہے، اس کی چمن آرائی کر کے بھی نور جہاں نے اپنے ذوق کا ثبوت دیا تھا، اس نے کشمیر میں بھی دو باغات لگائے اور ان کے نام نور افزا اور نور افشاں رکھے، اس کے تمدنی ذوق کی نفاست کا ذکر آگے بھی آئے گا۔

شاہ جہاں کی بیگمات: شاہ جہاں کی پہلی شادی مرزا مظفر حسین صفوی کی لڑکی سے ہوئی جو ایران کے شاہ اسماعیل صفوی کے خاندان سے تھا، وہ قندھار سے ہندوستان آیا اور شاہی دربار سے وابستہ ہوا، اس کی لڑکی سے شہزادہ خرم کی نسبت ہوئی تو جہاں گیر اپنے چوتھے سالِ جلوس میں لکھتا ہے:

> ''روز یک شنبہ پانز دہم پنجاہ ہزار روپیہ ساچق بخانہ صبیہ مظفر حسین مرزا پسر سلطان حسین مرزا ابن بہرام مرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی کہ محبت فرزند خرم خواست گاری شدہ بود فرستادم''۔(۱)

پھر اپنے پانچویں سال جلوس میں لکھتا ہے:

> ''اس سے پہلے مرزا مظفر حسین ولد حسین مرزا صفوی حاکم قندھار کی لڑکی کو اپنے فرزند سلطان خرم کے لیے نامزد کیا تھا، اس لیے ۱۷ آبان کو جب مجلس طوی منعقد ہوئی تو میں بابا خرم کے گھر گیا، رات بھر وہاں گذارا اور اکثر امرا کو خلعت سے سرفراز کیا، قلعہ گوالیار کے قیدیوں خصوصاً حاجی میرک نے قید سے خلاصی پائی''۔(۲)

شاہ جہاں کی یہ بیوی قندھاری محل کہلاتی تھی، یہ شادی ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۵ء) میں ہوئی اور ایک

(۱) تزک جہاں گیری ص ۷۷۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برس کے بعد اس سے ایک لڑکی ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۶ء) میں ہوئی جس کا نام پرہیز بانو بیگم رکھا گیا، (۱) اس کی پرورش رقیہ بیگم نے کی، قندھاری بیگم کا خوب صورت مقبرہ آگرہ میں موجود ہے۔

اس شادی سے پہلے شہزادہ خرم کی نسبت ارجمند بانو (نور جہاں کی بھتیجی اور آصف خاں کی لڑکی) سے طے ہوچکی تھی لیکن یہ شادی کسی وجہ سے انجام نہ پاسکی تھی، شاید جہاں گیر نے اپنے خاندان کو نسبی حیثیت سے بلند کرنے کی خاطر صفوی خاندان میں رشتہ قائم کرلینا پسند کیا ہو، کیوں کہ صفوی خاندان میں رشتہ قائم کرنا مغل حکم رانوں کے لیے بڑی امتیازی چیز رہی، جیسا کہ آگے کی تفصیلات سے معلوم ہوگا، یا ممکن ہے کہ نور جہاں کے محل میں آجانے اور جہاں گیر سے اس کا نکاح ہونے کے بعد یہ رشتہ معرض التوا میں آگیا ہو، جہاں گیر سے نور جہاں کے نکاح ہونے کے ایک سال بعد شہزادہ خرم کی شادی ارجمند بانو سے بہت دھوم دھام سے انجام پائی (۲) شاہ جہاں نے اس کو ممتاز محل کا خطاب دیا، دونوں کو ایک دوسرے سے جو محبت بلکہ عشق رہا وہ دنیا کی نادرۂ روزگار عمارت تاج محل کی صورت میں اب بھی دکھائی دیتا ہے، ممتاز محل شاہ جہاں کے تیسرے سال جلوس ۱۶۳۱ء میں ہی وضع حمل کی تکلیف سے جاں بحق ہوگئی تھی، اس لیے وہ اپنے محبوب شوہر کی پرشکوہ اور پرعظمت حکومت کی بہاریں بہت دنوں تک نہیں دیکھ سکی لیکن اس کے مزار پر جو عمارت بنی ہوئی ہے، وہ شوکت وحشمت کی ایک بے نظیر مثال ہے، شاہ جہاں اس کی وفات پر جس قدر رنجیدہ اور مغموم ہوا، اس کے مفصل بیان کی ضرورت نہیں، وہ مدتوں ماتمی لباس پہنے رہا، دو سال تک عیش ونشاط کی مجلسیں بند رہیں اور جب محل میں اس کے کمرہ سے گذرتا تو بے قابو ہوکر اشک بار ہوجاتا اور بار بار کہتا کہ اب اس کا سلطنت کے کاموں میں جی نہیں لگتا، بلکہ بقیہ عمر وہ عبادت الٰہی میں گذارنا چاہتا ہے لیکن ملکی مصالح کی بنا پر ایسا نہ کرسکا۔ (۳)

ممتاز محل کے بطن سے چودہ اولادیں ہوئیں، جن میں سات زندہ رہیں، ان کے نام ولادت کے سنہ اور مقامات حسب ذیل ہیں:

﴿۱﴾ جہاں آرا بیگم (اجمیر ۱۶۱۴ء) ﴿۲﴾ داراشکوہ (اجمیر ۱۶۱۵ء) ﴿۳﴾ شاہ شجاع

---

(۱) مآثر الامرا جلد سوم ص ۳۰۱۔ (۲) مآثر الامرا جلد سوم ص ۳۰۱۔ (۳) بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۸۷-۳۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اجمیر ۱۶۱۶ء) ﴿۴﴾ روشن آرا بیگم (برہان پور ۱۶۱۷ء) ﴿۵﴾ اورنگ زیب (دوہاد ۱۶۱۸ء)
﴿۶﴾ مراد بخش (۱۶۲۴ء) ﴿۷﴾ گوہر آرا بیگم (برہان پور ۱۶۳۱ء)

شہزادہ خرم کی تیسری شادی ۱۶۱۷ء میں شاہ نواز خاں کی لڑکی اور خانخاناں عبدالرحیم خاں کی پوتی سے ہوئی، یہ شہزادہ خرم نے دکن کے قیام کے زمانہ میں خود کی، یہ شادی سیاسی مصالح کی بنا پر ہوئی، خرم کو اس کے ذریعہ عبدالرحیم خانخاناں جیسے با اثر امیر کی حمایت حاصل ہوئی، اس سے ایک لڑکا اکبر آباد میں جہاں افروز پیدا ہوا لیکن ایک سال نو مہینے کے بعد برہان پور میں فوت ہو گیا۔(۱)

اکبر آبادی: شاہ جہاں کی ایک بیوی کا نام اعز النسا بیگم تھا، جو اکبر آبادی کے خطاب سے مشہور تھی، اس سے شاہ جہاں کی ایک لڑکی ثریا بانو تھی، جس کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا، یہ شہزادی اپنی داد و دہش کے لیے بہت مشہور تھی، اس لیے شاہ جہاں نے اپنی تخت نشینی کے وقت اس کو پچاس ہزار روپے کے علاوہ دو لاکھ روپے کے جواہرات بھی دیے (۲)، اس شہزادی کی وفات ۱۰۳۷ھ میں ہوئی۔ (۳)

اکبر آبادی نے فیض بازار میں ایک مسجد بنوائی جو اس کی دینداری اور فیاضی کی دلیل تھی یہ اکبر آبادی مسجد محل کے نام سے مشہور تھی، یہ مسجد ۱۰۶۰ھ (۱۶۴۹ء) میں تعمیر ہوئی، جس کے یہ معنی ہیں کہ ممتاز محل کے بعد شاہ جہاں کی پوری رفاقت اسی نے کی، یہ مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی تھی، اس کے چاروں طرف مکانات اور حجرے تھے، جو طلبہ کے لیے بنائے گئے تھے، اس کے تین بڑے بڑے برج اور سات نہایت نفیس محراب دار در تھے، اس کا پیش طاق سنگ مرمر کا تھا، جس پر نہایت پر رونق پچی کاری کا کام تھا اور عمدہ بیل بوٹے بنے ہوئے تھے، صحن کے وسط میں ایک عمدہ حوض تھا، جس میں وضو کے لیے پانی بھرا رہتا، اب اس مسجد کا وجود باقی نہیں ہے، سرسید احمد خاں نے جب آثار الصنادید لکھی تھی تو یہ مسجد موجود تھی لیکن اس کے بعد انگریزوں نے اس کو شہید کر دیا۔

فتح پوری محل: شاہ جہاں کی ایک بیوی کا لقب فتح پوری محل بھی تھا، مسجد فتح پوری اسی کی بنوائی ہوئی ہے، (۴) اس مسجد کے تین بڑے دروازے ہیں، جن پر سنگ سرخ کا کنگورہ اور ادھر ادھر برجیاں

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۹۰۔ (۲) ایضاً ص ۹۷۔ (۳) ایضاً ص ۱۹۷۔ (۴) آثار الصنادید جلد دوم ص ۲۷-۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہیں، اس کا صحن اسّی گز مربع ہے اور اس میں تمام سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، مغرب کی طرف اصل مسجد کے دہرے دالان ہیں، جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں، صحن میں ایک بہت بڑا حوض ہے، پیش طاق یا صدر محراب بہت اونچی ہے، اس پر بھی کنگورہ اور بڑی بڑی برجیاں ہیں، اسی طرح مسجد کی چھت میں چار چھوٹی برجیاں ہیں، محراب اور برجیوں پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں، مسجد کا ایک ہی بڑا بھاری گنبد ہے، جو سنگ خارا کا ہے، اس پر ایسی استرکاری ہے کہ دور سے سنگ مرمر کا گنبد معلوم ہوتا ہے، اس پر سیاہ اور سفید دھاریاں پڑی ہوئی ہیں، اس کا کلس چونے گچی کا ہے، پیش طاق کے دونوں طرف بارہ فٹ کے فاصلہ پر تین تین دروں کی بنگڑی دار محرابوں کے دو دو دالان ہیں، جو تیس فٹ اونچے اور دس فٹ چوڑے ہیں، ان کی چھتوں پر بھی کنگورا ہے، مسجدوں کے پیچھے سنگ سرخ کے ستونوں کی قطاریں ہیں، جن کے بالائی اور زیریں حصے پر نقش و نگار ہیں، منبر سنگ مرمر کا ہے۔

اسی نام کی ایک مسجد آگرہ میں بھی ہے جس کو اسی بیگم نے بنوایا تھا، یہ بھی سرخ پتھر کی ہے، درمیانی ارتفاع ۱۴ ۱/۲ گز ہے، دونوں جانب تین تین در کے محراب دار دالان بنے ہوئے ہیں، اندر ۷۶ مصلوں کا سنگین فرش ہے اوپر ایک شاندار گنبد ہے جو ایک چبوترہ پر ہشت پہل تعمیر ہے، چھت کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ کی چار برجیاں ہیں، مسجد کے مشرقی جانب گیارہ محراب دار دالانوں کا برآمدہ ہے، جن کی پشت پر چار پانچ حجرے ہیں، دکھن کی طرف سات محراب دار دالانوں کا برآمدہ ہے، جن کی پشت پر چار پانچ حجرے ہیں، اتر طرف ۱۵ در برآمدے کے ہیں اور برآمدہ کی پشت پر تین حجرے ہیں، اس برآمدہ کے صحن میں چبوترہ ہے، جس سے ملحق ایک حوض ہے جس میں فوارہ بھی ہے۔

سرہندی بیگم: اکبرآباد میں ایک مقبرہ سرہندی بیگم کا ہے (۱) وہ بھی شاہ جہاں کی بیوی تھی جس کا انتقال شاہ جہاں کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔

عالمگیر کی بیگمات: اورنگ زیب کی پہلی شادی اس کی شہزادگی کے زمانے میں شاہ جہاں کے معزز

(۱) معین الآثار ص ۱۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر ایران کے شاہ طہماسپ صفوی کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک فرد شاہ نواز خاں صفوی کی لڑکی دل رس بانو سے شاہ جہاں کے دسویں سال جلوس ۱۶۳۷ء میں ہوئی، شاہ جہاں نے یہ شادی شاہانہ روایت کے ساتھ بڑے تزک واحتشام سے انجام دی، جیسا کہ باب تقریبات میں ذکر آئے گا، ابوطالب کلیم نے یہ کہہ کر اس تقریب کی تاریخ نکالی، ع ''دو گوہر بہ یک عقد دوراں کشید''

وہ محل میں بیگم کے نام سے یاد کی جاتی، بڑے رعب داب کی خاتون تھی، اورنگ زیب اس کی بڑی عزت کرتا اور جب اورنگ آباد میں ۱۶۵۷ء میں درد زہ کی تکلیف سے جاں بحق ہوئی تو اورنگ زیب نے اس کے مزار پر ایک کتبہ نصب کرا کے اس کا لقب رابعہ دورانی کندہ کرایا، جو اس کی عفت اور مذہبیت کی دلیل ہے، اس کا جو مقبرہ اورنگ زیب نے اورنگ آباد میں بنوایا، وہ بہت ہی خوب صورت عمارت ہے، اس سے محمد اعظم، محمد اکبر، زیب النسا، زینت النسا بیگم اور زبدۃ النسا بیگم پیدا ہوئیں۔(۱)

﴿۲﴾ اورنگ زیب کی دوسری شادی شاہ جہاں نے کشمیر میں راجوری کے راجہ راجو کی لڑکی سے کی، جس کا نام محل میں آنے کے بعد رحمت النسا اور لقب نواب بائی ہو گیا تھا، اس نے مرزا پور میں ایک سرائے بنوائی، اورنگ آباد کے پاس مائی جی پورہ نامی قصبہ اسی کا بسایا ہوا ہے، اس سے دو لڑکے محمد سلطان اور محمد معظم ہوئے اور ایک لڑکی بدر النسا بیگم بھی تھی، محمد سلطان کی وفات عالم گیر کے عہد حکومت ہی میں ہو گئی، محمد معظم شاہ عالم کے نام سے عالم گیر کے بعد تخت پر بیٹھا، نواب بائی کا انتقال ۱۶۹۱ء میں دہلی میں ہوا۔(۲)

﴿۳﴾ اورنگ زیب کی تیسری شادی اس کی بادشاہت کے زمانے میں اورنگ آباد میں ہوئی، اس لیے اس کی یہ بیوی اورنگ آبادی محل کہلائی، جس سے ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۱ء) میں ایک لڑکی مہر النسا بیگم ہوئی، اس کی شادی مراد بخش کے لڑکے ایزد بخش سے ہوئی، اورنگ آبادی محل نے ۱۶۸۸ء میں بیجاپور میں وفات پائی، اس کے مزار پر اورنگ زیب کے حکم سے سنگ مرمر کا ایک

(۱) مآثر عالم گیری ص ۵۴۱، ۵۳۳۔ مآثر الامرا جلد دوم ص ۱۷۱ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۵۵، ۷۰، ۲۶۷۔

(۲) ایضاً، منتخب اللباب جلد دوم ص ۶۰۵ ہسٹری آف اورنگ زیب از جدو ناتھ سرکار جلد اول ص ۶۲-۶۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاندار مقبرہ تیار ہوا، (۱) دہلی میں پنجابی کے کٹرہ میں جو اورنگ آبادی مسجد تھی، وہ اسی بیگم کی بنوائی ہوئی تھی، اس میں مولانا عبدالخالق اور مولوی نذیر حسین محدث دہلوی حدیث کا درس دیا کرتے تھے، اس میں طلبہ کے لیے حجرے بھی بنے ہوئے تھے لیکن جب دہلی کا موجودہ اسٹیشن بننے لگا تو یہ مسجد شہید کر دی گئی۔

﴿۴﴾ اورنگ زیب کی چوتھی بیوی کا خطاب اودے پوری محل یا بائی اودھے پوری تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی راجپوت شہزادی رہی ہوگی لیکن اس کے متعلق مختلف قسم کی روایتیں ہیں، (۲) وہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے اورنگ زیب کے آخر زمانہ میں اس پر چھائی رہی، اس سے ۷۷۰اھ (۱۶۷۷ء) میں کام بخش پیدا ہوا جو جنگ جاجو میں مارا گیا، عالم گیر نامہ کا مؤلف کام بخش کی ولادت کے سلسلہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یکے از مخدرات تتق عفت و پردہ گزیناں سرادق عزت، (ص، ۱۰۳)

اورنگ زیب نے اپنی شہزادگی کے زمانہ میں شاید خود سے اپنی خالہ (خاں زماں کی بیوی) کی ایک کنیز سے نکاح کر لیا تھا، جس سے اس کو غیر معمولی عشق ہو گیا تھا، جب وہ دکن کا ناظم تھا تو ایک روز اپنی خالہ سے ملنے برہان پور گیا، باغ میں اپنی خالہ کی ایک کنیز ہیرا بائی عرف زین آبادی کو بڑے ناز و ادا کے ساتھ آم توڑتے دیکھا، اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر فریفتہ ہو گیا، مآثر الامرا کے مؤلف کا بیان ہے کہ:

''زین آبادی در نغمہ سنجی ہوش و در شیوۂ دلبری یکتا بود'' (۳)

اس کو اپنے یہاں لے آیا اور شباب کی تمام رنگینوں کے ساتھ اس کے حسن و نغمہ سے لطف اندوز ہوتا رہا، اورنگ زیب اس سے روز تازہ بہ تازہ نو بہ نو گانے بھی سن کر محظوظ ہوا کرتا تھا لیکن زین آبادی کی اچانک موت سے اورنگ زیب کی جوانی کا چند روزہ نشاط و انبساط یکایک ختم ہو گیا، اس کے انتقال پر بہت ہی غمگین ہوا، اپنا غم غلط کرنے کے لیے دوسرے روز شکار میں چلا گیا، عاقل خاں

(۱) مآثر عالم گیری ص ۱۴۱ و ۵۳۴۔ اورنگ زیب از جدو ناتھ سرکار جلد اول ص ۶۳۔ (۲) اورنگ زیب از جدو ناتھ سرکار جلد اول ص ۶۲۔ (۳) مآثر الامرا جلد اول ص ۷۹۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رازی بھی اس کے ساتھ ہوگیا، تنہائی میں عاقل خاں نے پوچھا کہ اندوہ وملال کی شدت میں شکار کھیلنے کے کیا معنی ہیں؟ اورنگ زیب نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

نالہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست ☆ در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

عاقل خاں رازی نے شعر سن کر عرض کیا کہ:

عشق چہ آساں بود آہ چہ دشوار بود ☆ ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

اورنگ زیب نے شعر سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور اس شعر کو بار بار پڑھتا رہا۔

اورنگ آباد میں تالاب کلاں کے پاس وہ مدفون ہے اور اس کا مقبرہ اورنگ زیب ہی نے بنوایا تھا۔(۱)

مآثر الامرا میں اس عشق ومحبت کے سلسلہ میں کچھ حاشیہ آرائی بھی کی گئی ہے، مثلاً اس میں یہ لکھا ہے کہ ''زین آبادی کو اورنگ زیب نے خود شراب پلائی اور زین آبادی نے بھی شراب کا پیالہ اورنگ زیب کو پینے کے لیے دیا اور وہ اپنی محبوبہ کے عشق میں سرشار ہوکر پیالہ کو منہ سے لگانے ہی کو تھا کہ اس جادو طراز عیارہ نے پیالہ یہ کہہ کر چھین لیا کہ:

''غرض امتحان محبت بود، نہ تلخ کامی شما باین آب پر شر و پر شور''

اور اس کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو دارا شکوہ نے شاہ جہاں کو اورنگ زیب کے خلاف بھڑکایا، شاہ جہاں نے اورنگ زیب سے باز پرس کی لیکن اورنگ زیب نے اس واقعہ سے اپنے خط میں برأت ظاہر کی کہ جو کچھ خبریں پہنچی ہیں وہ محض الزام ہیں۔(۲)

بہادر شاہ اول کی بیگمات: ﴿۱﴾ عالم گیر نے اس کی پہلی شادی روپ سنگھ راٹھور کی لڑکی سے کی، اس سے دو لڑکے محمد عظیم اور دولت افزا ہوئے، محمد عظیم ۱۰۷۵ھ میں پیدا ہوا(۳) اور دولت افزا کی ولادت ۱۰۸۰ھ میں ہوئی۔(۴)

﴿۲﴾ دوسری شادی نور النسا بیگم سے ہوئی جو سنجر خان نجم ثانی کی لڑکی تھی، وہ محل میں آئی تو

(۱) مرأۃ الخیال ص۱۶۱-۳ و مآثر الامرا جلد اول ص۹۲-۹۰-۷۔ (۲) مقدمۂ رقعات عالم گیر از سید نجیب اشرف ندوی ص۱۵۵۔ (۳) مآثر عالم گیری ص۴۹۔ (۴) مآثر عالم گیری ص۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رفیع الشان رکھا گیا(۱)،شہزادگی کے زمانہ میں اپنی گوناگوں صفتوں کی وجہ سے شہزادہ کی سب سے چہیتی بیوی رہی،خافی خاں لکھتا ہے:

بہ چندین حسن صفات آراستہ بود در فن شعر ہندی دست تام داشت و در سخاوت و فیض رسانی شہرت تمام بہم رسانده...... در سلوک وطاعت و دل بری شوہر کوشیدہ شاہ را ہر تبہ فریضہ و رام خود ساختہ بود کہ زنہائے دیگرے بر در شک وحسد بردہ"۔

اس کا انتقال کابل میں ۱۰۷۱ھ میں ہوا۔

شہزادہ کے عقد میں ایک اور راجپوت شہزادی بھی تھی جس کا نام رانی چتر بائی تھا،یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کس کی لڑکی تھی،اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔(۲)

خافی خاں نے دو اور بیویوں مہر پرور اور امۃ الحبیب کا بھی ذکر کیا ہے،(۳) مہر پرور بہادر شاہ کی لاش کے ساتھ لاہور سے دہلی آئی،اس کا نام مہر النسا بیگم بھی تھا،جو نیاز بیگ قلیج فتح محمد خاں افغانی کی بہن تھی۔(۴)

امۃ الحبیب عزیزۃ النسا ایک کافر یہ قبیلہ کی لڑکی تھی،جس کو عالم گیر نے شہزادہ معظم کو عطا کیا تھا،وہ بڑی حسین وخوب رو ہونے کے علاوہ بہت ہی بہادر اور بیدار مغز بھی ثابت ہوئی،وہ میدان جنگ میں شوہر کے ساتھ رہتی اور جاجو کی لڑائی میں اس کا بڑا کارنامہ رہا،وہ لڑائی میں اژدہا پیکر گھوڑے پر سوار ہوتی،ہاتھ میں تلوار لیے رہتی،سر سے پاؤں تک آہنی لباس میں ملبوس ہوتی،پشت پر ترکش ہوتا،مونڈھے میں کمان ہوتی،لشکر کی صفوں کو سنبھالنے میں شوہر کو پوری مدد دیتی،اسی لیے مآثر الامرا کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"منظور نظر عاطفت شاہی گشتہ،بپایۂ احترام واعتبار برآمدہ وصاحب تورہ وتوزک شد"(۵)

وہ بہادر شاہ اول کے فرامین پر اپنی خواہش کے مطابق دستخط کرالیا کرتی تھی،اس کی وفات

---

(۱) مآثر عالم گیری ص ۱۰۷-۱۰۶۔(۲) خافی خان جلد دوم ص ۳۴۴۔(۳) ایضاً ص ۶۲۹۔(۴) مآثر الامرا جلد سوم ص ۷۸۰۔(۵) مآثر الامرا جلد سوم ص ۷۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۷۳۵ء میں دہلی میں ہوئی۔

فرخ سیر کی بیگمات: فرخ سیر کی صرف دو بیگمات تھیں، ایک کا نام فخر النسا بیگم تھا، جو سعادت خاں ماژندرانی کی لڑکی اور معصوم خاں صفوی کی نواسی تھی، اس سے دو لڑکے فرخندہ سیر جہاں گیر شاہ جہاں مراد شاہ اور ایک لڑکی بادشاہ بیگم ہوئی، بادشاہ بیگم کی شادی محمد شاہ سے ہوئی جو ملکۂ زمانی کہلائی۔

اس کی دوسری بیوی اجیت سنگھ راٹھور کی لڑکی تھی، جو ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۵ء) میں اس سے بیاہی گئی، اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، فرخ سیر کی وفات کے بعد اجیت سنگھ اس کو اپنے یہاں جودھپور لے گیا محل کی سازشوں کی بنا پر شاہ گر سید عبداللہ خاں نے اس کو محل سے جانے کی اجازت بھی دے دی، وہ جانے لگی تو ایک کروڑ روپے کا مجہوزہ سامان اپنے ساتھ لیتی اور اپنا اسلامی لباس اتارتی گئی، (۱) اس سے مسلمانوں اور علما میں بڑی ہلچل پیدا ہوئی کہ ایک مسلمان عورت پھر ہندو ہو جائے، چنانچہ خافی خاں نے لکھا ہے کہ ''یہ بات شریعت اسلام اور ناموس سلطنت کے خلاف سمجھی گئی اور آج تک یہ نہیں ہوا کہ راجاؤں کی جو لڑکیاں مشرف بہ اسلام ہو کر بادشاہوں کی زوجیت میں آئیں، تو پھر وہ ان کے گھروں میں واپس بھی گئی ہوں۔'' (۲)

جہاں دار شاہ کی بیگمات: اس کی پہلی شادی ۱۶۷۶ء میں مرزا مراد کام مکرم خاں صفوی کی لڑکی سے ہوئی۔ دوسری شادی ۱۶۸۴ء میں اس کی پہلی بیوی کی بھتیجی سید النسا سے انجام پائی، اس کی ایک راجپوت بیوی بھی تھی، جس نے ۱۷۳۵ء میں دہلی میں وفات پائی، اس سے ایک لڑکا تھا جو آگے چل کر عالم گیر ثانی کے نام سے تخت پر بیٹھا، اس کی ایک طوائف لال کنور تھی، جس کی بدمستی اور شراب نوشی سے خود جہاں دار شاہ بہت بدنام رہا۔

محمد شاہ کی بیگمات: ۱۱۳۴ھ میں محمد شاہ کی شادی فرخ سیر کی لڑکی سے ہوئی، جو محل میں آنے کے بعد ملکۂ زمانی کہلائی، اس کی ایک اور بیگم کا لقب صاحبہ محل تھا، یہ ملکہ زمانی کی خالہ زاد بہن اور ذوالفقار جنگ کی بیٹی تھی، (۳) محل اور شہر میں ان دونوں بیگمات کا بڑا احترام کیا جاتا۔ (۴)

---

(۱) خافی خان ص ۸۳۳۔ (۲) ایضاً ص ۹۳۷۔ (۳) سیر المتاخرین جلد سوم ص ۸۴۸۔ (۴) فال آف دی مغل امپائر جلد اول ص ۱۸۷ از جدو ناتھ سرکار۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی ایک اور بیوی کا نام اودھم بائی تھا، جو ایک نو مسلم رقاصہ تھی لیکن اس کی منظور نظر اور اس کی بیوی بن گئی، اسی کا لڑکا احمد شاہ محمد شاہ کا جانشین ہوا، کیوں کہ یہی اس کی تنہا اولاد نرینہ تھی، اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اس نے دہلی میں کشمیری دروازہ کے باہر ایک خوب صورت باغ لگوایا تھا جو قدسیہ باغ کے نام سے مشہور ہے، اس کے اندر ایک نہر بھی بہتی تھی، اسی باغ میں اس نے سنگ سرخ کی ایک شاندار مسجد بھی بنوائی تھی جس میں پچے کاری کے عمدہ نمونہ تھے۔

محمد شاہ کی اور بیویوں کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

احمد شاہ کی بیگمات: احمد شاہ کی محبوب بیوی کا نام عنایت پوری بائی، اس کی اور دو بیویاں سرفراز محل اور رانی اتم کماری تھیں۔(۱)

عالم گیر ثانی کی بیگمات: اس کی بیویوں میں سے ایک کا نام زینت افروز بیگم تھا۔(۲)

بہادر شاہ کی بیگمات: بہادر شاہ ظفر کے کئی بیویاں تھیں لیکن اس کی سب سے چہیتی بیوی زینت محل تھی، جو احمد قلی خاں کی بیٹی تھی، احمد قلی خاں احمد شاہ درانی کے خاندان میں سے تھا، زینت محل بہت ہی فرزانہ اور زیرک عورت تھی، بہادر شاہ کے ساتھ وہ بھی حکومت کے کاروبار میں حصہ لیتی رہی اور جس دستاویز پر اس کی مہر نہ ہوتی وہ غیر معتبر سمجھی جاتی، لال کنواں دہلی میں اس کے نام سے ایک محل بھی تھا، وہ وہیں مقیم رہتی اور بہادر شاہ اس محل میں جا کر قیام کرتے، جب یہ محل بنا تو بہادر شاہ ظفر نے اس کے لیے یہ تاریخ کہی : ع

کرد اے ظفر زینت محل تعمیر قصر بے بدل ☆ شد بر محل سال بنا ایں خانہ زینت محل
۱۲۶۲ھ

بہادر شاہ کے ساتھ زینت محل بھی رنگون گئی اور اس کے ساتھ پورے عزم اور استقامت کے ساتھ غربت کی زندگی بسر کرتی رہی، شوہر کی وفات کے بعد دہلی آنا پسند نہیں کیا، حالاں کہ اس کے اور اعزہ یہاں موجود تھے۔

شہزادیاں بابر کی لڑکیاں: بابر کی لڑکیوں کے حسب ذیل نام تھے، فخر النسا بیگم، گل بدن بیگم، گل

---

(۱) فال آف دی مغل امپائر از جدو ناتھ سرکار ص ۳۰۰۔ (۲) ایضاً جلد دوم ص ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہرہ بیگم، گل زار بیگم وغیرہ۔

﴿۱﴾ بابر کی پہلی لڑکی فخر النسا بیگم عائشہ سلطان کے بطن سے پیدا ہوئی لیکن ایک مہینہ کے بعد مرگئی۔

﴿۲﴾ گل بدن بیگم اور گل رنگ بیگم سگی بہنیں تھیں، گل بدن بیگم کا بچپن بابر کے ساتھ گذرا، جوانی ہمایوں کی جلاوطنی میں گذری اور بڑھاپا اکبر کے عہد میں گذرا، اس کی شادی خضر خواجہ خاں چغتائی سے ہوئی، جو اس کا چچازاد بھائی تھا، (۱) وہ اپنی اعلا تعلیم و تربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابل قدر انشا پرداز اور شاعر ہوئی، فارسی زمین میں اس کی مشہور تصنیف ہمایوں نامہ ہے، جو بابر اور ہمایوں کے عہد کے تمدنی معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے، اکبر کی ماں مریم مکانی اس کی بہت عزت کرتی تھی اور اس کو بیگم جیو کہہ کر پکارتی تھی۔ (۲) وہ مریم مکانی کے ساتھ حج کے لیے بھی گئی، اس کے ساتھ اس کی نواسی ام کلثوم بیگم بھی تھی۔ (۳)

﴿۳﴾ اس کی تیسری لڑکی گل چہرہ بیگم تھی، اس کی ماں کا نام دل دار بیگم تھا، اس کی شادی چودہ سال کی عمر میں بابر کے ماموں زاد بھائی سلطان تختا بغاں خاں سے ہوئی لیکن تین سال کے بعد بیوہ ہوگئی، اس کی دوسری شادی عباس سلطان اور بیگ سے ہوئی۔

﴿۴﴾ اس کی دوسری لڑکی گل رنگ خوست میں پیدا ہوئی، اس کی ماں کا نام دل دار بیگم تھا، اس کی شادی بابر کے چچازاد بھائی ایساں تیمور سے ہوئی۔ (۴)

بابر کی ایک اور لڑکی گل زار بیگم، گل رخ بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی، وہ مرزا کامران اور عسکری کی سگی بہن تھی، اس کی شادی یادگار ناصر سے ہوئی۔ (۵)

ہمایوں کی لڑکیاں: ہمایوں کی پہلی بیوی بیگہ بیگم سے ایک لڑکی عقیفہ بیگم تھی لیکن وہ چونسا کی جنگ کے موقع پر بھگدڑ میں ہلاک ہوگئی۔ (۶)

ہمایوں کی دوسری بیوی گونور سے ایک لڑکی بخشی بانو بیگم تھی، جو ۱۵۴۰ء میں پیدا ہوئی، وہ دس

---

(۱) ہمایوں نامہ مرتبہ اے، اس بے بیورج ص ۳۱۔ (۲) بزم تیموریہ ص ۳۹-۴۳۶۔ (۳) بلاخ من ص ۴۸۹۔

(۴) ہمایوں نامہ ص ۲۳۱۔ (۵) ہمایوں نامہ ص ۲۲۲۔ (۶) ایضاً ص ۲۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال کی تھی کہ اس کی شادی ابراہیم بن سلیمان سے ہوئی لیکن اس کا شوہر ۱۵۶۰ء میں ایک جنگ میں مارا گیا اور وہ بیس سال کی عمر میں بیوہ ہوگئی لیکن اکبر نے پھر اپنے زمانہ میں اس کی شادی میرزا شرف الدین حسین احراری سے کردی۔(۱)

ماہ چوچک سے ہمایوں کی دولڑکیاں تھیں، آمنہ بیگم اور بخت النسا بیگم، آمنہ بیگم کا انتقال شاید کم عمری میں ہوگیا، بخت النسا پہلے شاہ ابوالمعالی ترمذی سے بیاہی گئی، اس کے انتقال کے بعد خواجہ حسن نقشبندی کے نکاح میں دی گئی،(۲) اکبر اور سلیم کے جھگڑوں کو دور کرنے میں سلیمہ سلطان کے ساتھ وہ بھی تھی، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی ہوش مندی اور دانائی کے لیے ممتاز بھی رہی۔

اکبر کی لڑکیاں: اکبر کی تین لڑکیاں خانم سلطان، شکر النسا بیگم اور آرام بانو بیگم تھیں، پہلی لڑکی کسی کنیز کے بطن سے تھی لیکن اس کی شادی مرزا کامران کی لڑکی گل رخ بیگم کے لڑکے مظفر حسین سے ہوئی، آخری دولڑکیاں دولت شاہ کے بطن سے ہوئیں، شکر النسا کی شادی ۱۰۰۱ھ میں مرزا شاہ رخ سے ہوئی، جو ترقی کر کے اکبر کے عہد میں ہفت ہزاری منصب دار ہوگیا تھا۔(۳)

آرام بانو کو اکبر بہت عزیز رکھتا تھا، اس کے شوہر کا نام نظر سے کہیں نہیں گذرا، اس کی وفات چالیس سال کی عمر میں جہاں گیری عہد میں ہوئی۔(۴)

جہاں گیر کی لڑکیاں: ﴿۱﴾ سلطان النسامان بائی عرف شاہ بیگم کے بطن سے تھی۔

﴿۲﴾ بہار بانو راجہ کیشورداس راٹھور کی لڑکی کرم سی کے بطن سے پیدا ہوئی، اس کی شادی بڑے تزک واحتشام سے جہاں گیر کے بھائی شہزادہ دانیال کے شہزادہ طہمورث سے انجام پائی۔(۵)

جگت گسائیں یعنی شاہ جہاں کی ماں سے بھی اس کو ایک لڑکی ہوئی جس کا نام بیگم سلطان رکھا گیا، اس کی ایک لڑکی کا نام عفت بانو بھی تھا۔(۶)

شاہ جہاں کی لڑکیاں: شاہ جہاں کی چار لڑکیاں جہاں آرا بیگم، پرہیز بانو بیگم، روشن آرا بیگم اور

---

(۱) ہمایوں نامہ ص ۲۱۴۔ (۲) ہمایوں نامہ ص ۲۱۵۔ (۳) مآثر الامرا جلد ۳، ص ۳۳۲۔ (۴) تزک جہاں گیری ص ۳۹۶۔ (۵) آئین اکبری بلاخ من ص ۳۱۲۔ (۶) ایضاً ص ۳۲۳۔ و اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۸۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوہر آرا بیگم تھیں۔

جہاں آرا بیگم شاہ جہاں کی پہلی اولاد تھی، ممتاز محل کی وفات شاہ جہاں کے تیسرے سال جلوس میں ہوئی تھی، اس وقت جہاں آرا چھ سات سال کی تھی، اس لیے محل کا انتظام ستی النسا خانم کے ذمہ کیا گیا، جو ملک الشعرا حکیم رکن کاشی کے بھائی کی بیوی طالب آملی کی بہن اور ممتاز محل کی سہیلی تھی لیکن جب وہ سن شعور کو پہنچی تو شاہ جہاں نے ممتاز محل کے نصف زر و جواہرات اس کو دے دیے اور نصف اپنی اولادوں میں تقسیم کر دیا، میرزا اسحاق بیگ یزدی ممتاز محل کے میر ساماں تھے، وہ جہاں آرا کے دیوان مقرر ہوئے، اس نے تعلیم ستی النسا سے پائی، جو حافظ ہونے کے علاوہ زبان دانی، ادب شناسی، قرأت اور تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی، جہاں آرا تعلیم پا کر مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی، مونس الارواح اس کی مشہور تصنیف ہے، اس کو خواجگانِ چشت سے بڑی عقیدت تھی، ۱۰۵۳ھ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کو گئی، تو اثنائے سفر میں ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی رہی اور جب وہاں پہنچی تو غایت احترام میں رات کو پلنگ پر نہ سوئی اور نہ مزار مبارک کی طرف پاؤں پھیلائے، دن کو درختوں کے سائے میں رہی، رات کو چراغاں کیا اور جب روضۂ اقدس کے پاس پہنچی تو قبر پر نور کے سات پھیرے کیے اور اس کی خاک کو توتیائے چشم بنایا عطر اور مقطرات کو قبہ پر اپنے ہاتھ سے ملا اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، مزار پر چڑھایا اور بیٹھ کر سورہ یٰسین اور سورۂ فاتحہ پڑھتی رہی۔(۱)

جب اس کی وفات ہوئی تو خواجگان چشت کی عقیدت میں اپنی خواہش کے مطابق خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر انوار کے ٹھیک پائیں میں دفن ہوئی، وہ چاہتی تو بڑے سے بڑے مقبرے میں دفن ہو سکتی تھی لیکن غایت عقیدت میں خواجہ نظام الدین اولیا ہی کے جوار میں ابدی نیند سونا پسند کیا، اس کے مزار کا کٹہرا تو سنگ مرمر کا ہے لیکن تعویذ پر سبزہ ڈھکا رہتا ہے، اسی مناسبت سے یہ شعر بھی کندہ ہے:

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا ☆ کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

(۱) مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگرہ کے محل میں جہاں آرا کے لیے ایک خاص محل بنایا گیا تھا، یہ ایک سہ منزلہ عمارت تھی، اس کے تمام درودیوار میں اعلا درجہ کے نقش ونگار اور پچے کاری تھی، اس کا رہنا سہنا بھی بالکل شاہانہ تھا، وہ باپ کے ساتھ سفر میں جاتی تو کبھی ہاتھی پر اور کبھی چوڈول پر ہوتی، چوڈول تخت رواں کے مشابہ ہوتا، جس کو کہار اٹھاتے، اس کے ہر طرف روغن کاری ہوتی، اس پر ریشمی اور دلکش گھٹاٹوپ پردے ہوتے اور زری کی جھالریں اور پھندے لگے ہوتے، ۱۰۵۳ھ میں اس کے کپڑے میں اتفاقاً آگ لگ گئی تھی، جس سے وہ بری طرح جل کر زخمی ہوگئی، امید زندگی جاتی رہی، اس سے شاہ جہاں کو بڑا دکھ ہوا، تین روز تک روزانہ پانچ ہزار روپیے خیرات کرتا رہا، پھر ایک ہزار روزانہ اس کے تکیہ کے نیچے رکھ دیے جاتے جو صبح کو غربا میں تقسیم کردیے جاتے، چار مہینہ تک وہ کوئی کام جمعیت خاطر کے ساتھ نہ کرسکا، رات کو اٹھ اٹھ کر اس کی صحت کے لیے دعائیں کرتا، اس کے پاس بیٹھا رہتا، خود اس کو کھلاتا اور جب وہ اچھی ہوئی تو اس کا جشن آٹھ روز تک بڑی دھوم سے منایا گیا، شہزادی سونے میں تلوائی گئی اور یہ سونا غربا میں تقسیم کردیا گیا اور جب جہاں آرا شاہ جہاں کی خدمت میں کورنش کے لیے حاضر ہوئی تو اس وقت اس نے گراں بہا جواہرات لعل و یاقوت، زمرد اور مرصع زیورات اس پر نچھاور کیے اور آٹھ روز تک دو ہزار روپیے کے طلائی پھول روز نچھاور ہوتے رہے، شاہ جہاں روزانہ کچھ نہ کچھ جہاں آرا کو تحفے دیا کرتا تھا، پہلے روز اس نے موتی کے ایک سو تیس دانے دست بند کے لیے عطا کیے، جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیے تھی، دوسرے روز موتیوں کی سربندی عنایت کی جس میں الماس کا قیمتی ٹکڑا جڑا ہوا تھا، اس کی قیمت ایک لاکھ روپیے تھی، اس طرح چار لاکھ کے اور تحفے عطا کیے، دوسری شہزادیوں اور بیگموں کو بھی طرح طرح کے انعامات دیے جن کی قیمت دس لاکھ روپیے تھی، داراشکوہ کو خلعت کے علاوہ ایک لعل اور دو موتی سر پر باندھنے کے لیے عطا ہوا، پھر ایک جڑاؤ جمدھر، پھول کٹار اور ایک موتیوں کا غلاف اور دو لاکھ روپیے بھی عنایت کیے گئے، اس سے پہلے شاہ جہاں اورنگ زیب سے ناراض تھا لیکن اس موقع پر جہاں آرا کی سفارش پر اس کے قصور کو معاف کردیا گیا اور اس کو بھی خلعت اور منصب عطا ہوئے، شاہ جہاں نے ایک لاکھ روپیے مکہ کے غربا کے لیے روانہ کیے اور پچاس ہزار روپیے مدینہ بھجوائے اور چار لاکھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریف مکہ کو عطا کیا، خود جہاں آرا نے مدینہ منورہ کے لیے قندیل بھجوائی، عارف جراح جس کے مرہم سے جہاں آرا اچھی ہوئی تھی سونے سے تولا گیا اور اس کو ساٹھ ہزار روپیے خلعت اور گھوڑے اور ہاتھی مرحمت ہوئے، امرا کے مناصب میں بھی ترقی ہوئی، شعرا اور فقرا بھی اچھی طرح نوازے گئے(۱) اس موقع پر جہاں آرا کو سورت کی جاگیر ملی جس کی سالانہ آمدنی ساڑھے سات لاکھ روپیے تھی۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ جنگ جانشینی میں جہاں آرا نے عالم گیر کے بجائے داراشکوہ کا ساتھ دیا، اس لیے عالم گیر اور اس میں کچھ دنوں کدورت رہی لیکن پھر ختم ہوگئی اور وہ بادشاہ بیگم کے خطاب سے یاد کی جانے لگی، اس کا انتقال ۱۶۸۹ء میں ہوا، اس نے تین کروڑ روپیے کی دولت چھوڑی اور اس کی وصیت تھی کہ یہ سب دولت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خدام میں تقسیم کردی جائے۔

آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، یہ پانچ سال میں تعمیر ہوئی اور اس میں پانچ لاکھ روپیے صرف ہوئے ہیں،(۲) اس مسجد کے تین دروازے تھے لیکن اب شمال اور جنوب میں دو دروازے رہ گئے ہیں، جنوبی دروازہ کے سامنے خدام کے لیے گھر بنے ہوئے تھے، جو اب نہیں ہیں، مسجد کے گوشوں پر سرخ پتھر کے دو برج بنے ہوئے ہیں اور اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی برجیوں کی قطار چلی گئی ہے، مسجد کے اندر دائیں بائیں اکہرے بلند محراب دار سنگین دالانوں کی قطار ہے، جہاں طلبہ تعلیم پایا کرتے تھے، وسط صحن میں بڑا حوض ہے جس میں فوارہ لگا ہوا ہے، مسجد میں گیارہ در ہیں، درمیانی در زیادہ بلند ہے، دائیں بائیں پانچ پانچ در محراب دار بنے ہوئے ہیں، درمیانی در کی چوڑائی چالیس فٹ ہے، صحن سے مسجد کا چبوترہ گیارہ فٹ اونچا ہے، درمیانی در کے درمیان سنگین چبوترہ ہے جس پر سے اذان دی جاتی ہے، سامنے کے دروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں، مسجد کے اندر جانمازیں بنی ہوئی ہیں، دائیں بائیں جالیوں کے پردہ میں عورتوں کی جانمازیں ہیں جن کے ساتھ بڑے بڑے حجرے بھی ہیں، مسجد کا منبر سنگ مرمر کا ہے، محراب میں قرآن شریف کی آیتیں کندہ ہیں، چھت لداؤ میں اب بھی جھاڑ فانوس لگے ہوئے ہیں، چھت کے اوپر تین ہشت پہل سرخ گنبد ہیں، ان پر سنگ مرمر کی خوبصورت تحریریں ہیں، سامنے چھوٹی چھوٹی خوش نما برجیاں

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۹۰-۴۰۰ (۲) عبداللطیف ''آگرہ''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، پوری مسجد سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے، جس پر خوبصورت سنگ مرمر کی تحریریں جڑی ہوئی ہیں۔

اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کے پاس بیگمی دالان بھی اسی کا بنوایا ہوا ہے، اس کی تعمیر ۱۰۵۳ھ میں ہوئی، اس کا فرش سنگ افشاں بری کا ہے، جس پر زریں کا کام ہے، اس میں بہت خوب صورت سنگ مرمر کے ستون ہیں، دیواروں پر نہایت خوب صورت نقش ونگار ہیں، چھت میں تمامی کی چھت گیر ہے، وسط میں سنگ مرمر کی محراب ہے جس میں جواہرات کی پچی کاری ہے، اس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں، سائبان کے آگے دور تک سنگ مرمر کا فرش ہے اور اس کے اردگرد سنگین کٹہرہ ہے، اس میں قوالی ہوا کرتی ہے۔

دہلی کی ایک کاروان سرائے بھی جہاں آرا کی بنوائی ہوئی ہے، اس میں ۹۰ حجرے تھے، ہر حجرہ کے آگے ایک چبوترہ تھا، جس کا عرض پانچ گز تھا، اس میں دو بڑے بڑے کنویں اور ایک مسجد تھی، برنیر اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ کاروان سرائے ایک بڑی چوکور عمارت ہے، جس کے چاروں طرف دو منزلہ حجرے ہیں، ان کے سامنے برآمدے ہیں، یہ سرائے ممالک غیر کے تاجروں کی فرودگاہ ہے، یہ لوگ سرائے کے حجروں میں آرام وآسائش سے رہتے ہیں، سرائے کا دروازہ رات کو بند ہو جاتا ہے، اس لیے کسی قسم کا کھٹکا باقی نہیں رہتا، اب یہ سرائے باقی نہیں ہے، انگریزوں نے سرائے کی عمارت کو منہدم کر کے دہلی انسٹی ٹیوٹ کی عمارت بنوائی تھی۔

کشمیر میں ملا بدخشی کی مسجد بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اس کی تعمیر پر چالیس ہزار روپیے صرف ہوئے۔

آگرہ کا باغ جو اب سید کا باغ کہلاتا ہے، اسی کا لگوایا ہوا تھا، یہ اسّی بیگھے میں تھا، اس میں بیس بیگھے میں عمارتیں تھیں، اس میں ہر قسم کے پھل اور پھول لگے ہوئے تھے، شاہ جہاں اس میں تفریح کے لیے آتا اور جہاں آرا اس کی ضیافت پورے حوصلہ کے ساتھ کرتی۔

اس کا ایک دوسرا باغ صفاپور میں تھا، جس میں ایک وسیع تالاب اور بہت سی نہریں اور آبشاریں بنی ہوئی تھیں، شاہ جہاں ۱۰۵۰ھ میں یہاں آیا تو جہاں آرا نے تالاب میں بہت سی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کشتیاں ڈلوادی تھیں، جس پر مختلف قسم کی عمارتیں بنی ہوئی تھیں اوران میں چراغاں ہورہا تھا، شاہ جہاں یہاں تین روز تک ٹھہرارہا۔

اس کا تیسرا باغ صاحب آباد دہلی میں تھا، جو بیگم یا ملکہ کا باغ کے نام سے مشہور تھا، یہ چاندنی چوک کے پاس تھا، یہ باغ نوسو بہتر گز طویل اوردوسو بیالیس گز عریض تھا،اس میں مکانات، سیرگاہیں، بارہ دریاں اورنشیمن بنے ہوئے تھے، یہاں بعض مکانات میں حیوانات بھی رکھے جاتے تھے،اس باغ میں بہت سے حوض اورآبشاریں تھیں، جابجا فوارے تھے،ایک خوب صورت چشمہ تھا، جو چارسوگز کی بلندی سے گرتا تھا، ۱۰۸۷ھ میں عالم گیراپنی بیگمات کے ساتھ یہاں آیا تو جہاں آرانے اس کی پوری میزبانی کی، جس کے صلہ میں اس نے تیس ہزارروپیے اٹھارہ توڑ پارچہ، جمدھر مرصع مع پھول کٹارہ، ایک عدد مرصع پان دان، مینا کا پیک دان، طلائی خوانچہ اور بلوری چوگھڑہ عنایت کیے۔

جہاں آرا کی وفات ستر سال کی عمر میں ۱۶۸۱ء میں ہوئی، اس کی وفات پر عالم گیر کے حکم سے دربار میں تین دن تک سوگ منایا گیا۔

شاہ جہاں کی لڑکیوں میں جہاں آرا کے بعد روشن آرا ہی کا نام نمایاں تھا، جنگ جانشینی میں اس نے اورنگ زیب کا ساتھ دیا اوراس کو محل کے اندر کی باتوں سے مطلع کرتی رہتی، اسی لیے جب اورنگ زیب کی تخت نشینی ہوئی تو اس نے روشن آرا کو پانچ لاکھ روپیے عطا کیے، عالم گیر کے زمانے میں اس کو بڑا عروج رہا، بڑی شان وشوکت کی زندگی گذاری، چنانچہ برنیر نے اس کی سواری کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''شہزادیوں کی مختلف سواریاں ہوتی ہیں، بعض کی سواری چوڈول ہوتی ہے، جس کو کہار اپنے کاندھوں پر لے چلتے ہیں، یہ تخت رواں کی طرح ہوتا ہے، یہ سنہرا، مصور اور مختلف رنگ کی ریشمی جالیوں سے ڈھکا رہتا ہے، جن پر زری کے کام ہوتے ہیں، بعض کی سواری پالکی ہوتی ہے، اس پر اسی طرح ریشمی جالیاں پڑی رہتی ہیں، بعض کی سواری ڈولی ہوتی ہے، جس کو دو توانا اونٹ یا دو چھوٹے چھوٹے ہاتھی کے درمیان باندھ دی جاتی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سواری پر روشن آرا بیگم کو کئی بار سفر کرتے ہوئے میں نے بعض اوقات دیکھا ہے، اس ڈولی کے آگے کوئی خوش پوشاک کنیز ہوتی جو مور کے دم کی مورچھل لیے شہزادی پر سے مکھیاں ہانکتی رہتی، بیگمات ہاتھی کی پیٹھ پر بھی سفر کرتی ہیں، اس وقت ہاتھیوں پر چاندی کے بڑے بڑے گھنٹے آویزاں رہتے، ان عجیب وغریب قسم کی زری کی جھولیں پڑی رہتیں، حسین اور ممتاز بیگمات میگڈ نیر پر بیٹھی رہتیں، اس طرح وہ برتر چیزوں کی طرح زمین کے اوپر ہوا کے دوش پر ہوتیں، ہر میگڈ نیر میں آٹھ عورتیں ہوتیں، چار چار دونوں طرف، یہ ریشمی پردوں سے گھرے ہوتے اور جو ڈولی اور تخت رواں ہی کی طرح مرصع ہوتے، خیال کو کتنی ہی وسعت دی جائے مگر روشن آرا کی سواری سے زیادہ پرشکوہ اور شان دار درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئے گا، یہ بیگم پیگو کے نہایت عمدہ اور قد آور ہاتھی پر سوار تھی، جس کے میگڈ نیر میں سنہرے اور لاجوردی رنگ کی چمک دیکھنے میں آئی تھی، اس کے پیچھے پانچ چھ ہاتھی اور تھے، جن کے میگڈ نیر بھی ویسے ہی شان دار تھے، ان میں اس کے محل کی عورتیں بیٹھتی تھیں، شاہزادی کے ساتھ اس کے خاص خاص خواجہ سرا قیمتی پوشاک پہنے گھوڑوں پر سوار تھے اور ہاتھوں میں خنجر لیے ہوئے تھے، اس کے ہاتھی کے اردگرد تاتاری اور کشمیری عورتوں کا ایک رسالہ تھا جو عجیب پوشاک پہنے ہوئے بادپا گھوڑوں پر سوار تھیں، ان کے علاوہ بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار تھے، جن کے ساتھ پیادوں کی ایک بھیڑ تھی، ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے عصا تھے، وہ شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دور آگے آگے سامنے لوگوں کو ہٹاتے چلتے تاکہ راستہ صاف رہے، شہزادی روشن آرا بیگم کے دستے کے پیچھے حرم کی ممتاز بیگم کی سواری تھی، جس میں وہی شان تھی، اس کے بعد دوسری، تیسری اور چوتھی بیگمات کی سواری تھی، یہاں تک کہ پندرہ سولہ بیگمات کی سواریاں ان کے رتبے کے مطابق اسی شان سے گذریں۔''

بعض سیاسی معاملات میں عالم گیر اس سے کچھ دنوں کے لیے خفا ہو گیا تھا لیکن پھر تعلقات اچھے ہو گئے اور جب اس کی وفات ہوئی تو عالم گیر نے اس کا پورا سوگ منایا اور اس کے متعلقین کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑی عنایتوں سے نوازا، مآثر عالم گیری میں ہے:

''روز پنجشنبہ ہفدہم جمادی الاول نواب عفت مآب روشن ادائے بیگم ہمشیرہ بندگان حضرت رو در نقاب عدم کشید و در خلوت سرائے عالم اقدس ارامش گزید، آں ملکہ جہاں عصمت بہ خصائل حمیدہ وشمائل پسندیدہ ومحبت باگرامی برادر اتصاف داشت، بادشاہ جہاں آرا بمہاجرت حسین محترمہ شقیقہ دل غمی ودیدہ نمی شد ناکام برضائے قادر مختار پرداختہ زاد وراحلۂ بجا آورد خیرات ومثوبات بہ خوشنودی روح آں پاک نژاد مہیا ساختہ متعلقان مرحومہ را از ذکور و اناث فراواں عنایت و رعایت از لباس تقریب بیروں آوردند''۔

(ص ۱۱۱-۱۱۰)

عالم گیر کی لڑکیاں: عالم گیر کی چار لڑکیاں زیب النسا، زینت النسا، بدر النساء اور زبدۃ النسا تھیں، ان میں سب سے زیادہ شہرت زیب النسا کو ہوئی جو تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گل سرسبد تھی، اس کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل ہم اپنی کتاب بزم تیموریہ میں لکھ چکے ہیں، اس لیے اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں، وہ محل کی سیاست میں بھی حصہ لیتی رہی، ۱۰۹۰ھ میں شہزادہ اکبر اپنے باپ سے باغی ہو گیا تو زیب النسا کے کچھ ایسے خطوط پکڑے گئے جن کو پڑھ کر اورنگ زیب اس سے بہت برہم ہوا اور اس کی تنخواہ جو چار لاکھ سالانہ تھی بند کر دی اور قلعہ سلیم گڈھ میں نظر بند کر دیا لیکن پھر تعلقات اچھے ہو گئے، کیوں کہ ۱۰۹۴ھ میں حمیدہ بانو (والدہ روح اللہ خاں) کی وفات ہوئی تو عالم گیر نے اسی کو روح اللہ خاں کے گھر تعزیت کے لیے بھیجا، اسی سنہ میں شہزادہ کام بخش کی شادی ہوئی تو تمام تقریبات زیب النسا ہی کے یہاں انجام پائیں، عالم گیر کے حکم سے تمام ارکان دربار اس کی ڈیوڑھی تک پاپیادے گئے اور نگ زیب اس کی برابر عزت کرتا رہا، جب وہ کہیں باہر سے آتی تھی تو اس کے استقبال کے لیے وہ شہزادوں کو بھیجتا تھا، زیب النسا نے کشمیر میں چشمہ احوال کے پاس ایک باغ بھی لگایا تھا، جس میں پر تکلف عمارتیں بھی تھیں، ۱۰۷۲ھ میں عالم گیر کشمیر گیا تو یہاں ایک دن مقیم رہا، زیب النسا نے قاعدہ کے مطابق نذر پیش کی اور روپیے نچھاور کیے۔

بھائیوں سے بہت محبت کرتی تھی، جب اعظم شاہ مرض استسقاء میں مبتلا ہوا تو وہی تیمار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داری کرتی تھی، اس کی خاطر مرض کی مدت میں اس کے ساتھ پرہیزی غذا کھاتی رہی، ۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۰ء میں اس کا انتقال ہوا تو عالم گیر اس وقت دکن میں تھا، موت کی خبر ملی تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر سید امجد خاں شیخ عطاء اللہ حافظ خاں کو حکم دیا کہ اس کے ایصال ثواب کے لیے صدقات وخیرات تقسیم کریں۔(۱)

عالم گیر کی دوسری لڑکی زینت النسا تھی جو ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۳ء میں پیدا ہوئی، جب زیب النسا اورنگ زیب کے ساتھ سفر میں نہ جاتی تھی تو زینت النسا ہی اس کی معیت میں رہتی تھی، وہ دینی احکام اور شرعی مسائل سے اچھی طرح واقف تھی۔(۲) اورنگ زیب کی وفات کے بعد جنگ جانشینی میں اس نے اپنے سگے بھائی اعظم شاہ کی طرف داری کی لیکن اس کو شکست ہوئی۔

زینت النسا کی سب سے بڑی یادگار دہلی میں اس کی بنائی ہوئی مسجد ہے جو محلہ دریا گنج میں خیراتی گھاٹ کے پاس ہے اور زینت المساجد کے نام سے مشہور ہے، دہلی کی جامع مسجد کے بعد یہی مسجد بڑی اور خوب صورت ہے گو اب اچھے حال میں نہیں ہے، پوری مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔............................اُس کے تین برج سنگ مرمر کے ہیں، جن پر سنگ موسیٰ کی دھاریاں ہیں، مسجد میں داخل ہونے کے لیے شمال اور جنوب میں محراب دار دروازے ہیں، جن میں بیس بیس سیڑھیاں ہیں، مسجد کا صحن ۱۹۵ فٹ لمبا اور ۱۱۵ فٹ چوڑا ہے، جس میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، مسجد کے صحن میں ایک مستطیل حوض ہے جس کے چاروں طرف ایک پتلی نالی بنی ہوئی ہے، چبوترے پر سنگ مرمر کا حاشیہ لگا ہوا ہے، حوض کے اندر پہلے سنگ مرمر کی بندش تھی، جو اب نہیں رہی، مسجد کے صحن کے چاروں طرف سنگ سُرخ کا اونچا کٹہرا ہے جو دو فٹ بلند ہے، مسجد میں سات بنگڑی دار محرابوں کے در ہیں، بیچ کے در کے روکار پاکھوں اور پیشانی پر چوڑی چوڑی سنگ مرمر کی پٹیاں ہیں، مسجد کے ہر دو جانب بڑے بڑے چار کھنڈ سے سو سو فٹ بلند مینارے ہیں جن پر سنگ سرخ کی برجیاں ہیں اور ان کے قبے سنگ مرمر کے آٹھ دروں پر ایستادہ

(۱) عالم گیر نامہ ص ۳۶۸، ۴۰۹، ۸۳۰۔ مآثر عالم گیری ص ۲۲۳، ۲۲۵، ۵۶۲، ۵۳۸۔ دیکھو مقالات شبلی تاریخی مضمون زیب النسا بیگم۔(۲) مآثر عالم گیری ۲۴۴، ۳۱۴، ۳۴۳، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۸۵، ۴۰۸، ۵۱۷، ۵۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اوپر کلس سونے کے ہیں، مسجد کا گنبد نما بیچ کا در تہرا بنا ہوا ہے جس کے سامنے پانچ سیڑھیاں ہیں اور ایسی ہی پانچ پانچ سیڑھیاں دونوں طرف کے بیچ کے در کے سامنے ہیں، دریا کے رُخ پر شمال سے جنوب کی طرف تیرہ حجرے ہیں جس میں دو سہ دریاں ہیں اور تین محراب دار حجرے اور باقی سنگین چوکھٹ کی کوٹھریاں ہیں، یہ کوٹھریاں خدام کے رہنے اور مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے بنائی گئی تھیں، مسجد کے عقب میں چار سنگ مرمر کے کشادہ بُرج تھے جو اَب نہیں ہیں، اسی مسجد میں زینت النسا بیگم کی قبر بھی تھی، اس کے پاس ایک چھوٹا برج تھا اس کے نیچے دو مجر تھے، ایک مجر سنگ پاسی اور ایک سنگ مرمر کا تھا، اس میں فرش اور تعویذ بھی سنگ مرمر کے تھے، اسی پر زینت النسا کا سنہ وفات ۱۱۲۲ھ کندہ تھا، غدر کے بعد انگریزوں نے اس کی قبر کو مسمار کر دیا، زینت النسا نے اپنی قبر کا احاطہ اس مسجد میں اپنی زندگی ہی میں بنوایا تھا۔

بہادر شاہ اول نے اپنی بادشاہت کے زمانے میں اس کا دیرینہ وقار قائم رکھا تھا اور اس کو بادشاہ بیگم کا خطاب دیا تھا، اس نے اسّی سال کی عمر میں ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۰ء میں وفات پائی، زیب النسا اور زینت النسا دلرس بانو کے بطن سے تھیں۔

اورنگ زیب کی تیسری لڑکی بدرالنسا بیگم نواب بائی کے بطن سے تھی، ۱۶۴۷ء میں پیدا ہوئی، شباب کے عالم میں وفات پائی۔

چوتھی لڑکی زبدۃ النسا بیگم تھی، جس کی شادی داراشکوہ کے لڑکے سپہر شکوہ سے ہوئی، اس کی پانچویں لڑکی مہرالنسا بیگم اورنگ آبادی محل سے تھی ۱۶۱۶ء میں پیدا ہوئی، اس کی شادی شہزادہ مراد بخش کے لڑکے ایزد بخش سے انجام پائی۔

شہزادیوں کی شادی عموماً خاندان ہی میں ہوتی تھی، آگے چل کر فرخ سیر کی لڑکی محمد شاہ سے ۱۷۲۰ء میں ہوئی، البتہ نادر شاہ کے لڑکے نصر اللہ کی شادی ۱۷۳۹ء میں شہزادہ داور بخش کی لڑکی عفت النسا سے ہوئی، اسی طرح عالم گیر ثانی کی لڑکی زہرہ بیگم عرف گوہر افروز یا محمدی بیگم کا نکاح احمد شاہ ابدالی کے لڑکے تیمور شاہ سے ہوا جو احمد شاہ ابدالی کی طرف سے لاہور، ملتان اور ٹھٹھ کا سپہ سالار تھا اور خود احمد شاہ ابدالی نے محمد شاہ کی لڑکی حضرت بیگم سے نکاح کیا، سیر المتاخرین میں ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد شاہ کی بیوی ملکۂ زمانی مرہٹوں کی غارت گری اور عماد الملک کی نمک حرامی سے اس قدر عاجز آگئی تھی کہ احمد شاہ ابدالی کی پناہ میں آکر ہندوستان چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور اپنی لڑکی حضرت محل کا پیام بھی اس کے پاس بھیجا، احمد شاہ ابدالی نے اس کو موجب افتخار اور شہرۂ روزگار سمجھ کر قبول کر لیا اور حضرت محل کو اپنے نکاح میں لا کر اس کی ماں ملکۂ زمانی اور سوتیلی ماں صاحب محل کو اپنے ہمراہ لے گیا۔(۱)

آخر میں احمد شاہ درّانی کے خاندان کی ایک لڑکی بہادر شاہ ظفر کی زوجیت میں آئی جو تاریخوں میں زینت محل کے نام سے مشہور ہے۔

ناموس حرم: حرم میں بیگمات کی عزت وناموس کا بڑا خیال کیا جاتا، کوئی غیر محرم اُن کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ لیتا تو ان کی بڑی توہین سمجھی جاتی، نور جہاں ایک بار محل کے کوٹھے پر ٹہل رہی تھی، کہ ایک راہ گیر نے اس کی طرف گستاخانہ طور پر نظر اٹھا کر دیکھا، اس کی ناموس حیا نے یہ گوارا نہیں کیا اور اس نے طپنچہ اٹھا کر اس کو ہلاک کر دیا، جہاں گیر کو یہ خبر ملی تو اس نے نور جہاں سے اس قتل کی باز پرس کی، نور جہاں نے جرم کا اقرار تو کر لیا لیکن راہ گیر کی گستاخ نگاہی کی فریاد بھی کی:

نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا ☆ میری جانب سے کرو عرض بہ آئینِ حسن
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں ☆ مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ ''بزن''
اس کی گستاخِ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک ☆ کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن

لیکن جہاں گیر اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا، مفتیوں سے فتویٰ پوچھا تو انھوں نے قاتل کی سزا موت بتائی، جہاں گیر نے حکم دیا کہ نور جہاں جلاد کے حوالے کر دی جائے، نور جہاں نے خون بہا پیش کیا، مقتول کے وارث خون بہا لینے کے لیے تیار ہوئے تو سزائے موت روک دی گئی، عدل پسند جہاں گیر نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا لیکن جب وہ محل میں نور جہاں کے پاس پہنچا تو:

دفعۃً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا ☆ تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من

اسی طرح ایک بار جہاں آرا بیگم باغ کی سیر کو ہاتھی پر پردہ ڈال کر نکلی تو اس عہد کا ایک

(۱) سیر المتاخرین جلد سوم ۹۰۰-۸۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاعر صیدی طہرانی چھپ کر تماشہ دیکھنے لگا، جب ہاتھی اُس کے پاس سے گذرا تو اُس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا:

برقع برخ افگندہ برو ناز بباغش ☆ تانگہت گل بیختہ آید بہ دماغش

جہاں آرا نے سُن کر حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لایا جائے، وہ آیا تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچ ہزار روپیے دلوائے لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دیا جائے کیوں کہ جہاں آرا بیگم کو شعر تو پسند آیا لیکن گستاخی پسند نہ آئی۔ (کلمات الشعراص ۱۴ مدراس ایڈیشن)

برنیر نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ "محال ہے کہ کوئی ان بیگمات کے نزدیک جا سکے اور قریب قریب ناممکن ہے کہ وہ انسان کو نظر آ سکیں، وائے برحال اس سوار کے جو اتفاق سے ان بیگمات کی سواری کے نزدیک جا نکلے کیوں کہ وہ شخص کیسا ہی ذی مرتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھوں سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اس کی خوب ہی گت بناتی ہیں۔

اور یہ روایت نہایت فخر سے بیان کی جاتی ہے کہ شہزادہ محمد اعظم کی بیوی جہاں زیب بانو کے سینہ میں ایک دانہ نمودار ہوا جو برابر بڑھتا گیا اور جب شاہی اطبا نے اس کو لا علاج بتا دیا تو ایک انگریز ڈاکٹر موسی مارٹن نے اپنی ایک رشتہ دار لیڈی ڈاکٹر سے اس کا علاج کرانا چاہا لیکن جب جہاں زیب بانو کو معلوم ہوا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر شراب پیتی ہے تو اس سے یہ کہہ کر علاج کرانے سے انکار کر دیا کہ ایک فاسقہ کا ہاتھ میرے جسم کو مس نہ کر سکے، آخر اسی مرض میں اس کی وفات حیدر آباد میں ہوگئی، وہاں سے اس کی لاش دہلی لائی گئی اور حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مقبرے کے پاس دفن کی گئی، انتقالِ نعش، تقسیم خیرات اور تجہیز و تکفین میں دو لاکھ روپیے خرچ ہوئے۔

(مآثر عالم گیری ص ۹۵-۴۹۴)

جاناں بیگم اکبر کی بہو اور شہزادہ دانیال کی بیوی اور بیرم خان کی لڑکی تھی، جو بڑی حسین و جمیل اور تعلیم یافتہ خاتون تھی، شہزادہ دانیال کے انتقال کے بعد شہزادہ سلیم اس کے حسن و جمال پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فریفتہ ہوگیا اور جب خود تخت پر بیٹھا تو جاناں بیگم کو نکاح کا پیام دیا، وفا شعار خاتون نے اس کے جواب میں کل دانت نکلوا کر اور زلفیں ترشوا کر جہاں گیر کے پاس بھجوا دیں جو ایسی عفت وحیا کا نمونہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر کبھی نکاح کی خواہش نہیں کی، جاناں بیگم علما وفضلا وصلحا کی بڑی قدرداں رہی، زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئی، کلام مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی سعادت حاصل کی، شاعرہ بھی تھی، (مرأۃ العالم ورق ۳۷۷ دربار اکبری)

فرخ سیر کے جانشیں رفیع الدرجات کی بیگم عنایت بانو نے بھی اسی قسم کی وفا شعاری اور ناموس کا نمونہ پیش کیا، رفیع الدرجات کی بیگم کے حسن پر قطب الملک فریفتہ ہوا تو اُس نے یہ پیام کہلا بھیجا کہ وہ اس کے زلف گرہ گیر کا اسیر ہے تو بیگم کو یہ ناگوار گذرا اور اس نے اپنی زلفیں ترشوا کر قطب الملک کے پاس بھجوا دیں۔(۱)

سموگڈھ کی جنگ میں دارا کے خلاف شہزادہ مراد بڑی ہمت ودلیری اور پامردی کے ساتھ لڑا، اس کا ہودج تیروں سے چھلنی ہوگیا تھا اور ہاتھی کے اردگرد زمین ارغوانی اور زعفرانی ہوگئی تھی، پھر بھی مراد قدم جما کر لڑتا رہا آخر میں فتح یاب ہوا، اس کا یہ ہودج دودمان تیموری کی شجاعت اور پامردی کی یادگار میں خزانہ عامرہ میں رکھ دیا گیا تھا، فرخ سیر کے زمانہ میں ساداتِ بارہہ نے تیموری خاندان کے افراد پر استیلا اور غلبہ پانے کی کوشش کی تو فرخ سیر کے محل کی بیگمات نے غصہ میں اُن سے کہا کہ ہم اس خاندان کے افراد ہیں جن کی شجاعت کی یادگار یہ مشبک ہودج اب تک محفوظ ہے۔(۲)

نادر شاہ نے دہلی کو تباہ وبرباد کیا تو اُس نے شاہی بیگمات کی عزت وناموس کی روایت کا بڑا لحاظ رکھا اور انگریز مورخین بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے ان بیگمات کے ساتھ کسی قسم کا اہانت آمیز سلوک نہیں کیا۔(۳)

شاہی حرم سرا کے خاص خاص قوانین: اکبر کے زمانہ میں محل کے اندر پانچ ہزار عورتیں رہتی تھیں، اُن کے لیے علاحدہ علاحدہ مکانات تھے، اُن کی نگہبانی کے لیے پارسا عورتیں بطور داروغہ مقرر تھیں،

(۱) ارون لیٹر موغلز جلد اول ص ۴۱۷۔(۲) خافی خاں جلد دوم ص ۱۳۰۔(۳) ارون جلد دوم ص ۳۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک باعصمت اور پرہیزگار عورت احوال نویسی کرتی، حرم شاہی کے اندرونی حصہ میں باعصمت عورتیں پاسبانی کرتیں، باہر خواجہ سراؤں کا پہرہ ہوتا، اُن کے بعد قابل اعتماد راج پوتوں کا گروہ ہوتا حصار کے دروازوں پر جفاکش پاسبان ہوتے، اُن کے علاوہ حصار کے چاروں طرف امرا احدی اور دیگر اہل فوج مرتبہ بمرتبہ نگہبانی کرتے، اگر امرا کی بیگمات حرم شاہی میں حاضر ہوکر باریابی کی سعادت حاصل کرنا چاہتیں تو پہلے بیرون حرم کے عہدہ داروں کے پاس اپنی درخواست پیش کرتیں اور وہاں سے جواب ملتا تو محل کے حکام کی خدمت میں اُن کی درخواست بھیجی جاتی، وہاں سے اجازت ملتی تو حرم میں جاتیں، بعض قابل اعتماد بیگمات ایک ماہ تک حرم کے اندر قیام کرتیں (۱) یہی دستور تھوڑے سے ترمیم و اضافہ کے ساتھ اکبر کے جانشینوں کے عہد حکومت میں بھی رہا۔

گھریلو کام اور خدمت گزاری کے لیے خواجہ سرا اور کنیزیں رہا کرتی تھیں (۲) جن کی بڑی کثرت ہوتی، آگے ذکر آئے گا کہ احمد شاہ ابدالی کی شادی حضرت محل سے ہوئی تو جہیز میں چار سو کنیزیں دی گئیں، یہ جہیز اس وقت دیا گیا جب حکومت پر زوال آچکا تھا، عروج کے زمانے میں بیگمات اور شہزادیوں کی خدمت میں معلوم نہیں کتنی کنیزیں رہتی ہوں گی، اُن کے نام بھی بڑے ہی دل کش ہوتے، زعفران گلشن، نرگس، سوسن، شمشاد، سنبل، دلآرام، انارکلی، نورتن، گل سحر، مہتاب وغیرہ۔

شاہی کنیزوں کے ناموں کی مناسبت ہی سے دیا شنکر نسیم نے شہزادی بکاؤلی کی زبان سے گلزار نسیم میں یہ اشعار لکھے ہیں:

نرگس تو دکھا کدھر گیا گل ☆ سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبل مرا تازیانہ لانا ☆ شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا

ان اشعار کے بعد نسیم لکھتے ہیں:

تھرائیں خواصیں صورت بید ☆ اک ایک سے پوچھنے لگی بھید
نرگس نے نگاہ با زیاں کیں ☆ سوسن نے زباں درازیاں کیں

---

(۱) آئین اکبری جلد اول ص ۱۵۔ (۲) مآثر الامرا جلد اول ص ۱۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کنیزیں عام طور سے اصطلاح میں خواص (۱) اور پرستار (۲) کہلاتیں، آگے چل کر اصیل اور مغلانی بھی کہلانے لگیں، جان صاحب کا شعر ہے:

کرلیا اپنا انھیں آئی وہ مکارِ اصیل ☆ بی بی ہیں باندی بنی گھر کی ہے مختار اصیل

مغلانی اس ملازمہ کو کہتے جس کے ذمہ کپڑے سینے کا کام ہوتا۔

زنانہ تکلفات: محلوں کی زیب و آرائش بیگمات اپنے اپنے ذوق کے مطابق کرتیں، یہ تکلفات نور جہاں کے محل میں آنے سے زیادہ بڑھ گئے تھے، نور جہاں کی خلوت اور اس کے کمروں کے درودیوار ہر روز نئے خوش رنگ اور خوش بودار پھولوں سے آراستہ کیے جاتے اور دروازے کے پردے بھی پھولوں سے بنائے جاتے، دیواروں پر پھول اس طرح سجائے جاتے کہ ان ہی دیواروں میں سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے، بعض حصوں کے خاص خاص نام تھے، مثلاً پھول محل، سوسن منزل، گل کدہ، لالہ چہر وغیرہ، جہاں گیر کہا کرتا تھا کہ نور جہاں سے پہلے میں گھر کی زینت اور شادی کے جشن کے معنی سے ناواقف تھا۔ (۳)

نور جہاں نے اپنے باپ اعتماد الدولہ کے مقبرہ میں تناسب، توازن، ہمواری اور اعلا ذوق کی پاکیزگی کا جو ثبوت دیا وہی زنانہ محل میں ظاہر ہوتی رہتی تھی، اسی لیے اس نے نور محل کا لقب پایا، محل کے اندر بیگمات کے زیورات میں نفاست اور لطافت نور جہاں ہی نے پیدا کی اور آج تک جتنے سبک اور خوب صورت زیورات پہنے جاتے ہیں وہ نور جہاں ہی کے زمانے سے چلے آرہے ہیں، پہلے دری کے اوپر چاندنی نہیں بچھائی جاتی تھی، چاندنی نور جہاں ہی کی ایجاد ہے، شادی کے موقع پر دلہا دلہن کے جوڑوں میں بادلہ اب تک استعمال کیا جاتا ہے، یہ نور جہاں ہی کی اختراع ہے، کسی تقریب کے موقع پر ہاتھیوں پر جھولیں ڈالی گئیں، ان پر گل بوٹے ایسے دلآویز تھے کہ جہاں گیر بھی دیکھ کر ششدر رہ گیا، خان ساماں کو بلا کر پوچھا کہ ان زربفت جھولوں کی تیاری میں کیا خرچ ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جھولیں محل کے اندر سے آئی ہیں، جہاں گیر نے نور جہاں سے اپنی

(۱) تزک جہاں گیری ص ۱۵۔ (۲) پرستار زادہ نہ آید بکار ☆ اگرچہ بود زادۂ شہریار (۳) مآثر الامرا جلد اول ص ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسندیدگی کا اظہار تو کیا لیکن یہ بھی ظاہر کیا کہ ہاتھی کی جھولوں کے لیے زربفت کو اس طرح کاٹ کاٹ کر گل بوٹے بنانا مناسب نہ تھا لیکن نورجہاں نے جواب دیا کہ زربفت کاٹے نہیں گئے بلکہ امرا کے یہاں سے جو خریطے (خوان پوش) آتے، اُن ہی کو محفوظ رکھ کر یہ جھولیں بنائی گئی ہیں، جہاں گیر سُن کر دنگ رہ گیا۔(۱)

محل میں جب کوئی جشن منایا جاتا، تو نورجہاں اس کا اہتمام خود کرتی، زینت و آرائش کے تکلفات اتنا بڑھا دیتی کہ خود جہاں گیر متحیر ہو جاتا، سولہویں سال جلوس میں جہاں گیر بیمار پڑا اور جب اس کو شفا ہوئی تو اس خوشی میں نورجہاں نے ایک جشن منایا، اس جشن کا ذکر کرتے ہوئے جہاں گیر لکھتا ہے کہ:

> ''نورجہاں نے ایک مجلس مرتب کی جس کو دیکھنے والے دیکھ کر متحیر ہو گئے، جب سے نورجہاں میرے عقد میں آئی ہے، شمسی اور قمری وزن کے جشن کے موقع پر حکومت کی شان کے مطابق مجلسوں کی ترتیب ہوتی رہی لیکن اس جشن میں اتنے تکلفات کیے گئے کہ اُن سے زیادہ ہو نہیں سکتے تھے اور نورجہاں نے مجلس کی آرائش اور ترتیب میں اپنی پوری توجہ ختم کر دی۔(۲)

نورجہاں نے ایک چق تیار کی تھی، جس میں قیمتی موتی، یاقوت اور زمرد لگے ہوئے تھے۔(۳)

تقریبوں اور تہواروں کے موقع پر تکلفات کی کوئی حد نہیں رہتی تھی، ایسے موقعوں پر جو آرائش دربار میں کی جاتی، وہی محل کے اندر بھی ہوتی جیسا کہ آگے جا بجا ذکر آئے گا۔

محل کی اور بیگمات بھی اسی تکلف کو راہ دیا کرتی تھیں، عبدالرحیم خانخاناں کی بیٹی جاناں بیگم اکبر کے لڑکے دانیال کی بیوہ تھی، باپ کے ساتھ دکن میں رہا کرتی تھی، جہاں گیر جب دکن کے دورہ پر گیا تو اس نے بادشاہ کے ساتھ لشکر کو بھی مدعو کیا، خزاں کا موسم تھا، درختوں میں میوے نہ تھے، پتے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو منتخب اللباب جلد اول ص ۲۶۹۔ و مآثر الامرا جلد اول ص ۱۳۲۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۳۴۱۔ (۳) منتخب اللباب ص ۸۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی جھڑ گئے تھے، جاناں بیگم نے دور دور سے مصور اور نقاش جمع کیے، کاغذ اور کپڑے کے پھول پتے کتروائے، موم اور لکڑی کے پھل ترشوائے اور اُن پر ایسا رنگ و روغن چڑھوایا کہ نقل و اصل میں کوئی فرق نہ رہا اور درختوں میں لگوادیے، تمام درخت پھلوں سے بھرے نظر آتے تھے، جہاں گیر آیا تو روشوں پر چلتے چلتے ایک پھل پر ہاتھ ڈالا، اس وقت معلوم ہوا کہ کل کارخانہ سبز باغ تھا، کاریگروں کی صناعی اور جاناں بیگم کی خوش مذاقی سے بہت محظوظ ہوا۔(۱)

زنانہ تفریحات: زنانہ محل کے اندر ایک دنیا آباد رہتی، بیگمات اور شہزادیوں کے ساتھ اتنی سہیلیاں اور کنیزیں رہا کرتی تھیں(۲) کہ اندر ہر قسم کی چہل پہل رہتی اور حرم کے رہنے والیوں کو یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ وہ چہار دیواری کے اندر ہیں، اُن کی دل چسپیوں کا پورا سامان کیا جاتا۔

مینا بازار: بیگمات کا سب سے اہم اور دل آویز تفریحی اور معاشرتی اجتماع مینا بازار میں ہوا کرتا تھا، جو ہر مہینہ ایک بار لگا کرتا تھا، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اس بازار میں عورتیں بے حد شوق کے ساتھ سوداگری کے لیے جمع ہوتیں اور ہر جگہ سے اعلا صنعتیں اور دوسرے ساز و سامان جمع کیے جاتے، شاہی محل کی بیگمات شہزادیاں اور امرا کی مستورات بازار میں آتیں اور خرید و فروخت کرتیں، اکبر بھی وہاں پہنچتا اور چیزوں کی خریداری کر کے بازار کے نرخ سے واقفیت حاصل کرتا۔(۳) بازار کا سارا انتظام عورتیں ہی کرتیں، عورتیں ہی پہروں پر ہوتی تھیں، مالیوں کی جگہ مالنیں چمن آرائی کرتی تھیں، محمد حسین آزاد نے اپنے انشا پردازانہ انداز میں لکھا ہے کہ یہاں محل کی بیگمات اس لیے بھی آتی تھیں کہ ذرا اُن کی آنکھیں کھلیں اور سلیقہ کی آنکھوں میں سگھڑاپے کا سرمہ لگائیں اور یہاں اس طرح پھرتی تھیں جیسے باغ میں قمریاں یا ہریاول میں ہرنیاں، یہاں رشتے بھی طے ہوا کرتے تھے (۴) فتح پور سیکری میں یہ بازار جودھ بائی کے محل کے دروازے سے لے کر مریم محل کے صحن اور باغ تک لگتا تھا اور آگرہ کے قلعہ میں مینا مسجد کے پاس والے صحن میں لگا کرتا تھا۔

مینا بازار کے ختم ہوتے ہی محل کے اندر مردوں کا بھی بازار لگتا تھا جہاں سے بیگمات اپنی پسند

---

(۱) دربار اکبری ص ۶۴۶۔ (۲) مآثر الامرا جلد اول ص ۱۳۳۔ (۳) آئین اکبری جلد اول ص ۱۴۲۔ (۴) دربار اکبری ص ۱۵۵-۱۵۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی چیزیں خرید وا کر منگایا کرتی تھیں، اس طرح تاجروں کو براہِ راست بادشاہ اور شہزادوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا اور وہ اپنی معروضات اور مشکلات چاوشوں کی رکاوٹ کے بغیر پیش کر سکتے تھے، بادشاہ کو بھی ملک کی صناعی دیکھنے کو براہ راست موقع ملتا رہتا تھا۔(۱)

رقص وسرود: محل کی بیگمات رقص وسرود سے بھی محظوظ ہوتی تھیں لیکن ناچنے اور گانے والی عورتیں مخصوص ہوا کرتی تھیں، جو عام طور سے لولی، ہورکنی، کنچنی اور ڈومنی کہلاتی تھیں(۲) ابوالفضل نے ایک قسم دف زن بھی لکھا ہے یہ عورتوں کی جماعت تھی جو شادی اور ولادت کے موقع پر آ کر گایا کرتی تھیں۔(۳)

ایک قسم ان کی سیزدہ تالی تھی جو پیتل کی کٹوریوں کے ساتھ گاتی تھیں، اس کا ذکر باب موسیقی میں بھی آئے گا، یہ عورتیں مختلف جگہوں سے بلا کر محل کے اندر رکھی جاتی تھیں اور وقتاً فوقتاً بیگمات کو اپنے نغموں سے خوش کرتی رہتی تھیں، تقریبات کے موقع پر بھی وہ ناچ اور گا کر محظوظ کرتی رہتی تھیں، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، بعض کنیزیں بھی رقص وسرود میں مہارت رکھتی تھیں اور اپنے اس فن کا کمال دکھا کر عروج بھی حاصل کر لیتی تھیں۔

آنکھ مچولی: بیگمات دل بہلانے کے لیے آنکھ مچولی بھی کھیلا کرتی تھیں اور اس کے لیے محل کے اندر علاحدہ عمارت بنی رہتی تھی، فتح پور سیکری میں یہ عمارت نشست گاہ رمال اور دیوان خاص سے ملی ہوئی تھی، آگرہ میں یہ عمارت جہاں گیری محل کے زنانہ حصہ کے پاس ہے۔

پچیسی: فتح پور سیکری میں محل خاص اور دیوان خاص کے درمیان ایک سنگین فرش پچیسی کا کہلاتا ہے، اس میں پچیسی کے خانے بنے ہوئے ہیں اور اس کے درمیان سنگ سُرخ کا ایک تخت بھی ہے، اس تخت پر بیٹھ کر اکبر بیگمات کے ساتھ پچیسی کھیلا کرتا تھا، پچیسی کے خانوں میں مہروں کے بجائے کنیزیں ہوتی تھیں جو حکم پاتے ہی ایک خانہ سے دوسرے خانہ میں منتقل ہو جاتی تھیں۔

آگرہ کے قلعہ میں فرش پچیسی ثمن برج کے پاس ہے، اس میں سفید اور سیاہ سنگِ مرمر لگے ہوئے ہیں۔

---

(۱) آئین اکبری جلد اول، ص ۱۴۲ (۲) مآثر الامرا جلد اول ص ۱۱۹ (۳) آئین اکبری جلد سوم ص ۲۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گنجفہ: بیگمات گنجفہ بھی کھیلا کرتی تھیں، یہ ایک قسم کے تاشوں کا کھیل ہے، آئین اکبری جلد اول کے آئین ۲۹ میں اس کھیل کے طریقہ کی پوری تفصیل موجود ہے، گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے:

''دوازدہ کس بودند بہر کس بیست ورق بیست ورق وبیست شاہ رخی می دادند وکسے
کہ پائے می داد ہمیں بیست شاہ رخی پائے می داد کہ پنج مثقالی باشد واگر می برد ہر چند کہ
بازی می کردند، زیادہ می بردند''

یہ ذکر اس وقت کا ہے جب کہ گل بدن بیگم ہمایوں سے...... بالا حصار...... پانچ سال کے وقفہ کے بعد ملنے گئی تھی۔(۱)

بیگمات تصویروں میں شطرنج کھیلتی بھی دکھائی دیتی ہیں اور غالباً وہ چوسر اور چنڈل منڈل کھیلتی ہوں جن کی تفصیل ابوالفضل نے آئین اکبری کے آئین ۲۹ میں لکھی ہے۔

شکار: بابر اور ہمایوں کی زندگی زیادہ تر صحرا نوردی میں گذری، اس لیے اُن کی بیگمات میں وہ تکلفات نہیں آنے پائے جو اکبری دور کے بعد سے آتے گئے، بابر اور ہمایوں کے حرم کی عورتیں بے تکلف باغات ومحلات کی سیر کرتیں(۲) لشکر کے ساتھ گھوڑوں پر سوار رہتیں اور ضرورت کے وقت گھوڑے ہی پر دریا بھی عبور کرتیں۔(۳)

حمیدہ بانو ہمایوں کے ساتھ شکار میں بھی رہا کرتی تھی اور شکار کا تماشہ کجاوہ یا محافہ سے دیکھتی رہتی۔(۴)

اکبر بھی کبھی کبھی بیگمات کو ساتھ لے کر شکار کھیلنے جاتا تھا، ۳۶ ویں سال جلوس میں اکبر چناب کے پاس شکار کھیلنے گیا تو ابوالفضل لکھتا ہے:

''بست ویکم افسر خدیو بآہنگ نخچیر برآمد وبرخے پیروگیان راہ ہمراہ گرفت۔''(۵)

جہاں گیر حرم کی عورتوں کے ساتھ اکبر آباد کے پاس موضع سمو کر میں ہرن کے شکار کے لیے

(۱) ہمایوں نامہ ص ۷۷، (۲) ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم ص ۷۔ (۳) ایضاً ص ۸۶۔ (۴) ایضاً ص ۶۹۔ (۵) اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۰۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جایا کرتا تھا، اقبال نامۂ جہانگیری میں چھٹے سال جلوس کے ذکر میں ہے:

''موضع سموکر جو حوالی اکبر آباد کی شکار گاہ ہے، شکار کے لیے تشریف لے گئے ایک وسیع میدان میں سراپردہ لگا کر اس میں ہرنوں کو ہانکا گیا، سات روز تک اہل محل کے ساتھ شکار سے دل خوش کرتے رہے، نوسوسترہ ہرن نر و مادہ شکار ہوئے، چھ سو اکتالیس ہرن زندہ گرفتار ہوئے، ان سب میں سے چار سو اس فتح پور بھیجے گئے اور حکم کیا گیا کہ چراگاہ میں ان کے آب اور علف کی خبر رکھی جائے، قریب ایک سو ہرنوں کو اُن کی ناک میں چاندی کی بالیاں ڈال کر اسی جنگل میں چھوڑ دیا گیا، باقی جو تیر و تفنگ سے شکار کیے گئے تھے، امرا اور تمام بندگان بارگاہ میں تقسیم کر دیے گئے۔(۱)

نور جہاں جہاں گیر کے ساتھ برابر شکار میں رہتی، بارہویں سال جلوس میں کابل سے واپسی میں گھاٹی چاند کے پاس نور جہاں نے ایک گوریا (فریشہ) کو مارا تو جہاں گیر لکھتا ہے:

''نور جہاں بیگم فریشہ ابن جابہ بندوق زد کہ تا حال آں کلائے، خوش رنگے دیدہ نہ شدہ بود۔(۲)

سولہویں سال جلوس میں شکار گاہ ہی میں نور جہاں کے ہار کا ایک قطعہ لعل اور ایک دانہ موتی گم ہو گیا تھا، جس کی قیمت گیارہ ہزار روپے تھی، بہت مشکل سے یہ ڈھونڈ کر نکالے گئے۔(۳)

ایک بار نور جہاں جہاں گیر کے ساتھ شکار کھیل رہی تھی تو ہاتھی کے ہودج سے بیٹھ کر ایک ہی وقت میں چار شیر مارے دو کو ایک ایک گولی سے مارا اور دو کو دو دو گولیوں سے ہلاک کیا، جہاں گیر نے نور جہاں کو اس موقع پر انعام میں ایک لاکھ کی پہونچیوں کا ایک جوڑا عطا کیا اور ایک ہزار اشرفیاں اس پر نچھاور کیں، جہاں گیر کہا کرتا تھا کہ ہاتھی کے ہودج پر سے بندوق چلانا آسان کام نہیں، اس کا نشانہ اکثر خطا ہو جایا کرتا ہے لیکن نور جہاں ہودج پر سے بندوق یا تیر چلاتی تو مشکل سے اس کا نشانہ خطا ہوتا۔(۴)

---

(۱) اقبال نامہ جہاں گیری ص ۵۹-۵۸۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۱۷۳۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۲۶۵۔

(۴) تزک جہاں گیری ص ۲۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورنگ زیب کو شکار کا شوق نہ تھا، اس لیے وہ خود نہ شکار کرتا اور نہ بیگمات کو ساتھ لے جاتا۔

بیگمات میدان جنگ میں: بابر اور ہمایوں کی زندگی تو زیادہ تر میدان جنگ یا صحرا نوردی میں گذری اس لیے ان دونوں کی بیگمات کا اُن کے ساتھ برابر رہنا تعجب انگیز نہیں، ہندوستان کی سلطنت کھونے کے بعد ہمایوں بلخ، بدخشاں اور کابل میں گھوم رہا تھا تو اس کے ساتھ گھوڑے پر پیچھے پیچھے بیگمات ہوتیں اور وہ قصے کہانی کہتی اور سرود ونغمہ سے لطف اندوز ہوتی ہوئی اپنا سفر طے کرتیں (۱) ہمایوں کی بیگمات میدان جنگ میں اس کے ساتھ برابر رہیں۔

اکبر جب ڈیڑھ سال کا تھا تو ہمایوں یوسف بے کارواں بن کر سندھ کے علاقہ میں پھر رہا تھا، عسکری اور کامران بھی اس کے ہمدرد نہ تھے، وہ کوئٹہ کے جنوبی علاقہ مشنگ میں پہنچا تو قندھار سے اس کے بھائی عسکری نے اس کے چھوٹے سے قافلہ پر اچانک یلغار کیا، ہمایوں پریشانی میں بھاگا تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا، حمیدہ بیگم کو عجلت میں اسی پر بٹھا کر ہمند کی طرف روانہ ہوگیا، حمیدہ بیگم گھوڑے پر اکبر کو ساتھ نہ لے جاسکتی اور اسے عسکری کے رحم وکرم پر چھوڑ گئی۔(۲)

اکبری دور سے تو کیمپ میں بیگمات لازمی طور پر رہتیں، لشکر کوچ کرتا تو وہ عموماً ہاتھی کے ہودج پر ہوتیں، اُن کے ہودج ایسے باریک ململ سے ڈھکے رہتے تھے کہ وہ باہر کی سب چیزیں دیکھ سکتی تھیں لیکن خود ان پر کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی، حرم کی برقعہ پوش کنیزیں گھوڑوں پر پیچھے پیچھے ہوتیں، اونٹوں اور گاڑیوں پر بیگمات کے لباس، پوشاک، جواہرات اور دوسرے ساز وسامان لدے رہتے، لشکر مقیم ہوتا تو کیمپ گاہ کے بیچ میں بیگمات کے خیمے ہوتے، اُن کے پیچھے اسلحہ خانہ بار برداری کے جانور وغیرہ ہوتے، اکبر کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ فوج کے ٹھہرنے کی جگہ میران منزل منتخب کرتا، یہ جگہ ۵۳۰ گز لمبی ہوتی، اس کے اگلے حصہ میں قول کی فوج ٹھہرتی اور دائیں بائیں بازو میں جرانغار اور برانغار کا لشکر ہوتا، قول کے پیچھے اکبر کے محل کی بوڑھی عورتوں مثلاً مریم مکانی، گل بدن بیگم وغیرہ کی قیام گاہ ہوتی، اس کے بعد قنات کا ایک حصار بنایا جاتا، اس کو گلال بار کہا جاتا تھا جو سو گز مربع ہوتا تھا، اس حصار کے اندر پورب جانب داخل ہونے کے لیے دو خیمے ہوتے جو سرغہ کہلاتے

(۱) ہمایوں نامہ ص ۸۶-۸۵۔ (۲) تذکرہ الواقعات اردو ترجمہ ۸۹-۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، ان میں ۵۴ خانے ہوتے تھے، ان دو خیموں کے بعد ایک بڑی چوبیں راوٹی ہوتی، جس کے گرد سراپردہ ہوتا، اس کی چوبیں راوٹی سے متصل ایک دومنزلہ خیمہ کھڑا کیا جاتا، جہاں بادشاہ عبادت کرتا اور صبح کو امرا کا مجرا قبول کرتا، اس چوبین راوٹی کے بعد چوبیس راوٹیاں اور کھڑی کی جاتیں، ان میں سے ہرایک دس گز لمبی اور چھ گز چوڑی ہوتی، یہ بیگمات کے لیے مخصوص ہوتیں، یہ حصہ شبستان اقبال کہلاتا تھا، اس کی بعض راوٹیاں زربفت اور مخمل سے تیار کی جاتی تھیں، اسی سے متصل کنیزوں اور مسلح عورتوں (اردو بیگی) کے لیے بھی سراپردہ گلیمی نصب کرتے، جس کی اندر کئی چشمے ہوتے، شبستان اقبال کے باہر ایک چوڑا صحن چھوڑ دیا جاتا جو مہتابی کہلاتا، اس صحن کے دونوں طرف ایک سراچہ نصب کیا جاتا تھا جو چھ گز لمبے ڈنڈوں کے اوپر تانا جاتا اور یہ ڈنڈے ہر دو گز پر نصب کیے جاتے، ان کے سر پر ایک قبہ ہوتا، پاسبان یہیں کھڑے ہو کر پہرہ دیتے۔(۱)

فوجی کیمپ میں بیگمات کے لیے یہ نظام اکبر کے جانشینوں کے دور میں بھی رہا، گو حسب ضرورت اس میں تھوڑی ترمیم کردی جاتی تھی۔

نور جہاں تو جہاں گیر کے سفر میں برابر ساتھ رہتی، ایک موقع پر تو جہاں گیر کے لیے اس کو جنگ کی سربراہی بھی کرنی پڑی، ۱۰۳۵ھ میں جہاں گیر کشمیر سے کابل جارہا تھا، دریائے جہیلم کو عبور کرتے وقت مہابت خاں نے سازش کی، شاہی جلوس کے اکثر امرا اور لشکری جہیلم کی دوسری طرف جاچکے تھے، صرف نور جہاں جہاں گیر کے ساتھ رہ گئی تھی کہ مہابت خاں نے اپنی راج پوت فوجوں کی مدد سے جہاں گیر کو حراست میں لے لیا، نور جہاں نے اپنی دانش مندی اور فراست سے مہابت خاں کی نظر بچا کر دریا کے دوسرے جانب اپنے بھائی آصف خاں سے جاملی وہاں جاکر ارکانِ دولت کو طلب کیا اور نہایت ہی خشمگیں ہوکر اُن کے سامنے ایک ملامت آمیز تقریر کی کہ:

> ”تمہاری غفلت اور ناتجربہ کاری سے ایسی بات پیش آئی جو کسی کے تخیل میں بھی نہیں آسکتی تھی، تم اب خدا اور خدا کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہو لیکن یہ شرمندگی اس وقت دور ہوسکتی ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کا تدارک ہونا چاہیے بتاؤ اب کیا کرنا ہے۔“

---

(۱) آئینِ اکبری، ص ۲۸ [illegible] ۲۷، ہندوستان [illegible] عہد وسطیٰ کا فوجی نظام [illegible] مؤلف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ملامت بھری تقریر کو سن کر نور جہاں کے ہمراہیوں نے بالاتفاق مہابت خاں کی فوجوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، نور جہاں خود بھی اپنے محبوب شوہر کو قید سے آزاد کرانے کے لیے آگے بڑھی، دریا کے پایاب راستہ سے شاہی فوج نے دریا عبور کرنے کی کوشش کی تو نور جہاں بھی شہریار کی بچی اور اس کی آتکہ کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو کر دریا میں داخل ہوئی، اس کی عماری پر دو ترکش، دو کمان اور ایک بندوق تھی، شاہی فوج دریا میں تھوڑی دور آگے بڑھی تھی کہ اس میں کئی غار ملے جس سے فوج کا تسلسل ٹوٹ گیا اور وہ علاحدہ علاحدہ ہو گئی، مہابت خاں کے راج پوت سپاہیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ساحل پر ہاتھیوں کی قطار کھڑی کر دی اور تیروں کی بارش شروع کر دی، تفنگ کے گولے اور بان بھی برسائے گئے لیکن پھر بھی نور جہاں کی جان نثار فوج ساحل پر پہنچ گئی اور تیر وسنان کی جنگ ہونے لگی، فریقین کے لشکریوں کے خون سے دریا لالہ زار ہو رہا تھا، اسی دار و گیر میں راج پوت تیر اندازوں کا ایک تیر نور جہاں کی عماری میں شہریار کی بچی کے بازو میں جا لگا، عماری رنگین ہو گئی لیکن نور جہاں نے کسی قسم کی پریشانی ظاہر نہیں کی، بچی کے بازو سے تیر نکال کر زخم کو باندھ دیا، راج پوتوں نے نور جہاں کے ہاتھی اور فیل بان کو تلوار اور برچھے سے زخمی کرنے کی کوشش کی جس سے ہاتھی سراسیمہ ہو کر دریا کی دوسری طرف بھاگا، جہاں گیر کے لشکری اپنی جاں بازی اور بہادری کے باوجود اس کو مہابت خاں کی حراست سے علاحدہ نہ کر سکے اور نور جہاں نے صورتِ حال کو بگڑتے دیکھا تو اپنے محبوب شوہر کی خاطر سپر ڈال دی اور جہاں گیر سے ملنے کے لیے اپنے کو بھی مہابت خاں کا قیدی تسلیم کر لیا اور جب شوہر سے آملی تو اپنی غیر معمولی زیرکی، ہوش مندی اور سیاست دانی سے کام لے کر امرا کو مہابت خاں کے خلاف ابھارنے میں لگی رہی، مہابت خاں کی نگرانی میں جہاں گیر کا سفر کابل جاری رہا، اثنائے سفر میں نور جہاں نے مخالف امرا کی چاپلوسی کی، لالچی امرا کو رشوت دی، بددل امرا کی ڈھارس بندھائی اور دوسروں کو طرح طرح کی امیدیں دلائیں اور چند ہفتے کے بعد جب جہاں گیر اس مقام پر واپس آیا جہاں مہابت خاں نے اس کو حراست میں لے لیا تھا تو مہابت خاں نے محسوس کیا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور خود مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے، اس لیے وہاں جہاں گیر اور نور جہاں کو چھوڑ کر تیزی سے لاہور کی طرف بڑھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا، جس کے بعد نور جہاں اپنے لشکر پر حاوی ہو گئی۔(۱)

اورنگ زیب کے لڑکے شہزادہ اعظم شاہ کی بیوی جانی بیگم بھی میدان جنگ میں برابر ساتھ رہتی تھی، ۱۰۹۵ھ میں شہزادہ اعظم بیجاپور کی مہم پر گیا تو جانی بیگم بھی اس کی معیت میں تھی، اس مہم میں شاہی فوج کی حالت بہت خستہ تھی، رسد ہر طرف سے بند ہو جانے کی وجہ سے لشکر میں قحط پڑ گیا تھا، اس پر بھی فوج لڑ رہی تھی، اس جنگ میں جانی بیگم نے بھی ہاتھی کے ہودج پر سے تیروں کی بارش کی اور بددل فوجی امرا کی ہمت بڑھائی، منتخب اللباب میں ہے:

''جانی بیگم محل خاص بادشاہ زادہ از بالائے فیل بدست خود تیری زدو در تسلی و دلداری امرامی کوشیدہ۔'' (ج۲،ص ۳۱۷)

یہاں پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ بیگمات اور شہزادیوں کے لیے علاحدہ علاحدہ جاگیریں مقرر ہوئی، سالانہ یا ماہانہ وظائف ملتے جن سے وہ اپنے تمام اخراجات پورا کرتی رہتیں، اور اُن کی علاحدہ علاحدہ رہائش گاہوں کی نمود و نمائش میں بھی شاہانہ کروفر ہوتا، ان کے لیے کنیزیں اور خواص مقرر ہوتیں، شاہانہ اخراجات کے باوجود بیگمات اور شہزادیاں مسجدیں بنواتیں، باغات لگاتیں، غریب لڑکیوں کے جہیز کے سامان کرنے اور دوسرے کار خیر میں روپے زیادہ صرف کرتیں۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو اقبال نامہ جہاں گیری ص۹۷-۲۶۵۔ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ص۳۲۹-۳۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباس

عہدِ سلاطین دہلی کا لباس: مختلف قسموں کے لباس اور پوشاک کا تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے ہم ذیل میں مسالک الابصار کا اقتباس نقل کرتے ہیں، جس سے سلاطین دہلی کے عہد کے لباس پر ایک عام تبصرہ ہو جائے گا۔

''ہندوستان کے باشندوں کا پہناوا زیادہ تر سفید لباس ہے، رنگین اور اونی کپڑے جیسے بانات، مخمل اور شال وغیرہ باہر سے لائے جاتے ہیں اور یہاں چوگنی قیمت پر بکتے ہیں، علما، اولیا اور صوفیا زیادہ تر اونی کپڑے پہنتے ہیں اور بادشاہ خان ملک اور فوج کے سب عہدے دار سر سے پاؤں تک تاتاری کپڑے پہنتے ہیں، ان کے جسم پر اسلامی طریقہ اور خوارزمی طرز کی قبائیں ہوتی ہیں، جو کمر پر سے تنگ ہوتی ہیں، ان کے سروں پر پانچ چھ گز کپڑے کی پگڑیاں ہوتی ہیں، جو ان کے لمبے قدوں پر چھوٹی معلوم ہوتی ہیں، ایسی پگڑیوں کو عمامہ کہنا موزوں نہیں ہے، ناصر الدین محمد حسینی جوزمردی کے لقب سے مشہور ہیں اور جو دو مرتبہ ہندوستان جا چکا ہے اور سلطان قطب الدّین شاہ کے دربار میں رہ چکا ہے، کہتا تھا کہ ہند میں ہمہ شما تو عام طور سے سفید لباس پہنتے ہیں، مگر خاص لوگ افسر اور عہدہ دار وغیرہ تاتاری ملکوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، جن پر سنہرا کام کیا ہوا ہوتا ہے، بعضوں کے لباس میں سب جگہ تو نہیں صرف آستینوں پر کام کیا ہوا ہوتا ہے، بعضوں کے لباس میں مغلوں کی طرح پیٹھ پر اور گلے کے چاروں طرف چوڑا چوڑا زردوزی کا کام ہوتا ہے، گلے پر جو کام کیا جاتا ہے وہ جواہرات سے سجایا جاتا ہے اور اس میں یاقوت اور ہیرے ٹانکے جاتے ہیں، ان کے سر کے بالوں کی لٹیں آگے سے گندھی اور بٹی ہوئی لٹکتی رہتی ہیں، جس طرح سے کہ مصر کے سپاہیوں کا دستور ہے، بالوں کی لٹوں کو گندھا ہوا رکھنے کے لیے مو باف کی طرح ریشمیں کپڑا استعمال کرتے ہیں اور اپنی کمر میں سونے چاندی کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پٹیاں لگاتے ہیں یا کوڑا باندھ لیتے ہیں، تلواریں تو کمر سے دور دراز، سفر کے وقت باندھتے ہیں، گھر پر ہر وقت تلوار باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، فوجی عہدہ داروں ہی کی طرح ملکی اور مالی افسروں وزیروں اور منشیوں کا لباس ہوتا ہے، فرق اتنا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی کمر میں پٹیاں نہیں لگاتے، فوجیوں کی شان پٹیوں سے ہوتی ہے، تو وزیروں اور منشیوں کا امتیاز اس رومال سے ہوتا ہے، جس کو وہ صوفیوں کی طرح اپنی پگڑیوں پر باندھ لیتے ہیں، اس قسم کی بندش اور وضع کو شملہ کہتے ہیں، قاضی اور علما لشکریوں کی طرح چست لباس پہنتے ہیں، زرہ بکتر لگائے رہتے ہیں، قاضیوں، عالموں اور لشکریوں کے علاوہ اور لوگ بھی چست کپڑے پہنے اور زرہ بکتر لگائے دیکھے جاتے ہیں۔''

صبح الاعشیٰ میں ہے کہ قاضی القضاۃ سراج الدّین ہندی کا بیان ہے کہ ان کے یہاں (یعنی ہندوستان میں) کوئی شخص کتان کے کپڑے جو روس اور ہندوستان سے آتے ہیں، پہن نہیں سکتا، سوائے ان لوگوں کے جن کو خود سلطان پہنائے، ان کا لباس صرف وائی کا ہوتا ہے، جو بغدادی روئی سے اچھی ہوتی ہے، کوئی شخص سونے سے آراستہ یا زرپوش زین پر سواری نہیں کر سکتا، سوائے اس کے کہ جس کو سلطان بہ طور انعام عطا کرے (اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۳۵ء)

اوپر پگڑی، عمامہ، قبا، پٹی اور شملہ کا ذکر آیا ہے، ہم ان چیزوں کو علاحدہ علاحدہ عنوانات کے ساتھ ذرا تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

پگڑی پاگ: سر کے اوپر پگڑی باندھنے کا عام رواج تھا، راجہ مہاراجہ جو پگڑی باندھتے، اس کو پاگ کہا جاتا، اس میں وہ موتی اور جواہرات ضرور ٹانکتے، اس کا ذکر آگے آئے گا کہ مغل بادشاہوں نے اس قسم کی پگڑی کو بھی استعمال کرنا شروع کیا تھا۔

عمامہ اور دستار: مسلمانوں میں بھی پگڑی باندھنے کا عام رواج رہا لیکن اس کی کئی قسمیں تھیں، علما کی پگڑی عمامہ کہلاتی، یہ سیدھی اور گول ہوتی، عربی عمامے بھاری ہوتے، جن میں بعض سات گز کے ہوتے، اس کا آخری حصہ پیٹھ پر لٹکا رہتا۔

سلاطین کی پگڑیاں دستار کہلاتیں، یہ بھاری ہونے کے علاوہ مرصع بھی ہوتیں، ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیچے نوک دار مخروطی ٹوپیاں پہنتے لیکن رفتہ رفتہ یہ پگڑیاں چھوٹی ہوتی گئیں، مغلوں کے دور میں بادشاہوں اور امرا کے سروں پر نسبتاً چھوٹی پگڑیاں ہوتیں، جن پر مروارید کا طرہ یا جیغہ (ایک مرصع زیور) سرپیچ (ایک جڑاؤ چیتر) یا کلغی مرصع ہوتی، اکبر نے راج پوت وضع کی پگڑی باندھنی شروع کی تھی، جہاں گیر کی دستار میں ایک طرف لعل، دوسری طرف ہیرا اور بیچ میں زمرد لٹکتا رہتا، شاہ جہاں کے سرپیچ میں پانچ قطعہ لعل اور ۲۴ دانے موتی کے تھے، اس کا ذکر آگے بھی آئے گا، شاہ جہاں کی دستار میں شاش بھی ہوتا اور اس کے اوپر نکلی ہوئی کلغی بھی ہوتی، اورنگ زیب کی دستار میں شاش تو ہوتا لیکن اس کی تصویروں پر کلغی نہیں دکھائی دیتی ہے۔

شملہ: مسالک الابصار کے مذکورۂ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پگڑی کے اوپر جو رول لپیٹا جاتا، اس کی بندش اور وضع کو شملہ کہتے لیکن آگے چل کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی پگڑیوں کی ملی جلی صورت کی جو پگڑی استعمال ہونے لگی وہ شملہ کہلائی۔

عبدالحلیم شرر نے اس کے بنانے کی ترکیب یہ لکھی ہے کہ بھراؤ میں کپڑے کا ایک چوڑا اور پتلا گل دار حلقہ سر کے ناپ کے برابر بنایا جاتا، جو بیچ میں خالی اور کھلا رہتا، پھر کسی نفیس ریشمی یا شالی کپڑے کی پتلی پتلی بہت لمبی پٹی بنا کے اس کے بیسیوں پیچ اس کپڑے کے حلقے پر نیچے اور اوپر برابر لپیٹ کے ٹانک دیے جاتے، اس حلقہ میں اوپر کی جانب ایک چوڑی پٹی ویسے ہی ریشمی یا شالی کپڑے کی جوڑ دی جاتی، تا کہ وہ اس حلقہ کو نیچے اترنے سے روکے رہے، مگر اس سے پوری چندیا ڈھک نہیں سکتی تھی، اس لیے اس کے نیچے کوئی معمولی دو پلڑی یا چو گوشیہ ٹوپی ضرور رہتی۔(۱)

ادنیٰ ملازمین بھی شملہ کی طرح پگڑیاں باندھتے، مثلاً ہرکاروں کی پگڑیاں سرخ ہوتیں اور چوب داروں کے سروں پر سفید ہوتیں، جس کے آگے دائیں جانب مقیش کا ایک پھول بھی ٹکا ہوتا کہاروں کی پگڑیاں بھی اسی طرح کی ہوتیں، البتہ ان کے دائیں جانب چاندی کی مچھلیاں ٹکی ہوتیں

---

(۱) گزشتہ لکھنؤ ص ۲۴، برہان قاطع میں شملہ کے معنے یہ لکھے ہیں:

"شالے باشد کہ بردوش اندازند و برسر ہم پیچند وعلاقہ دستار را نیز گفتہ اند"

نوراللغات: ایک خاص قسم کی دستار ع : پیچ جو سر پر پڑا شملہ ہمارا ہو گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جسم پر سرخ بانات کے ڈھیلے ڈھالے چغے ہوتے۔

کلاہ اور ٹوپی: سر پر پگڑی یا دستار کا ہر وقت رکھنا مشکل ہوتا، خصوصاً گرمیوں میں اس سے گرانی پیدا ہو جاتی، مسلمانوں کے یہاں ننگے سر رہنا معیوب سمجھا جاتا، اس لیے کلاہ کا استعمال بھی رہا، اس کی بھی کئی قسمیں تھیں، کلاہ ترکی، کلاہ تتری (تاتاری) اور کلاہ بار کی سلاطین دہلی کے زمانے میں رائج تھیں اور دربار میں اس کا پہننا لازمی تھا۔(۱)

کلاہ تتری کو چوگوشیہ ٹوپی بھی کہتے تھے، رفتہ رفتہ مغلوں کے عہد تک یہ بھی کئی وضع کی ہونے لگی اور کئی طرح سے پہنی جاتی، بعض کلاہ کا دمہ (گوٹ) ذرا نیچا ہوتا، دمے کے اوپر چار پا کھے ہوتے، پاکھے کی وضع بالکل شاہ جہانی محراب کی سی ہوتی، چاروں گوشوں کو اس طرح ملا کر سیتے کہ چاروں کونے کمرک (کمرخ) کے نمونے ہو جاتے، بعض لوگ یہ جدت کرتے کہ دمے کو اونچا کرکے پاکھوں کی لمبان کو چوڑان سے کسی قدر بڑھا دیتے اور ان کے سل جانے کے بعد جو پہل پیدا ہوتا، ان کو پھر کاٹ کر کلیاں ڈال دی جاتیں، اس طرح بہ جائے چار پہل کے، ٹوپی کے آٹھ پہل ہو جاتے، خوب صورتی کے لیے دمے کے کناروں پر پتلی لیس اور گوشوں کے کناروں پر باریک قیطون لگا دیے، آخری مغل بادشاہوں کی ٹوپی اسی نمونے کی ہوتی، مگر ان میں سلمیٰ ستارے کے علاوہ جابجا موتی اور نگینے ٹکے ہوتے اس قسم کی ٹوپی کئی طرح سے پہنی جاتی قلعے والے نو پاکھوں کو کھڑا رکھتے اور دوسرے لوگ ان کو کسی قدر دبا لیتے جو ٹوپی آٹھ پہل کی ہوتی، اس کے پاکھے اتنے دبائے جاتے کہ گوشے دمے کے باہر پھیل کر کنول کی شکل بن جاتے، اس قسم کی ٹوپی ہمیشہ آڑی پہنی جاتی اور وہ اس طرح کہ اس کا ایک کونہ بائیں بھوں کی طرف دبا رہے۔

اس ٹوپی کے ساتھ ارخ چین (اعرق چین) کی ٹوپی کا بھی رواج رہا، ایک مستطیل کپڑے کے کناروں کو سر کے ناپ کے برابر سی لیا جاتا اور نیچے پتلی سی گوٹ دے دی جاتی اور اوپر کے حصہ میں چنٹ دے کر چھوٹا سا گول گتہ لگا دیا جاتا۔

بعض ٹوپی میں پانچ گوشے ہوتے لیکن اس کی کاٹ چوگوشیہ ٹوپی سے ذرا مختلف ہوتی،

---

(۱) عفیف ص ۲۸۰، تاج ہمایوں کے زمانہ سے جاری ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشوں کے اوپر کے حصے ایسے ہوتے جیسے فصیل کے کنگرے، نیچے دمے کے بجائے پتلی سی گوٹ ہوتی، قالب پر چڑھ کر ایسی معلوم ہوتی جیسے ہمایوں کے مقبرے کا گنبد، عام لوگوں میں بڑے گول چندوے کی ٹوپی کا بھی بہت استعمال ہوتا، بعض تو بالکل سادی ہوتی اور بعض سوزنی کے کام یا فیتے کے کام کی ہوتی۔(۱)

لکھنؤ میں نواب نصیر الدین حیدر کے زمانے میں چوگوشیہ ٹوپی میں چار کے بجائے پانچ پان کر دیے گئے، جس کی وجہ سے اس میں پانچ صراحیاں اور پانچ پان ہو گئے اور نام بھی پنچ گوشیہ قرار دیا گیا، جاڑوں میں اس قسم کی نہایت نفیس کامدار ٹوپیاں بنائی جاتیں، جن میں پانچوں پان میں زربفت یا زری بوٹی کی زمین پر دوسرے رنگ کی ریشمی زمین دے کر قیطون سے چاند اور صراحیاں بنائی جاتی تھیں، گرمیوں میں چکن کی ٹوپیاں بھی اسی طرح کی تیار کی جاتی تھیں اور ایک ایک کے بنانے میں سال سال بھر لگ جاتا۔

عبدالحلیم شرر کا بیان ہے کہ اسی زمانہ میں دہلی کے ایک شہزادہ نے ایسی ٹوپی سلوائی جس میں سر کے لمبان کے مناسب دو لمبے پلے بیضاوی صورت میں کاٹ کر جوڑ دیے جاتے تھے، یہ ٹوپی لکھنؤ میں بھی پسند کی گئی اور لوگ بکثرت پہننے لگے، لکھنؤ والوں نے اسی دو پلڑی سے ایک بہت چھوٹی پتلی ٹوپی ایجاد کی، جس میں آگے پیچھے دونوکیں نکلی ہوتیں، یہ نکے دار ٹوپی کہلاتی تھی، اس قسم کی بھاری کام کی ٹوپیاں شہزادوں اور نواب زادوں کے لیے مخصوص رہیں۔

مندیل: عربی میں، عمامہ زریں کو کہتے لیکن ہندوستان میں آگے چل کر ایک خاص قسم کی ٹوپی مندیل کہلانے لگی، اس کی قطع ڈفلی کی سی ہوتی اور اکثر کارچوب کے کام کی بنائی جاتی جس کو شہزادے اور نواب زادے شوق سے پہنتے۔

عام پسند: واجد علی شاہ نے ایک نئی درباری ٹوپی ایجاد کی، ایک حلقہ سادے اطلس یا کارچوبی کام کا بنایا جاتا جو پیشانی پر زیادہ اونچا ہوتا، اس میں اوپر کی طرف تنزیب یا جالی کی ایک بڑی سی جھولی بنا کے جوڑ دی جاتی اور پہننے میں وہ جھولی پیچھے گدی تک لٹکتی اور سر کے پچھلے حصہ پر لٹکتی رہتی، اس درباری ٹوپی کا نام عام پسند رکھا تھا، مگر یہ مقبول عام نہ ہوئی۔(۲)

(۱) مضامین فرحت ص ۱۶۸-۱۶۷۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۳۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتہ، قبا، جامہ: درمیانی جسم پر عرب عموماً کرتہ پہنتے جو کافی لمبا ہوتا، ایران میں کرتہ کی شکل قبا میں تبدیل ہوگئی، سلاطین دہلی کے عہد میں قبا کا ذکر بار بار آتا ہے، جو سلاطین اور امرا کے لیے زردوزی کے ہوتے تھے، آئین اکبری میں ہے کہ قبا مروجہ محاورے میں روئی دار لباس کو کہتے ہیں۔

لیکن آئین اکبری میں کوئی ایسے لباس کا ذکر نہیں ہے جس کو کرتہ کہا جاسکے، تزک جہاں گیری ص (۱۴۷) میں ثوب کرتہ کا ذکر ہے، جو جہاں گیر نے اپنے دسویں سال جلوس میں اجمیر جاکر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خدام میں تقسیم کیے تھے۔

چارقب: مغل بادشاہوں کی تاریخوں میں چارقب کا ذکر بار بار آتا ہے، بادشاہ کسی شہزادہ یا امیر کو کوئی خلعت دیتا تو اس میں چارقب ضرور ہوتا (۱) قب عربی میں ایک چھوٹے کپڑے کو کہتے ہیں جو قمیص کے گریبان میں ہوتا ہے لیکن مغلوں کے دور میں چارقب اصطلاحاً کسی پوشاک کے لیے استعمال ہوتا رہا جو قبا ہی کی طرح ہوتا۔

جامہ کا ذکر آگے آئے گا، آئین اکبری میں گرمیوں کے حسب ذیل پوشاک کا ذکر ہے۔

تکوچیہ: تکوچیہ کے بارہ میں ابوالفضل نے لکھا ہے (۲) کہ یہ ایک تہ کا جامہ تھا، جو ہندی طرز پر تیار ہوتا تھا، پہلے یہ چاک دامن ہوتا تھا اور اس کے بائیں طرف بند رہتا تھا لیکن اکبر نے اس کا دامن گول کردیا اور دائیں جانب بند لگایا، یہ سات گز کپڑے میں تیار ہوتا تھا، اس میں نقش و نگار بھی بنایا جاتا تھا، آئین اکبری کے مترجم بلاخ من نے اس کو کوٹ بتایا ہے، جس کے اندر استر نہیں ہوتا تھا، یہ راجپوتوں کا لباس تھا۔

پیشواز: ابوالفضل نے پیشواز کو تکوچیہ ہی کی ایک قسم بتائی ہے، البتہ اس میں بند سامنے ٹانکے جاتے، بعض بے بند کے بھی ہوتا۔

دوتاہی: جب تکوچیہ یا پیشواز کے نیچے استر دے دی جاتی، تو اس کو دوتاہی کہتے، یہ چھ گز چار گرہ میں تیار ہوتا، اس کے اندر چھ گز استر لگتا، چار گرہ بند اور نو گرہ گوٹ میں صرف ہوتا۔

شاہ اجیدہ: ابوالفضل نے ایک پوشاک شاہ اجیدہ کا ذکر کیا ہے، جس کا بلاخ من نے انگریزی میں

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۶۸۔ (۲) آئین اکبری جلد اول ص ۶۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ (Royal Stich Coat) کیا ہے، اس کی ایک گرہ میں ساٹھ دھاریاں ہوتیں، اسی لیے یہ شصت خط بھی کہلاتا، اس میں دہرا استر ہوتا۔

جاڑوں کے کپڑے: جاڑوں کے لیے روئی دار کپڑے ہوتے، جن کے نام یہ تھے، سوزنی، قلبجی، قبا، گدر، فرجی، فرگل، سوزنی میں پاؤ بھر، قلبجی میں ڈیڑھ پاؤ، قباس میں ایک سیر، گدر میں ڈھائی سیر، روئی دی جاتی، فرجی سامنے سے کھلی رہتی اور اس میں بند ٹانکے نہیں جاتے لیکن کبھی اس میں تکمہ بھی ہوتا، اس میں ایک سیر روئی ہوتی۔

فرگل طرح طرح سے تیار کیے جاتے، یہ استر اور بغیر استر کے بھی تیار ہوتا اور اس میں ایک سیر سے زیادہ روئی نہیں دی جاتی، ابوالفضل کا بیان ہے کہ ہندوستان میں اہل فرنگ کی وجہ سے رواج پایا۔

چکمن: برسات میں استعمال کے لیے ایک لباس چکمن ہوتا، جو بانات، صوف اور موم جامہ سے تیار کیا جاتا، بارش میں یہ تر نہیں ہوتا۔(۱)

جامہ: قبا کو عام طور سے جامہ بھی کہتے، تصویروں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اکبری عہد میں یہ گھٹنے تک ہوتا، جس کے آخر میں چار کونے ہوتے لیکن شاہ جہانی عہد میں یہ اور نیچے تک سلا جاتا، اور گھیر مدور ہوتا، اورنگ زیب کا جامہ گھٹنے سے کچھ ہی اوپر ہوتا، جیسا کہ اس کی تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے، اکبر نے جامہ کے لیے یار پیراہن کی اصطلاح جاری کرنے کی کوشش کی لیکن یہ چل نہ سکی۔

نیمہ جامہ: مغلیہ دربار میں جامہ نیم آستین یا نیم تنہ یا نیمہ جامہ زیادہ مقبول تھا، نیمہ کہنیوں تک کی آدھی آستینوں کا شلوکہ ہوتا، اس میں سینے پر سامنے گھنڈیاں لگائی جاتیں، اس کو نیچے پہن کے اس کے اوپر جامہ پہنا جاتا جو عجمی قبا میں ترمیم کر کے بنایا گیا تھا، اس میں گریبان نہ ہوتا، بلکہ دونوں جانب کے کنارے جو پردہ کہلاتے، ترچھے ایک دوسرے پر آ کے سینے کو ڈھانک لیتے، سینے کا بالائی حصہ جو گلے کے نیچے ہوتا، اسی طرح کھلا رہتا، جیسے آج کل انگریزی کے کوٹوں میں رہتا ہے اور جس طرح قمیص سینے کے اوپر والے حصہ کو چھپاتی ہے، اسی طرح ان دنوں نیمہ اس کو ڈھانکے رکھتا، سینے

(۱) آئین اکبری جلد اول ص ٦٦۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر جامے کا وہ پردہ جو بائیں طرف سے آتا، نیچے رہتا اور داہنے پہلو پر بندوں سے باندھ دیا جاتا اور اس پر دائیں طرف کا پردہ رہتا جو اوپر بائیں پہلو میں باندھا جاتا، پھر اس میں کمر کے پاس سے دامنوں کے عوض ایک اسکرٹ سی جوڑ دی جاتی جو ٹخنوں کے اوپر تک لٹکتی رہتی، اس میں بہت سی چینٹ دی جاتی اور اس کا گھیر بہت بڑا ہوتا، جامے کی آستین آدھی کلائی تک کھلی رہتیں۔(۱)

قبا نادری: قبا نادری جہاں گیر نے اختراع کی، اس کی نوعیت معلوم نہ ہوسکی، (تزک جہاں گیری صفحہ ۳۷۸)

بالابر: دہلی ہی میں بالابر کی ایجاد ہوئی، یہ ایرانی قبا کی ترقی یافتہ شکل تھی، اس میں گول گریبان بالکل کھلا رہتا، سینہ نیمہ سے ڈھکا رہتا، اس میں چینٹ اور گھیر نہ ہوتا، دائیں دامن میں ایک چوڑی کلی لگا دی جاتی تاکہ دامن آگے کی طرف نہ کھلیں۔

انگرکھا: بالابر کی ترقی یافتہ شکل انگرکھا ہے، یہ جامہ اور بالابر دونوں کی ملی جلی شکل تھی، اس میں سینہ پر چولی قبا کی طرح ہوتی تھی، مگر سینہ کھلا رکھنے کی جگہ ایک گول اور لمبوترا گریبان ہوتا، جس کے اوپر گلے کے نیچے ایک ہلال نما کنٹھا لگایا جاتا اور وہ بائیں طرف گردن کے پاس گھنڈی تکمے سے اٹکا دیا جاتا، چولی نیچے رہتی، جس میں پہلے دائیں طرف کا پردہ نیچے بغل میں بندوں سے باندھ دیا جاتا، اس میں بائیں جانب تھوڑا سا سینہ کھلا رہتا، چولی نیچی رہتی اور نیچے دامن اگرچہ قبا کے ایسا ہوتا، مگر پرانے جامے کی طرح پہلوؤں پر بغلوں کے نیچے چینٹ ضرور رکھی جاتی، دہلی کے انگرکھے کی چولی اتنی نیچی ہوتی کہ ناف تک آتی، بعض لوگ اپنے جسم کی خوب صورتی دکھانے کے لیے آستین بہت چست رکھتے اور بعض شوقین آستینوں کو آگے سے کاٹ کر الٹ لیتے لکھنؤ والوں کے انگرکھے کی چولی گول، اونچی، کھلی اور چست ہوتی، بغلوں کی چینٹ نہ ہوتی، دامنوں میں بہ جائے موڑ کے ٹانک دینے کی سنجافی گوٹ ہوتی، نواب زادوں کے انگرکھے میں پلیٹوں کی وضع سے تین تین کمرتوئیاں ہوتیں، جا بجا گوٹ اور کمرتوئیوں کے پاس کٹاؤ کا کام بھی ہوتا۔

شلوکہ: انگرکھے کے نیچے شلوکہ پہنا جاتا، نازک مزاج لوگ جالی یا بابرلیٹ کے چست شلوکے

---

(۱) گذشتہ لکھنؤ ص ۲۹-۲۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنتے، جن میں کچے سوت سے نقش ونگار کاڑھے جاتے، بعض لوگ رنگین شلوکے پہنتے تاکہ تنزیب کے انگر کھے کے نیچے ان کی رنگینی اور لطافت ظاہر ہوتی رہے۔

خفتان: دہلی میں قلعہ والوں کے انگرکھوں کے اوپر جامہ دار یا مخمل کی خفتان ہوتی جس کے حاشیوں پر سمور لگا لیا جاتا، کبھی پتلی لیس ہوتی، بٹن کے بہ جائے صرف ایک تکمہ اور گھنڈی ہوتی، جس کو عاشق و معشوق یا چشمے کہتے۔(۱)

چپکن اور اچکن کا رواج آخری دور میں ہوا۔

چپکن: اس میں بھی گول گریبان ہوتا اور انگرکھے کی طرح سینہ پر پردہ بھی لگایا جاتا، مگر وہ پردہ دائیں جانب قوس نما صورت میں بوتاموں سے اٹھایا جاتا، اس میں دائیں جانب گلے کے پاس بوتاموں کی ایک خوش نما قوس گولائی لیتی ہوتی کوڑی تک آتی اور اس کے مقابل دوسری جانب کی قوس میں اصلی قبا میں سی دی جاتی، اس میں بھی بالا بر کی طرح چوڑی کلی اوپر لگائی جاتی جو بغل کے نیچے بائیں طرف بوتام یا گھنڈی سے اٹھا دی جاتی، یہ چپکن بھاری کپڑے کی زیادہ اچھی ہوتی جو جاڑوں میں زیادہ استعمال کی جاتی۔

اچکن: چپکن اور انگرکھے دونوں کی ملی ہوئی شکل کا نام اچکن ہو گیا، اس میں انگرکھے اور چپکن کا سا گریبان ہوتا اور سلائی کی جگہ پر سنجافی گوٹ کے ذریعہ سے گریبان کی گولائی اور قطع برقرار رکھی جاتی، نیچے کے چاک میں جو گلے سے لے کر سیدھا کوڑی تک آتا، بوتام لگا دیے جاتے، بالا بر کی کلی جو اوپر لگائی جاتی، اس میں نیچے کر دی جاتی، تاکہ دامن بھی نہ کھلیں اور بالا بر کی کلی کے اوپر کی طرف لگانے سے جو بدمذاقی ظاہر ہوتی وہ دور ہو جاتی، اچکن کے نیچے کا حصہ بالکل چپکن اور انگرکھا کے ایسا ہوتا، کبھی اس میں بھی تین تین کمرتوئیاں لگا دیتے اور کٹاؤ کا کام بنا دیتے۔

شروانی: اچکن ہی کی ترقی یافتہ شکل شروانی ہے لیکن یہ موجودہ دور کی چیز ہے۔

تہمد: مسلمانوں کا شرعی لباس تہمد ہے لیکن عہد رسالت ہی میں پائجامہ کا بھی رواج ہو گیا تھا۔

شرعی پائجامہ: شرعی پائجامہ تو وہ ہے جو ٹخنوں کے اوپر تک ہو اور اس کی مہری تنگ ہو............لیکن

---

(۱) مضامین فرحت جلد اول ص ۱۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفتہ رفتہ اس میں ایسے تکلفات پیدا ہوتے گئے کہ اس کی بہت سی قسمیں ہو گئیں۔

شلوار: شلوار کا ذکر آئین اکبری میں بھی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ مختلف قسم کے کپڑوں سے سلی جاتی ہے، یہ ایک تہی بھی ہوتی ہے، دو تہی بھی، بخیہ دار بھی، سادہ بھی، نیفے میں چھ گرہ اور استر میں تین گز پانچ گرہ کپڑا صرف ہوتا ہے، ½ مثقال ابریشم اور آدھ سیر روئی بھی صرف ہوتی ہے، اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شلوار آج کل کی شلوار سے مختلف تھی، آج تھی کابلی پائجامہ کو عام طور سے شلوار کہتے ہیں۔

قندھاری پائجامہ: اس کے اوپر کا گھیر تو زیادہ نہ ہوتا، مگر دونوں پائینچے کلیاں جوڑ جوڑ کے اتنے بڑے اور اتنے گھیر کے بنا دیے جاتے کہ جب تک ہاتھ سے ان کو سنبھالا نہ جاتا، چلنا دشوار ہوتا۔

عرض کے پائینچوں کے پائجامے: قندھاری پائجامے ہی کو مختصر کر کے ڈھیلے عرض کے پائجامے کا رواج ہوا، یہ زیادہ ڈھیلا نہ زیادہ تنگ اور چست ہوتا، اس قسم کا پائجامہ مقبول ہوا تو تعلیم یافتہ طبقہ بھی گل بدن غلطے، اطلس اور مشروع کا پائجامہ سلوانے لگا، اس کے پائینچوں میں چوڑی گوٹ بھی لگا دی جاتی۔(۱)

اوربی پائجامہ: ترچھی کاٹ کا تنگ اور چست پائجامہ ہوتا، یہ دراصل پنجاب کے گھٹنے کی ترقی یافتہ شکل ہے، یہ بڑا چست اور خوب کھنچا ہوتا اور گٹے پر اس کی شکنوں کی بہت سی چوڑیاں ہوتیں۔

عبا: ان تمام کپڑوں کے اوپر عبا پہننے کا بھی رواج تھا، جو علما کا طبقہ اب بھی پہنتا ہے اور شادی کے موقع پر دولہا کو بھی پہنائی جاتی ہے، عبائے زردوزی کا ذکر تاریخوں میں برابر آتا ہے، بابر کی تمام تصویروں میں اس کے جسم پر عبا ضرور نظر آتی ہے، اطبا کے جسم پر بھی عبا ضرور ہوتی۔

رومال: انگرکھے کے اوپر چوکور شالی رومال سموسہ کر کے پیٹھ پر ڈال لینے کا بھی رواج تھا، کمر میں بتی کر کے رومال لپیٹنے کا بھی دستور تھا، ہمایوں کی تصویر میں رومال گردن کے دونوں طرف سے لٹک کر کمر تک لٹکا نظر آتا ہے۔

روپاک: رومال ہی کی ایک قسم تھی۔(۲)

---

(۱) گذشتہ لکھنؤ از: عبدالحلیم شررص ۴۸، ۲۴۴۔ (۲) ہمایوں نامہ از: گل بدن بیگم ص ۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پٹکہ: کمر پر باندھا جاتا، مغلوں کے عہد میں لباس کا یہ بڑا نمایاں اور اہم جز تھا اور اس پر عموماً سونے چاندی کا کام ہوتا یا ہاتھوں کی کوئی نقاشی ہوتی یا پھول کڑھا ہوتا، گولکنڈہ اس کی صنعت کے لیے مشہور تھا۔

کمر بند: آج کل کمر بند اور ازار بند دونوں ایک ہی چیز ہے۔

فوطہ: نہانے کی لنگی کو کہتے تھے۔(۱)

جوتے: ہندوستان کے مسلمان فرماں رواؤں کی تصویروں میں اونچی ایڑی کی کفش نما جوتیاں نظر آتی ہیں، جوتیوں اور جوتوں کی کئی قسمیں تھیں۔

چڑھوان جوتا: اس کی ابتدائی وضع یہ تھی کہ آدھا پنجہ اور گٹے سے نیچے تک پاؤں اس میں چھپ جاتا، اس کے سرے پر چوڑی نوک پنجے پر جھکا کے بٹھا دی جاتی۔

سلیم شاہی جوتا: یہ غالباً شہزادہ سلیم کے نام سے موسوم ہے، اس کی نوک آگے نکلی اور اٹھی ہوئی ہوتی اور نوک کا تھوڑا سا باریک سرا اوپر موڑ دیا جاتا، اس پر کلابتوں کا سچا اور قیمتی کام ہوتا۔

لال نری کے جوتے: اس میں نوک بالکل نہ ہوتی اور اگر ہوتی تھی تو الٹ کر دی جاتی، نوک کے پاس فقط ایک ذرا سا ابھار رہتا، بعض نری کے جوتے بہت ہی سبک ہوتے، چار پانچ پیسوں کے وزن سے زیادہ نہ ہوتے۔

کاشانی مخمل کے جوتے: جوتے میں آرائش اور زیبائش کی جاتی تو کاشانی مخمل کے بنائے جاتے، جو جاڑوں اور گرمیوں میں استعمال ہوتے، جوتوں پر سلمیٰ ستارے کے کار چوبی کام بھی ہوتے، جن میں مقیش کے پھندنے لگا کے چمک دمک پیدا کی جاتی، برسات کے لیے کیمخت کے جوتے بنائے جاتے، یہ سبز زنگاری رنگ کا ہوتا جو گھوڑے یا گدھے کی کھال سے بنتا اور اس میں کٹھل کے خاروں کی طرح ابھرے دانے ہوتے۔

گتھیلا جوتا: اس میں نوک ہاتھی کی سونڈ کی طرح ہوتی اور پھیلا کے پنجے کے اوپر ایک بڑے حلقے کی صورت میں لپیٹ دی جاتی۔

---

(۱) ہمایوں نامہ از: گل بدن بیگم ص ۳۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جرابیں: امرا موزے اور جرابیں ضرور پہنتے، تاریخ فیروز شاہی (از عفیف) میں ہے کہ دربار میں کسی شخص کو موزہ اور موزے بند کے بغیر آنے کی اجازت نہ تھی، (۱) فیروز شاہ کے پاس ایک مرصع اور مکلل موزہ تھا، جس کی قیمت ۸۰ ہزار تنکے تھی۔ (۲)

مغلوں کے زمانے کی جو تصویریں ہیں، ان میں بعض جرابیں گھٹنوں تک نظر آتی ہیں، اورنگ زیب نے اپنے اکیسویں سالِ جلوس میں یہ حکم دے رکھا تھا کہ جو امرا شرعی پائجامہ نہیں پہنتے، وہ موزے پہن کر دربار میں حاضر ہوں۔ (۳)

عورتوں کا لباس: شہزادیاں سر پر بھی کچھ پہنتی تھیں، مثلاً:

طاقی: کنواری شہزادیاں سر پر جو ٹوپی استعمال کرتیں وہ طاقی کہلاتی۔ (۴)

قصابہ: شادی شدہ شہزادیوں کی ٹوپی قصابہ کہلاتی۔ (۵)

لاچق: شہزادیاں اپنے سروں پر لاچق (۶) بھی استعمال کرتیں، جو ٹوپی پر سے ٹھڈی تک لٹکتی رہتی اور اس میں زری کا کام ہوتا۔

تاج نما کلاہ: بعض تصویروں میں بیگمات کے سر پر تاج نما کلاہ دکھائی دیتی ہے، نور جہاں اور ممتاز محل کی تصویروں میں ان کے سروں پر ایسی کلاہ خاص دکھائی دیتی ہے، تیموری بیگمات اس کو شوکلی کہتی تھیں۔

دستار: شہزادیاں کبھی دستار بھی باندھتیں، اسی لیے میر حسن نے اپنی مثنوی سحر البیان میں شہزادی بدر منیر کو دستار پہنایا ہے اور کہتے ہیں:

طرح دار ایک سر پر پھیٹا سجا ☆ تمامی کا پٹکہ کمر سے بندھا
وہ موتی کا لٹکن زمرد کا پر ☆ لپک جس کی زیبندہ دستار پر

جبہ: تیموری بیگمات کے لباس میں ایک ایسا جبہ بھی ہوتا تھا جس پر لیس لگی ہوتی تھی اور گلے کے قریب تنگ ہوتا تھا، اس میں آستین نہیں ہوتی تھی، دامن کی لمبائی بہت ہوتی تھی، جس کو ملازمہ

---

(۱) عفیف ص ۲۸۰، (۲) ایضاً ص ۴۰۱، (۳) مآثر عالم گیری ص ۱۶۲، (۴) ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم ص ۴۳، (۵) ایضاً ص ۴۳ (۶) ایضاً ص ۱۳۸ انگریزی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھائے رہتی تھیں۔

چارقب: عورتیں درمیانی جسم پر جولباس پہنتیں وہ عام طور سے قبا کہلاتی، بہادر شاہ ظفر کے ایک شعر کا مصرع یہ ہے۔ ع : بند قبائے شوخ سمن برکو توڑ دوں

اس کی ایک قسم چارقب بھی تھی (۱) جس کا گلہ اور دامن پر زر رہوتا، چارقب مردوں کے لباس کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے لیکن اس کی وضع مردانہ ہوتی تھی، عورتوں کے چارقب کی وضع مختلف ہوتی۔

قرتیجی: گل بدن بیگم نے قرتیجی کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے، یہ لباس زیادہ لمبا نہ ہوتا، بلکہ صرف کمر تک ہوتا۔ (۲)

پالک: یہ بھی درمیانی جسم کی پوشاک تھی، جو گھٹنے سے نیچے تک لٹکتی رہتی، اس میں تکمے سینہ سے کمر تک ہوتے، گردن سے سینہ تک کا حصہ کھلا رہتا، اس کی آستین کبھی پوری اور کبھی آدھی ہوتی۔

پوستین: گرم پوشاک کو کہتے۔

طرحت: یہ پوشاک اونٹ کے روئیں سے بنائی جاتی۔

بانخ: فرجی کی طرح ہوتا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

نیمہ تنہ: چارقب وغیرہ کے اوپر کا لباس تھا، اس میں لعل، یاقوت، زمرد، فیروزہ، زبرجد وغیرہ سے تکمے لگے رہتے۔ (۳)

نیمہ: میرحسن نے اپنی مثنوی سحرالبیان میں نیمہ کو گلے سے نیچے کا لباس کہا ہے۔

گلے میں پڑا نیمہ شبنم کا ایک ☆ بدن سے عیاں نور عالم کا ایک
تمامی کی سنجاف جلوہ کناں ☆ کہ جوں عکس مہ زیب آب رواں

معلوم نہیں نیمہ تنہ اور نیمہ دونوں لباس کی ایک قسم یا علاحدہ علاحدہ قسمیں تھیں۔

پشواز: (۴) ابوالفضل نے اس کو مردوں کا لباس بتایا ہے لیکن عورتیں بھی استعمال کرتیں، اس کا دامن ٹخنے تک لٹکا رہتا، آستین پہونچوں تک ہوتی، گریبان کھلا رہتا اور کمر میں پٹکے بندھے رہتے،

(۱) ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم ص ۳۶، (۲) ایضاً، (۳) ایضاً ص ۳۶، (۴) آئین اکبری جلد سوم۔ ص ۱۴۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ آخر آخر وقت تک مستعمل رہا، میر حسن نے اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے:

کروں اس کی پشواز کا کیا بیاں ☆ فقط ایک پشواز آبِ رواں
زبس موتیوں کی تھی سنجاف گل ☆ کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل

ایک دوسری جگہ ہے:

وہ پشواز اگری وہ نرگس کے ہار ☆ وہ کم خواب کے بند روئے ازار
وہ اٹھی ہوئیں چین پشواز کی ☆ وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی

دودامنی: قبا ہی کی کوئی قسم جس میں دو دامن ہوتے، نور جہاں کی ایجاد تھی۔

انگیا: انگیا کے متعلق آئین اکبری میں ہے کہ یہ ایک ایسا لباس ہے جو بغیر دامن کے پشواز کے ایسا ہوتا ہے(۱) یہ عموماً ہندو عورتیں پہنتیں، جس کو مسلمان عورتوں نے استعمال کرنا شروع کیا، آگے چل کر انگیا سے مراد وہ چھوٹا سا کپڑا ہو گیا جس کو عورتیں اپنے شلوکے یا جمپر کے نیچے پہنتی ہیں، اردو کے شاعروں نے اس پر بہت سے اشعار کہے ہیں:

میر حسن: وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست ☆ کناروں پہ مینا بنت کا درست
جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگار ☆ فرشتہ ملے ہاتھ بے اختیار

ناسخ: مارڈالا تری انگیا کی چڑیا نے صنم ☆ مرغِ دل کو کم نہیں کنجشک بھی شہباز سے

جان صاحب:

الٰہی کوڑھ ٹپکے ایسی مغلانی کے ہاتھوں کو
کتر کے کر دیا غارت مری انگیا کے بازو کو

انگیا کرتی: مشہور ہے کہ عالم گیر کی بیٹی زیب النسا نے ہندو عورتوں کی چولی اور ترکستانی بیگمات کی محرم کو ملا کر انگیا کرتی اختراع کی۔

محرم: انگیا ہی کی ایک قسم محرم ہے۔

---

(۱) آئین اکبری جلد سوئم ص ۱۴۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتش: کسی کی محرم آبِ رواں وہ یاد آئی
حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

چولی: انگیا ہی کی ایک قسم بھی تھی، ذوق کہتے ہیں:

اپنے دامن میں نہ لے میرے گل لخت جگر
جی دھڑکتا ہے کہیں چولی نہ مسکے بوجھ سے

تکمے: عام طور سے تکمے بہت قیمتی ہوتے، پہلے ذکر آیا ہے کہ تکمے میں جواہرات لگے ہوتے، میر حسن نے بھی اپنی مثنوی میں لکھا ہے:

گریباں میں تھا تکمہ اک الماس کا ☆ ستارہ تھا مہتاب کے پاس کا
وہ ہیرے کا تکمہ بصد آب و تاب ☆ وہ صبح گلو مطلع آفتاب
وہ تکمے پہ چمپا کلی کی پھبن ☆ کہ سورج کے آگے ہو جیسی کرن

پائجامے: پائجامے کو ازار بھی کہتے، ازار عربی اور پائجامہ فارسی لفظ ہے، یہ کئی طرح سے تیار ہوتے، بعض ڈھیلے عرض کے ہوتے، جو ٹخنوں پر چنٹ دے کر باندھ دیے جاتے، بعض تنگ مہری کے ہوتے، جس کا گھیر اوپر سے ڈھیلا ڈھالا ہوتا، رفتہ رفتہ ان میں کھچاؤ اتنا زیادہ دیا جانے لگا کہ اوپر کا گھیر کم ہو گیا اور پائینچوں کی مہریاں اس قدر تنگ ہو گئیں کہ پہننے کے بعد کس کے سی لی جاتیں اور اتارتے وقت مہری کے ٹانکے توڑنے کی ضرورت ہوتی، آگے چل کر گھیر دار پائینچوں کے کلیوں دار پائجامے کا رواج ہو گیا جو کمر کے پاس بہت تنگ ہوتا اور میانی خوب کھچی رہتی اور پھر غرارہ کا رواج ہو گیا جو بعض اتنا گھیر دار ہوتا کہ کنیزیں اس کو پیچھے اٹھائے رہتیں، بہادر شاہ ظفر کی بیگم زینت محل کا غرارہ لال قلعہ کے میوزیم میں اب تک رکھا ہوا ہے، اس میں جو کمر بند ہے، وہ زری کا ہے اور اس میں پان کی شکلیں بنی ہوئی ہیں، غرارہ اس ایرانی لباس کا نام تھا، جو زرہ کے نیچے پہنا جاتا تھا اور بہت ڈھیلا ہوتا تھا، اسی معنی کے اعتبار سے غرارے دار پائجامے تیار ہوئے، شلوار بھی پائجامہ ہی کی ایک قسم ہے، جو اب غرارہ کی طرح اب بھی استعمال میں ہے، شہزادیوں کا بھی لباس رہا، میر حسن نے لکھا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈلک ایک نیفے کی ابھری ہوئی ☆ گلابی سی گرد ایک تہ دی ہوئی
مغرق زری کا وہ شلوار بند ☆ ثریا سی تابندگی میں دو چند

پائجامہ کی ایک قسم خنجری بھی ہوتی تھی، جرأت نے کہا ہے:

ع : رانیں بھری بھری شلوار خنجری کی

لہنگا: ازار یا پاپائجامے کے بجائے ہندو عورتیں لہنگا پہنتیں، آئین اکبری میں ہے کہ لہنگا ایک قسم کی لنگی ہے، جس کے دونوں سرے سی کر ملا دیے جاتے ہیں اور اوپر کی طرف نیفہ بھی سیا جاتا ہے اور کئی طریقوں سے یہ تیار ہوتا ہے،(۱) راجپوت شہزادیاں اس کو پہنا کرتی تھیں۔

دوپٹہ: ہر زمانہ میں دوپٹہ رہا، جیسا کہ بیگمات کی تصویروں سے بھی پتہ چلتا ہے۔

میر حسن : ڈوپٹہ کو کرنا کبھی منہ کے اوٹ ☆ کہ پردے میں ہو جائے دل لوٹ پوٹ

دوپٹہ پر بہادر شاہ ظفر کا ایک شعر یہ ہے:

منہ پر ہے تیرے لال دوپٹہ بوقت خواب ☆ یا روئے مہر پر ہے شفق سے نقاب سرخ

یہ عموماً تین گز کا ہوتا اور سر سے اوڑھا جاتا اور گھٹنے تک کے حصے کو چھپاتا۔

اوڑھنی: دوپٹہ ہی کی ایک قسم اوڑھنی ہے جو نور جہاں کی ایجاد بتائی جاتی ہے، یہ زیادہ لمبی نہ ہوتی اور بہت ہلکی ہوتی، میر حسن نے لکھا ہے:

اوراک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب ☆ جسے دیکھ شبنم کو آوے حجاب
صبا حب صفا اس میں جھلکی ہوئی ☆ پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی

ڈنڈیا پوش: یہ ایک چادر ہوتی، جو لہنگے کے اوپر باندھ کر اس کا کچھ حصہ سر پر سے لے کر کمر کے دوسرے بازو تک ملا دیا جاتا، اس کو ہندو عورتیں زیادہ استعمال کرتیں۔(۲)

مقنعہ: سر پر ڈالنے کے لیے ایک اوڑھنی ہوتی تھی، عرفی نے کہا ہے:

وقت است کہ گل بر فگند مقنعہ ناز ☆ ز آں کہ ز فانوس چراغے بدر آید

برقع: عورتیں بے حجاب مردوں کے سامنے نہیں آتیں، اس لیے وہ اپنے چہرہ اور جسم پر برقع بھی

---

(۱) آئین اکبری جلد سوم ص ۱۴۴ (۲) ایضاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈال لیتیں، اگر برقع نہ ہوتا، تو دوپٹہ سے گھونگٹ کر لیتیں، یہ نقاب بھی کہلاتا (۱)، ابوالفضل نے برقع کے لیے معجر (۲) کا لفظ استعمال کیا ہے۔

شال: شہزادیاں جاڑوں کے زمانے میں شال استعمال کرتیں، بعض شالیں کام دار ہوتیں، جن کی قسمیں یہ تھیں، زردوزی، کلابتونی، کشیدہ، قلغہ، باندھنونی، چھینٹ، وایجہ (۳) و پرزدار شال کی صنعت کا ذکر آگے بھی آئے گا۔

جوتیاں: عورتوں کی جوتیاں ہلکی، نازک اور سبک ہوتیں، جن پر بادلہ، زری، مقیش، کام دانی اور سلمٰی وغیرہ ہوتے، شہزادیوں کی جوتیوں میں جواہرات بھی ٹانک دیے جاتے، لال قلعہ کی اصطلاح میں زنانی جوتی کو زیرپائی کہتے، میرحسن نے ایک شہزادی کی جوتی کی تصویر اس طرح پیش کی ہے۔

پڑی پاؤں میں کفش زریں نگار ☆ ستاروں کی جس کی زمیں پر بہار

ساری: مسلمان بادشاہوں کے محل میں ساری استعمال نہیں ہوئی لیکن بعد میں مسلمان عورتوں نے بھی اس کو اپنایا، ساری کی ابتدائی قسم دھوتی تھی لیکن مسلمانوں کے میل جول سے اس میں ایسی نفاست پیدا ہوئی کہ دھوتی کی شکل ساری میں تبدیل ہوگئی، جس میں جدت اور لطافت اب تک بڑھتی جارہی ہے۔

رانی مان بائی عرف شاہ بیگم کا لباس: جہاں گیر کی پہلی بیوی مان بائی عرف شاہ بیگم کی ایک تصویر دیکھنے میں آئی جو جہاں گیر کے درباری مصور آقا رضا کی بنائی ہوئی ہے، اس کے سر پر ایک رنگین دوپٹہ ہے، جس میں زری کی گوٹ ہے، درمیانی جسم کی پوشاک کمر تک ہے جس کی آستین آدھی ہے، یہ شاید نیمہ تنہ ہے، نیچے بوٹے دار رنگین چست پائجامہ ہے، جس کے اوپر بہت ہی باریک گھیر دار لباس ہے، یہ شاید مہنگا ہو، پاؤں میں سرخ جوتیاں ہیں، جو سلیم شاہی کی طرح ہیں۔

لباس زینت و آرائش: عورتوں کے لباس میں عام طور سے بیل بوٹے، کشیدہ کاری، سنجاف کناری، گوٹھے پٹھے، کام دانی، زردوزی اور کارچوبی کا کام ضرور ہوتا، جس کی وجہ سے چاندی سونا بہت خرچ ہوتا رہتا، برنیر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(۱) ہمایوں نامہ ص ۳۶، (۲) آئین اکبری جلد سوم ص ۱۴۴، (۳) ایضاً جلد اول آئین ۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اگرچہ سونا اور چاندی اکثر ملکوں میں پھر پھرا کر آخر کار ہندوستان میں آ جاتا ہے، مگر اس پر بھی بہ نسبت اور ملکوں کے یہاں زیادہ محسوس نہیں ہوتا............جس کا سبب یہ ہے کہ اول تو بہت سا سونا بار بار گلائے جانے اور عورتوں کے ہاتھوں کی چوڑیوں، پاؤں کے کڑوں، توڑوں وغیرہ، بالیوں، نتھوں اور کارچوبی کام کے کپڑوں، الاچوں، پگڑیوں کے طروں، سنہری، روپہلی کپڑوں اوڑھنیوں، ٹیکوں، مندیلوں اور کمخوابوں کے بنانے میں خرچ ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں اس قدر بنائی جاتی ہیں کہ سننے والے کو یقین نہیں آ سکتا اور تمام فوجوں میں امراء سے لے کر سپاہیوں تک کچھ نہ کچھ ملمع اور طلا کاری کی چیزیں زیب وزینت کے لیے پہنتے ہیں۔''(۱)

بادشاہوں اور ان کی بیگمات اور شہزادیوں کی پوشاک تیار کرنے میں جن کپڑوں کی ضرورت ہوتی اور جہاں جہاں وہ تیار ہوتے، ان کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

---

(۱) سفرنامہ برنیر اردو ترجمہ ص ۲۰۱،

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پارچہ بافی

ہندوستان میں روئی ہر زمانہ میں بکثرت پیدا ہوتی رہی ہے، ریشم اور اون کی بھی کمی نہیں تھی، اس لیے اس ملک میں سوتی ریشمی اور اونی کپڑوں کی صنعت ہمیشہ اعلا درجہ کی رہی۔

سلاطین دہلی کے عہد کی مصنوعات: سلاطین دہلی کے عہد میں بنگال، دکن، گجرات اور ملتان اعلا قسم کی پارچہ بافی کے لیے مشہور تھے، ناصر الدین بغرا اپنے بیٹے معز الدین کیقباد کی ملاقات کے لیے اودھ آیا تو اپنے ساتھ تحفے کے طور پر بنگال سے طرح طرح کی حریر، پرنیاں اور زربفت کی پوشاک لایا، ان میں بعض ہندوستانی کپڑے اتنے باریک تھے کہ پہننے پر جسم نظر آتا تھا اور بعض کپڑے ایسے بھی تھے، جن کو لپیٹا جاتا تو انگلیوں کے ناخن میں آجاتے اور کھولا جاتا تو بہت بڑا تھان ہوجاتا۔(۱)

دکن میں دیوگیر اور مہا دیونگری بھی پارچہ بافی کی صنعت کے بہت بڑے مرکز تھے، یہاں کے کپڑوں میں بڑی نفاست اور لطافت ہوتی تھی، امیر خسرو نے اپنے شاعرانہ انداز میں لکھا ہے کہ یہ گلاب اور لالہ کی طرح دیدہ زیب ہوتے ہیں، بعض اتنے مہین ہوتے کہ سوئی کے ناکے میں سما جاتے تھے لیکن اسی کے ساتھ اتنے گف ہوتے کہ سوئی بھی مشکل سے اس کے اندر جاتی، بعض کپڑے اپنی لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے تھے، اس میں شاعرانہ مبالغہ کو بھی دخل ہے لیکن اس سے صنعت کی ترقی وخوبی کا بہر حال پتہ چلتا ہے، سلطان کیقباد کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے امیر خسرو لکھتے ہیں، اس میں اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیواروں میں اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ دیوار کے پتھر بھی یاقوتی رنگ کے معلوم ہوتے تھے، فرش میں بھی موتی اور سونے کا کام ہوتا تھا۔

---

(۱) قران السعدین، ص ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض عمدہ کپڑوں کے نام یہ تھے، بیرامیہ، سلاحیہ، شیریں، کتان، رومی، سراج، قباب، ان کپڑوں کی نوعیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

دہلی کپڑوں کی بہت بڑی منڈی تھی، علاء الدین خلجی نے اپنے زمانہ میں جب تمام چیزوں پر کنٹرول کیا تو کپڑوں کی قیمت بھی مقرر کی، اس نے حکم دے دیا تھا کہ تمام کپڑے سرائے عدل کے علاوہ کہیں اور فروخت نہ کیے جائیں، یہ سرائے بدایوں دروازہ کے پاس تھی، موٹا کپڑا مثلاً کرپاس ایک ٹنکہ میں بیس گز، اور اس سے بھی کم تر درجہ کا کپڑا ایک ٹنکہ میں چالیس گز ملا کرتا تھا، پلنگ کی چادر دس جتیل میں مل جاتی تھی، عمدہ کپڑے مثلاً شیریں بافت کی تین قسمیں تھیں، سب سے عمدہ کی قیمت پانچ ٹنکے فی گز، اوسط کی تین ٹنکے فی گز اور ادنیٰ کی دو ٹنکے فی گز تھی، عام طور سے مہین سوت کے کپڑے تین ٹنکے فی گز ملا کرتے تھے، حکومت کی طرف سے بیس لاکھ ٹنکے متمول سوداگروں کو قرض دیے گئے تھے کہ وہ باہر سے عمدہ کپڑے منگوا کر فروخت کریں، عوام اور خواص کے کپڑوں کی تفریق کر دی گئی تھی اور نفیس قسم کے کپڑوں کی قیمت کو قابو میں رکھنے کے لیے حکم جاری کیا گیا تھا کہ ریشمی ساٹن اور کمخواب وغیرہ کی خریداری بازار کے شحنہ سے پروانہ لے کر کی جائے ضیاء الدین برنی نے اچھے اور عمدہ کپڑوں کے نام یہ لکھے ہیں، تسبیح، تبریزی، زربفت، زرنگار، خزہائے دہلی (دہلی کے بنے ریشمی کپڑے) کمخواب، شش تری، حریری، چینی، بھرم، دیوگری، خزکوتلہ، مشروع، شعری مہین، ترلعل، ناگوری، شیریں بافت اور سلاہٹی۔ (۱)

مسالک الابصار میں ہے کہ محمد بن تغلق کے عہد میں شاہی کارخانے میں چار ہزار پارچہ باف ریشم اور دوسرے قسم کے کپڑے تیار کرتے تھے، محمد بن تغلق سال میں دو بار موسم بہار اور خزاں میں دو لاکھ خلعت تقسیم کیا کرتا تھا، موسم بہار میں خلعت کے کپڑے اسکندریہ سے آتے تھے، خزاں کے موسم میں دہلی کے تیار کردہ کپڑوں کے علاوہ چین اور عراق سے بھی منگوائے جاتے تھے، محمد تغلق کے کارخانے میں چار ہزار صناع صرف زری کا کام کرتے تھے، جو شاہی حرم کی بیگمات اور امرا کے خلعت کے کپڑے تیار کرتے تھے، شاہی ضروریات کی جتنی چیزیں ہوتیں مثلاً کلاہ، جوتے،

---

(۱) برنی ص ۳۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پردے، غلاف، کمربند، پٹکے اور زین وغیرہ کارخانے ہی میں تیار ہوتے، تحفے کے لیے عمدہ ململ اور دوسری چیزیں بھی تیار ہوتیں۔ (مسالک الابصار فی ممالک الامصار انگریزی ترجمہ علی گڑھ، اڈیشن، ص ۳۰-۲۹)

محمد تغلق کی بہن کی شادی امیر سیف الدین سے ہوئی، تو امیر سیف الدین کو جو کپڑے دیے گئے تھے، اس کے بارے میں ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ نیلے ریشم پر اتنے جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا اور ایسی ہی کلاہ تھی، ایسی پوشاک میں نے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ (سفرنامہ اردو ص ۱۳۳)

ایک بطوطہ کا بیان ہے کہ ریشم کے زریں خلعت پر جس کو شیر صورت کہتے تھے شیر کی تصویریں بنی ہوتی تھیں۔ (سفرنامہ اردو ص ۲۱۷)

فتوحات فیروز شاہی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس میں مغرق زردوزی کا عام رواج تھا، جس میں تصویریں اور نقش و نگار ہوتے تھے، اس لیے فیروز شاہ نے اس کی ممانعت کرادی تھی، کیوں کہ یہ شرعاً ناجائز ہے۔ (فتوحات فیروز شاہی ص ۱۴)

شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ فیروز شاہی عہد میں عید کے روز دربار کے گدے ریشم کے ہوتے اور بعض زرمینہ کے اور بعض پر نقرئی و طلائی کام ہوتا تھا، بعض گدے سفید کپڑے کے بنائے جاتے تھے، دیواروں پر زرمینہ لپیٹے جاتے تھے، اس روز مطرب زعفرانی لباس پہن کر آتے، ان کی دستار سرخ ہوتی اور ان کی ساری پوشاک مرصع اور مکلل ہوتی، عفیف کا بیان ہے کہ یہ لباس اس قدر قیمتی ہوتا کہ ایک شخص کے لباس کی قیمت چالس ہزار ٹنکے ہوتی تھی۔ (عفیف ۳۶۳)

لباس کے علاوہ مختلف قسم کے فرش فروش ہوتے، سلطان فیروز شاہ فرش پر دو لاکھ تنکے خرچ کیا کرتا تھا۔ (عفیف ص ۲۳۷)

عہد مغلیہ کی پارچہ بافی: مغلوں کے عہد میں پارچہ بافی کو بڑا فروغ ہوا، پھر بھی بعض اعلا قسم کے کپڑے ہندوستان میں نہیں تیار ہوتے تھے، ان کے لیے صناع اور کاری گر باہر سے بلوائے گئے، آئین اکبری میں ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جہاں پناہ (اکبر) کی توجہ سے طرح طرح کی صنعت نے رواج پایا اور ایرانی فرنگی، خطائی صنائع وسامان بکثرت میسر آنے لگے، ہر ملک سے کار پرداز، استاذ اور بے مثل ہنرمند ہندوستان میں وارد ہوئے اور اہل ہند جوق جوق ان کے گرد جمع ہو کر مختلف صنعتیں سیکھنے لگے، دارالحکومت لاہور، آگرہ، فتح پور، احمد آباد اور گجرات میں عجیب وغریب صناعیاں نمودار ہوئیں اور انواع واقسام کے نقش و نگار، عجائب روزگار، بیل بوٹے، کاڑھے اور بنائے گئے، جن کو دیکھ کر جہاں نورد سیاح عالم حیرت میں مبتلا ہوگئے۔''

(آئین ۳۲)

زربفت: زربفت زیادہ تر باہر سے آتا، اگرچہ گجرات اور لاہور میں بھی بنایا جاتا تھا، باہر سے آئے ہوئے زربفت کی قسمیں یہ تھیں:

یزدی، فرنگی، کاشی، ہروی، برسر، مطبق، میلک۔

مخمل: مخمل بھی لاہور اور گجرات میں تیار ہوتا لیکن بیرونی مخمل کی قسمیں یہ تھیں۔

فرنگی، کاشی، یزدی، مشہدی، ہروی، خافی، قطیفہ، پوربی، تاجہ باف، مطبق، شروانی، میلک، کم خواب، ولایتی، توار، جواری۔

طاس: طاس گجرات میں بھی تیار ہوتا تھا، بیرونی طاس میں دارائی، باف مقیش، شروانی مشہور تھے۔

مشجر: مشجر ہندوستان میں نہیں بنایا جاتا تھا اور عام طور سے مشجر فرنگی اور مشجر یزدی رائج تھے۔

دیبا: دیبا کی صنعت بھی ہندوستان میں نہ تھی اور وہ یزد اور فرنگ سے آتا تھا۔

اطلس: اطلس بھی باہر ہی سے آتی، اطلس فرنگی، اطلس یزدی، اطلس خطائی کے نام بار بار آتے ہیں۔

زری کے کپڑے: دوسرے زری کے کپڑوں کے نام یہ تھے:

خارانوار خطائی، خز، تفصیلہ (مکہ معظمہ سے آتا تھا) نیم زری، موج دریا۔

ریشمی کپڑے: ریشمی کپڑوں کے نام یہ تھے:

خارا، قطنی، کتان، فرنگی، تافتہ، انبری، دارائی، ستی پوری، قبابند، ٹاٹ بند، مصری، ساز، تسر، الچہ، کیورنور، مشروع، گل بدن، سنگی، ان میں بعض کپڑے تو باہر سے منگائے جاتے اور بعض

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہیں تیار ہوتے۔

سوتی کپڑے: سوتی کپڑوں کی قسمیں یہ تھیں۔

خاصہ، چوتار، ململ، نن سنگھ، سری صاف، گنگا جل، بھیروں سہن، جھونہ، اٹان، آساولی، بافتہ محمودی، پنج تولیہ، سالو، گربہ سوتی، ڈوریہ، بہادر شاہی، سیلہ دکھنی، مہر گل، آب رواں، تنزیب، جام دانی، رسئی، نکانی، احرام، سموم وغیرہ، یہ سارے کپڑے ہندوستان ہی میں تیار ہوتے۔

پشمینے: پشمینے کی قسمیں یہ تھیں: سقرلاط فرنگی، رومی و پرتگالی، ہندوستان میں سقرلاط، ناگور اور لاہور میں بھی تیار ہوتا، صوف، مربع، صوف، مخر، پرم، نرم، اعزی، پرم گرم، کتاس، پھوک، درمہ، پٹو، ریوکار، مصری ابرو یمانی۔

احمد آباد کی صنعت: پارچہ بافی میں سب سے زیادہ نمایاں نام احمد آباد کا ہے، گجرات شروع سے پارچہ بافی میں مشہور تھا، تیسری صدی ہجری میں ایک عرب سلیمان تاجر نے لکھا ہے کہ ''اس ملک سے اچھے کپڑے اور کہیں نہیں ہوتے، سوتی کپڑے اتنے نفیس اور باریک ہوتے ہیں کہ انگوٹھی کے حلقہ میں آسانی سے سما جاتے ہیں، اس طرح کے بعض کپڑے ہم نے خود نہیں دیکھے۔

گجرات کے حکمراں محمود شاہ اول کے زمانے میں احمد آباد میں اس صنعت کی بڑی ترقی ہوئی، مرأۃ احمدی کے مصنف کا بیان ہے کہ اس عہد میں یہاں کم خواب، قسطی، مخمل، چکن، کارچوب کا کام بہت عمدہ قسم کا ہوتا تھا اور یہاں کے کاری گروں کے نام ایران، توران، روم اور شام تک مشہور تھے۔ (جلد دوم ص ۵-۴) خلاصۃ التواریخ کا مصنف سجان رائے بھی لکھتا ہے کہ احمد آباد میں زری کے چیرہ، فوطہ، جامہ دار، مخمل، زربفت، خارا وغیرہ بہت اچھے تیار ہوتے تھے اور روم، فرنگ اور ایران کے کاری گروں کی تقلید کی جاتی، قسطی تو بہت عمدہ تیار ہوتی، لوگ اس کو تحفہ کے طور پر ہاتھوں ہاتھ لے جاتے۔ (خلاصۃ التواریخ ذکر گجرات) اطلس بھی یہاں کی مشہور تھی، اس کے اکثر خلعت دیے جاتے، (تزک جہاں گیری ص ۱۹۱) ریشمی کپڑوں میں بہادر شاہی اور محمودی مشہور تھے، بہادر شاہی کی قیمت اٹھارہ روپیے فی گز تھی، محمودی کی مانگ تمام ہندوستان میں تھی، یہ ستائیس روپیے فی گز بکتا تھا (آئین اکبری) اور دوسرے ریشمی کپڑوں کے نام یہ تھے، گلشن، انکو، گلاب،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلامہ، دل افروز، محبوبہ، سالو، بھیرم شیرینی، چندرکلا وغیرہ۔

مخمل زربفت اور کلابتوں کے کام کے بڑے بڑے خیمے بھی یہاں تیار ہوتے، شاہ جہانی دور میں مخمل اور زربفت کا ایک خیمہ ایک لاکھ روپیہ میں تیار ہوا تھا، (۱) یہ ۷۰ زرع لمبا اور ۴۵ زرع چوڑا تھا، اس کے چار ستون تھے، جن میں سے ہر ایک کا دور ۲ ¼ گز تھی، یہ تین ہزار بیس گز زمین پر نصب کیا جاتا اور دس ہزار آدمی اس کے نیچے بیٹھ سکتے تھے، تین ہزار آدمی مل کر اس کو نصب کرتے، اس کا نام دل بادل رکھا گیا تھا، (۲) مخمل اور زربفت کے جو سائبان بنائے جاتے، ان کے ستون طلائی اور نقرئی ہوتے، شاہ جہانی دور میں مخمل، زربفت اور کلابتوں کی ایک اسپک تیار ہوئی تھی، جس کا طول ۴۳ ذرع اور عرض ۳۲ ذرع تھا، اس میں بھی ایک لاکھ روپیے خرچ ہوئے تھے، (مرأت احمدی جلد اول ص ۲۱۹) اورنگ زیب کو یہ تکلفات پسند نہ تھے، پھر بھی احمد آباد کو وہ ہندوستان کی زیب و زینت کہا کرتا تھا، (مرأت احمدی جلد اول، ص ۳۷۱) شاہ عالم نے احمد آباد ہی میں تخت کے اوپر لٹکانے کے لیے چار ستارہ دار مخمل کا شامیانہ تیار کرایا تھا، جس میں ۱۵ ہزار روپیے خرچ ہوئے تھے۔

احمد آباد میں کپڑوں پر سونے چاندی کا کام بھی اعلاقسم کا ہوتا تھا، اس قسم کا ایک کپڑا اطاس گجراتی تھا، جس کی قیمت فی تھان چار سو پچاس روپیے تھی کوتہ دار گجراتی کی قیمت ایک سو اسی روپیے فی تھان تھی یہاں کے رنگے ہوئے سوتی کپڑے، دھوتیاں اور بافتے بھی مشہور تھے۔

سورت اور بھروچ میں زری کے چیرہ، جامہ دار مخمل اور زربفت اچھے بنتے تھے، بھروچ کے بافتے اور الچاپ بھی مشہور تھے۔

سولھویں صدی کے سیاح باربوسہ کا بیان ہے کہ کھمبایت میں عمدہ اور موٹے کپڑوں کے علاوہ چھینٹ، کم خواب، ساٹن، ریشم، کتان اور قالین وغیرہ سب تیار ہوتے۔

بنگال کی صنعت: پندرہویں صدی کے بیرونی سیاحوں نے بنگال کی پارچہ بافی کی بڑی تعریف کی ہے، مثلاً ماھوان نے بنگال کے پانچ، چھ قسم کے عمدہ ململ، زری کی بوٹیوں اور ریشمی رومالوں کا ذکر کیا ہے، سولہویں صدی کا سیاح دارتھما تو یہاں تک بیان کرتا ہے کہ بنگال میں جتنے سوتی کپڑے ہوتے

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول ص ۸۵۔ (۲) مآثر الامرا جلد سوم ص ۴۶۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، اتنے کسی اور ملک میں پائے نہیں جاتے، اس نے کپڑوں کے جو اقسام لکھے ہیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، دیبرام، نمونے، ازاتی، کین تار، دوزار، سینہ باف، ایک اور سیاح باربوسہ لکھتا ہے کہ شاش یعنی پٹکے کی ایک قسم سربند بنگال میں تیار ہوتی ہے، جس کو یورپ کی عورتیں سر میں باندھنے کے لیے بہت پسند کرتی ہیں، ایرانی اور عرب اس کی پگڑی بناتے ہیں، عرب تاجر سینہ باف بکثرت لے جاتے ہیں، جس سے وہاں کے لوگ کرتے بناتے ہیں۔

سترہویں صدی کے مشہور فرانسیسی سیاح برنیر نے لکھا ہے کہ بنگال میں کپڑا نہایت عمدہ تیار ہوتا ہے اور انگریز اور پرتگالی اس کی تجارت خاص طور پر کرتے، ڈچ یہاں کا کپڑا جاپان اور یورپ تک بھیجتے۔

جیمس ٹیلر نے اپنی کتاب ٹوپوگرافی اینڈ اسٹیٹسٹکس آف ڈھاکہ میں لکھا ہے کہ ڈھاکہ میں ۳۶ قسم کے سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے اور جہانگیر کے زمانے میں ململ کی بعض قسمیں ایسی بھی بنی جاتی تھیں جو پندرہ گز لمبی اور ایک گز چوڑی ہوتی تھیں لیکن ان کا وزن نو گرین سے زیادہ نہ ہوتا تھا، بعض قسم کی ململ کا ایک تھان دیا سلائی کے بکس کے اندر جاتا تھا، اس کی صنعتی خوبی کی وجہ سے ایک ایک تھان کی قیمت جہانگیری عہد میں چار چار سو روپیہ ہوتی تھی، ڈھاکہ میں جامدانی بھی اچھی تیار ہوتی تھی، چنانچہ اورنگ زیب کے لیے جامدانی کا ایک تھان ۲۵۰ روپیہ میں تیار ہوا تھا۔

بنگال میں عام استعمال کے لیے جو دھوتیاں اور ساریاں تیار کی جاتیں ان کی بہت سی قسمیں تھیں، ململ کی ایک قسم ایسی بھی ہوتی، جس میں ریشم اور سوت دونوں ملا ہوتا اور ان کے کناروں پر کبھی زری کا کام بھی ہوتا، لوگ شوخ رنگ کو زیادہ پسند کرتے تھے، اس لیے ساریوں کا کنارہ زیادہ تر رنگین ہوتا تھا، لحاف کی فردوں، مسہری کے پردوں اور دوسری قسم کے ریشمی اور سوتی کپڑوں پر بھی رنگین تحریریں ہوتیں۔

بنگال میں ریشم کے کپڑے بکثرت بنے جاتے تھے، اس لیے یہاں ۲۵ لاکھ پونڈ سالانہ خام ریشم تیار ہوتا تھا، دس لاکھ پونڈ کی کھپت مقامی طور پر ہو جاتی، تین لاکھ پونڈ ڈچ لے جاتے، بقیہ احمد آباد چلا جاتا، قاسم بازار میں اچھے ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے، بعض قالین ریشم اور سوت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تار سے بنائے جاتے تھے، بعض میں چاندی کا تار بھی ہوتا، برنیر نے لکھا ہے کہ قاسم بازار میں ڈچ کارخانے میں سات سات اور آٹھ سو آدمی کام کرتے تھے۔

ریشم کیڑوں سے تیار کیا جاتا تھا، یہ کیڑے دو قسم کے ہوتے تھے، ایک دیسی دوسرے فصلی، مؤخر الذکر اطالیہ اور چین سے لائے جاتے تھے، جن سے بہت باریک ریشم نکالا جاتا تھا، یہ کیڑے ۳ فٹ کے بلند شہتوت کے درخت میں ہوتے تھے جو قطار میں چھ یا آٹھ انچ کے فاصلے پر بوئے جاتے تھے، ان درختوں کے بونے کے چار مہینے کے بعد ان کے سارے پتے چن لیے جاتے اور ان کی جگہ پر آٹھ یا دس پتیوں میں نئے پتے نکل آتے، پہلے چار مرتبہ پتے چنے جاتے، دوسرے سال چھ مرتبہ، ان پتوں پر کرم پیلہ سال میں چار دفعہ بچے دیتے اور فصلی کرم پیلہ صرف ایک دفعہ، ان ہی سے ریشم کا تار نکالا جاتا۔(۱)

لاہور کی صنعت: لاہور میں بہت سے بیرونی کاری گر آ کر جمع ہو گئے تھے، جس سے پارچہ بافی کی صنعت کو بڑا فروغ ہوا، خلاصۃ التواریخ میں لاہور کے متعلق ہے:

''گونا گوں ہنر پیش گاں ہر دیار و ہر گونہ صنعت گراں روزگار سکونت دارند''

لاہور کے پڑوسی قصبوں میں بھی اعلا درجہ کی پارچہ بافی ہوتی تھی، ضلع ہوشیار پور کے قصبہ بجوارہ میں سری صاف، ادھار، ڈوریہ، پنج تولیہ، جھونہ، چہرہ سفید، طلادار فوطہ، چھینٹ اور بادلہ کا کام بہت عمدہ ہوتا تھا، سیالکوٹ میں بھی ریشم اور کلابتوں کا کام ہوتا تھا، خصوصاً چیرہ سوزنی، دسترخوان، خوان پوش اور راوٹی بہت اچھی تیار ہوتی تھی اور تقریباً ایک لاکھ روپے کا چکن کا کام ہوتا تھا۔

ملتان کے پھول دار قالین، شطرنجی اور چھینٹ مشہور تھی، شاہ جہاں نے مسجد نبویؐ کے لیے جو محراب دار اونی جانماز تیار کرائی تھی، وہ ملتان ہی کے کارخانہ میں تیار ہوئی تھی۔ (مرأت احمدی جلد اول ص ۲۴۵)

سامان: سامان ایک عمدہ قسم کا کپڑا تیار ہوتا، جو سامانی کہلاتا، فرنگی اس کو سمپانو کہتے تھے۔

اودھ کی مصنوعات: بنارس میں جھونہ اور مہر گل بہت اچھے تیار ہوتے تھے، یہاں کی ساریوں کی

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو ہندوستان کی معاشی تاریخ از: آر، سی، دت، اردو ترجمہ جلد اول ص ۳۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہرت ہمیشہ رہی، جون پور کے قالین مشہور تھے اور بھدوئی ضلع بنارس میں اب بھی یہ صنعت باقی ہے، دریا آبادی چھپے ہوئے کپڑے عام طور سے پسند کیے جاتے تھے یہ کپڑا دریا آباد ضلع بارہ بنکی میں تیار ہوتا تھا، اسی طرح کے کپڑے خیر آباد میں بنے جاتے تھے، جو خیر آبادی کہلاتے، اکبری، مرقلی، اودھ میں تیار ہوتا تھا، اکبری کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ اکبر کا کوئی پسند کردہ کپڑا تھا جو فیض آباد کے قریب جلال پور کے نواح میں بنا جاتا تھا، مرقلی مغربی اودھ میں تیار ہوتا تھا، سترہویں صدی میں دریا آبادی اور مرقلی انگلستان میں بہت مقبول تھے (۱) آگرہ میں دریاں اور قالین بہت اچھے تیار ہوتے تھے، یہاں کارچوبی کا کام بھی نہایت عمدہ ہوتا تھا۔(۲)

چکن کے کام کو نوابانِ اودھ کے زمانے میں بڑا فروغ ہوا، اس میں طرح طرح کے گل بوٹے بنائے جاتے تھے، اودھ میں چکن کے ساتھ تنزیب، ململ اور آبِ رواں بھی بہت مقبول تھے۔

گولکنڈہ، برہان پور: گولکنڈہ، سرونج اور برہان پور میں چھینٹ اچھی تیار ہوتی تھی، شیرس باف ململ کی ایک قسم تھی، جس کے لیے دکن مشہور تھا۔

مالوہ: مالوہ میں ایک سوتی کپڑا دودامی بنا جاتا تھا، شاہ جہانی دور میں اس کی نفاست میں بہت اضافہ ہوا، یہاں کے بوٹہ دار اور رنگین جامہ دار کی بڑی مانگ تھی، اس کے ایک تھان کی قیمت اسی روپیے ہوتی تھی، سادہ جامہ دار کی قیمت ۴۰ روپیے تھی، یہاں ایک سفید کپڑا بھی تیار ہوتا تھا، جس کی نفاست کا مقابلہ بقول مؤلف بادشاہ نامہ کوئی اور کپڑا نہ کرسکتا تھا، شاہ جہاں گرمیوں میں اس کو استعمال کرتا تھا۔(۳)

جے پور: محمد شاہ کے عہد میں راجہ جے سنگھ نے جے پور میں احمد آباد ہی کی طرح کے کارخانے قائم کیے اور احمد آباد کے پارچہ بافوں کو بڑے بڑے انعامات اور لالچ دلا کر جے پور بلایا لیکن جے پور کی آب وہوا اس صنعت کے لیے سازگار ثابت نہیں ہوئی۔

شال بافی: عہد اکبری میں شال کی صنعت کو ترقی دینے پر زیادہ توجہ کی گئی، پہلے شال سادہ بنتی تھی، لیکن اس عہد میں کام دار شالوں کے علاوہ زردوزی، کلابتونی، کشیدہ، قلفہ، باندھنوں، چھینٹ،

---

(۱) مورلینڈ جلد دوم ص ۱۸۵ (۲) خلاصۃ التواریخ ذکر احمد آباد (۳) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وایچہ، وپرزدار وغیرہ کی قسموں کا بھی اضافہ ہوا، پہلے شالوں کو بھی تہ کر کے اوڑھتے تھے لیکن چوں کہ ہرتہ الگ الگ ہوتی تھی، اس لیے اس سے بھدا پن پیدا ہو جاتا تھا، آج تک شالوں میں دوتہیں ہوتی ہیں، یہ اکبر کی ایجاد ہے، اکبر ہی کی خواہش پر بڑی شالیں بھی تیار کی جانے لگیں، اس سے پہلے چھوٹی شالیں تیار ہوتی تھیں، شالوں کے حسب ذیل مختلف رنگ ہوتے تھے، لعل، زریں، نارنجی، قرمزی، کاہی، گل پنبہ، صندلی، بادامی، ارغوانی، عنابی، طوطکی، عسلی، سوسنی منجنی، کاسنی، سیلی، حلفی، فستقی، برنجی وغیرہ۔ (آئین اکبری جلد اول ص ۶۸)

تزک جہاں گیری میں ہے کہ شال کشمیری کا نام حضرت آشیانی نے پرم نرم رکھا ہے، شال کی ایک قسم نہرمہ ہے، جو شال سے زیادہ دبیز، ملائم اور موج دار ہوتی ہے، ایک قسم درمہ ہے، جو فرش پر بچھائی جاتی ہے، شال کے علاوہ دوسرے اقسام کا پشمینہ تبت میں بہتر ہوتا ہے، شال کا اون تبت سے ضرور آتا ہے، مگر وہاں خود شال نہیں بنتی، شال کا اون اس بکری سے حاصل کیا جاتا ہے جو تبت و خراسان میں پائی جاتی ہے، کشمیر میں شال کے اون سے پٹو بھی بناتے ہیں اور شالوں کو باہم رفو کر کے سقرلاط کی قسم کا ایک لباس تیار کرتے ہیں جو بارانی لباس کے لیے برا نہیں ہوتا، پٹو کے بارہ میں جہاں گیر نے لکھا ہے کہ تین چار سال تک یہ کام دیتا ہے۔ (ص ۳۰۵)

شالیں کشمیر اور لاہور میں بکثرت بنائی جاتی تھیں، لاہور میں اونی ریشمی چادر بھی تیار کی جاتی تھی، جو مایاں کہلاتی تھی، ریشم اور اون کے پٹکے اور دستار بھی بنائی جاتی تھی، اکبری عہد میں لاہور میں شال بافی کے ایک ہزار کارخانے تھے۔ (آئین اکبری ص ۶۸)

ہندوستانی شال بیرونی شالوں کے مقابلہ میں بہت مضبوط ہوتی تھی، مشہور ماہر معاشیات منرو نے ایک ہندوستانی شال سات سال تک استعمال کی اور اتنی مدت کے بعد بھی اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، اس کا بیان ہے کہ آج تک میں نے یورپ میں کوئی شال ایسی نہیں دیکھی جو مجھ کو تحفۃً بھی مل جائے، تو میں اس کو استعمال کرنے پر راضی ہو جاؤں۔ (آر، سی، دت، معاشی تاریخ ہند جلد اول ص ۳۰۲)

ہندوستان کے کپڑے کی مقبولیت: ہندوستان کے بعض تیار کردہ کپڑے بیرونی ممالک میں بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسند کیے جاتے تھے، اس لیے جو یہاں کی ضرورت سے فاضل ہوتے وہ باہر بھیج دیے جاتے تھے، بعض کپڑے چھپے ہوئے ہوتے، یہ چھاپ برش یا لکڑی کے سانچہ سے ڈالی جاتی، فرنگی ایسے کپڑے کو پنٹاڈو کہتے تھے، پرتگیزی اس کو بہت شوق سے لے جاتے تھے، ڈھلی ہوئی یا رنگین چھینٹ کی مانگ جزائر ملکا میں بہت تھی، سولہویں صدی کے سیاح باربوسہ کا بیان ہے کہ گجرات کے ریشمی کپڑے مشرقی افریقہ اور پیگو تک جاتے، دارتھما کا بیان ہے کہ گجرات کے کپڑے فارس، تاتار، شام، بربر، عرب اور حبش بھیجے جاتے تھے۔

لٹھا ہندوستان کے ہر حصہ میں تیار ہوتا تھا، یہ سادہ بھی ہوتا تھا اور رنگین بھی، گجرات کی منڈیوں میں دٹی اور بافتہ کہلاتا تھا، دٹی دھوتی کا مترادف ہے، وہ لٹھا جو دھوتی کے کپڑے سے ذرا بہتر ہوتا وہ بافتہ کہلاتا، ساحل کارومنڈل میں لٹھے کا بڑا المبا تھان تیار ہوتا تھا، شمالی ہند میں یہ لٹھا گزی بھی کہلاتا تھا، پرتگیزی اس کو مغربی افریقہ اور برازیل تک لے جاتے تھے، جہاں یہ گی آنا کا مال ڈسمال یا حبشی کپڑا مشہور تھا، لٹھوں کے مختلف نام تھے، مثلاً پرکال، جوڑی، سلیم پوری وغیرہ لٹھے لندن کی منڈی میں بھی مقبول تھے۔

ململ کی مانگ ایران، عرب اور مصر میں تھی، جہاں یہ کرتے پٹکے اور عمامے میں استعمال کی جاتی تھی۔

۱۶۳۹ء میں ہالینڈ نے ہندوستان کے جو کپڑے دوسرے ملکوں کو بھیجے، اس کے اعداد و شمار یہ ہیں:

سامانی (پنجاب) ایک ہزار تھان، مبرٹی (بہار) ایک ہزار تھان عریض بافتے (گجرات) پانچ ہزار تھان، کم عرض کے بافتے، چار ہزار سے لے کر پانچ ہزار تھان، دریا آبادی (اودھ) دو ہزار تھان، سلیم پوری تین سے لے کر چار ہزار تھان، پرکال گیارہ ہزار تھان، ململ اور بنگال کے عمدہ کپڑے گیارہ ہزار تھان۔

مورلینڈ نے جو اعداد و شمار جمع کیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۶۵۸ء میں سورت سے میر قلی کے دس ہزار تھان، چھوٹے عرض کے بافتے کے دس ہزار تھان، بڑے عرض کے بافتے ۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہزار، سندھی لٹھا دس ہزار، دریابادی دس ہزار، ڈنگری دس ہزار اور دوسرے لٹھے ساڑے آٹھ ہزار تھان انگلستان منگوائے گئے، اسی سال مدراس سے معمولی لٹھا ۲۰ ہزار تھان، سلیم پوری ۲۰ ہزار اور دوسرے کپڑے ۱۴ ہزار تھان گئے۔

چھینٹ، لحاف کی رنگین فردیں اور عمدہ قسم کے پردے برابر افریقہ اور یورپ جاتے رہے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ تک ہندوستان کے سوتی کپڑے انگلستان جاتے تھے، ۱۸۰۳ء میں صرف کلکتہ کی بندرگاہ سے ۱۳۶۴۵ سوتی تھان انگلستان بھیجے گئے، ۱۸۲۵ء میں اسی بندرگاہ سے ۵۵۸ ریشمی تھان بھیجے گئے، (آر، سی، دت معاشی تاریخ ہند جلد اول ص ۳۴۱-۳۴۰) ڈھاکہ کی ململ کی بڑی مانگ تھی، یہاں جیسی ململ تیار ہوتی، انگلستان میں نہیں ہوتی تھی لیکن انگریزوں نے یہاں کے کاری گروں پر ایسی پابندیاں عائد کیں کہ ہندوستانی پارچہ بافی کی صنعت رفتہ رفتہ ختم ہوگئی اور جو کپڑے انگلستان بھیجے جاتے تھے، ان پر اتنا محصول لگا دیا گیا کہ کپڑوں کی بیرونی تجارت ہی ختم ہوگئی۔

اونی کپڑے: اونی کپڑے بھی ہندوستان میں تیار ہوتے رہے لیکن اچھے قسم کا پشمینہ، سمور اور سابل باہر ہی سے آتا تھا۔

کپڑوں کے رنگ: مسلمانوں کے آنے سے پہلے کپڑوں پر جو رنگ ہوتا تھا، ان کے نام عام طور سے یہ تھے:

آسمانی، اجلا، انگوری، بادام، بھورا، بیگنی، پیلا، پیازی، پستی، تیلیا، تربوزی، جامنی، جوگیا، چھپا، چتکبری، چتلا، چمپئی، دھانی، دودھیا، روپہلا، سیندوری، سلیٹی، فالسی، کیسری، کتھی، کسمی، کرنجی، کوئی، کیوڑی، کالا، کاہی، گورا، گندھکی، گیندئی، لال، لاکھی، لہریا، مونگیا، مٹیالا، ہرا۔

مسلمانوں نے جب اس صنعت کو فروغ دیا تو حسب ذیل رنگوں کا اضافہ کیا:

آبنوسی، آبی، آتشی، ارغوانی، اسود، ازرق، اخضری، ابلق، اگری، احمر، اشہب، بنفشی، حنائی، خاکی، خاکستری، رمانی، زریں، زرنگاری، زعفرانی، زیتونی، زمردی، سیمابی، سوسنی، طوسی، شنگرنی، شربتی، شہابی، طلائی، طاؤسی، طباشری، عنبری، عنابی، عباسی، فیروزی، قرمزی، کاکریزی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبودی، کاسنی، گلنار، لاجوردی، مرجانی، مشکی، نقرئی، ہرمزی، یاقوتی۔

ہندوستان کی کام دانی وزردوزی: مسلمان حکمرانوں کے زمانے میں کام دانی اور زردوزی کو بھی بڑا فروغ ہوا، کام دانی کا کام سونے اور چاندی کے تاروں سے کیا جاتا ہے، پھول اور ستارے مخمل، ریشمی یا عمدہ سوتی کپڑوں پر کاڑھے جاتے ہیں، کاریگر چپٹے تاروں کو لے کر سوئی کی مدد سے بخیہ گری کرتے ہیں، کام دانی کے لیے جو مخصوص تار استعمال ہوتے ہیں، ان کو بادلہ کہتے ہیں۔

زردوزی کام دانی کی عمدہ قسم کا نام ہے، جو سونے کے تاروں سے مخمل، کم خواب اور دوسرے ریشمی کپڑوں پر بنائی جاتی ہے، اس کام کے لیے فرموں کی ضرورت پڑتی ہے، جن کو کارچوب کہتے ہیں، مخمل پر زردوزی کا کام بہت رائج تھا اور عموماً سلاطین، امرا، بیگمات اور شادی بیاہ کی پوشاکوں مثلاً مندیل چیرہ، دوپٹہ، فوطہ اور پلنگ پوش وغیرہ میں ہوا کرتا تھا۔ (آئین اکبری ص ۶۹)

کام دانی اور زردوزی کے لیے سونے اور چاندی کے تاروں کی ضرورت ہوتی ہے، تارکشی خود ایک صنعت ہے، سونے اور چاندی کے ٹکڑوں سے دھاگے سے زیادہ باریک تار بنانا بڑا مشکل فن ہے، جس کو کاریگر بڑی خوبی سے انجام دیتے ہیں، یہ فن اب بھی ہے لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں اس کو بڑی ترقی ہوئی، ان تاروں کو لچکا اور کلابتون کہتے ہیں۔

گوٹہ سونے اور چاندی کے تاروں کو روئی یا ریشم کے دھاگوں کے ساتھ بن کر تیار کرتے ہیں، جن کو عورتیں اپنی پوشاک یا خوان پوش کے حاشیہ میں استعمال کرتی ہیں، ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں بھی یہ صنعت خاطر خواہ طور پر رہی۔

سامانِ آرائش: سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے عہد میں بڑے بڑے خیمے بھی تیار ہوتے رہے، عہد تغلق میں بڑے خیموں کے نام سراچہ اور صیوان تھے، سراچہ بادشاہ کے لیے استعمال ہوتا، اس کا رنگ سرخ ہوتا تھا اور امراکے سراچہ کا رنگ سفید ہوتا، جس پر نیلے رنگ کا نقش بھی ہوتا، صیوان سراچہ کے اندر لگایا جاتا، خیمہ ہی سے کیمپ میں دربار بنائے جاتے جو دہلیز اور بارگاہ کہلاتے تھے اور خواب گاہ کا خیمہ خواب گاہ ہی کہلاتا تھا۔

مغلوں کے عہد میں بارگاہ کو ایک ہزار فراش استادہ کرتے، اس میں ۲۷ کمرے ہوتے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیمپ کے حصار کو قنات سے گھیرا جاتا، جو گلال بار کہلاتا تھا، یہ سو گز مربع ہوتا، اس کے اندر خیمے ہوتے، جن کے علاحدہ علاحدہ نام تھے، سرغہ میں ۵۴ خانے ہوتے، راؤٹیاں دو منزلہ کی بھی ہوتیں اور بعض راؤٹیاں زربفت اور مخمل سے تیار کی جاتی تھیں، کیمپ کے ساتھ ایک ہزار ایرانی تورانی اور ہندی فراش ہوتے تھے۔

درباروں اور گھروں کی آرائش کے لیے عمدہ قسم کے قالین، جاجم، بلوچی حصیر (چٹائی) اور چاندنی تیار ہوتی رہتی، قالین زیادہ تر ایران، توران، کرمان اور سبزدار وغیرہ سے آتے لیکن ہندوستان میں بھی کشمیر، لاہور، ملتان، کھمبایت، آگرہ اور جون پور میں بھی تیار ہوتے، کشمیر کے قالین کے بارہ میں، اقبال نامہ جہاں گیری کا مؤلف لکھتا ہے کہ کشمیر کے شال کے اون سے ایسے قالین تیار ہوتے ہیں کہ کرمان کے قالین اس کے مقابلہ میں کمبل سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے، طرح داری اور رنگ آمیزی میں بہزاد کی نقاشی کا ایک صفحہ معلوم ہوتا ہے۔ (ص ۱۶۸)

عہد اکبری میں بعض قالین چوبیس گز سات طسوج لمبے اور گیارہ گز آدھ طسوج چوڑے اور مصور ہوتے تھے، منقش پردوں کی صنعت کو بھی کافی فروغ تھا، کیوں کہ درباروں اور امرا کی مجلسوں میں رومی، کاشانی اور گجراتی، زربفت، دیبا اور سنجاف کے زرنگار اور منقش پردے استعمال ہوتے تھے، ہاتھیوں اور گھوڑوں کے لیے ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولیں بھی برابر بنتی رہیں، جو صنعت کا اعلا نمونہ ہوتی تھیں۔

☆☆☆

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیورات

ہندوستانی عورتیں زیور بہت شوق سے پہنتی ہیں اور وہ سر سے پاؤں تک زیوروں سے لدی رہنا پسند کرتی ہیں، ہندو عورتوں کی تقلید میں مسلمان عورتوں نے بھی زیور پہننا پسند کیا، آئین اکبری میں بہت سے زیوروں کی فہرست اور تصویریں درج ہیں، عہد اکبری کے بعد بھی بہت سے زیوروں کا اضافہ ہوتا گیا، ان کا ذکر ہم علاحدہ علاحدہ سرخیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

سر کے زیور: سس پھول، یہ گیندے کے پھول کی طرح ہوتا اور بالوں میں لٹکایا جاتا تھا، یہ بعد میں لیس پھول بھی کہلانے لگا۔

دکھلاتا تھا لیس پھول سر پر ☆ جگنو شب تار میں شجر پر

مانگ: یہ مانگ کے اوپر پہنا جاتا۔

کوٹ بلادر: یہ پیشانی پر باندھا جاتا، اس کے پانچ کنگرے ہوتے، درمیانی کنگرہ بڑا ہوتا۔

سہرا: اس میں سات موتی کی لڑیاں ہوتیں، اس کو پیشانی پر باندھا جاتا، لڑیاں چہرہ پر لٹکتی رہتیں، شادی یا ولادت کے موقع پر دلہن کے سر پر باندھا جاتا۔

ٹیکا: محراب یا چاند کے مانند ہوتا اور پیشانی پر باندھا جاتا، بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے:

اس جبیں پر جلوہ گر الماس کا ٹیکہ نہیں ☆ آسماں پروں دیے دیکھو قمر پیدا ہوا

نسیم نے گلزار نسیم میں لکھا ہے:

جو ٹیکا اس کے ماتھے پر لگایا ☆ قمر نے اپنے دل پر داغ کھایا

بندلی: اشرفی سے چھوٹی ہوتی اور پیشانی پر پہنی جاتی، ناسخ نے کہا ہے:

تیری دونوں ابروؤں میں سونے کی بندلی نہیں
لٹکی ہے قندیل زریں کعبہ کی محراب میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سراسری : یہ بھی سر کا زیور تھا، دکن میں سر کے زیوروں میں...... جھومر، جان جس پھول اور لاکڑی بھی تھے۔

آئین اکبری میں ایسے زیور کا ذکر نہیں جو آج کل چوٹی کہلاتی ہے، جب بال گوندھ کر چوٹی پیچھے کی طرف لٹکائی جاتی تو اس کے اوپر بھی ایک زیور پہنا جاتا، جس میں گھنگرو بھی ہوتا ہے، اس سے آواز ہوتی رہتی ہے، اس کی مختلف قسمیں...... ہوتی ہیں، مثلاً چوٹی کی تعویذ، چوٹی کے قبے، چوٹی کی لاکڑی، یہ قسمیں زیادہ تر دکن میں استعمال ہوتی رہیں، چوٹی کے ایک زیور کا نام چاند سورج بھی ہے۔

خود سراپا نور ہو زیبا ہے بالوں میں اگر
چاند سورج کے حوض لٹکاؤ مہر و ماہ کو

آئین اکبری میں چھپکا کا بھی ذکر نہیں، یہ بالوں میں باندھ کر پیشانی پہ لٹکایا جاتا ہے۔

چوٹی پہ شجر کی دام رکھا ☆ چھپکا کہنے کو نام رکھا۔

کان کے زیور: (۱) حلقہ دُر، ہمایوں نامہ (ص ۳۶) میں گل بدن بیگم نے بندہ یا ایزہ کے لیے حلقہ در کی اصطلاح استعمال کی ہے (۲) کھنٹلا، مخروطی شکل کا ہوتا ہے (۳) کرن پھول، بیل پھول کی طرح ہوتا (۴) دربچہ، کان کی بالیاں ہوتیں (۵) پیپل پتی، یہ محرابی شکل کی ہوتی اور بالیوں میں پہنی جاتی، سات سے نو تک کی تعداد ہوتی (۶) بالی، ایک حلقہ ہوتا، جس میں موتی ڈال دیے جاتے (۷) چمپا کلی، گلاب سے چھوٹی ہوتی اور کان کی لو میں پہنی جاتی (۸) مور بہنور، مور کی شکل کا ہوتا، بعد میں کان کے زیوروں میں بندہ جھومک، جھمکا، جھومر، بجلی، مچھلی، مگر، چودانی بالا، پتا، درگوش، مرکی، آویزہ، لٹکن وغیرہ کا اضافہ ہوا۔

پتے: ہاتھوں کو ہیں چو ہے دیتاں خار ☆ پتے واللہ ہو گئے بار
جھومر: میں کس کو دکھاؤں گی، سنگار اب ☆ جھومر نہ ہو میرے سر کا بار اب
بجلی: زنجیر ہے سلسلۂ فسوں کا ☆ بجلی نے بدن تمام پھونکا
جھمکا: جب اس کے کان میں پہنایا جھمکا ☆ پریشاں ہو گیا عقد ثریا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندہ: میں تو کیا ہوں کارواں کے کارواں ہوں گے اسیر
بندہ لاکھوں کو کرے گا آج بندہ کان کا

چودانی: دونوں آنکھیں دل جگر یہ چار موتی ہم سے لیں
اپنے کانوں کے لیے بنوائیں چو دانی نئی

مگر: بالے ہیں ترے حسن کے دریا میں بھنور دو
اور اس پر غضب یہ ہے کہ ہیں ان میں مگر دو

مچھلی: یہ کس کے کان کے بالے کی مچھلی دیکھی ہے
مثال ماہیٔ بے آب بے قرار ہوں میں

دکن میں کان کے جو زیور استعمال ہوتے رہے، ان کے نام یہ تھے: انتیان، ارواج، پٹنے، بگرے، پنکے، پھول بالیاں جھلملی، چاند بالیاں، چکر پان، چولا پھول، لونگ کے پھول۔

ناک کے زیور: (۱) بیسر، ایک سونے کا چپٹا ٹکڑا ہوتا جس کے اوپر موتی جڑ دیتے اور نیچے کی طرف بھی ایک موتی سونے کے تار میں ڈال کر اس میں لٹکا دیتے اور پھر ایک سونے کے تار سے ناک میں پہنا دیا جاتا (۲) پھولی، کلی کی طرح ہوتی (۳) لونگ، لونگ کی شکل کا ہوتا (۴) نتھ، ایک سونے کا حلقہ ہوتا جس میں یاقوت اور موتی ڈال دیا جاتا۔

نسیم: پہن کر نتھ خوشی سے رنگ دمکا ☆ وہ مکھڑا چاند سا گھونگھٹ میں چمکا

بلاق، بیسر اور رال بھی ناک کے زیور تھے۔

گلے کے زیور: (۱) گلو بند، پانچ یا سات سونے کے ٹکڑے پھولوں کی طرح بناتے اور ان کو ریشم میں گوندھ کر گلے میں پہنایا جاتا (۲) ہار، یہ زیادہ تر موتیوں کا ہوتا اور اس کی خوب صورتی بڑھانے کے لیے موتیوں کے ساتھ سونے کا پھول بھی جا بجا لگا دیتے۔

نسیم: گلے میں پہنا جو موتی کا مالا ☆ بنات النعش کو حیرت میں ڈالا

(۳) ہانس یہ گلے کا طوق تھا، جس کو اب ہنسلی بھی کہا جاتا ہے۔

گلے کے زیورات میں ابو الفضل نے صرف ان تین زیوروں ہی کا ذکر کیا ہے لیکن چلڑی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ست لڑی، گلہ، لچھا، گملا، جت ناک، جگنی، بدھی اور ہیکل (روپیے اور اشرفیوں کا ہار چمپا کلی، دھکدھکی کا اضافہ بعد میں ہوا، چمپا کلی کو ابوالفضل نے کان کا زیور لکھا ہے لیکن بعد میں یہ گلے کے ایک زیور کا نام ہو گیا۔

گردن مری چھوڑ بچلڑی تو ☆ کیوں ہو کے بلا گلے پڑی تو
ست لڑی میں ہر ایک در یتیم ☆ جس کی قیمت خراج ہفت اقلیم

تیری بدھی ہے پھلی پھولی ہوئی بیل کی طرح
پھل زمرد کے ہڑیں ہیں، پرب الماس کے پھول (رشک)

ہوا ہے آج مجنوں عشق میں لیلیٰ کے دیوانہ
یہ زنجیر اس کی گردن میں مری طفلی کی ہیکل ہے (آتش)

فارسی میں گلے کے ایک زیور کا نام عنبر ینہ بھی تھا، گل بدن بیگم نے گلے کے زیور کے لیے نحر گوہر بھی استعمال کیا ہے، (ہمایوں نامہ ص ۳۶) لیکن یہ اصطلاح ہندوستان میں رائج نہ ہو سکی۔

ہاتھوں کے زیور: (۱) کنگن، فارسی میں اس کو دست بند کہتے ہیں اور مرصع کنگن کے لیے گوہر کش کی اصطلاح تھی، (۲) گجرہ، یہ دستوانہ ہے جو موتی اور سونے سے بنایا جاتا، (۳) جوے، پانچ سونے کے تار کھینچ کر ریشم میں گوندھ کر دونوں ہاتھوں میں باندھے جاتے تھے (۴) چور، کلائی میں پہنا جاتا، (۵) باہو، یہ بھی چور ہی کی قسم تھی لیکن کچھ چھوٹا ہوتا، (۶) چور بن، دستوانہ سے کچھ زیادہ باریک ہوتا اور سات سے زیادہ پہنے جاتے، (۸) بازو بند، (۹) ٹاڈ، ایک حلقہ ہوتا، جو اندر سے خالی ہوتا، بازو پر پہنا جاتا، (۱۰) سمرن، بازو کا زیور تھا، مالا اور تسبیح کو بھی کہتے۔

ہاتھوں کے زیورات میں جہاں گیری، بھجند، دست بند، جوشن، علی بند، نونگہ، پہنچی، ٹہری اور نورتن کا اضافہ بعد میں ہوا، مشہور روایت ہے کہ ہاتھوں کے زیورات میں جہاں گیری، جوشن، علی بند، بازو بند اور نونگہ، نور جہاں کے اختراعات ہیں، چوہے وتی بعد کا اضافہ ہے، اس کے دانے چوہے کے دانتوں سے مشابہ ہوتے، اوپر ایک شعر میں اس کا ذکر آیا ہے۔

بانک بھی ہاتھوں کا زیور ہے، مسلمان عورتیں بازو پر باندھتی ہیں لیکن ہندو عورتیں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیور جو پاؤں میں پہنتی ہیں، اس کو بھی بانک کہتے ہیں، بانک ایک قسم کی چوڑی بھی ہوتی ہے، منیر کا شعر ہے:

نکالا سینکڑوں بانکوں کو دست ناز سے
بانک کے فن میں ہوئیں یکتا تمہاری چوڑیاں

ہاتھ کی ہر انگلی میں انگوٹھی پہنی جاتی، جو چھلے کہلاتے، انگوٹھے کی انگوٹھی دستوانہ کہلاتی اور بیچ کی انگلی کی انگوٹھی اصطلاحاً انگشتری کہی جاتی۔

کمر کے زیور: (۱) کٹھ میکھلا، یہ طلائی پٹکا ہوتا جو کمر کی زینت بڑھانے کے لیے پہنا جاتا (۲) جیر، اس میں تین طلائی حلقے ہوتے جو پنڈلی کی زینت کو بڑھانے کے لیے پہنے جاتے، پہلا حلقہ چورہ کہلاتا، اس کے دو ٹکڑے ہوتے جو اندر سے کھوکھلے ہوتے اور جب ان کو ملایا جاتا تو حلقے بن جاتے، دوسرا اڈوندھنی کہلاتا جو پہلے ہی کی طرح ہوتا، مگر اس میں کچھ نقش ہوتے، تیسرا مسورہی کہلاتا، یہ بھی دوسرے کے مانند ہوتا، مگر نقش میں مختلف ہوتا، دکن میں کمر کے ایک زیور کو بگلوس بھی کہتے، کردھنی بھی کمر کا زیور ہے، جو بعد کی ایجاد ہے، ناسخ کہتے ہیں:

تیرے سونے کی کردھنی ہے ☆ اپنی چیکن بھی سوزنی ہے

پاؤں کے زیور: (۱) پایل جس کو پازیب یا چھاگل بھی کہا جاتا، (۲) گھونگرو، یہ سونے کے چھوٹے گھونگرو ہوتے، جو ایک ایک پاؤں میں چھ سے زیادہ ریشم کے دھاگے میں گوندھ کر جیر اور پایل کے درمیان باندھتے، (۳) بانگ سہ گوشی اور چار گوشی بنا کر پشت پر یا پاؤں میں پہنا جاتا، (۴) بچھوا، یہ آدھے گھونگرو پاؤں کی انگلیوں میں پہنے جاتے، (۵) انوٹ، پاؤں کے انگوٹھے میں پہنا جاتا۔

دکن میں پاؤں کے بعض زیورات کے نام یہ تھے، پیری، توڑا، رم جھول، گجرے، بول، منگے۔

جن کے پاس دولت ہوتی وہ تمام زیورات سونے کے بنواتے اور اگر ان میں تکلف اور حسن پیدا کرنا چاہتے تو ان میں ہیرے لعل، الماس، زمرد، پکھراج وغیرہ لٹکا دیے جاتے یا ان کے چھوٹے چھوٹے نگینے جڑ دیے جاتے، ایسے زیور جڑاؤ کہلاتے، تزک جہاں گیری ص ۲۶۵ میں ہے کہ نور جہاں کے گلے میں ایک ہار تھا، جس میں دس ہزار کا ایک لعل اور ایک ہزار کا موتی تھا، جہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آرا جب ۱۰۵۴ھ میں جل کر صحت یاب ہوئی تو اس کی صحت کی خوشی میں شاہ جہاں نے اس کو ۱۳۰ موتیوں کا ایک دست بند دیا، جس کی قیمت پانچ لاکھ روپے تھی، (بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۳۹۶،۹۷) ان زیورات کو دیکھ کر کم حیثیت کے لوگ چاندی کے زیورات بنواتے، غربا، پیتل اور کانسے کے زیورات بنوا کر اپنے شوق کو پورا کرتے۔

ہاتھی کے دانتوں کے بھی زیور بنائے جاتے جن کے کاریگر راجپوتانہ اور کھنبایت میں زیادہ ہوتے، سیپ اور جھوٹے موتی کے بھی زیور بنتے۔

مرصع کار: ان زیوروں کے بنانے والے بھی مختلف صنّاع ہوتے، جڑاؤ بنانے والے پہلے تو سادہ زیور بناتے اور جا بجا جواہرات جڑنے کے لیے اس میں خانے بنا دیتے، ان خانوں کو لاک سے بھر کر اس پر تھوڑا سا سونا ڈال کر نگینہ بٹھاتے اور جو لاک ابھر آتی، اس کو چھیلتے اور وزن کر لیتے، سلائی سے کندن کو لاک پر بٹھانے اور پھر فولاد کے قلم سے چھیل کر صاف کر دیتے، ایسے کاریگر کو "مرصع کار" کہا جاتا۔

مینا کار: سونے یا چاندی کے زیور پر نقاشی ہوتی اور اس میں طرح طرح کے رنگ جمانے والے کو مینا کار کہتے۔

شبکہ کار: زیوروں پر جالی کا کام بنانے والے کو شبکہ کار کہا جاتا۔

منبت کار: زیوروں پر نقش بنا کر ان کی سطح کو ابھارنے والے منبت کار کہلاتے۔

جرم کار: زیوروں پر خشخاش کے مانند باریک دانے بنانے والوں کو جرم کار کہا جاتا۔

سیم باف: سونے اور چاندی کے تار کھینچنے والے سیم باف کہلاتے۔ (آئین اکبری جلد ۳، ص ۱۴۴-۱۴۷)

گجرات کے ہندو سنار اپنی کاریگری اور صناعی کے لیے مشہور تھے۔

مذکورۂ بالا زیوروں کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سارے کے سارے ہندوستانی ہیں جو ہندو عورتوں کے استعمال میں رہے لیکن ان کو مسلمان عورتوں نے بھی شوق سے اپنایا، البتہ ہندو اور مسلمان عورتوں میں تھوڑا سا فرق یہ ہوتا گیا کہ ہندو عورتوں کے زیورات ٹھوس بھاری اور وزنی زیادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے لیکن مسلمان عورتوں کے زیورات ہلکے، دلکش اور لطیف ہوتے اور جیسے جیسے ایرانی تمدن کے اثرات غالب ہوتے گئے، ان کے زیورات میں نفاست اور لطافت زیادہ بڑھتی گئی جس کا اندازہ حسب ذیل اشعار سے بھی ہوسکتا ہے:

بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں ☆ نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں
وہ ماتھے پہ ٹیکے کی اس کی جھلک ☆ سحر چاند تاروں کی جیسے چمک
ہوس ہو نہ دیکھ اس کے زیور کو پھر ☆ کہے تو کہ ٹیکا تھا سب اس کے سر
وہ بالے کی تابندگی زیر گوش ☆ جسے دیکھ اڑ جائیں بجلی کے ہوش
وہ ہیرے کا تکمہ بصد آب و تاب ☆ وہ صبح گلو مطلع آفتاب
وہ تکمے پہ چمپا کلی کی پھبن ☆ کہ سورج کے آگے ہو جیسی کرن
وہ چھاتی پہ الماس کی دھکدھکی ☆ رہے آنکھ سورج کی جس پر جھکی
وہ موتی کے مالے لٹکتے ہوئے ☆ رہیں دل جہاں سر پٹکتے ہوئے
وہ الماس کی ہیکل اک خوش نما ☆ تصور رہے، جس کا دل سے لگا
وہ بھجبند بازو کے اور نورتن ☆ کہ جوں گل سے ہو شاخِ زیر چمن
وہ پہنچی زمرد کی اور دست بند ☆ نزاکت میں تھی شاخ گل سے دو چند
وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار ☆ سدا اشک خونیں ہو جس پر نثار
وہ مینے کے پاؤں میں چھلے تھے کل ☆ کہ آنکھوں سے دل ان پر کھاتے تھے گل
کلائی، کڑے اور کفک کا وہ رنگ ☆ سنہری شفق جس کو ہو دیکھ دنگ
جواہر کے چھلے بھرے پور پور ☆ زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ قور (۱)

مردوں کے زیور: مسلمان مرد اپنے لیے سونے اور چاندی کے زیورات استعمال کرنا شرعاً ناجائز سمجھتے ہیں لیکن راج پوت راجے اور امرا اپنی شانِ امارت دکھانے کی خاطر کانوں میں بالے، پہونچوں میں کڑے اور گلے میں ہار ضرور پہنتے، دسویں صدی عیسوی کے ایک عرب تاجر ابوزید

---

(۱) یہ اشعار مثنوی میر حسن سے لیے گئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیرانی نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے راجے اپنے کانوں میں ایسے سونے کے بالے جن میں بڑے قیمتی جواہر اور موتی ہوتے اور گلے میں بیش قیمت مالے پہنتے ہیں، جس میں عمدہ قسم کے موتی اور سرخ اور زرد رنگ کے جواہرات ہوتے ہیں اور یہی موتی اور جواہرات ملک کی دولت اور خزانہ ہیں، یہ زیورات فوجوں کے سپہ سالار اور افسر بھی پہنتے ہیں۔

مغل بادشاہوں نے بھی ان ہی کی تقلید میں یہ زیور استعمال کرنے شروع کیے، ان کی پگڑیوں میں موتیوں کا طرہ، چیغہ (ایک مرصع زیور) سر پیچ (ایک جڑاؤ زیور) اور کلغی ضرور ہوتی، جہاں گیر کی دستار میں ایک طرف لعل، دوسری طرف الماس (ہیرا) اور سر پیچ میں زمرد لٹکتا رہتا، گلے میں قیمتی موتیوں کا ہار ہوتا، جس میں تین لڑیاں ہوتیں، پٹکے میں لعل، ہیرے اور قیمتی موتی ہوتے، بازو اور کلائیوں میں ہیرے چمکتے رہتے اور ہر انگلی میں انگوٹھیاں ہوتیں، جن میں قیمتی جواہرات ہوتے، اپنے گیارہویں سال جلوس کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

> ''خرم نے رانا پر فتح پانے کے بعد اجمیر میں مجھ کو ایک لعل نذرانہ میں دیا، جس میں بڑی لطافت اور چمک تھی اور اس کی قیمت ساٹھ ہزار تھی، میرا جی چاہا کہ اس کو اپنے بازو پر باندھوں لیکن اس کی مناسبت سے دو چمک دار موتیوں کی ضرورت ہوئی، مقرب خاں نے نوروز کی تقریب میں ایک موتی نذرانہ میں پیش کیا جس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی، اگر ایک موتی اور مل جاتا تو بازو بند مکمل ہو جاتا، خرم بچپن سے دن رات والد بزرگوار کی صحبت میں رہا تھا، اس نے یاد دلایا کہ ایک پرانے سربند (پگڑی) میں اسی طرح اور اسی وزن کا ایک موتی موجود ہے، پرانی سر پیچ لائی گئی تو اسی مقدار اور اسی وزن اور شکل کا موتی مل گیا، وزن میں ذرہ برابر فرق نہ تھا، جوہریوں کو دیکھ کر تعجب ہوا، اس کی قیمت، شکل اور آب و تاب بالکل یکساں تھی اور ایسا معلوم ہوتا کہ دونوں کے ایک ہی قالب ہیں، ان دونوں کو لعل کے ساتھ ملا کر اپنے بازو پر باندھا اور خداوند تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔(۱)

شاہ جہاں کے سر پیچ میں پانچ قطعہ لال اور ۲۴ دانے موتی کے تھے، درمیانی لعل کا وزن

(۱) تزک جہاں گیری ص ۵۹-۱۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲ ٹانک تھا، ایک لعل امرود کے برابر تھا، سرپیچ کی مجموعی قیمت ۱۶ لاکھ روپیے تھی، اس کی ایک تسبیح تھی جس میں پانچ قطعہ لعل اور بیس دانے موتی کے تھے، اس کی قیمت آٹھ لاکھ روپیے تھی، (۱) یہ تسبیح کبھی گلے میں بھی ڈال لی جاتی، گلے کے ہار کو مالا لڑی، عقد اور باسی، بدھی، دھکدھکی اور گلوآویز کان کے زیور کو بالا، لٹکن، گوشوارہ یا آویزہ کہتے، جہاں گیر کے کانوں میں آویزہ بھی ہوتا۔

اورنگ زیب زیور استعمال نہیں کرتا تھا لیکن برنیر کا بیان ہے کہ اس کے عمامہ کے آخری حصہ میں ہیرے ہوتے تھے اور ایک نیلم بھی رہتا تھا (۲) وہ اپنے شہزادوں کو تحفے میں تو زیورات برابر دیتا رہتا، اس کے ۳۶ ویں سال جلوس میں شہزادہ عظیم الشان کی شادی ہوئی، تو اس موقع پر اس نے شہزادہ کو سرپیچ اور آٹھ ہزار کا ایک بازوبند بھی دیا۔ (۳)

بادشاہوں کی تقلید میں امرا بھی خاص خاص زیور استعمال کرتے، جیسا کہ ان کی تصویروں سے پتہ چلتا ہے لیکن مردوں میں زیوروں کے پہننے کا عام رواج نہ ہوسکا، گو بعض لڑکوں کے کانوں میں بالے پہنا دیے جاتے تھے لیکن عام معاشرت میں اس کی مثالیں کم تھیں، البتہ انگوٹھیوں کے پہننے کا رواج اب بھی ہے۔

☆☆☆

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۹۲-۳۹۱، (۲) سفرنامہ برنیر انگریزی ۲۶۸، (۳) مآثر عالم گیری ص ۲۴۶،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواہرات

بادشاہت کے لوازم میں خزانہ میں جواہرات رکھنا بھی ہوتا ہے اس سے نہ صرف تمول اور مالی استحکام بلکہ شان وشکوہ کا بھی مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، اسی دستور روایت کے مطابق ہندوستان کے راجاؤں اور بادشاہوں کے خزانے میں بھی جواہرات بھرے رہتے تھے، ہندوستان میں غلاموں کی سلطنت قائم ہوئی، تو روایات کے مطابق ان کے خزانے میں بھی جواہرات رکھے جانے لگے، جن کی نمائش دربار کے اہم اجتماع میں ہوتی رہتی۔

غلام سلاطین دہلی کے زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے ایک روز جشن نوروز منایا تو جشن گاہ میں پانچ چتر لگائے، ایک سیاہ چتر میں غیر معمولی نقش و نگار بنے تھے، اس میں موتی اس طرح لٹکے ہوئے نظر آتے تھے، جیسے سیاہ ابر سے بوندیں پڑ رہی ہوں، سفید چتر کے ستون سنہرے تھے اور اس کی چھت میں بھی زریں کام تھا، چھت اور ستون دونوں میں موتی جگمگا رہے تھے، سرخ چتر میں موتیوں کے علاوہ یاقوت بھی تھا، سبز چتر میں سبز اطلس لگائی گئی تھی، اس پر موتیوں سے ایک سبز سایہ دار اور بارآور درخت بنایا گیا تھا، جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمردیں بنا رہا ہے، فرش میں بھی موتی لگے ہوئے تھے، غرض کہ پورا محل جواہرات اور سونے سے ایسا آراستہ کر دیا گیا تھا کہ بقول امیر خسرو فردوس بریں کا دھوکا ہوتا تھا، سلطان دربار میں آیا تو سونے کے تخت پر بیٹھا، اس کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح آویزاں تھے کہ پٹکے کی چمک کمر تک، قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک تھی۔(۱)

سلاطین دہلی میں سب سے زیادہ جواہرات سلطان علاء الدین خلجی کے پاس تھے، وہ دیوگیر کی مہم سے واپس آیا تو فرشتہ کے بیان کے مطابق وہ اپنے ساتھ چھ من سونا، سات من موتی، دو من ہیرا، لعل یاقوت اور زمرد، ایک من چاندی اور چار ہزار تھان ریشمی کپڑا لایا۔(۲)

(۱) قران السعدین ص ۸۵-۳-۷ علی گڑھ ایڈیشن۔(۲) تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۹۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضیاء الدین برنی نے اس دولت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی دیوگیر سے اتنا سونا، چاندی، جواہرات اور موتی اور عمدہ کپڑے لایا کہ سلاطین کی فضول خرچیوں کے باوجود فیروز شاہ تغلق کے زمانے تک خزانے میں جواہرات اور موتی موجود تھے۔(۱)

جب شاہی محل میں کسی شادی کی تقریب انجام پاتی تو اس موقع پر دولہا اور دولہن کو جو کپڑے اور خلعت دیے جاتے، ان میں بکثرت جواہرات ٹکے رہتے، سلطان محمد تغلق نے اپنی بہن کا نکاح امیر سیف الدین سے کیا تو امیر کو ایک خلعت دیا گیا، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اس خلعت میں اس قدر جواہرات ٹکے ہوئے تھے کہ کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا، جہاں دولہن لا کر بٹھائی گئی تھی، وہ دیبا سے منڈھا ہوا تھا اور اس پر بھی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔(۲)

اس زمانہ میں سونے کی اتنی فراوانی تھی کہ غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد میں قلعہ کے اندر ایک بڑا محل بنوایا تو جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، اس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا، جس وقت سورج طلوع ہوتا تھا تو اس محل کی چمک دمک سے کوئی شخص اس کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا، اس کے اندر ایک حوض بھی تھا، جس میں پگھلا ہوا سونا بھرا رہتا تھا، شاہی محل کے اندر جو غسل خانہ تھا، وہ بھی سونے کا تھا۔(۳)

محل کے نقیب النقبا (چھڑی بردار) کے ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی ہر وقت رہتی تھی، اس کے سر پر جڑاؤ اور طلا کار کلاہ ہوتی، جس کے اوپر مور کے پر لگے ہوتے، باقی نقیبوں کی کمر میں زریں کمر بند، سر پر طلا کار شاشیہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا تھا، دربار سجایا جاتا تو پہلے دیوان خانہ کے صحن میں ایک بارگاہ کھڑی کی جاتی، یہ ایک بہت بڑا خیمہ ہوتا، جو بہت سے موٹے کھمبوں پر کھڑا کیا جاتا، وہاں ایک سونے کی چوکی لا کر رکھی جاتی، اس پر ایک گدا ہوتا، جس پر رومال پڑا ہوتا، پھر دیوان خانہ کے صدر میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا، جو سونے کا ہوتا تھا، اس میں جواہرات جڑے ہوتے تھے، اس کا طول ۳۲ بالشت اور عرض اس سے نصف ہوتا تھا، اس

(۱) تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۲۲۳ (۲) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۳۳۔ (۳) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے آسانی سے الگ الگ ٹکڑے کیے جا سکتے تھے، ان ٹکڑوں کو دیوان خانہ میں لا کر بعد میں جوڑ دیا جاتا، ایک ایک ٹکڑا کئی کئی آدمی اٹھاتے تھے، تخت کے اوپر ایک کرسی بچھائی جاتی تھی اور بادشاہ کے سر پر چتر ہوتا تھا، بارگاہ کے کوتوال کے ہاتھ میں سونے کا ایک عصا ہوتا اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی چھڑی رہتی، عیدیا اور تہواروں کے موقع پر غلاموں کے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے گلاب پاش ہوتے جو حاضرین پر گلاب اور پھولوں کے عرق چھڑکتے رہتے، (۱) عید کے دن سلطان کی خدمت میں امرا سونے کی تھالوں میں نذرانے پیش کرتے، عید کے روز ایک بڑی انگیٹھی بھی باہر نکالی جاتی جو برج کی شکل کی خالص سونے کی بنی ہوتی تھی، اس کے بھی ٹکڑے علاحدہ علاحدہ ہو جاتے، اس میں بڑے بڑے تین خانے تھے، فراش ان کے اندر داخل ہو کر عود، الائچی اور عنبر جلاتے جن کی خوشبوؤں سے پورا ایوان معطر ہو جاتا تھا۔ (۲)

شاہی سواری کے ہاتھی کے اوپر جو چتر لگایا جاتا وہ خالص سونے کا ہوتا اور ہاتھی پر جو گدا رکھا جاتا، اس میں جواہرات لگے ہوتے، (۳) شاہی محل کے کھانے پینے کے ظروف بھی سونے اور چاندی کے ہوتے، تلواروں کے نیام اور ترکش میں بھی سونا ہوتا، علما اور فقہا کے نزدیک ان چیزوں کا استعمال چوں کہ شرعاً ناجائز تھا، اس لیے فیروز شاہ تغلق نے ایسے ظروف اور اسلحہ کا استعمال ممنوع قرار دے دیا تھا۔ (۴)

مغل بادشاہوں کے خزانے میں تو جواہرات کی اور بھی کثرت رہی، اکبر جب مرا تو اس کے خزانہ میں گیارہ سے چودہ ماشے تک کی دس کروڑ اشرفیاں تھیں، سو تولے سے پانچ سو تولے تک کی ایک ہزار اشرفیاں تھیں، سونا ۲۷۲ من، چاندی ۳۷۰ من اور جواہرات ایک من تھے، ان جواہرات کی قیمت تین کروڑ روپے سے زیادہ تھی، (۵) اس عہد میں ہیرے، لعل، موتی، نیلم اور زمرد کی بڑی قدر تھی، جن کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش جاری رہتی، مغل بادشاہوں کے پاس جو قیمتی جواہرات تھے، ان میں سے چند خاص جواہرات کی کچھ تفصیل آیندہ سطروں میں ملے گی۔

---

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۸ (۲) ایضاً (۳) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ایضاً ص ۱۰۴۔ (۴) فتوحات فیروز شاہی ص ۱۳۔ (۵) منتخب اللباب جلد اول از خافی خاں ص ۲۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیرے: بابر کو ایک بڑا ہیرا گوالیار کے راجہ بکرماجیت کی اولاد سے ملا تھا، اس کے بارے میں وہ اپنی تزک (اردو ترجمہ ص ۲۶۸) میں لکھتا ہے:

''جب ہمایوں آگرہ آیا تو بر بکرماجیت کی اولاد بھاگنے کے خیال میں تھی، ہمایوں نے سپاہی متعین کر دیے تھے، مگر انہیں لوٹنے اور مارنے کی اجازت نہ دی تھی، (بکرماجیت کی اولاد نے) اپنی خواہش سے بہت سے جواہرات ہمایوں کو نذر کیے، اس میں ایک مشہور ہیرا تھا، جو سلطان علاء الدین لایا تھا، کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کی قیمت ساری دنیا کے خراج کا نصف تشخیص کی تھی، غالباً آٹھ مثقال (یعنی ۲۱۶ رتی) کا تھا، جب میں آیا تو ہمایوں نے اس ہیرے کو پیش کیا لیکن میں نے ہمایوں ہی کو دے دیا۔''

کہا جاتا ہے کہ یہی ہیرا کوہ نور کے نام سے مشہور ہوا، جس کو نادر شاہ لوٹ کر ایران لے گیا، لیکن پھر چکر کھاتا ہوا رنجیت سنگھ کے پاس لاہور پہنچا اور وہاں سے انگریزوں نے ملکہ وکٹوریہ کے پاس بھیج دیا اور اب تاج برطانیہ میں لگا ہوا ہے لیکن بعض ارباب نظر کا خیال ہے کہ یہ ہیرا کوہ نور نہیں تھا، بلکہ کوہ نور وہ ہیرا کہلایا جو ۱۰۶۶ھ میں میر جملہ نے شاہ جہاں کو دیا تھا اور اس کا وزن نوٹانک یعنی ۲۱۶ رتی تھا، اس کا ذکر آگے آئے گا۔

اکبر کے پاس ۵½ ٹانک اور چار سرخ کا ایک ہیرا تھا، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی، (۱) شہزادہ سلیم نے اکبر کو اسی قیمت کا ایک ہیرا نذرانے میں دیا تھا، (۲) جہاں گیر کو جب کوئی ہیرا پیش کرتا تو وہ بہت خوش ہوتا، اس نے تزک جہاں گیری میں ہیروں کا ذکر جا بجا کیا ہے، بہار میں ایک جگہ کھوکرہ کی ایک کان تھی، اس کے ایک منصب دار ابراہیم خاں نے اس پر قبضہ کیا، تو جہاں گیر بہت خوش ہوا اور اس کو فتح جنگ کا خطاب دیا، یہاں سے اس کو برابر ہیرے ملتے رہے، ان ہی میں ایک بہت بڑا ہیرا تھا، جس کی قیمت پچاس ہزار روپے لگائی گئی تھی (۳) جہاں گیر کے بارہویں سال جلوس میں مقرب خاں نے گجرات سے اس کو ایک ہیرا بھیجا جس کا وزن ۲۳ سرخ تھا، اس کی قیمت ۳۰ ہزار روپے تھی، جہاں گیر نے اپنے لیے اس کی ایک انگوٹھی بنوائی، (۴) اسی سال

آئین اکبری جلد اول آئین ۳۔ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۳۲۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۱۵۶-۱۵۵۔ (۴) ایضاً ص ۱۸۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہزادہ خرم نے جہاں گیر کو جو نذرانے پیش کیے، ان میں صرف جواہرات کا ذکر جہاں گیر نے اپنی تزک میں (ص ۱۹۹) پر اس طرح کیا ہے:

''ایک نفیس لعل ہے جس کو آں فرزند نے گوا میں ایک لاکھ روپے میں خریدا، اس کا وزن نوے ٹانک ہے، جو سترہ مثقال اور ½ ۵ سرخ کے برابر ہے، میری سرکار میں کوئی لعل بارہ ٹانک سے زیادہ نہ تھا...... ایک نیلم ہے، جس کو عادل خاں نے شہزادہ کو دیا تھا، اس کا وزن چھ ٹانک اور سات سرخ ہے اور اس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے، اس سے پہلے اتنا بڑا نفیس خوش رنگ اور شاداب نیلم دیکھنے میں نہیں آیا، ایک دوسرا تحفہ جمکورہ نامی ہیرا ہے، جو عادل خاں کے یہاں سے ملا، اس کا وزن ایک ٹانک اور چھ سرخ ہے اور اس کی قیمت چالیس ہزار روپے ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دکن میں جمکورہ ایک قسم کا ساگ ہوتا ہے، مرتضٰی نظام الملک نے برار کو فتح کیا، تو ایک روز وہ اپنے حرم کے ساتھ ایک باغ کی سیر کر رہا تھا، وہاں ایک عورت نے جمکورہ ساگ کے اندر یہ ہیرا پایا اور نظام الملک کو دیا، اس روز سے اس کا نام الماس جمکورہ (جمکورہ ہیرا) پڑ گیا، پھر یہ احمد نگر کے حکم راں ابراہیم عادل خاں کے تصرف میں آ گیا تھا، ایک اور تحفہ زمرد ہے، یہ بھی عادل خاں سے ملا، یہ ایک نئی کان سے نکلا تھا، بہت ہی خوش رنگ ہے اور نفیس ہے، ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا، ایک اور تحفہ دو موتیوں کا تھا، ایک کا وزن ۶۴ سرخ (دو مثقال گیارہ سرخ) تھا، اس کی قیمت پچیس ہزار روپے ٹھہری، دوسرے کا وزن ۱۶ سرخ تھا، بہت ہی چمک دار اور لطیف تھا، اس کی قیمت ۱۲ ہزار روپے لگائی گئی، ایک اور ہیرا ہے جو قطب الملک سے ملا، اس کا وزن ایک ٹانک تھا، اس کی قیمت تیس ہزار روپے ٹھہری۔ (۱)

جہاں گیر کے جلوس کے تیرہویں سال شہزادہ خرم نے اس کو جو تحائف بھیجے، ان میں ایک ہیرے کی انگوٹھی بھی تھی، اس کی قیمت ایک ہزار مہر تھی، ہیرے میں تین حرف لکھے تھے، جن کو غور سے دیکھنے کے بعد ''اللہ'' پڑھا جاتا تھا، جہاں گیر اس کو ایک عیب سمجھتا تھا لیکن دیکھنے میں یہ انگوٹھی

(۱) تزک جہاں گیری ص ۱۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت ہی دیدہ زیب تھی، اس لیے اس نے شہزادہ خرم کی خواہش کے مطابق ایران کے بادشاہ شاہ عباس کو اور تحائف کے ساتھ بھیج دی (۱) اسی سال اس کو ایک ایسا ہیرا ملا، جو نیلم کی طرح تھا، اس رنگ کا ہیرا دیکھا نہیں گیا تھا، اس کا وزن ۳۰ رتی تھا، جوہریوں نے اس کی قیمت تیس ہزار لگائی تھی۔(۲)

جہاں گیر کی تخت نشینی کے چودہویں سال شاہ جہاں نے جو نذرانہ پیش کیے، ان میں ایک ہیرے کی قیمت اٹھارہ ہزار روپیے تھی، ان تحائف میں ایک خوش رنگ اور آب دار یاقوت بھی تھا، جس کا وزن ۲۲ سرخ تھا اور اس کی قیمت چالیس ہزار روپیے تھی، چھ دانے موتی کے تھے، پچیس ہزار روپیے میں خریدے گئے تھے۔(۳)

مغل بادشاہوں میں جواہرات کا سب سے بڑا قدر داں شاہ جہاں تھا، وہ ہر قسم کے جواہرات جمع کرتا رہا، برنیر کا بیان ہے کہ شاہ جہاں سے زیادہ جواہرات شاید ہی دنیا کے کسی اور بادشاہ کے پاس ہوں، شایستہ خاں نے ۱۰۵۵ھ میں اس کو ایک بہت بڑا ہیرا دیا جس کا وزن ۱۱۶ رتی تھا اور قیمت ایک لاکھ روپیے تھی (۴) یہی ہیرا شاہ جہاں نے داراشکوہ کو دیا، (۵) شاہ جہاں کو ۱۰۵۸ھ میں بیجاپور کے قطب الملک سے بھی ایک بہت بڑا ہیرا ملا، جو تراشنے سے پہلے ۱۸۰ رتی کا تھا، اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ تھی، شاہ جہاں نے اس کو اور جواہرات کے ساتھ ایک شمع دان میں لگایا اور مدینہ منورہ روضۂ پاک کے لیے بطور تحفہ بھیج دیا، اس شمع دان کی قیمت ڈھائی لاکھ روپیے تھی۔

میر جملہ نے ۱۰۶۶ھ میں شاہ جہاں کو ایک بڑا ہیرا دیا، جو وزن میں نو ٹانک یعنی ۲۱۶ رتی تھا اور اس کی قیمت دو لاکھ سولہ ہزار روپیے تھی، (۶) برنیر نے اس ہیرے کے متعلق لکھا تھا کہ یہ مقدار اور خوب صورتی میں اپنی مثال آپ ہے، (۷) یہی ہیرا آگے چل کر کوہ نور کہلایا، جس کو نادر شاہ ہندوستان سے لوٹ کر ایران لے گیا لیکن یہ پھر ہندوستان واپس آیا اور رنجیت سنگھ کے ہاتھ لگا اور اب انگریزوں کے ہاتھ میں ہے، (۸) اس کی قیمت بے اندازہ لگائی جاتی ہے۔

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۳۱، (۲) ایضاً ص ۲۴۶، (۳) ایضاً ص ۲۶۷، (۴) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۸۰، (۵) ایضاً واقعات ۱۰۵۵ھ، (۶) مآثر الامرا جلد سوم ص ۵۳۵ (۷) سفر نامہ برنیر اردو ترجمہ ص ۳۸ (۸) تفصیل کے لیے دیکھیے امپریل ٹریژری آف دی انڈین مغلز از عبدالعزیز ص ۱۸۲،۲۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر جملہ جب گولکنڈہ کے حکمراں کا وزیر تھا، تو ہیروں کی کانوں کا ٹھیکہ لیا کرتا تھا، ان کانوں کی کھدائی غیر معمولی مشقت اور محنت سے کی جاتی، میر جملہ کے پاس ہیروں کی اتنی کثرت تھی کہ وہ ان کا شمار نہ کرتا تھا، بلکہ ہیروں سے بھری ہوئی ٹاٹ کی تھیلیوں کو گنوالیتا تھا، اس نے اورنگ زیب کے چوالیسویں سال جلوس میں اس کو بھی ایک ہیرا دیا تھا، جس کی قیمت پچھتر ہزار روپے تھی، اسی سال دانش مند خاں نے بھی اس کو نذرانے میں ایک ہیرا دیا جو پچاس ہزار روپے کا تھا۔(۱)

ہیرے کی کانیں زیادہ تر گولکنڈہ اور بیجاپور میں تھیں، ایک کان گولکنڈہ سے پانچ منزل پر راؤ کنڈ میں تھی، دوسری کان کولور میں گولکنڈہ سے پورب کی طرف سات منزل پر واقع تھی، بنگال میں گویل ندی کی ریت میں سے بھی ہیرے نکلتے تھے، بہار میں کھوکھرہ میں سے ہیرا برآمد ہوا کرتا تھا، ایک کان گونڈوانہ (خاندیس) میں بھی تھی، (۲) پنہ، سمبل پور اور ویراگری میں بھی اس کی کانیں تھیں۔

لعل: اکبر کی ماں حمیدہ بیگم کے پاس ایک لعل تھا، جس کا وزن ۹ ٹانک اور ۵ سرخ تھا، اس کی قیمت سوا لاکھ روپے تھی، جہاں گیر کی پیدائش کے موقع پر اس نے یہ لعل اکبر کو دیا، اکبر اس کو اپنی سر پیچ میں لگائے رہتا تھا، جہاں گیر نے بھی اس کو ایک مدت تک اپنی سر پیچ میں استعمال کیا، پھر شہزادہ خرم کو دے دیا، (۳) اکبر کے پاس ایک دوسرا لعل تھا جو گیارہ ٹانک ۲۰ سرخ یعنی ۲۸۴ رتی کا تھا اور اس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی، (۴) ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے، کہ بھتہ (ریوا) کے راجہ رام چند نے اکبر کو تحائف بھیجے تو ان میں ۱۲۰ لعل تھے اور ان میں سے ایک بڑے لعل کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی، (۵) شہزادہ دانیال نے ایک بار اکبر کے لیے ایک لعل بھیجا تھا، جس کا وزن ۴ مثقال یعنی ۱۰۴ رتی تھا۔(۶)

جہاں گیر نے اپنے پہلے سالِ جلوس میں شہزادہ پرویز کو ایک لعل دیا، جس کی قیمت پچیس ہزار روپے تھی، (۷) اسی سال اس نے ایک دوسرے موقع پر پرویز کو موتیوں کے سو دانوں کے

(۱) عالم گیر نامہ ص ۶۳۶، (۲) تزک جہاں گیری ص ۲۳۸، (۳) تزک جہاں گیری ص ۲۰۴ (۴) آئین اکبری جلد اول آئین ۳ (۵) منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۳۵ (۶) اکبر نامہ جلد سوم ص ۸۱۶ (۷) تزک جہاں گیری ص ۳۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ چار قطعہ لعل بھی دیے (۱) اور جب ۱۰۱۶ھ میں آصف خاں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، تو اس نے جہاں گیر کو ایک لعل نذرانے میں پیش کیا، جس کی قیمت چالیس ہزار روپے تھی، (۲) جہاں گیر کے دوسرے سال جلوس میں اس کو ایک لشکری نے ایک ایسا لعل نذرانے میں پیش کیا جس کا رنگ پیازی (۳) تھا، اسی سال گجرات سے اس کو مرتضیٰ خاں نے ایک انگوٹھی بھیجی جو ایک قطعہ لعل سے بہت ہی خوش رنگ اور خوش آب بنائی گئی تھی، اس انگوٹھی کا خانہ اور حلقہ بھی اسی لعل ہی کا تھا، جہاں گیر کا بیان ہے کہ ایسی خوب صورت انگوٹھی پہلے نہیں دیکھی گئی، اس انگوٹھی کے ساتھ ایک اور قطعہ لعل کا تھا، جس کی قیمت پچیس ہزار روپے تھی، انگوٹھی کی بھی قیمت اسی کے لگ بھگ تھی، (۴) جہاں گیر کے تیسرے سال جلوس میں خانخاناں عبدالرحیم خاں نے اس کو جو نذرانے پیش کیے، ان میں موتیوں کی دو تسبیحوں اور زمرد کے علاوہ چند قطعے لعل کے بھی تھے، ان کی مجموعی قیمت تین لاکھ روپے تھی، (۵) اسی سال بنگال کے دیوان وزیر خاں نے اور تحائف کے ساتھ ایک قطعہ لعل قطبی بھی پیش کیا (۶) اسی سال آصف خاں نے بھی ایک لعل نذرانے میں دیا، جس کو اس کے بھائی ابوالقاسم نے کھمبایت میں پچھتر ہزار روپے میں خریدا تھا، جہاں گیر اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور لکھتا ہے کہ یہ لعل بہت ہی خوش رنگ اور خوش اندام تھا لیکن اس کی قیمت پچھتر ہزار زیادہ تھی، ساٹھ ہزار سے زیادہ کا نہ تھا، (۷)

جہاں گیر شہزادوں سے خوش ہوتا، تو ان کو تحفے میں جواہرات ہی دیا کرتا تھا، اپنے چوتھے سال جلوس میں اس نے شہزادۂ پرویز کو ایک قطعہ لعل دیا، جس کی قیمت ساٹھ ہزار روپے تھی اور شہزادہ خرم کو دو موتیوں کے ساتھ ایک لعل بھی دیا، جس کی تخمینی قیمت چالیس ہزار روپے تھی، (۸) جہاں گیر کو اپنے دسویں سال جلوس میں شہزادہ خرم کی وساطت سے رانا امر سنگھ سے بھی ایک لعل ملا، جس کی قیمت ساٹھ ہزار روپے تھی، اس کا وزن آٹھ ٹانک تھا، اس پر جہاں گیر نے "پیش کش رانا امر سنگھ" نقش کرا دیا تھا، رانا امر سنگھ نے اس لعل کے ساتھ ایک بلوریں صندوقچہ، چند قطعے زمرد، تین انگوٹھیاں

(۱) تزک جہاں گیری ص ۳۸۔ (۲) ایضاً ص ۵۱۔ (۳) ایضاً ص ۵۷۔ (۴) تزک جہاں گیری ص ۶۴۔ (۵) ایضاً ص ۷۱۔ (۶) ایضاً۔ (۷) ایضاً ص ۷۶۔ (۸) ایضاً ص ۷۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور چار راس عراقی گھوڑے بھی پیش کیے تھے، جن کی مجموعی قیمت اسی ہزار روپے تھی۔(۱)

جہاں گیر کے گیارہویں سال جلوس میں دیانت خان نے اس کو دو تسبیحیں، ایک قطعہ لعل موتی کے چھ بڑے دانے اور ایک طلائی خوانچہ پیش کیا، جس کی مجموعی قیمت ۲۸ ہزار روپے تھی(۲) اسی سال جہاں گیر اپنے خسر اعتماد الدولہ کے گھر گیا تو اعتماد الدولہ نے نذرانے میں دو دانے موتی (قیمت تیس ہزار روپے) ایک قطعہ لعل قطبی (قیمت بیس ہزار روپے) اور دوسرے جواہرات پیش کیے، جن کی مجموعی قیمت ایک لاکھ دس ہزار روپے تھی، (۳) اسی موقع پر اعتماد الدولہ کے لڑکے اعتبار خاں نے بھی قیمتی جواہرات و پارچہ جات پیش کیے، جن کی قیمت باون ہزار روپے تھی، (۴) اسی سال شہزادۂ خرم نے جہاں گیر کو ایک لعل نذرانے میں دیا، جس کی قیمت اسی ہزار روپے تھی، اس میں بڑی آب وتاب اور چمک تھی، (۵) اپنے بارہویں سالِ جلوس میں خود جہاں گیر نے شہزادۂ خرم کو ایک لعل دیا، جس کی قیمت تیس ہزار روپے تھی، (۶) اسی سال مہابت خاں نے جہاں گیر کی خدمت میں ایک لعل گذرانا، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی، (۷) اور جب شہزادۂ خرم اسی سال دکن کی فتح کے بعد واپس ہوا، تو اس نے ایک لعل جہاں گیر کی خدمت میں پیش کیا، جس کو اس نے گوا کی بندرگاہ میں دو لاکھ روپے میں خریدا تھا، اس کا وزن ½ ۱۹ ٹانک (۱۷ مثقال اور ½۵ سرخ تھا) جہاں گیر اس کے بارہ میں لکھتا ہے کہ اس سے بڑا لعل میرے پاس پہلے موجود نہ تھا، (۸) اس موقع پر شہزادۂ خرم نے نور جہاں کو بھی ایک لعل دیا، جس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی۔(۹)

جہاں گیر کے چودھویں سال جلوس میں شہزادہ خرم نے باپ کو ایک لعل قطبی دیا، جس کی قیمت چالیس ہزار روپے تھی، (۱۰) اسی سال جہاں گیر کو آصف خاں نے اپنے گھر پر مدعو کیا تو اس کو ایک لعل نذرانہ میں دیا، جس کا وزن ½ ۱۲ ٹانک (یعنی ۳۰۰ رتی) تھا اور ایک لاکھ پچیس ہزار روپے میں خریدا گیا تھا، (۱۱) جہاں گیر کے پندرہویں سال جلوس میں ایران کے شاہِ عباس نے اس کو ایک لعل بھیجا،

(۱) تزک جہاں گیری ص ۱۴۱۔ (۲) ایضاً ص ۱۵۷۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۱۵۷، (۴) ایضاً ص ۱۵۷، (۵) ایضاً (۶) ایضاً ص ۱۹۰، (۷) ایضاً ص ۱۹۶ (۸) ایضاً ص ۱۹۹ (۹) ایضاً بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم، ص ۱۸۹، (۱۰) تزک جہاں گیری ص ۲۶۷، (۱۱) تزک جہاں گیری ص ۲۶۸-۲۶۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کا وزن ۱۲ ٹانک تھا اور اس پر ''الغ بیگ بن میرزا شاہ رُخ بہادر ابن امیر تیمور گورگاں'' کندہ تھا، خود شاہِ ایران نے اس پر خط نستعلیق میں اپنا نام ''بندۂ شاہ ولایت عباس'' لکھوا دیا تھا، اس تاریخی لعل کو پا کر جہاں گیر بہت خوش ہوا اور اپنے زرگر خانہ کے داروغہ سعیدائی کو حکم دیا کہ اس پر جہاں گیر شاہ بن اکبر شاہ اور تاریخ کندہ کر دے، اس لعل کو جہاں گیر نے شہزادۂ خرم کو تسخیر دکن کی خوشی میں دے دیا، (۱) شاہ جہاں نے اپنے عہد حکومت میں اسے تخت طاؤس میں لگا دیا، (۲) اس لعل کی قیمت ایک لاکھ روپے قرار پائی تھی، جہاں گیر کے جلوس کے اٹھارہویں سال اس کے ایک درباری امیر نے پیش کش میں اس کو ایک لعل دیا، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی۔ (۳)

یہ تمام لعل شاہ جہاں کو جہاں گیر سے وراثۃً شاہی خزانے میں ملے تھے، مگر اس کے عہد میں سب سے بڑا لعل وہی تھا، جو اس نے گوا میں خریدا تھا اور جس کا وزن ½۱۹ ٹانک تھا، اس کی تعریف بادشاہ نامہ کے مصنف نے دل کھول کر کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ جواہرات میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ۱- رنگ بہت ہی عمدہ ہو لیکن لعل کا رنگ گہرا لال یعنی مائل بہ سیاہی نہ ہو اور نہ شفتالو کے رنگ کی طرح ہلکا ہو، ۲- شفافی و بے جرمی یعنی اس میں بڑی آب و تاب ہو اور کوئی نقص نہ ہو، ۳- خوش اندامی یعنی دیدہ زیب ہو، ۴- کلانی و سنگینی یعنی بڑا اور سنگین ہو، یہ تمام چیزیں مذکورۂ بالا لعل میں پائی جاتی ہیں، اس لعل کو چار اور لعل کے ساتھ شاہ جہاں نے اپنی سر پیچ میں لگا رکھا تھا (۴)

شاہ جہاں کی نظر جوہریوں کی طرح پارکھ تھی، جو جھوٹے اور سچے جواہرات کو بڑی آسانی سے پرکھ لیتا تھا، ایک بار عمدۃ الملک جعفر خاں نے ایک لعل پنچانوے روپیے میں خریدا، شاہ جہاں نے اس کو دیکھا تو اس کی قیمت پانچ ہزار روپے لگائی اور یہی قیمت صحیح قرار پائی۔ (۵)

اورنگ زیب کو بخارا اور بصرہ سے بھی تحفہ میں لعل ملتے رہے، شاہ بخارا کی طرف سے اس کو جو رنگین اور خوش آب لعل ملا تھا، اس کی قیمت چالیس ہزار روپے تھی، (۶) اور بصرہ سے جو لعل آیا تھا، اس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی، (۷) بیجاپور سے بھی اس کو ایک لعل ملا تھا جو وزن میں پانچ

(۱) تزک جہاں گیری ص ۳۳۰۔ (۲) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۸۰۔ (۳) تزک جہاں گیری ص ۳۷۴۔
(۴) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۳۹۱۔ (۵) سفرنامہ برنیر۔ (۶) عالم گیر نامہ ۶۳۸۔ (۷) مآثر عالم گیری ص ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹانک اور پانچ سرخ تھا، اس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی۔(۱)

نیلم: عادل خاں بیجاپوری نے جہاں گیر کو اس کے بارہویں سال جلوس میں ایک نیلم بھیجا جو وزن میں چھ ٹانک اور سات سرخ (یعنی ۱۵۱ رتی) تھا اور اس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی، جہاں گیر لکھتا ہے کہ اتنا بڑا نفیس، خوش رنگ اور شاداب نیلم کبھی پہلے نظر سے نہیں گذرا،(۲) جہاں گیر کو اعتماد الدولہ نے اس کے تیرہویں سالِ جلوس میں ایک نیلم دیا تھا، جس کی نفاست جہاں گیر کو بہت پسند آئی تھی،(۳) اورنگ زیب کے خزانے میں موتیوں اور نیلم کا ایک ہار تھا، ہر موتی دس دس بارہ بارہ رتی کا تھا، بیچ میں ایک نیلم تھا جس کا وزن ۴۰ رتی تھا۔

زمرد: اکبر کے پاس ایک زمرد تھا جس کا وزن ۱۷ ۳/۴ ٹانک اور تین سرخ (یعنی ۴۲۹ رتی) تھا، ابوالفضل نے اس کی قیمت باون ہزار روپے لکھی ہے،(۴) جہاں گیر کے بارہویں سال جلوس میں عادل شاہ بیجاپوری نے اس کو دوسرے تحائف کے ساتھ ایک زمرد بھی بھیجا تھا، جس کے بارہ میں وہ لکھتا ہے کہ اتنا خوش رنگ اور نفیس زمرد دیکھنے میں نہیں آیا،(۵) اس کے تیرہویں سال جلوس میں راجہ بکر ماجیت نے اس کو زمرد کا ایک مالا پیش کیا، جس کی قیمت دس ہزار روپے تھی،(۶) اورنگ زیب کے خزانے میں لعل اور زمرد کا ایک ہار تھا جس میں صرف زمرد کا وزن ۳۰ رتی تھا۔

یاقوت: اکبر کے شاہی خزانے میں چار ٹانک اور ۷ ۳/۴ سرخ (۱۰۳ ۳/۴ رتی) کا ایک یاقوت تھا، اس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی۔(۷)

یاقوت عموماً مرصع خنجر اور انگوٹھی میں جڑا ہوتا، میر جمال الدین حسین نے جہاں گیر کو اس کے گیارہویں سال جلوس میں جو نذرانے دیے، اس میں ایک مرصع خنجر بھی تھا، اس پر قیمتی یاقوت جڑے تھے، اسی لیے خنجر کی قیمت پچاس ہزار روپے ہوگئی تھی،(۸) شہزادہ خرم نے جہاں گیر کو اس کے چودہویں سال جلوس میں ایک یاقوت دیا، جس کی قیمت چالیس ہزار روپے تھی،(۹) بیجاپور

---

(۱) ایضاً ص ۸۲۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۱۹۹ (۳) تزک جہاں گیری ص ۲۳۹۔ (۴) آئین اکبری جلد اول آئین ۳۔ (۵) تزک جہاں گیری ص ۱۹۹۔ (۶) اقبال نامہ جہاں گیری ص ۱۱۷۔ (۷) آئین اکبری جلد اول آئین ۳۔ (۸) تزک جہانگیری ص ۱۵۶۔ (۹) ایضاً ص ۲۶۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حکمراں قطب الملک سے شاہ جہاں نے یاقوت کی ایک انگوٹھی لی تھی، جس کی قیمت پچاس ہزار روپیے لگائی گئی تھی۔(۱)

موتی: مغل بادشاہوں کے شاہی خزانے میں سچے اور قیمتی موتیوں کی بڑی کثرت رہی، اکبر کے پاس ایک موتی تھا، جس کا وزن پانچ ٹانک، (۱۲۰ رتی) تھا اور اس کی قیمت پچاس ہزار روپیے تھی، (۲) جہاں گیر شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں موتی بکثرت جمع ہو گئے تھے، ان کو جو نذرانے دیے جاتے ان میں موتی ضرور ہوتے، جہاں گیر کے بارہویں سال جلوس میں مقرب خان نے احمد آباد سے لا کر اس کو ایک موتی نذرانے میں دیا تھا اور اس ایک موتی کی قیمت تیس ہزار روپیے لگائی گئی تھی، (۳) نور جہاں نے ترکی کے ایک تاجر سے دو موتی خریدے تو ان کی قیمت ساٹھ ہزار روپیے ادا کی، ایک کا وزن ۱ ¼ مثقال تھا اور دوسرا اس سے کچھ ہی کم تھا، اس کو موتیوں اور جواہرات کا کچھ ایسا شوق رہا کہ اس نے سونے کی ایک چق بنوائی تھی، جس میں یاقوت اور زمرد کے علاوہ نہایت قیمتی موتی لگے ہوئے تھے، (۴) اورنگ زیب کو شاہ ایران نے جو تحائف بھیجے تھے، ان میں ایک موتی بہت ہی قیمتی تھا، اس کی قیمت ساٹھ ہزار روپیے تھی، (۵) عالم گیر نامہ کا مصنف اس کے بارہ میں لکھتا ہے کہ اس کا وزن ۳۷ قیراط تھا، ایسا موتی ابر نیساں کے صلب سے کم ہوا ہوگا اور اس رنگ اور شکل کا موتی شاید ہی دیکھنے میں آیا ہو، اس لیے اس در یتیم کی قیمت جوہریوں نے ساٹھ ہزار لگائی، رومی اور فرنگی تاجر قیمتی موتیوں کو فروخت کرنے کی غرض سے ہندوستان برابر لاتے رہے، انہیں یہاں جو قیمت ملتی تھی وہ شاید کہیں اور نہیں مل سکتی تھی، سر طامس رو اور ٹیورنیر نے مغل بادشاہوں اور ان کے امیروں کے ہاتھ یہاں بہت سے موتی فروخت کئے اور منہ مانگے دام وصول کئے۔

بعض موتی بہت بڑے ہوتے، سب سے بڑا موتی تخت طاؤس میں لگا ہوا تھا اور تخت کے طاؤس کی گردن میں لٹکتا رہتا تھا، سچے موتی عموماً سرپیچ، ہار اور تسبیح میں لگائے جاتے تھے، شاہ جہاں کی سرپیچ میں پانچ لعل کے علاوہ ۲۴ بڑے بڑے موتی تھے، جن میں ایک امرود کے برابر تھا، (۶)

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۰۹، (۲) آئین اکبری جلد اول آئین ۳، (۳) تزک جہاں گیری ص ۲۰۷ (۴) منتخب اللباب جلد اول ص ۶۰۵ (۵) عالم گیر نامہ ص ۶۲۲ و مآثر عالم گیری ص ۳۶ (۶) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۳۹۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے پاس ایک تسبیح تھی، جس میں ۳۰ موتی اور پانچ لعل تھے، اس کی قیمت آٹھ لاکھ روپے تھی، بادشاہ نامہ کے مؤلف نے شاہ جہاں کی دو اور تسبیحوں کا ذکر کیا ہے، جن میں ۱۲۵ موتی تھے اور دو دو موتیوں کے بعد ایک یاقوت کا دانہ تھا، دونوں تسبیحوں کے بیچ کے موتی کا وزن ۳۲ رتی تھا، جس کی قیمت چالیس ہزار روپے تھی، (۱) جہاں گیر نے رانا کرن کو موتیوں کا ایک ہار دیا تھا، جس کی قیمت پچاس ہزار روپے تھی، (۲)

موتی کبھی تکمہ میں بھی لگایا جاتا تھا، جہاں گیر نے اپنے اٹھارہویں سال جلوس میں شہزادہ شہریار کو خلعت میں ایک قبائے نادری دی تو اس کا تکمہ ایک قیمتی موتی کا تھا، جب کسی کو شاہانہ خلعت دیا جاتا تو اس میں موتی ضرور ہوتا، موتی اس فیاضی سے انعام میں دیے جاتے کہ شہزادوں اور درباریوں کے علاوہ اور لوگ بھی اس انعام سے سرفراز ہوا کرتے تھے، مثلاً جہاں گیر نے ایک گویے بختر خاں کو دس ہزار روپے اور پچاس جوڑے کپڑے کے ساتھ موتی کا ایک ہار بھی دیا (۳) وہ اپنے دسویں سال جلوس میں اجمیر گیا تو وہاں کہ درگاہ کے خدام میں ساٹھ ہزار روپے اور ایک سو کرتوں کے علاوہ موتی، مرجان اور کہربا کی ستر تسبیحیں بھی تقسیم کیں، (۴) شاہ جہاں کے دربار میں فارسی کا مشہور شاعر حاجی محمد جان قدسی پہلی مرتبہ حاضر ہوا اور ایک قصیدہ پیش کیا تو صلہ میں شاہ جہاں نے اس کے منہ کو سات بار جواہرات سے بھرا، اس طرح کہ جواہرات کی مختلف قسمیں طلب کیں اور حکم دیا کہ قدسی کا منہ سات دفعہ موتیوں اور اور دوسرے جواہرات سے پر کیا جائے، سامنے سونے کا طشت رکھ دیا گیا، قدسی کا منہ جواہرات سے بھر جاتا تو اس طشت میں ان کو گرا دیتا تھا، (۵) شاہ جہاں نے ممتاز محل کی قبر کے لیے موتیوں کی ایک بہت ہی قیمتی چادر تیار کرائی تھی، جو ہر جمعرات نیز یوم وفات کو اس کی قبر پر ڈالی جاتی، (۶) اورنگ زیب نے سمبھا جی کے لڑکے ساہو جی کو خلعت دیا تو اس موقع پر اس کو جواہرات کی ایک تھیلی بھی دی، جس میں موتیوں کا ایک ہار بھی تھا۔ (۷)

عقیق، مرجان، لاجورد: اس زمانے میں عقیق، مرجان، لاجورد کی بڑی بہتات رہی، لاجورد تحفے

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۳۹۲۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۱۴۵، (۳) تزک جہاں گیری ص ۱۳۴، (۴) ایضاً ص ۱۴۷،

(۵) بزم تیموریہ ص ۱۸۰-۱۷۹، (۶) منتخب اللباب، جلد اول ص ۶۰۵، (۷) مآثر عالم گیری ص ۵۱۱،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کئی کئی من آیا کرتے تھے، مثلاً بلخ سے نذر محمد خاں نے شاہ جہاں کو تحائف بھیجے، تو ان میں گھوڑوں، اونٹوں، تورانی کپڑوں، قالینوں، نمدوں اور چینی برتنوں کے علاوہ ایک سو من سنگ لاجوردی تھا۔(۱)

تاج محل: تاج محل میں قیمتی پتھروں کے علاوہ بکثرت جواہرات بھی لگائے گئے تھے، ان میں سے کچھ کے نام اور ان کی تعداد حسب ذیل ہے، ہیرے ۶۲۵ موتی، ۵۰، نیلم ۴۷، زمرد ۴۲، یاقوت ۱۴۲، لاجورد ۵۵۶، پکھراج ۵۵۶، عقیق ۵۴۰، فیروزہ ۶۷۰، مونگہ ۱۴۲، سیپ اور دوسرے قیمتی پتھروں میں سلیمانی، پتونیہ، موسیٰ، عجوبہ، ریگ، رخام، نخود، مقناطیس غوری، تانبڑہ، یمنی، پائے زہر، لہسنیہ، خارا، بلور، پنکھنی، گوڈر، مرمر، سماق، کہٹو، یاقوت، بانسی، گلابی، جدار، یشب، ابری، دہاں فرنگ، سنگھ وغیرہ تو بے شمار تھے، طرزِ تعمیر کے علاوہ ان پتھروں اور جواہرات کی باہمی ترکیب اور مرصع کاری کی وجہ سے تاج محل دنیا کے عجائب روزگار میں سے شمار کیا جاتا ہے، ممتاز محل کی قبر کے پاس سونے کا ایک کٹہرا بھی بنوایا گیا تھا، اس میں اتنے جواہرات جڑے گئے تھے کہ چھ لاکھ روپے خرچ ہو گئے تھے، یہ زریں کٹہرا ۱۰۵۲ء میں ہٹا دیا گیا کہ کہیں چوری نہ ہو جائے اور اس کے بجائے سنگ مرمر کا ایک مجر لگا دیا گیا جو دس برس میں تیار ہوا اور اس میں پچاس ہزار روپے صرف ہو گئے۔(۲)

تخت طاؤس: شاہ جہاں کے پاس مختلف قسم کے جواہرات کی بہت بڑی تعداد تھی، اس نے سوچا کہ ان جواہرات کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ ایک طرف تو ان کی نمائش ہو، دوسری طرف اس کی سلطنت کی شان و شوکت کا مظاہرہ بھی ہو سکے، اس نے اپنے جواہرات کا انتخاب کرنا شروع کیا تو محل کے اندر دو کروڑ روپے کے جواہرات نکلے، شاہی خزانے کے جواہرات کی قیمت تین کروڑ روپے لگائی گئی، اس نے شاہی خزانے سے ۸۶ لاکھ کے جواہرات منتخب کئے اور اپنے زرگر خانہ کے داروغہ بے بدل خاں کو ایک شاہی تخت بنانے کا حکم دیا، جب تخت بننے لگا تو اس میں خالص سونے کے ایک لاکھ تولے لگائے گئے، ان کی قیمت چودہ لاکھ روپے تھی، تخت کا طول سوا تین گز، عرض ڈھائی گز اور بلندی پانچ گز تھی، اس کے اوپر ایک چھت دی گئی جس کے اندرونی حصہ میں بڑی

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۸۹، (۲) بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۲۶، ۳۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترصیع اور مینا کاری کی گئی، اس کے حاشیہ میں پر تکلف مدور صراحی دار موتیوں کی جھالر لٹکتی رہتی، موتیوں کی لڑیوں کے حلقے میں شاہی اسلحہ مثلاً، گرز، شمشیر، تیر، کمان اور سپر وغیرہ آویزاں رہتے، چھت کے بیرونی حصہ میں لعل و یاقوت جڑے گئے اور اس کو زمرد کے بارہ ستونوں پر قائم کیا گیا، چھت کے اوپر دو مرصع طاؤس بھی تھے، جن کی گردنوں میں بڑے بڑے قیمتی موتی لٹکائے گئے، ان کے سینوں پر بیش قیمت لعل جڑے ہوئے تھے دونوں کی چونچ میں موتیوں کی تسبیحیں لٹکائی گئیں اور دموں میں نیلم، زمرد اور دوسرے جواہرات اس طرح چپکائے گئے تھے کہ وہ اصلی معلوم ہوتی تھیں، دونوں مور کے بیچ میں زمرد سے تراش کر کے ایک طوطا بھی بنایا گیا تھا، دونوں طاؤسوں کے درمیان محراب پر ہیرے، لعل، زمرد اور موتیوں سے مرصع ایک درخت بنایا گیا، تخت پر چڑھنے کے لیے تین پائے کی ایک سیڑھی تیار کی گئی اور اسے جواہرات سے آراستہ کیا گیا، تخت کے گرد تکیہ لگانے کے لیے گیارہ مرصع تختے تھے، جن میں سے درمیان کا تختہ جس پر تکیہ لگا کے بادشاہ بیٹھتا تھا دس لاکھ روپے کی قیمت کا تھا، اسی میں وہ لعل بھی تھا جس کو شاہ عباس صفوی نے جہاں گیر کو بہ طور تحفہ بھیجا تھا، تکیہ گاہ کے عین وسط میں ایک ہیرے کا ستارہ تھا، جس کی شعاعیں چاروں طرف پھیلتی تھیں، بے بدل خاں نے اس تخت کو جس پر ایک کروڑ کی لاگت آئی تھی، سات سال میں تیار کیا، تخت کے تیار ہو جانے پر شاہ جہاں نے خوش ہو کر بے بدل خاں کو روپیے میں تلوایا، جب شاہ جہاں اپنے آٹھویں سالِ جلوس کے جشن میں اس تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس کی شان میں قصیدے، نظمیں اور مثنویاں کہی گئیں، حاجی محمد جان قدسیؔ نے اس کی تاریخ ''اورنگ شاہنشاہِ عادل'' کہہ کر نکالی، (۱) قدسی نے اپنے قصیدہ میں یہ بھی کہا:

زہے فرخندہ تختے بادشاہی ☆ کہ شد سامان بتائید الٰہی

فلک روزے کہ می کردش مکمل ☆ زرِ خورشید را بہ گداخت اول

بہ حکم کار فرما صرف شد پاک ☆ بہ مینا کاریش مینائے افلاک

جز ایں تخت ارزرد گو ہرچہ مقصود ☆ وجود بحر دکاں را حکمت ایں بود

زیا قوتش کہ در قید بہا نیست ☆ لب لعل بتاں را دل بجا نیست

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم، ص ۸۱، ۸۰، مآثر الامرا جلد اول ص ۲۳۲، مرأۃ العالم قلمی نسخہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برائے پایہ اش عمرے کشیدہ ☆ گہر افسر بسر خاتم بدیدہ
بخرجش عالم از زر شد چناں پاک ☆ کہ شد از گنج خالی کیسہ خاک
رساند گر فلک خود را بپایش، ☆ دہد خورشید و مہ راز و بیمایش

اورنگ زیب نے اس تخت کی ترصیع وآرائش میں اور اضافہ کیا، برنیر نے اس وقت اس کی قیمت تین کروڑ روپے لگائی تھی، (۱) نادر شاہ اس کو لوٹ کر مالِ غنیمت میں اپنے ساتھ لے گیا۔

شاہ جہانی خزانہ: خافی خاں کا بیان ہے کہ شاہ جہاں نے اپنے خزانے میں ۲۴ کروڑ روپے اور پندرہ سولہ کروڑ کے جواہرات، سونا، چاندی اور قیمتی ظروف چھوڑے، (۲) بادشاہوں کے علاوہ شہزادوں کے پاس جواہرات علاحدہ ہوتے، داراشکوہ کے حرم کے پاس ستائیس لاکھ کے جواہرات اور موتی تھے، جہاں آرا بیگم نے ۱۰۷۰ھ میں اورنگ زیب کو ایک ہار دیا، جس میں پانچ قطعہ لعل اور موتی تھے، اس کی قیمت دو لاکھ اسی ہزار روپے تھی۔

جواہر خانہ: اس زمانہ میں قیمتی جواہرات کے لیے ایک جواہر خانہ قائم تھا، جس کا نگراں ایک ممتاز منصب دار ہوتا تھا، اس میں ہیرے، لعل، نیلم، یاقوت، زمرد، موتی اور دوسرے طلائی ونقرئی سازوسامان کا انبار لگا رہتا تھا، گو عالم گیر کے عہد میں شاہ جہاں کے زمانہ کی طرح جواہرات کی خریداری کا شوق نہیں رہ گیا تھا، پھر بھی اس کا خزانہ جواہرات سے معمور تھا، اس کا لڑکا شہزادہ محمد اکبر جب ایران گیا تو وہاں کے بادشاہ نے ایک باغ میں اس کی ضیافت کا سامان کیا، خزاں کا موسم تھا، درختوں میں پھل نہ تھے، اس لیے شگوفوں اور پھلوں کے بجائے موتیوں سے تمام درختوں کو بارآور کیا، شہزادہ محمد اکبر نے موتیوں کی یہ کثرت دیکھی تو اس کی وطنی غیریت ابھر آئی، شاہ ایران کی تعریف کرتے ہوئے اس نے کہا کہ موتیوں کا دریا آپ کے قبضہ میں ہے، اس لیے کہ باغ کے تمام درختوں میں موتیوں کے شگوفے اور پھل لگے ہوئے ہیں اور پھر حب الوطنی کے جوش میں بولا کہ اس کے باوجود ہندوستان میں جواہرات کا اس قدر ذخیرہ جمع ہے کہ اگر ہم لوگ چاہیں تو مختلف قسم کے جواہرات سے باغ کی آئین بندی کر سکتے ہیں۔ (۳)

---

(۱) منتخب اللباب جلد اول ص ۷۵۸، (۲) عالم گیر نامہ ص ۵۶۸، (۳) منتخب اللباب جلد دوم ص ۲۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہی خزانہ میں نذرانوں اور تحفوں کے سلسلہ میں بہ کثرت جواہرات جمع ہوتے رہتے تھے اور مغل بادشاہوں اور ان کے امرا کی دولت کی کوئی انتہا نہ رہ گئی تھی، چنانچہ مورخوں کا بیان ہے کہ نادر شاہ ہندوستان سے جو مال غنیمت لے گیا، اس میں تخت طاؤس کے علاوہ ۲۵ کروڑ کے جواہرات اور ۲۵ کروڑ کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے، ۵ کروڑ کا سونا چاندی، ۹ کروڑ کے قیمتی ظروف، ۲۰ کروڑ کا فرنیچر اور دو کروڑ کے قیمتی کپڑے وغیرہ تھے۔

سونا: اس زمانہ میں بہت سستا تھا، اس لیے نہ صرف زیورات بلکہ ضرورت کی اکثر چیزیں سونے ہی کی بنائی جاتی تھیں، شاہی محل میں کھانے کے برتن ساغر، مینا، صراحی، پان دان، خاص دان اور سنگار دان وغیرہ سونے ہی کے ہوتے تھے، بادشاہوں اور شہزادوں کی تلواروں اور خنجروں کے موٹھ میں سونا ضرور ہوتا تھا، دربار کے نقیب اور چاؤش کے عصا، بلم اور برچھے وغیرہ میں بھی چاندی اور سونا ضرور ہوتا، دیوان عام اور دیوانِ خاص میں شامیانے، پردے اور چھت گیر کے ستون بھی چاندی سونے کے ہوتے، زینت و آرائش کے لیے مختلف قسم کے مصنوعی پھل اور پرندے سونے ہی کے بنائے جاتے، جہاں گیر نے ایک مرصع صراحی بنوائی تھی جو ریچھ کی شکل کی تھی، اس نے اسے شاہ عباس کے پاس ایران تحفہ کے طور پر بھیجا، (۱) مکانوں کی زینت و آرایش میں طلائی کام کی بڑی فراوانی ہوتی، فتح پور سیکری میں اکبر نے جو محل بنوائے، ان میں سے ایک کا نام محل مریم الزمانی یا سنہرا مکان ہے، یہ جہاں گیر کی ماں کے لیے بنوایا گیا تھا، اس کے تمام ستونوں، دروازوں اور دیواروں پر خوش نما نقش و نگار بنا کر طرح طرح کی طلائی اور نقرئی شگوفہ کاری کی گئی تھی، اس کی دیواروں پر سونے کی رزمیہ اور بزمیہ دونوں قسم کی تصویریں بھی بنائی گئی تھیں۔

اعتماد الدولہ نے سونے اور چاندی کا ایک تخت بنوایا تھا، جس کی شکل شیر کی سی تھی، اس میں ساڑھے چار لاکھ روپیے خرچ ہوئے تھے اور تین سال کی مدت میں تیار ہوا تھا، یہ تخت جہاں گیر کے چودھویں سال جلوس میں اعتماد الدولہ نے اسے بہ طور نذرانہ پیش کیا تھا، (۲) شاہ جہاں نے تخت طاؤس کے علاوہ سونے کا ایک تخت رواں بھی بنوایا تھا، عالم گیر نے اس پر چھت کا اضافہ کر کے اس کو

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۸۱ (۲) ایضاً ص ۲۶۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنگلہ نما(۱) کردیا تھا،شاہ جہاں کے پاس سونے چاندی کا ایک نقارخانہ تھا،بڑا نقارہ تو سونے کا تھا لیکن کورولہ،کرنا اور سرنا وغیرہ چاندی کے تھے(۲) شاہ جہاں اور عالم گیر دونوں کے ہاتھیوں کے ہودج سونے کے تھے،عالم گیر نے تو ایک بنگلہ نمائی طلائی ہودج بھی بنوایا تھا۔(۳)

غیر معمولی مقدار میں سونا انعام میں دنیا ایک معمولی بات تھی، جہاں گیری دور کے شاعر حیاتی گیلانی نے ایک مثنوی ''سلیمان و بلقیس'' لکھ کر جہاں گیر کی خدمت میں پیش کی،تو اس نے خوش ہو کر اس کو سونے میں تلوا کر انعام دیا،(۴) ابوالفضل کا بیان ہے کہ سونا ہندوستان کے شمالی پہاڑوں میں بکثرت پایا جاتا ہے،دریائے گنگا اور سندھ کے بالو سے بھی نکالا جاتا تھا،اکبری عہد میں ایک تولہ سونے کی قیمت ایک گول اشرفی تھی اور چاندی ایک روپیہ میں ایک تولہ دو سرخ خریدی جاتی تھی۔(۵)

---

(۱) عالم گیر نامہ ص ۴۵۳،(۲) اقبال نامہ جہاں گیری ص ۸۷،(۳) منتخب اللباب جلد دوم ص ۹۸۔(۴) بزم تیموریہ ص ۵۶،(۵) آئین اکبری جلد اول آئین ۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنگار

حمام: سنگار کے لوازم میں غسل کرنا ایک نہایت لازمی جز تھا، ہندو، مرد اور عورتیں زیادہ تر کھلی فضا اور بہتے پانی میں نہانا پسند کرتیں، غسل خانہ کا رواج مسلمانوں کی آمد سے ہوا، ان کے گھروں میں نہانے کے لیے ایک علاحدہ بند جگہ ضرور ہوتی۔

خلجی اور تغلق سلاطین کے محل میں جو غسل خانہ تھا، وہ سونے کا بنا ہوا تھا۔(۱)

شاہی غسل خانے کے اعلیٰ نمونے آگرہ اور دہلی کے محلوں اور قلعوں میں ملتے ہیں، فتح پور سیکری کی عمارتیں اب ویران ہو رہی ہیں لیکن ان ہی میں شاہی حمام اب تک موجود ہے، جس کو اب بھی دیکھا جا سکتا ہے، اس کے چھ درجے ہیں، اس کے صدر دروازہ میں داخل ہونے کے بعد دکھن کی طرف ایک سینچی اور اتر کی طرف ایک کمرہ ملے گا، اس کی چھت لداؤ ہے لیکن گنبد نما ہے، اس پر نہایت خوب صورت منبت کاری کا کام بنا ہوا تھا لیکن اب مٹ رہا ہے، پورب کی طرف دروازہ سے داخل ہونے کے بعد دوسرے درجہ میں آدمی داخل ہو جاتا ہے، اس کے پورب طرف تین طاقوں میں پانی کے لیے ایک نالی بنی ہوئی ہے، جس سے پانی آتا تھا اور اتر طرف کی دیوار کے پاس ایک خزانہ میں جمع ہو جاتا تھا، اس درجہ میں دو دروازے اتر اور دکھن طرف ہیں، دکھن طرف کے دروازہ سے راستہ ایک کمرہ میں جاتا ہے، جہاں پورب کی دیوار کے پاس ایک حوض بنا ہوا ہے اور اتر طرف کے دروازہ سے راستہ چوتھے درجہ کی طرف جاتا ہے، جو ہشت پہل ہے اور اس کا قطر ۱۹ فٹ ۲ انچ ہے اور ہر ضلع $\frac{1}{2}$ ۹ ہے، اس میں سنگ مرمر کی استر کاری ہے اور اس میں اتنی چمک پیدا کی گئی تھی کہ اب بھی اس میں آئینہ کی طرح منہ دکھائی دیتا ہے، اس کا فرش زرد رنگ کا ہے، جس کے چاروں طرف سرخ رنگ کی پٹریاں ہیں اور اس میں آسمانی رنگ کا نفیس کام بنا ہوا ہے اور

---

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۱۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی محرابوں میں بیگنی رنگ کا نہایت عمدہ اور پیچ دار جال بنا ہوا ہے، اس کی لداؤ چھت میں چونے سے لہریہ بنا کر کنول کے پھول کی شکل بنا دی گئی ہے، بیچ میں اس درجہ کو گرم رکھنے کے واسطے انگیٹھی لگا دی جاتی تھی، جس کے اوپر ایک ہشت پہل چبوترہ بنا ہوا تھا، اسی کے دکھن اور پچھّم طرف غسل خانہ کا پانچواں درجہ ہے، جس میں دو حوض بنے ہوئے ہیں، پورب کی طرف حوض میں گرم اور پچھّم کی طرف حوض میں ٹھنڈا پانی رہتا تھا، دونوں حوضوں کے اوپر پانی کا خزانہ تھا، چھٹے درجہ میں پانی گرم ہوا کرتا تھا، اس کے دکھن طرف ۱۰ فٹ ۱۵ انچ کی ایک لمبی بھٹی بنی ہوئی تھی، اس میں آگ حمام کی پشت پر سے جلائی جاتی تھی اور اس پر لوہے کا ایک ظرف رکھا رہتا تھا، اس کے اوپر پانی بھرا رہتا تھا جو گرم ہو کر اندر ہی اندر نالی کے ذریعہ سے پانچویں درجہ کے گرم پانی کے حوض میں پہنچ جاتا تھا۔(۱)

شاہی حمام کا ایک اعلیٰ نمونہ قلعہ آگرہ میں بھی ہے، یہ شیش محل کے پاس ہے، اس حمام میں فوارے برابر چھوٹتے رہتے تھے،(۲) نیچے ابھی تک اعلیٰ قسم کا سنگ مرمر ہے، فوارے کے لیے پانی جمنا سے لایا جاتا تھا اور پھر اسی حمام میں سے جمنا تک ایک راستہ تھا، جہاں بیگمات اور شہزادیاں تفریح کرنے اور نہانے کے لیے جاتی رہتی تھیں، حمام سے بیگمات سنگار کے لیے شیش محل آجاتی تھیں، جس میں قیمتی شیشوں کے سیکڑوں ٹکڑے اس زاویہ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں کہ ہر ٹکڑا میں پورا عکس آجاتا ہے، ممتاز محل جب اس میں سنگار کے لیے آتی تو شاہ جہاں اس وقت ایک ممتاز محل کے بجائے سیکڑوں ممتاز محل کو متحرک دیکھتا۔

لال قلعہ کا حمام: دہلی میں لال قلعہ کے اندر جو حمام تھا، اس کے تین درجے تھے، پہلا درجہ جامہ کن کہلاتا، اس میں جا کر کپڑے اتارے جاتے یا غسل کرنے کے بعد کپڑے پہنے جاتے، اس کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور اس میں پرچین کاری کا کام ہے اور رنگ برنگ کے پتھر لگے ہوئے ہیں، اس میں چھوٹے چھوٹے حوضوں میں تین فوارے لگے ہوئے ہیں، ایک فوارہ سے گلاب کی پھوار نکلتی تھی، پورب جانب جالیاں لگا کر آئینہ بندی کی گئی ہے، اس میں سے دریا، سبزہ اور دوسرے بیرونی

(۱) راقم نے اس حمام کو فتح پور سیکری میں دیکھا ہے، اس کی تفصیل تاریخ فتح پور سیکری از محمد سعید احمد مارہروی کی مدد سے بھی لکھی گئی ہے، ص ۹۵، ۹۴۔ (۲) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناظر دکھائی دیتے تھے، دوسرا درجہ سرد خانہ کہلاتا تھا، اس کے اتر طرف ایک شہ نشیں ہے، جس میں ہر طرف سنگ مرمر کی منبت کاری، پرچین سازی اور پچے کاری ہے، اس کے آگے ایک حصہ اور ہے، جس کے فرش سے چھت تک طرح طرح کے پتھروں کی طرح پچے کاری ہے اور اس میں ایسے بیل بوٹے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں اور اس کے ٹھیک بیچ میں مربع حوض ہے، اس کے چاروں کونوں پر چار فوارے تھے، ان چاروں فواروں کی دھاریں ایک ہو کر بیچ میں پڑتی تھیں اور اس کے گرد دیوار سے ملی ہوئی ایک گز چوڑی نہر جاری رہتی تھی، جو جدول کا کام بھی دیتی تھی، ضرورت کے وقت ان فواروں کو گرم بھی کر دیا جاتا تھا۔

تیسرا درجہ گرم خانہ کہلاتا تھا، یہ بھی سنگ مرمر کا ہے، اس میں لکڑیاں جلا کرتی تھیں، جس سے پانی گرم رہتا تھا، اس کے آگے ایک مربع حصہ تھا، جس کے بیچ میں سنگ مرمر کا چبوترہ تھا، یہ غسل کرنے کی جگہ تھی، اس کے اتر طرف ایک شہ نشیں بنی ہوئی ہے، جس پر ایک مستطیل حوض ہے جس میں گرم پانی رہتا تھا اور ضرورت کے وقت اس کو سرد بھی کر دیا جاتا تھا، ان تمام حصوں میں بیش قیمت پتھر لگے ہوئے ہیں اور منبت کاری کے اعلیٰ نمونے بھی ہیں اور بیل بوٹوں سے یہ درجہ باغ کے مانند معلوم ہوتا ہے، حمام کے ہر درجہ میں روشنی رنگین شیشوں سے آتی تھی، دریا کی طرف کمروں میں پانی آنے کے لیے تین حوض بنے ہوئے تھے، ایک کمرہ میں ایک گرم آبہ بنا ہوا تھا، جس کے پیچھے ایک توا رہتا تھا، یہیں پانی گرم ہوتا تھا، حمام میں جابجا نہریں تھیں اور فوارے چھوٹتے رہتے تھے، اسی لیے ہر کمرہ میں پانی پہنچا کرتا تھا۔(۱)

غسل خانہ میں جون پوری کھلی، خوشبو کا بیسن، چنبیلی، شبو، موتیا، بیلا، جوہی اور گلاب کے تیل بوتلوں میں بھرے ہوئے قرینہ سے رکھے رہتے تھے۔

عوام کے حمام: حمام معاشرتی زندگی کی ایک اہم چیز بن گئی تھی اور دہلی میں اب بھی حمام ہیں، جہاں نہانا بہت ہی فرحت بخش ہوتا ہے، جب کوئی اس کے اندر جاتا ہے تو حمام کے ملازمین پہلے بدن

(۱) تفصیل کے لئے دیکھوں آثار الصنادید، از سر سید احمد خاں جلد دوم ص ۱۶-۱۵ واقعات دار الحکومت دہلی ص ۶۹-۶۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دابتے ہیں، پھر جسم میں تیلوں کی مالش کرتے ہیں، سروں میں خوشبودار مسالے لگاتے ہیں اور گرم اور ٹھنڈے پانی کے فواروں سے غسل کراتے ہیں، حمام کے اندر دروازے سے غسل کرنے کی جگہ تک گرمی کا درجۂ حرارت تدریجاً بڑھتا رہتا ہے، پھر ملازمین ہی جسم کو پونچھ کر کپڑے پہننے میں مدد دیتے ہیں اور کپڑوں میں عطر لگاتے ہیں، یہ رواج ازمنۂ وسطیٰ میں بھی رہا اور حمام میں غسل کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی، مغلوں کے عہد میں آگرہ میں آٹھ سو حمام تھے، ان میں حکیم ابوالفتح گیلانی کا حمام سب سے زیادہ خوب صورت تھا اور انجینئرنگ کے فن کا ایک عجیب و غریب نمونہ تھا، یہ حمام رفاہِ عام کے طور پر تمام لوگوں کے استعمال کے لیے بنایا گیا تھا اور اس میں غسل کرنے سے خاص خاص امراض کا علاج بھی ہوجاتا تھا، اس میں مختلف غسل خانے اور کمرے تھے اور در و دیوار میں نل لگے ہوئے تھے، جس میں پانی ایک پختہ کنویں سے آیا کرتا تھا، خوش نما جھرنوں کے ذریعہ سے پانی نیچے سے اتر کر ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں جاتا تھا اور جابجا حوضوں میں فوارے چھوٹتے رہتے تھے۔(۱)

لوازم غسل: عورتیں بال کو زنگی ہڑ، املہ اور صندل بھگو کر اس کے پانی سے دھوتیں، جن سے بال صاف اور خوشبودار ہوجاتا، صابن کا ذکر آئین اکبری میں ہے لیکن اچھے صابن خصوصاً نہانے کے صابن اس زمانے میں عام طور سے تیار نہیں ہوتے تھے، صابن صرف کپڑے دھونے میں استعمال ہوتا، عورتیں صابن کے بجائے زنگی ہڑ، املہ اور صندل کا لعاب دار پانی استعمال کرتی، غریب عورتیں بال کو چکنی مٹی سے دھوکہ صاف کرلیتیں اور ان چیزوں کا رواج اب تک جاری ہے اور یہ تمام چیزیں خالص ہندوستانی ہیں جن کو مسلمان عورتوں نے بھی اپنایا، سر دھونے کی مٹی کو فارسی میں سرشو کہتے، گل ملتانی سے بھی یہ کام لیا جاتا اور بعض جگہ ملتانی کے معنی سر دھونے کی مٹی کے ہیں، عروس کو عرق گلاب میں نہلایا جاتا، پھر ان کے لمبے لمبے سیاہ بالوں میں پہلے روغن سمسم ملا جاتا، پھر گرم دودھ سے بال دھوئے جاتے، یہاں تک کہ ریشم کے لچھوں کی طرح نرم ہوکر ان میں اور بھی چمک پیدا ہوجاتی،(۲) بیگمات اور شہزادیاں اسی اہتمام سے نہانا پسند کرتیں، امرا کے گھر کی عورتیں بھی ان کی

---

(۱) اس کی تفصیل تاریخ فتح پور سیکری باب پنجم میں ملے گی،(۲) مثال کے لیے دیکھو تیمور مصنفہ ہیرالڈ لیمپ میں آغا خاتون کا ذکر ص ۳۴-۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقلید کرتیں، شاہ عبدالعزیز اپنے ملفوظ میں ایک معاصر رئیس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قمرالدین خاں کے گھر میں عورتیں آخری غسل گلاب سے کرتی ہیں اور ایک دوسرے نواب کے یہاں تین سو روپیہ روز کا صرف پھول پان عورتوں کے لیے جاتا تھا۔(۱)

سر کے خوشبودار مسالے: غسل کرنے میں عورتیں سر میں خوشبودار مسالے لگاتیں جن میں صندل، مشک، عنبر، کم کم زعفران اور عود کے بھی اجزا ہوتے، یہ مسالے آج بھی حیثیت کے مطابق استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

شعرا نے اپنی شاعری میں زلف عنبریں اور زلف مشکیں کا بار بار ذکر کیا ہے، خود تیموری خاندان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے لال قلعہ میں بیٹھ کر کہا ہے:

کشتہ ہوں اس کے طرۂ عنبر شمیم کا ☆ خوش ہے باری خاک سے دامن نسیم کا

تہ زلف معنبر ہے جو تاب اس روئے روشن کی
کب ایسا رات کو ہوتا ہے جلوہ ماہِ تاباں کا

دلِ صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن ☆ زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

شمیم زلف سے اس کے نہ ہوسکے ہم سر
ظفر لگالے اگر کوئی مشک ناب کی روح

پھر کون چھڑا سکتا ہے دل کی میری مشکیں ☆ تو طرۂ مشکیں سے اگر کھینچ کے باندھے

ناف غزال چیں ہے کہ ہے نافہ، تتار ☆ کیوں کر کہوں کہ ہے گرۂ زلف نافِ زلف

تیل: بالوں میں خوشبودار تیل لگانے کا عام رواج تھا، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ عہد اکبری میں خوشبودار پھول انبار کے انبار لائے جاتے اور ان سے تیل تیار کیے جاتے، جو بدن پر ملے اور سر میں ڈالے جاتے۔ (آئین اکبری جلد اول آئین ۳۰)

ناریل، چنبیلی، بیلے، گلاب، جوہی، سیوتی، مونگرا، کیتکی، مائے بیل، چمپا اور مولسری کے تیل مقبول رہے(۲) اور ان تیلوں کی صنعت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، جیسا کہ آج بھی ہے۔

---

(۱) الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱٦٧، (۲) تزک جہانگیری ص ۵-۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشاطگی: بال گوندھنا بھی ایک فن ہو گیا تھا، شاہی محل میں مشاطگی کے لیے خاص خاص عورتیں مقرر ہوتیں۔

موباف: بال کی جڑ کو جڑ کسنا سے باندھا جاتا اور دونوں زلفوں کو ملا کر موباف سے لپیٹ دیا جاتا، جڑ کسنا اور موباف زیادہ سے زیادہ رنگین، حسین اور دلکش ہوتے اوران پر زری کا کام ہوتا، موباف بھی شعرا کا موضوع رہا ہے، خود بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں:

آپس میں آج دست و گریباں ہے روز و شب
اے مہروش زری کا نہیں موئے باف زلف

آخری دور میں موباف میں چوڑا لچکا بھی لپیٹ دیا جاتا، اس سے پوری چوٹی چاندی کی معلوم ہوتی۔

سیندور، افشاں: مانگ پر افشاں اور سیندور چھڑک دی جاتی جو سہاگ کی نشانی سمجھی جاتی، امانت لکھنوی کہتے ہیں:

افشاں روپہلی یار نے بالوں پہ ہے چنی
چھٹکی ہی چاندنی شبِ زلف سیاہ میں

آتش کا ایک شعر ہے:

گورے منہ کی ترے یاد آئی سنہری افشاں ☆ لوح سیمیں پر اگر کام طلا کا دیکھا

سیندور ہندو عورتیں استعمال کرتیں جن کو مسلمان عورتوں نے بھی استعمال کرنا شروع کیا، البتہ سیندور کی ترقی یافتہ شکل افشاں ہے، جو مسلمانوں کی جدت ہے۔

مانگ میں موتی: مانگ میں عورتیں موتی بھی بھرتیں، امانت کہتے ہیں:

دم رفتار الجھتے زلف میں موتی کے چھالے ہیں
تمہارے گیسوؤں کے سانپ اب تو کوڑیالے ہیں

غالب نے کہا ہے:

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یاں ہجوم اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گلزار نسیم میں ہے:

جب اس کی موتیوں سے مانگ بھر دی ☆ فلک نے کہکشاں قربان کر دی

جوڑے اور حلقۂ زلف: جوڑے طرح طرح سے باندھے جاتے اور سر پر محراب دار پٹیاں بھی جمائی جاتیں، جن میں بڑی دلکشی ہوتی۔

حلقۂ زلف پرخم، پرشکن اور پرپیچ ہوا کرتا، خود بہادر شاہ ظفر نے اپنے اشعار میں کہا ہے:

تو نے رُخ پر زلف کا حلقہ بنایا بے طرح
مرغ دل کو دام میں کافر پھنسایا بے طرح

شکستہ ہو نہ کیوں کر حال دل کا ☆ وہ زلف پرشکن خاطر شکن ہے

ہزاروں طرح کے ہیں پیچ اس کی زلف پیچاں میں
بنائی یہ کسی صناع نے زنجیر مشکل سے
ترا خیال زلف پرخم جیسا تھا ویسا ہی ہے
دل کے پیچ و تاب کا عالم جیسا تھا ویسا ہی ہے

چوٹی کی ایک قسم کھجوری بھی ہوتی:

کھجوری گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی ☆ کہ سب اہل نظر کی جان لوٹی

زلفوں کو معطر بھی کیا جاتا، گلزار نسیم میں ہے:

عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی ☆ کہ بکھرا دیکھ کر ہر ایک کا جی
لپٹ آئی جو یوں زلفوں کی یک بار ☆ ہوئی کافور بوئے مشک تار تار

پیشانی کا نقش و نگار: پیشانی پر سنہرے چاند ستارے اور سنہری یا روپہلی افشاں سے نقش و نگار بھی بنائے جاتے، اس کا رواج اب بھی ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر دولہن کی پیشانی اسی سے مزین اور مرصع کی جاتی ہے، یہ خالص ہندوستانی چیز ہے جو مسلمان عورتوں کے یہاں بھی رائج ہوئی۔

منجن: عورتیں خوشبودار منجن سے اپنے دانتوں کو صاف اور چمک دار رکھتیں، اچھے دانتوں کی تعریف یہ تھی کہ وہ موتی کی طرح چمکتے رہیں، بہادر شاہ ظفر نے کہا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لب لعل و در دنداں کو مت پوچھ ☆ وہ درج لعل یہ در عدن ہے

بعض قیمتی منجن موتی محلول کر کے بنائے جاتے اور اس میں مشک و عنبر اور عود و کافور وغیرہ بھی ڈال کر خوشبودار بناتے۔

پان اور مسی: دانتوں کو عورتیں پان اور مسی سے بھی حسین بناتی رہتیں، بہادر شاہ ظفر کے اشعار پان اور مسی پر بھی ہیں۔

پان کی سرخی نہیں لب پر بت خونخوار کے
لگ گیا ہے خون عاشق منہ کو اس تلوار کے
ہے لب دندان سے تیرے سرخی پان کی نمود
آج تک دیکھی نہیں یہ لعل و مرجاں کی نمود
جلوۂ شام و شفق خوش نہیں آیا مجھ کو
دل مرا ہے ترے رنگ مسی و پان پہ غش
مسی زیب اس کے دنداں دیکھ حیراں ہوں کہ ہے کیوں کر
یہ رنگ اس سلک گوہر کا سیہ ایسا سفید ایسا

میر حسن:

وہ دانتوں کی مسی کا گل برگ تر ☆ شفق میں عیاں جیسے شام وسحر

نسیم:

مسی آلودہ دنداں پیارے پیارے ☆ چمکتے تھے شب یلدا میں تارے
مسی مل کر جب اس نے پان کھایا ☆ یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سنایا
مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے ☆ تماشا ہے تہ آتش دھواں ہے

پان اور مسی خالص ہندوستانی چیزیں ہیں، جو مسلمان عورتوں کو بھی مرغوب ہوئیں اور ان کو خوشی سے استعمال کرنا شروع کیا اور اب تک ان کے استعمال میں ہیں، بعض کاری گر ایک ایسی الائچی بناتے جن میں مسی بھر دیتے، یہ الائچی کھالی جاتی تو دانتوں اور لبوں پر مسی کا لاکھا خود بہ خود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جم جاتا۔

ہونٹوں پر موم: جاڑوں میں عورتیں ہونٹوں پر موم بھی مل لیا کرتی تھیں، تاکہ وہ پھٹنے نہ پائیں، یہ رواج ہندوستان کے عہد قدیم سے چلا آتا ہے، موم روغن سے مراد یہ ہے کہ موم کسی خوشبودار تیل میں پکا کر استعمال کیا جائے۔

اوبٹنا: دونوں رخساروں کو نرم، ملائم، روشن اور تابناک بنانے کی خاطر عورتیں اوبٹنا استعمال کرتیں، جو کبھی آٹے مسین اور کسی درخت کی چھال کی راکھ سے بنایا جاتا، کبھی ہلدی کے سفوف اور چاول کے آٹے میں ملا کر تیار ہوتا، کبھی کوسم کے پھول سے بنتا اور کبھی کھلی اور صندل کی آمیزش سے تیار کیا جاتا، یہ چیزیں اب تک استعمال میں ہیں، گوند اور گوند کی جھاگ سے چہرہ تابناک اور ملائم ہو جاتا، یہ مسالے ہندو عورتیں عہد قدیم سے استعمال کرتی رہی ہیں، وہ ٹھنڈک کے لیے جسم پر زعفران ملے ہوئے ابٹن مل کر زرد رنگت پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور رخساروں کے لیے زعفران کا غازہ استعمال ہوتا تھا، ان کو مسلمان عورتیں بھی اپنے مصرف میں لاتیں، البتہ اونچے طبقہ کی مسلمان عورتوں نے ان میں لطافت پیدا کرنے کی خاطر مشک، عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں ملا دیں جن کو وہ نہ صرف چہرہ بلکہ تمام جسم پر ملتیں، اس لیے برق لکھنوی نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے:

جمع کرتے ہیں خدم میل کو تولوں ماشوں ☆ مشک ہوتا ہے دم غسل بدن سے پیدا

شاہی حرم کی عورتوں کے لیے جو اوبٹنا تیار ہوتا تھا، اس میں لادن، عود، نارنگی کے پھول، نارنگی کے چھلکے، نارنگی کے پھولوں کا عرق، صندل، سنبل الطیب یعنی بال چھڑ، اسنہ یعنی چھڑیلہ مشک، برگ ماچھ، سیپ، سعد یعنی مونتھ، بنفشہ، دھبوب (ایک خوشبودار جڑی جو کشمیر سے لائی جاتی) اکنگی ایک قسم کی خوشبودار گھاس، زربنا (یعنی نرکچور) لوبان، گلاب، عرق بہار یعنی نارنگی کے پھول کا عرق وغیرہ دیے جاتے، ان میں خشک چیزوں کو باریک پیسا جاتا، پھر عرق گلاب میں ڈال کر ان کو دھیمی دھیمی آنچ پر پکایا جاتا، جب تری کم ہو جاتی، تو چولہے سے اتار کر مرکب کو خشک کر لیتے اور یہی اوبٹنے کے طور پر استعمال ہوتا، (تفصیل کے لیے دیکھو آئین اکبری جلد اول، آئین ۳۰)

غازہ: عورتیں مختلف چیزوں سے غازہ بھی تیار کرتیں، تاکہ گرد و غبار، دھوپ اور سردی سے چہرے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ خراب نہ ہو، فارسی کے شعرا نے اس پر برابر اشعار کہے ہیں:

فیضی: تو غازہ کشی بہ چہرۂ گل ☆ تو شانہ زنی بہ زلف سنبل

ملا طغرا: یکے غازہ بر چہرۂ گل زند ☆ یکے شانہ بر موئے سنبل زند

ظہوری:

حسن مالد غازہ بر رخسارِ خوبانِ چمن ☆ عشق ریز و نغمہ در منقار مرغ صبح خوان

کاجل: کاجل خالص ہندوستانی چیز ہے، جس کو آنکھوں میں لگانے اور دھوڈالنے کے بعد آنکھیں سرخ سرخ بلکہ نشیلی نظر آتی ہیں، یہ ہندوستان میں برابر استعمال کیا جاتا رہا اور مسلمانوں کے یہاں بھی رائج ہوا، بہادر شاہ ظفر نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے، جو شاید لال قلعہ میں کسی کو مخاطب ہی کر کے کہا ہوگا:

کاجل آنکھوں کا بہا یار کے مژگاں کے تلے
پھول سوسن کا کھلا نرگس و ریحاں کے تلے
پھیل کر رخ پہ جو کاجل نے دکھائی شب تار
دن دیے تارے دکھانے ترا خیال اور لگا

کاجل سے ذقن پر خال بھی بنایا جاتا تھا۔

نسیم: بنایا خال کاجل سے ذقن پر ☆ عجب جوبن تھا اس رشک چمن پر

سرمہ: سرمہ مسلمان اپنے ساتھ بھی لائے، اصفہان کا سرمہ مشہور ہے اور کحل الجواہر، کحل البصر سب سے اچھے سرمے سمجھے جاتے تھے، سرگیں آنکھوں پر بھی شعرا نے طبع آزمائی کی ہے خود بہادر شاہ ظفر کے اشعار ہیں:

سرشک سرمہ آلود اپنا دکھلا کر وہ کہتے ہیں
کہ ہے رنگ اس کبوتر کا سیہ ایسا سفید ایسا
کب چشم سرمہ سا ہے تری مست خواب سرخ
اس جام نیلگوں میں ہے رنگ شراب سرخ

محکم دلائل و براہینُ سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمۂ تحریر سے کب زیب چشم یار ہے

سرمئی ڈوری سے باندھا آہوئے تاتار ہے

قشقہ: ہندوعورتیں پیشانی پر چندن کا لیپ یا قشقہ بھی لگاتیں جو ان کی مذہبی نشانی ہے لیکن قشقہ نے بھی بہادر شاہ ظفر کو اپنی طرف مائل کیا، وہ کہتا ہے:

صنم خدا کی قسم قشقۂ جبیں تیرا ☆ نظر میں خلق کی لوحِ کتاب سا چمکا

بندی: مسلمان عورتوں کی پیشانی پر بندی نظر آتی ہے جو ہندوعورتوں ہی کی دین ہے۔

خال ذقن: بندی ہی کی طرح عورتیں ذقن یعنی ٹھڈی پر خال بنایا کرتی تھیں، یہ عموماً سیاہ ہوتا، اسی لیے بہادر شاہ ظفر نے کہا ہے:

دیکھنا خالِ ذقن کو رخِ جاناں کے تلے ☆ کوکب سوختہ ہے مہر درخشاں کے تلے

مہندی: حنا کا رواج ایران میں رہا، اس لیے مہندی ہندو اور مسلمان عورتوں کی مشترکہ چیز ہے، عورتیں ہاتھ اور پاؤں دونوں میں مہندی لگاتیں، مہندی بھی شعرا کا موضوع رہا، بہادر شاہ ظفر نے بہت سے اشعار کہے ہیں، مثلاً:

رنگ مہندی کا نہیں یہ ہو نہ ہو عاشق کا خوں

آج ہے اس شوخ کے سرخی کمال انگشت پر

حنا سے تو دکھا دے اپنی آب و تاب ناخن پر

کہ ہوں صدقے ترے برگ گل شاداب ناخن پر

حنا سے سرخ نہیں دست و پا ترے قاتل

ہوئے ہیں یہ کسی عاشق کے خون ناب میں غرق

چوڑیاں: ہاتھوں میں زیور کے علاوہ عورتیں کانچ کی خوبصورت چوڑیاں بھی پہنتیں، بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں:

حلقہ چوڑی کا ترے ہاتھ میں بے وجہ نہیں

سانپ رہتا ہے سدا شاخ سمن سے لپٹا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھولوں کا ہار: گلے میں زیور کے علاوہ پھولوں کا ہار بھی ہوتا، جو عموماً بیلے چنبیلی، جوہی، بنواری، مولسری، سیوطی، کیتکی وغیرہ سے تیار کیا جاتا، حلقۂ زلف کو پھولوں کے گجروں سے ڈھانک لیا جاتا تھا، پھر بالوں اور کانوں کی آرائش کے لیے چمپا کی معطر اور سنہری کلیوں کا استعمال ہندوستان میں برابر رہا، ہار ہندی ہے لیکن ہندوستان کے فارسی شعرا اپنی فارسی شاعری میں اس کو استعمال کرتے رہے، مثلاً:

ملا منیر:

بہ ذکر خلق شاہنشاہ دوراں ☆ زہارِ گل ملائک سبحہ گرداں

محسن فانی:

گل ز شبنم ہار چنبیلی بہ گردن فگند ☆ تا تواند شد حریف شاہد ہندوستان

عطریات: عورتیں جسم اور کپڑوں میں طرح طرح کے عطریات لگاتیں، عطریات کی مختلف قسموں کا ذکر ہم آیندہ باب میں کریں گے۔

آئینہ: ہندوستان کے عہد قدیم میں آئینے دھات مثلاً فولاد، چاندی یا کانسے کے ہوتے تھے، جن کو اس قدر چمکا دیتے تھے کہ ان میں صورت نظر آنے لگتی تھی اور اس میں ایک چھوٹا سا خوب صورت دستہ بھی لگا ہوتا تھا، ٹیکسلا کی عجائب گاہ میں ایسے آئینے پائے گئے ہیں، مسلمان اپنے ساتھ شیشے کے آئینے بکثرت لائے، حلب کے آئینے بہت مقبول ہوئے، شاہی محلوں اور امرا کی حویلیوں میں قد آدم آئینے رہا کرتے تھے، جن پر نقش ونگار بھی بنا ہوتا تھا۔

لباس وزیور: مذکورۂ بالا بناؤ سنگار کے ساتھ عورتیں وہ لباس پہنتیں، جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور پھر وہ سر سے پاؤں تک جب قیمتی اور چمک دار زیورات سے لد جاتیں تو ان کی شراب حسن میں سے دو آتشہ اور سہ آتشہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور اس بناؤ سنگار کے ساتھ ہندوستان کی حسین عورتوں کے مقابلہ میں کہیں اور کا حسن یہاں کے لوگوں کی نظروں میں مشکل سے جچتا۔

ہندوستان کا حسن: امیر خسرو نے لکھا ہے کہ جس طرح ہندوستان کے پھول دوسرے ملکوں کے پھولوں پر فوقیت رکھتے تھے، اسی طرح ہندوستان کی حسین عورتیں، مصر، روم، قندھار، سمرقند، خطا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ختن، خلخ اور تمام حسینانِ عالم پر اپنے حسن کی صفات میں فائق ہیں، وہ کہتے ہیں یغما اور خلخ کا حسن بھی ہندوستان کے حسن کے برابر نہیں، کیوں کہ اول الذکر کے حسین تیز چشم اور ترش رخ ہوتے ہیں، خراسان کے حسین سرخ اور سفید ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کے جیسے پھول ہیں ویسے حسین بھی، یعنی رنگ ہے لیکن بو نہیں، روس اور روم (ترکی) کے حسینوں میں عجز و انکسار نہیں پایا جاتا، وہ یخ کی طرح سرد اور سفید ہوتے ہیں، تاتاری حسینوں کے لبوں پر ہنسی دکھائی نہیں دیتی اور ختن کے حسن پر نمک نہیں ہوتا، سمرقند اور بخارا کی خوب صورتی میں شیرینی نہیں، مصر اور روم کے سیمیں بدن ہندوستان کے حسینوں کی طرح چست و چالاک نہیں ہوتے۔(۱)

اس کی تصدیق مسالک الابصار کے مصنف کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ عام طور سے ہندوستان کی عورتوں کو ترکی اور قپچاقی عورتوں کی نسبت زیادہ حسین اور ملیح بتایا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ حسن و ملاحت کے علاوہ بعض خوبیاں ہندی عورتوں میں ایسی ہیں جو کسی اور ملک کی عورتوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، ہندوستان کی اکثر عورتیں سبزہ رنگ ہوتی ہیں اور بعض گورے رنگ کی ہوتی ہیں، ان کے گورے رنگ میں سرخی جھلکا کرتی ہے اور باوجودیکہ لوگوں کے پاس ترکی، قپچاقی، رومی اور دوسری عورتیں موجود ہیں، مگر ان میں سے کوئی حسن و خوبی میں ہندی عورت کو نہیں پہنچتی، میرے خیال میں دنیا کے کسی خطہ کی عورت ہندی عورت کے مقابلہ میں بڑھ نہیں سکتی اور بڑھ سکتی ہے ہندی عورت سے تو کوئی ہندوستان ہی کی عورت بڑھ سکتی ہے، یہ عورتیں تمام دنیا کی عورتوں سے صرف حسن و ملاحت ہی میں بڑھی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ ان میں اور بھی بے شمار خوبیاں ہیں، جن کے لیے تحریر کے دامن میں گنجائش نہیں۔

ابوالفضل نے ہندوؤں کے علم ساہتی کی بنا پر لکھا ہے کہ سب سے اچھی عورت پدمنی کہلاتی ہے، یہ خوب صورتی اور نزاکت میں بے مثل اور خوش خوئی میں لاجواب ہوتی ہے، اس میں غضب کا تناسب اعضا ہوتا ہے وہ نرم آواز، شیریں سخن، کم گو، پاک دامن اور فرمان بردار ہوتی ہے، اس کے منہ سے پھولوں کی سی خوشبو آتی ہے۔

(۱) مقدمہ مثنوی دول رانی خضر خاں از جناب رشید احمد صاحب انصاری۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہادر شاہ ظفر نے اپنی غزلوں میں ایک حسین ہندوستانی عورت کے یہ اوصاف بتائے ہیں، زلف مشکیں مار سیاہ کی طرح ہو، ناک گل زنبق کے لیے بھی باعث رشک ہو چشم سرمگیں ہم چشم عنبر ہوں چشمک تیغ براں اور چین ابرو تیز خنجر کی طرح ہو، دنبالہ ایک سیف کشیدہ ہو، مژگاں ناوک تیر ہوں، گردن مصفا صراحی کی طرح ہو، کان چشم ساغر ہو، عارض صبح صادق کی طرح چمکتے ہوں، دونوں ہونٹ لعل کے ٹکڑے ہوں، دانت سلک گوہر یعنی موتی کی لڑی ہوں، دست حنا بستہ ایک شاخ گل ہو، پنجہ رنگین مرجان کی طرح ہو، کمر پتلی ہو، جسم مخمل کی طرح نرم ہو، ناف گل نسرین کی طرح ہو، زانو آئینہ کی طرح چمکتا ہو، پنڈلی چاندی کی طرح ہو، پاؤں کی انگلیاں گل مہندی کی شاخ ہو، ناخن برگ گل کی طرح ہو، قد قیامت کا نمونہ ہو، ہر ادا اک بلا ہو، غمزہ فسوں گر ہوں۔(۱)

☆☆☆

(۱) دیوان بہادر شاہ ظفر جلد اول ص ۵۷-۲۵۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوشبوئیات

اور پھول

مشہور عرب مؤرخ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ خدا نے جنت سے حضرت آدمؑ کو جزیرۂ لنکا میں ایک پہاڑ پر اتارا اور اسی پہاڑ پر جنت کی وہ پتیاں بھی تھیں، جن سے حضرت آدمؑ نے ستر پوشی کی تھی اور جب وہ پتیا خشک ہوگئیں تو ہواؤں نے ان کو اڑا کر پورے ہندوستان میں پھیلا دیا اور غالباً اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ان ہی پتیوں کی وجہ سے ہندوستان میں خوشبودار عطر پائے جاتے ہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا اور وجہ ہے لیکن سرزمین ہند عود، لونگ، مشک اور دوسرے قسم قسم کے عطر کے لیے خاص ہے۔

ایک عرب سیاح نے ۱۴ھ میں حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا کہ ہندوستان کا دریا موتی، اس کا پہاڑ یاقوت اور اس کا درخت عطر ہے، تیسری صدی ہجری میں خرداذبہ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی پیداوار میں جو چیزیں عرب اور عراق جاتی تھی، ان میں صندل اور کافور بھی تھے، تیسری صدی ہجری میں سلیمان تاجر لکھتا ہے کہ بحر ہند طغیانی کے زمانے میں ہانڈی کی طرح ابلنے لگتا ہے اور بہت سا عنبر کنارے کی طرف پھینک دیتا ہے اور سمندر جس قدر گہرا ہوتا ہے، اس کا عنبر اتنا ہی نفیس ہوتا ہے، تیسری صدی کے ایک شاعر ابوضلع سندھی نے عربی میں کچھ اشعار کہے ہیں، ان میں ایک جگہ کہتا ہے: میری جان کی قسم! یہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی برستا ہے تو دودھ، موتی اور یاقوت اس سے اگتے ہیں، ان کے لیے جو آرائش سے خالی ہیں، اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبوئیں ان کے لیے جو میلے ہوں، چوتھی صدی ہجری میں مسعود بن مہلہل نے لکھا ہے کہ عرب تاجر کولم یعنی ٹراونکور سے عود، کافور اور لوبان خرید کر تجارت کے لیے جاتے ہیں، عود ہندی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت مشہور تھا اور دور دور تاجر لے جاتے، ابوزید حسن سیرانی نے لکھا ہے کہ کامروپ (آسام) میں عود بہت اچھا ہوتا، لوگ اس کو بت پر دھونی دینے کے لیے لے جاتے، ایک من عود کی قیمت دوسو دینار ہوتی، اس کی بعض قسمیں ایسی نرم ہوتی ہیں کہ اگر ان پر انگوٹھی سے مہر لگا دی جاتی تو اس کی چھاپ آجاتی۔

ہندوستان میں دو طرح کی خوشبوئیات استعمال میں رہیں، ایک تو مفرد، دوسرے مرکب، مفرد خوشبوئیات حسب ذیل تھیں:

مشک: مشک ہرن کی ناف کے خون سے حاصل کیا جاتا، یہ تاتار، چین، تبت، طوس، خطا اور کشمیر کے ہرنوں میں زیادہ ہوتا، اسی لیے ان ہی کے نام پر اس کی قسمیں مقرر ہوئیں، مثلاً تاتاری، چینی، تبّتی، طوسی، خطائی اور کشمیری، ہندوستان میں ہر جگہ کے مشک استعمال میں رہے، ان میں چینی مشک سب سے اچھا سمجھا جاتا، مشک کا رنگ سیاہ یا زرد ہوتا ہے۔

عنبر: یہ سمندر کی تہ میں پیدا ہوتا ہے، سمندر کی موجیں اس کو ساحل تک پہنچاتی رہتی ہیں، آفتاب کی گرمی سے خشک ہو جاتا اور طرح طرح کے رنگ اختیار کر لیتا ہے، بہترین قسم کا عنبر سفید ہوتا ہے، خراب عنبر کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور متوسط قسم کا عنبر پستئی یا زرد رنگ کا ہوتا ہے۔

مندل: یہ ایک قسم کا عنبر ہی ہے جو بعض مردہ مچھلیوں کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے، اس میں زیادہ خوشبو نہیں ہوتی ہے۔

لادن: یہ بھی عنبر ہی کی ایک قسم ہے، یہ ایک درخت میں پیدا ہوتا ہے، جو ابوالفضل مؤلف آئین اکبری کے بیان کے مطابق قبرس یا قیسوس میں زیادہ تر پایا جاتا ہے، اس کے پتوں پر خوشبودار رطوبت جم جاتی ہے اور جب پتے زمین پر گر جاتے ہیں، تو بکریوں کی ران کے بال یا کھر سے حاصل کیا جاتا ہے، ہندوستان میں لادن باہر سے برابر آتا رہا۔

کافور: کافور بھی درخت سے نکالا جاتا ہے، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اس کے درخت ہندوستان اور چین کے پہاڑی علاقوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور یہ اس قدر گھنے اور بڑے ہوتے ہیں کہ سو سے زیادہ آدمی اس کے سایہ میں آرام کر سکتے ہیں، اس کے گرد عموماً سانپ اور چیتے رہا کرتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی شاخوں کے اندر پہلے چھوٹے چھوٹے ریزے پیدا ہوتے ہیں جو گوند کی طرح شاخوں کے اوپر نکل آتے ہیں، پھر یہ بہہ کر زمین پر چلے آتے ہیں، اس کو درخت سے نکالنے کے بعد سیاہ مرچ اور سرخ دانے میں ملا کر رکھتے ہیں، تا کہ اڑنے نہ پائے، اچھے قسم کے کافور کا رنگ سفید ہوتا ہے، بعض کافور سیاہ اور گندمی رنگ کے بھی ہوتے ہیں۔

زباد: یہ ایک ایسے جانور کی ناف سے نکالی جاتی جو بلی کے برابر ہوتا لیکن اس کا چہرہ اور منہ بڑا ہوتا، بہترین قسم کی زباد ختن کے مضافات سے لائی جاتی، جب ناف سے نکالی جاتی تو اس کی خوشبو ناگوار معلوم ہوتی لیکن عرق لیموں میں دھو کر چنبیلی یا رائے بیل یا کرنا کے پھولوں میں اس کو باستے اور پھر عرق گلاب ملا کر اس کو استعمال کرتے تو بہت خوشبودار ہو جاتی۔

گورہ: یہ بھی ایک جانور کے نافہ ہی سے حاصل کی جاتی جو چین کے نواح میں پایا جاتا۔

مید: یہ بھی جانور کے نافہ سے نکالی جاتی۔

عود: اس کی ہندی میں اگر کہتے ہیں، یہ ایک درخت کی جڑ ہے، جس کو اکھاڑ کر زمین میں دوبارہ نصب کرتے ہیں، اس سے خراب حصہ تو سڑ جاتا ہے اور خالص عود باقی رہ جاتا ہے، ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ یہ درخت چانپانیر میں زیادہ ہوتا اور آچین اور دھناسری سے بھی لایا جاتا، اس کی کئی قسمیں ہوتیں، مندلی، جیلی، سہندوری، قماری، قافلی، برمی، چینی، قسموری، جلالی، لوانی، ایکانی وغیرہ، سیاہ عود بہترین سمجھا جاتا، اس کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتے، کچھ لوگ تو کھاتے بھی رہتے، کہا جاتا ہے کہ اس کو کھا کر طبیعت خوش رہتی ہے، اس کی دھونی بھی دی جاتی ہے، بدن اور پوشاک پر بھی ملا جاتا، اس کی خوشبو سے سر میں جوئیں نہیں پیدا ہوتی ہیں، اس کی پتیاں بہ کثرت بنتی رہیں اور اب بھی بنتی ہیں۔

چووہ: عود کے چھوٹے چھوٹے ریشوں سے قطرے ٹپکا کر چووہ تیار کرتے، ایک سیر عود میں سے دو سے پندرہ تولے تک چووہ نکالتے، ایک آتشی شیشی کے اوپر مٹی اور چاول یا روٹی کی بھوسی کا لیپ لگا دیتے اور شیشی کے اندر عود کے چھوٹے چھوٹے ریزے ڈال دیتے اور ان کو ایک ہفتہ تک شیشی کے اندر تر رکھتے، پھر شیشی کو مٹی کے ایک سوراخ دار برتن میں رکھ کر چولہے پر چڑھا دیتے، شیشی کا منہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیچے رہتا اور اسی مٹی کے برتن کے نیچے پانی کا ایک پیالہ رکھ دیتے اور دھیمی دھیمی آنچ چولہے میں دی جاتی، شیشی کے قطرے ٹپک ٹپک کر پانی میں گرتے رہتے، یہ قطرے پانی پر جم جاتے، جن کو گلاب کے پانی سے پھر دھو دیتے، جتنا زیادہ چووہ پرانا ہوتا، اتنا ہی زیادہ خوشبودار ہوتا۔

صندل: اس کو ہندی میں چندن کہتے ہیں، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اس کا درخت چین میں زیادہ ہوتا ہے لیکن عہد اکبری میں ہندوستان میں بھی لگایا گا اور سرسبز ہوا، یہ تین طرح کا ہوتا، زرد، سفید اور سرخ، ان میں زرد رنگ کا صندل سب سے اچھا ہوتا۔

سلارس: یہ ایک رومی درخت کا گوند ہوتا جس کو عربی میں میعہ کہتے، اس کی بہترین قسم وہ ہے جو درخت سے خود بخود بہہ کر زرد ہو جاتا ہے۔

گلبنگ: ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ یہ ایک درخت کی لکڑی جوزیرآباد سے لائی جاتی، لکڑی بھاری اور ریشہ دار ہوتی، اس کو پیش کر خوشبودار چیزوں میں ملا دیتے، جس سے ان کی خوشبو اور اچھی ہو جاتی، اس لکڑی سے تسبیح کے خوشبودار دانے بنائے جاتے۔

ملا گیر: یہ بھی گلبنگ ہی کی طرح ایک خوشبودار لکڑی ہوتی لیکن پینے پر اس کی سفیدی سرخی مائل ہوتی، گلبنگ کی سفیدی میں سیاہی ملی ہوتی۔

لوبان: خوشبودار گوند ہے جو زیادہ تر جاوا سے آتا۔

اظفار الطیب: اس کو ہندی میں نکھ کہتے، یہ دریائی جانور کے نافے سے نکالا جاتا جو (جیسا کہ ابوالفضل نے لکھا ہے) ہندوستان کے بڑے دریاؤں بحر احمر اور بحرین میں پایا جاتا، اس کو گھی میں ملا دیتے تو بہت خوشبودار ہو جاتا۔

سکندہ گوگلا: یہ ایک خوشبودار پودا تھا، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ یہ ہندوستان میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

مذکورۂ بالا مفرد خوشبوئیات کے علاوہ خوشبودار مرکبات بھی تیار کیے جاتے، جن کی کچھ قسمیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

سنتوک: زباد، چووہ، روغن چنبیلی اور عرق گلاب کی آمیزش سے تیار ہوتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارگجہ: ہندی لفظ ہے، صندل، اگر، مید، چووہ، بنفشہ، گہیلہ (ایک قسم کی خوشبودار گھاس) کافور اور عرق گلاب کو ملا کر تیار کیا جاتا۔

گلکامہ: عنبر، لادن، مشک، اگر اور عنبر کو ملا کر خوب باریک پیستے، پھر عرق گلاب ملا دیتے، اس کے بعد دھوپ میں خشک کر لیتے اور پھر عرق گلاب اور عرق بہار میں تر کر کے دس روز تک خوب محلول کرتے رہتے اور جب یہ خشک ہو جاتا تو نارنگی کے پھولوں کے شیرے میں تر کرتے اور کچھ سیاہ ریحان کے شیرہ کی بھی آمیزش کر دی جاتی، اس مرکب کا ایک حصہ ارگجہ میں ملا دیا جاتا تو بے حد خوشبودار چیز تیار ہو جاتی۔

روح افزا: عود، صندل، لادن، اگر، لوبان، دھبوب (ایک جڑی جو کشمیر میں پائی جاتی) بنفشہ، اشنہ، (جس کو ہندی میں چھریلہ کہتے) کو باریک پیس کر ان کا قوام تیار کرتے، پھر عرق گلاب ملا کر ان کی ٹکیاں بناتے، ان ٹکیوں کو انگیٹھی میں جلاتے، تو نہایت عمدہ خوشبو پھیلتی، ٹکیوں کا نام روح افزا رکھا گیا تھا۔

عبیر مایہ: یہ عربی لفظ ہے، عود، صندل، بنفشہ، مشک، لادن اور نارنگی کے پھولوں کو ملا کر کوٹتے اور چھان کر عرق گلاب میں پکاتے جو خشک ہونے کے بعد بہت خوشبودار ہو جاتا۔

کشتہ: یہ فارسی لفظ ہے، عود، لادن، لوبان، اگر، دھبوب، بنفشہ، مشک، اشنہ، مصری اور عرق گلاب کو ملا کر دھیمی آنچ پر پکاتے، ان کی ٹکیاں بناتے اور ان کی دھونی دیتے جو جلتے وقت بیحد خوشبودار ہو جاتیں۔

بخور: یہ عربی لفظ ہے، عود، صندل، لادن، مشک، اگر اور مصری وغیرہ کو عرق گلاب میں پکا کر تیار کرتے۔

فتیلہ: یہ فارسی لفظ ہے، عود، صندل، لادن، بنفشہ، لوبان اور مصری ملا کر مرکب تیار کرتے اور عرق گلاب سے خمیر کر کے بناتے۔

بارجات: یہ فارسی لفظ ہے، عود، مشک، صندل اور لوبان کو ملا کر چووے کی طرح مقطر کرتے۔

عبیرا کسیر: صندل، اگر اور مشک کو باریک پیس کر سایہ میں خشک کرتے اور کام میں لاتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غسول: صندل، کنول، چووہ، کافور، میدا اور عرق گلاب سے مرکب تیار کرتے۔(۱)

عطریات: آئین اکبری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ پھولوں کے عطروں چنبیلی، سیوتی اور مولسری کے عطر زیادہ پسند کئے جاتے، گلاب کا عطر نور جہاں کی ماں نے ایجاد کیا، جس کے صلہ میں جہاں گیر نے اس کو موتی کا ایک ہار دیا اور اس کا نام عطر جہاں گیری رکھا گیا، جہاں گیر اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اس قدر خوشبودار ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہتھیلی پر مل لیا جائے تو پوری مجلس معطر ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گلاب کی بہت سی کلیاں دفعۃً کھل گئی ہیں، (تزک جہاں گیری ص ۱۳۴) ان کے علاوہ جو عطر وقتاً فوقتاً رائج ہوئے ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: عطر صندل، عطر موتیا، عطر سہاگ، عطر عجائب سہاگ، عطر دولہن، عطر گلدار، عطر حنا، عطر انطوک، عطر سنتوک، عطر لخلخہ، عطر مہک پری، عطر عنبر، عطر فتنہ عمدہ، عطر نورتن، عطر غالیہ، عطر حسن، عطر اگر، عطر بید مشک، عطر پر مکھی، عطر مجموعہ وغیرہ۔

خوشبودار تیل: ابوالفضل نے لکھا ہے کہ عہد اکبری میں خوشبودار پھول انبار کے انبار لگائے جاتے اور ان سے تیل تیار ہوتے رہتے، جو بدن میں ملے جاتے اور سر پر ڈالے جاتے، (آئین اکبری جلد اول، آئین ص ۳۰) اس عہد میں چنبیلی، بیلے، گلاب، جوہی، سیوتی، مونگرا، کیتکی، رائے بیل، چمپا اور مولسری کے تیل زیادہ مقبول تھے۔

مذکورۂ بالا خوشبوئیات کا جو بہترین مصرف ہوسکتا تھا، وہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں لیا گیا، دربار میں کوئی بھی اجتماع ہوتا تو گلاب کے عرق حاضرین پر برابر چھڑکے جاتے اور دربار کی فضا معطر رکھی جاتی، سلاطین دہلی کے عہد میں نوروز کا جشن منایا جاتا تو دربار کی فضا نافۂ چینی سے معطر کر دی جاتی اور تحفوں میں مشک ختن، عنبر، کافور اور صندل خالص پیش کئے جاتے، (قران السعدین ص ۳، ۷، ۸۵) محمد شاہ تغلق کے پاس ایک سونے کی انگیٹھی تھی جو عید کے روز نکالی جاتی، اس میں عود الاچی اور عنبر جلائے جاتے، اس کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اٹھتا، اسی کے ساتھ غلام سونے اور چاندی کے گلاب پاش سے درباریوں پر پھولوں کے عرق

(۱) یہ معلومات آئین اکبری ۳۰ سے لئے گئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھڑکتے رہتے۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ص ۱۰۸-۱۰۷)

خوشبو خانہ: مغل بادشاہوں کو خوشبوئیات سے کچھ ایسی دلچسپی رہی کہ انہوں نے خوشبو خانہ کے نام سے ایک علاحدہ محکمہ قائم کر رکھا تھا اور وہ میدانِ جنگ میں جاتے تو کیمپ میں خوشبو خانہ کا بھی ایک مستقل خیمہ رہا کرتا تھا۔

خوشبوؤں کی فراوانی: جب فوج چلتی تھی تو آگے آگے اونٹوں کی پیٹھ پر خوشبودار چیزیں انگیٹھیوں میں جلتی رہتی تھیں تاکہ فوج کا راستہ معطر رہے اور کٹھن منزلیں آسانی سے طے ہوتی رہیں، دربار ہوتا تو اس کی فضا عود، عنبر اور دوسری خوشبودار چیزوں سے معطر رہتی، پھولوں کے گلدستے جابجا رکھے رہتے، کوئی تقریب منائی جاتی تو خوشبوئیات اور عطریات کی بڑی فراوانی ہوتی، مثلاً جہانی دور میں جب جہاں آرا جل گئی اور اس کے بعد صحت یاب ہوئی تو خوشی میں ایک جشن بڑے پیمانہ پر منایا گیا، اس موقع پر دربار کی محفل سجائی گئی تو عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے کہ عنبر، مشک اور بخور سے ساری محفل معطر کر دی گئی تھی۔ (بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۳۹۵)

شہزادہ اورنگ زیب کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے بھی بادشاہ نامہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ دربار کی مجلسوں کو پان کے خوان اور عطریات سے بڑی خوبی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ (بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۶۸)

عالم گیر کے عہد میں ایک ایرانی سفیر آیا تو اس کے اعزاز میں لاہور میں ایک دعوت دی گئی، کھانے میں چار سو قابیں تھیں اور فواکہات اور عطریات کے سات سو خوان تھے، (عالم گیر نامہ ص ۶۰۷-۶۱۴) شاہی دسترخوان بچھتا تو پہلے گلاب پاش سے گلاب چھڑکا جاتا، پھر کیوڑہ، پھر عطر خس یا کوئی اور عطر، شاہی محل کے کمرے اور غسل خانے برابر گلاب، کیوڑے اور دوسری خوشبودار چیزوں کے عرق سے دھوئے جاتے، امرا کے یہاں بھی کوئی تقریب ہوتی تو وہ اپنے گھر اور گھر کے صحن تک کو معطر کر دیتے، زین خاں کوکہ نے ایک بار اکبر کی دعوت کی تو اس قدر تکلفات کئے کہ لوگ ششدر رہ گئے، طوس کی شاخوں کا ایک لمبا چبوترہ بنوایا اور اس کے سامنے تین حوض بنوائے، جس میں ایک گلاب یزدی کا، دوسرا زعفران کے رنگ کا اور تیسرا ارگجے کا تھا، صحن میں پانی کے بجائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گلاب پاشی کرائی۔ (مآثر الامرا جلد دوم، ص ۳۶۹،۷۰)

عورتیں خوشبوئیات اور عطریات کا استعمال زیادہ کرتیں، وہ کپڑے پھولوں اور عطروں میں باس کر پہنتیں، شادی بیاہ کے جوڑوں میں جو عطر لگائے جاتے، ان کی لطیف اور بھینی بھینی خوشبو برسوں تک قائم رہتی، نہاتے وقت صابن کے بجائے زنگی ہڑ، آملہ اور صندل کے لعاب دار پانی استعمال کرتیں، جن سے بال صاف اور خوشبودار ہو جاتے، نہانے کے بعد سر میں خوشبودار مسالے لگاتے، جن میں صندل، عنبر، مشک، زعفران اور عود کے بھی اجزا ہوتے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

خوشبودار مشروبات اور غذائیں: دولت مند اور لطیف ذوق رکھنے والے لوگ پانی بھی پیتے تو گلاب اور کیوڑے کا عرق ملا لیتے اور کوئی اچھا شربت گلاب اور کیوڑے کے عرق کے علاوہ عنبر اور مشک کی آمیزش کے بغیر نہیں بنتا، روزمرہ کے کھانے میں الائچی، لونگ، زیرہ اور جاوتری محض خوشبو کے لیے دی جاتی اور جب پر تکلف کھانے پکتے تو پھر زعفران، عنبر اور مشک کی ریل پیل ہو جاتی، کوئی میٹھی چیز ایسی نہ پکتی جس میں کوئی نہ کوئی خوشبو نہ دی جاتی ہو، حلووں اور مٹھائیوں کی طرف غیر معمولی رغبت ان کی خوشبوؤں ہی کی وجہ سے ہوتی، کھانے کی چیزوں کو خوشبودار بنانے کا رواج اب تک جاری ہے۔

خوشبودار دوائیں: دواؤں میں بھی خوشبوئیات بکثرت استعمال ہوتی رہیں اور اس کا رواج اتنا بڑھتا گیا کہ بعض معجون حلووں کی طرح لذیذ اور خوشبودار ہو گئے تھے، محمد شاہ کے طبیبوں نے نادر شاہ کو اس کی کچھ شکایات رفع کرنے کے لیے ایک معجون دیا تو اس نے اسے ایک حلوا سمجھا اور "ایں حلوائے خوب است" کہہ کر مقررہ مقدار سے بہت زیادہ کھا گیا۔

زعفران: دواؤں اور کھانوں میں زعفران بہت استعمال ہوتا، اس لیے اس کی بڑی مانگ رہی، اس کی پیداوار کی خاص جگہ کشمیر تھی، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ کشمیر میں اس کی کھیتی دس دس کوس تک پھیلی رہتی تھی، اس کا بیج ایک بار بونے سے چھ سال تک پھول دیتا ہے، بشرطیکہ اس کی آب پاشی ہوتی رہے، پہلے دو سال پھول کم آتے ہیں لیکن تیسرے سال سے خوب پھولنے لگتا ہے۔ (آئین اکبری جلد اول، آئین، ص ۳۱) جہاں گیر نے تزک جہاں گیری میں لکھا ہے کہ کشمیر کے گاؤں پمپور میں اتنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زعفران ہوتا ہے کہ دنیا میں کہیں نہیں ہوتا، وہاں اس کی پیداوار پانچ سو من سالانہ تھی، جہاں گیر یہاں پہنچا تو اس کی کھیتی کو دیکھ کر مست ہو گیا اور اس کی زبانِ قلم سے یہ فقرے نکلے:

''چمن چمن وصحرا صحرا چندانکہ نظر کند شگفتہ بود، نسیمیش در آنجا دماغہا را معطر ساخت'' (تزک جہاں گیری ص ۳۲۰)

پھول: پھولوں سے طرح طرح کے عطریات اور خوشبودار چیزیں تیار ہوتی رہیں، ان سے محلوں اور درباروں کی زینت بھی ہوتی، اسی لیے دہلی کے سلاطین اور مغل بادشاہوں دونوں کو پھولوں سے بڑی دلچسپی رہی، جب کوئی فرماں روا چمن یا باغ لگاتا تو اس کو پھولوں سے ضرور آراستہ کرتا، اسی لیے اس باب میں ہندوستانی پھولوں کی تفصیل بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

امیر خسرو اور ہندوستانی پھول: ہندوستان کے فارسی لٹریچر میں ہندوستانی پھولوں کا سب سے پہلے ذکر امیر خسرو کی تصنیف میں ملتا ہے، انہوں نے اپنی مثنویوں دول رانی، خضر خاں اور قران السعدین میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے پھول تمام ممالک کے پھولوں پر فوقیت رکھتے ہیں، اس زمانہ میں شاہی باغوں میں جو پھول دکھائی دیتے تھے، ان کے نام انہوں نے یہ لکھے ہیں: ''سوسن، سمن، بنفشہ، کبود، گل، بیلا، گل زریں، گل سرخ، ریحان، گل کوزہ، گل لالہ، گل سفید، سپرغم، صد برگ، نسترن، یاسمین، دونا، کرنا، نیلوفر، ڈھاک، چمپا، جوہی، کیوڑا، سیوتی، گلاب، بیلا، مولسری وغیرہ، ان پھولوں کی تعریف کرتے ہوئے امیر خسرو لکھتے ہیں کہ بنفشہ یاسمین تو ایران سے ہندوستان میں لائے گئے، ورنہ اور تمام پھول ہندوستانی ہیں اور یہ صحیح بھی ہے، مسلمانوں نے ہندوستانی پھولوں کے نام فارسی کر دیتے ہیں، مثلاً گیندا کو گل صد برگ، چنبیلی کو یاسمین، لال سفید اور زرد گلاب کو گل سرخ، گل سفید اور گل زرد، مروہ کو وہ سپرغم کہنے لگے اور جن پھولوں کے نام نہ تھے، ان کے نام رکھ دیے، ورنہ مذکورۂ بالا تمام پھول ہندوستان ہی کے ہیں، امیر خسرو نے ان میں بعض پھولوں کی تعریف دل کھول کر کی ہے، مثلاً گل کوزہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں پانی کی سی لطافت ہے، بلکہ خود پانی نے اپنی لطافت اسی پھول سے دریوزہ گری کی ہے۔ ؎

بتری آب را در کوزہ کرد ☆ لطافت آب آزو دریوزہ کرد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیلا کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی بڑی کشادہ ہوتی ہے اور ایک پھول میں سات پھول ہوتے ہیں،

از یں سو بیل پیشانی کشادہ ☆ بیک گل ہفت گل برہم نہادہ

جوہی کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ اس کی خوشبو میں دل ربائی ہے، اسی لیے عاشقوں کے دلوں میں جگہ پائی ہے۔

وزآں سو دلبرائے عاشقاں جائے ☆ ہمہ تن بہر دلہا راشدن جائے

کیوڑا کے متعلق لکھتے ہیں کہ معشوقوں کی پوشاک، اسی سے باسی جاتی ہے اور دو برس کے بعد اس کی خوشبو ایسی ہی باقی رہتی ہے، کپڑا پھٹ بھی جائے تو اس کی خوشبو نہیں جاتی۔

زبویش حلۂ خوباں معطر ☆ دو سالہ خشک و بویش ہم چناں تر
ہر آں جامہ کہ ازوے بو گرفتہ ☆ دریدہ جامۂ و بویش نرفتہ

رائے چمپا کو امیر خسرو نے پھولوں کا بادشاہ قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کی خوشبو ایسی ہوتی ہے جیسے شراب میں کسی نے مشک ملا دیا ہو، یہ چنبیلی جیسے بدن والے معشوق کی طرح نازک ہوتا ہے اور اس میں زردی عاشقوں کے چہرے کی طرح ہوتی ہے، اس سے جو تیل نکالا جاتا ہے، وہ سر میں مشک سے زیادہ اثر کرتا ہے۔

دگر آں رائے چمپا شاہ گلہا ☆ کہ بویش مشک بار آمد چو ملہا
چو معشوق سمن بر ناز پرورد ☆ دلے کہ رنگش چوروے عاشقاں زرد
بروغن پرورندش بہر سربا ☆ کہ سر از مشک تر گیرد اثرہا

مولسری کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی پتیاں چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں لیکن دیکھنے میں بہت چست معلوم ہوتی ہیں اور ہر شخص کو پسند ہے۔

ہیئت چست و برگش خرد و باریک ☆ بہر جیب و بدلہا نیک نزدیک

دونا کو امیر خسرو ریحان ہند کہتے ہیں اور اس کی خوشبو کو پسندیدہ بتاتے ہیں:

دگر دونا کہ آں ریحانِ ہندست ☆ زتری بوش درخورد پسندست

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر خسرو کو کرنا بہت پسند تھا، وہ لکھتے ہیں کہ اس کی خوشبو پھیلتی ہے تو گھر اور کوچے معطر ہو جاتے ہیں۔

دگر کرنا کہ چوں زو جست بوئے ☆ معطر گرد داز یک خانہ کوئے

سیوتی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بھڑ (زنبور) اس کے لیے جان دیتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اس سے لپٹی رہتی ہے، معشوق عاشق کی طرح اس کے لیے سرگرداں رہتے ہیں اور پھول معشوقوں کا معشوق ہے۔

زعشق بوئے او جاں دادہ زنبور نگشتہ بعد مردن نیز از دو در

ہمہ خوبانش عاشق دار جویاں کہ معشوقیست نزد خو بردیاں

ہندوستانی پھولوں کی تعریف میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ یہ دنیا کے تمام پھولوں سے بہترین اور بہشت میں بھی ایسے ہی پھول ہوں گے، اگر یہاں کے ایسے پھول روم وشام میں ہوتے تو وہاں کے لوگ ان کی تعریف تمام دنیا میں کرتے پھرتے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے دول رانی خضر خاں صفحہ ۱۲۹، ۱۳۲، علی گڑھ ایڈیشن)

تاریخ فیروز شاہی کے مصنف مولانا ضیاء الدین برنی نے ہندوستانی پھولوں میں گل لالہ، گل صد برگ، گل کرنا اور سیوتی کا ذکر جابہ جا کیا ہے، (ص ۷۰، ۵۶۹) صبح الاعشیٰ میں عرب سیاحوں کی زبانی ہندوستانی پھولوں میں گلاب، کنول، نیلوفر، بنفشہ، بان، بید، نرگس، یاسمین اور گل حنا کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔

چودہویں صدی کے شاعر عصامی نے فتوح السلاطین میں لکھا ہے کہ ہندوستان کی مٹی میں گلاب ملا ہوا ہے اور اس کی مٹی پر شبنم بادل کی طرح اثر کرتی ہے۔

سرشتہ ہمہ خاک او با گلاب ☆ در و شبنمے دادہ نفع سحاب

ایک دوسرے شعر میں وہ کہتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین بوئے گل سے معطر ہے اور اس کا پانی گلاب سے مقطر ہے۔

معطر شدہ خاکش از بوئے گل مقطر شدہ آتش از روئے گل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابر اور ہندوستانی پھول: بابر ہندوستان پہنچا تو اس کی نظر یہاں کے پھولوں پر بھی پڑی اور اس نے اپنی قوت مشاہدہ سے بعض پھولوں کے متعلق مفید اور پر مغز معلومات اپنی تزک میں قلم بند کی ہیں، جن کو ہم اسی کے الفاظ میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

جاسون: اس کو بعض ہندوستانی کریل کہتے ہیں، اس کا درخت شاخ دار ہوتا ہے اور گلاب کے درخت سے بڑا ہوتا ہے، اس کا رنگ انار کے پھول سے زیادہ کھلا ہوا اور پھول گلاب کے پھول کے برابر ہوتا ہے، فرق اتنا ہے کہ گلاب کی کلی ایک ہی دفعہ کھل جاتی ہے، اس کی کلی پہلے ایک بار کھلتی ہے، پھر اس کھلی ہوئی کلی میں سے ایک چیزوں کی شکل کی طرح نکلتی ہے اور اس کی پتیاں کھل کر پھول بن جاتی ہیں، یہ دونوں اگرچہ ایک ہی پھول ہیں، مگر اس کے بیچ میں پہلے پتیوں میں سے دل کی صورت کی ایک چیز کا نکلنا اور پھر پھول بن جانا ایک نادر بات ہے، یہ پھول درخت میں لگا ہوتا ہے، تو بہت بہار دیتا ہے، مگر یہ زیادہ پائدار نہیں ہوتا، ایک ہی دن میں مرجھا کر اس کی پتیاں جھڑ جاتی ہیں، برسات کے چار مہینوں میں کثرت سے پھولتا ہے۔

کنیر: یہ سفید اور سرخ دونوں رنگ کا ہوتا ہے، اس کی جڑ اور پتے شفتالو جیسے سرخ ہوتے ہیں، پھول تو شفتالو کے پھول سے بالکل مشابہ ہوتا ہے، اس کے اکٹھے چودہ پندرہ پھول ایک جگہ اس طرح کھلتے ہیں کہ دور سے ایک بڑا پھول معلوم ہوتا ہے، اس کے سرخ پھول میں بھینی بھینی بو ہوتی ہے، یہ بھی برسات کے موسم میں تین چار مہینے تک برابر کھلتا ہے اور اکثر سال بھر رہتا ہے۔

کیوڑا: اس کی خوشبو نہایت لطیف ہوتی ہے لیکن یہ عجیب شکل کا ہوتا ہے، پھول کی لمبائی ڈیڑھ بالشت ہوتی ہے، پتیاں لمبی لمبی خار دار اور اوپر نیچے لپٹی رہتی ہیں، اوپر کی پتیاں سبز اور خار دار، نیچے کی نرم اور سفید ہوتی ہیں، اندر کی پتیوں میں گلی سے لپٹی ہوئی ایک چیز سے خوشبو آتی ہے، اس کا درخت ایک ایسے بانس سے مشابہ ہوتا ہے جس کا ابھی تنہ نہ ہوا ہو، اس کی شاخیں ادھر ادھر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔

کیتکی: اس کی شکل کیوڑے سے ملتی ہے، مگر کیوڑے سے اس کا پھول چھوٹا ہوتا ہے، رنگ زیادہ زرد اور بو ہلکی ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنبیلی: بابر کو اپنے وطن کے پھول یاسمن سے چنبیلی زیادہ پسند تھی، اس لیے وہ لکھتا ہے کہ یاسمن سے اس کا پھول بڑا ہوتا ہے اور اس کی خوشبو اس سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

چمپا: اس کا درخت بڑا اونچا اور خوبصورت ہوتا ہے، اس کے پھول کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے، دیکھنے سے بنفشہ یا نرگس کا پتہ معلوم ہوتا ہے، رنگ زرد اور صورت سوسن سے ملتی ہے، مگر سوسن کا پھول بڑا ہوتا ہے۔(۱)

ابوالفضل اور ہندوستانی پھول: بابر نے جن پھولوں کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کی تفصیل ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھی ہے، جن سے نباتات کے ماہرین کو بھی مفید معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔

رائے بیل: یہ یاسمن سے مشابہ ہوتا ہے اور اس میں ایک سے زیادہ تہیں ہوتی ہیں، پانچ پتوں کا پھول بہ کثرت پایا جاتا ہے، اس کی تہیں کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ ہر تہہ ایک پھول کے بہ جائے شمار کی جاسکتی ہے، اس کا پودا ایک گز بلند ہوتا ہے، پتیاں لیموں کی پتیوں سے مشابہ لیکن کسی قدر چھوٹی اور نرم ہوتی ہیں۔

مونگرا: رائے بیل سے مشابہ لیکن اس سے بڑا ہوتا ہے، اس کی پنکھڑیاں سو سے زیادہ ہوتی ہیں، رائے بیل سے کم خوشبودار ہوتا ہے لیکن اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے۔

چلتہ: بڑے لالے کی طرح ہوتا ہے، اس کے ایک پھول میں اٹھارہ پنکھڑیاں ہوتی ہیں، جن میں سے اوپر کی چھ پنکھڑیاں سبز، دوسری چھ کچھ سبز، کچھ سرخ، کچھ نیلی اور بقیہ چھ سفید ہوتی ہیں، پھول کا درمیانی حصہ سدابہار کے پھول سے مشابہ ہوتا ہے، شاخ سے توڑنے کے بعد پانچ چھ روز تک تر و تازہ رہتا ہے، خوشبو میں بنفشہ سے ملتا جلتا ہے، مرجھا جانے کے بعد پکا کر کھایا جاتا ہے، اس کا درخت انار کے درخت کا سا ہوتا ہے، پتیاں برگ لیمو سے مشابہت رکھتی ہیں، سات سال میں پھولتا ہے۔

تسبیح گلال: یہ بے حد خوشبودار ہوتا ہے، اس کی پنکھڑیاں خنجر سے مشابہ ہوتی ہیں، درخت دو گز لمبا ہوتا ہے اور چار سال کے بعد پھول دیتا ہے، اس سے تسبیح بناتے ہیں، شاخ سے ٹوٹنے کے بعد بھی

(۱) بابر نامہ اردو ترجمہ ص ۲۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہفتہ شاداب رہتا ہے۔

بھولسری: اس کا پھول یاسمین سے چھوٹا ہوتا ہے اور پنکھڑیاں کنگریدار ہوتی ہیں، خشک ہونے پر زیادہ خوشبو دیتا ہے، اس کا درخت چارمغز سے مشابہ ہوتا ہے اور دس سال میں پھولتا ہے۔

سنگار ہار: اس کی شکل لونگ کی ایسی ہوتی ہے، رنگ نارنجی ہوتا ہے، درخت انار کی طرح اور پتیاں برگ شفتالو سے مشابہ ہوتی ہیں، پانچ سال میں پھول دیتا ہے۔

کوزہ: یہ گلاب کی طرح معلوم ہوتا ہے، اس کا پھول صد برگی ہوتا ہے، درمیانی حصہ میں تخم کے سنہرے ریزے ہوتے ہیں، سے عبیر مایہ اور عرق گلاب کشید کرتے ہیں۔

پادل: اس میں پانچ یا چھ بڑی پنکھڑیاں ہوتی ہیں، پانی میں ڈالا جاتا ہے تو پانی خوش مزہ اور خوشبودار ہوتا ہے، اس کا درخت چارمغز سے مشابہ ہوتا ہے، بارہ سال میں پھول دیتا ہے۔

جوہی: اس کی پنکھڑیاں ریزہ دار ہوتی ہیں، اسکی بیل درخت میں لپٹ جاتی ہے اور تین سال میں پھولتی ہے۔

نواڑی: اس کا پھول رائے بیل کی طرح تہ بہتہ ہے لیکن اس کی پتیاں رائے بیل کی پتیوں سے بڑی ہوتی ہیں، اس میں ایک سال کے بعد پھول آنے لگتا ہے اور پھولوں سے اس کی پتیاں اور شاخیں ڈھک جاتی ہیں۔

کیوڑ بیل: یہ گل زعفران سے مشابہ ہوتا ہے، ابوالفضل کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ اکبر کے زمانہ میں باہر سے لاکر ہندوستان میں پھیلایا گیا۔

آفتابی: یہ پھول گول، کشادہ اور پر برگ ہوتا ہے، اس کا رخ ہمیشہ آفتاب کی سمت ہوتا رہتا ہے، اس کا پودا تین گز تک بلند ہوتا ہے۔

کنول: یہ پھول دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جو آفتاب کے روشن ہونے کے بعد پھولتا ہے، اس کا رخ آفتاب کی سمت رہتا ہے اور غروب آفتاب کے بعد بند ہو کر کلی کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے، یہ گل شقائق سے مشابہ ہے، اس کی سرخی بہت ہلکی ہوتی ہے اور اس کی پتیاں چھ سے کم نہیں ہوتیں، پھول کے اندر زرد ریشے ہوتے ہیں اور ان ریشوں کے بیچ میں تخم پیدا ہوتا ہے، کنول کی دوسری قسم کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھول چہار برگی ہوتا ہے جو چاندنی رات میں کھلتا ہے اور چاند کے گھومنے کے ساتھ ساتھ سمت بدلتا رہتا ہے لیکن یہ کھل کر پھر بند نہیں ہوتا۔

جعفری: یہ خوش نما پھول گول اور صد برگی ہوتا ہے، اس کے لمبے درخت کی دندانہ دار پتیاں برگ بید سے مشابہ ہوتی ہیں، درخت دو ماہ کے بعد پھولنے لگتا ہے۔

گڑھل: یہ گل لالہ کی طرح خوش نما ہوتا ہے، پتیاں برگ قوت سے مشابہ ہوتی ہیں، دو برس میں پھولتا ہے اور اس کا پودا دو گز یا اس سے زیادہ بلند ہوتا ہے۔

رتن منجنی: اس کا درخت اور اس کی پتیاں رائے بیل سے مشابہ ہوتی ہیں، دو سال میں پھول آنے لگتا ہے۔

کیسو: اس میں مختلف پنکھڑیاں ہوتی ہیں اور ہر پنکھڑی شیر کے ناخن کی طرح ہوتی ہے، پھول کے بیچ میں زرد ریشہ اور ایک تولیدی شاخچہ ہوتا ہے، جس کی شکل زبان کی سی ہوتی ہے، اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور اس قدر پھولتا ہے کہ پوری فضا کو آتشیں کر دیتا ہے۔

کدم: یہ شاہی ٹوپی کی شکل کا ہوتا ہے، درخت اور پتیاں چار مغز سے مشابہ ہوتی ہیں۔

ناگ کیسر: یہ ریشوں اور زروں سے معمور گل سرخ کی طرح نازک ہوتا ہے، درخت اور پتیاں چار مغز کے مانند ہوتی ہیں، سات سال میں پھولتا ہے۔

سر پن: اس کا پودا مہدی اور پتیاں برگ بید سے مشابہ ہوتی ہیں۔

سری کھنڈی: چنبیلی کی طرح لیکن اس سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے، درخت دو سال میں پھولتا ہے۔

حنا: گل نافرمان کی شکل کا ہوتا ہے، ہر پودے میں رنگ برنگ کے پھول کھلتے ہیں۔

دو پہریا: دو پہر کے وقت کھلتا ہے، اس کا پودا دو گز بلند ہوتا ہے۔

پھول چپا: نیلوفر سے مشابہ ہے، ان جگہوں پر زیادہ اگتا ہے جو زیادہ تر تہ آب ہوتی ہیں، کبھی کبھی یہ پانی کی سطح کے اوپر بھی نمودار ہوتا ہے، اس کا پھول پانی کے اوپر کھلتا ہے اور پودا ایک بالشت بلند ہوتا ہے۔

سورن: اس کا پودا سوسن کے درخت کا سا ہوتا ہے لیکن پھول رائے بیل سے مشابہ ہے، پھول کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر زرد ریشے ہوتے ہیں۔

سنبل: یہ پنج برگی ہوتا ہے اور ہر برگ کی لمبائی دس اور چوڑائی تین انگشت ہوتی ہے۔

رتن مالا: یہ گول اور چھوٹا ہوتا ہے اس کے عرق کو پکا کر گندھک کے تیزاب میں ملاتے ہیں تو سرخ رنگ پیدا ہو جاتا ہے، جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں، اس کے پھول اور جڑ کو مکھن اور روغن کنجد میں جوش دے کر ارغوانی رنگ تیار کرتے ہیں۔

سوسن زرد: یہ کچھ بڑا لیکن یاسمین کا سا ہوتا ہے، اس میں پانچ یا چھ پتیاں ہوتی ہیں، درخت چنبیلی سے مشابہ ہوتا ہے اور دو سال میں پھولتا ہے۔

مالتی: یہ چنبیلی سے مشابہ لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے، پھول کے اندر دانۂ خشخاش کی طرح ذرے ہوتے ہیں، دو سال میں پھولتا ہے۔

کریل: یہ سہ برگی ہوتا ہے، کثرت سے پھولتا ہے، آنکھوں کو تازگی بخشتا ہے، اس کو جوش دے کر پیتے بھی ہیں اور اس کا اچار بھی بناتے ہیں۔

جیت: اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے اور پتیاں املی کی پتیوں سے مشابہ ہوتی ہیں۔

چپلہ: اس کا پھول گلدستے کی طرح ہوتا ہے، اس کی پتیاں برگ چارمغز سے مشابہ ہوتی ہیں، اس کے درخت کی چھال کو پانی میں جوش دینے سے پانی کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے، یہ درخت زیادہ پہاڑی علاقے میں ہوتا ہے اور اس کی لکڑی شمع کی طرح جلتی ہے، دو سال میں پھولتا ہے۔

لاہی: اس کا پودا ڈیڑھ گز بلند ہوتا ہے، پھولنے سے پہلے اس کی شاخوں کو پیس کر برادے کی روٹیاں پکاتے ہیں، جن کو اونٹ کھا کر فربہ اور مست ہو جاتے ہیں۔

کرونده: یہ جوہی کی طرح ہوتا ہے۔

دھنستر: یہ نیلوفر کی طرح خوش نما ہوتا ہے، اس کے درخت میں بیلیں ہوتی ہیں۔

سرس: یہ ریشمی نخ کی طرح ریشہ دار اور شاہی ٹوپی سے مشابہ ہوتا ہے، پھول کی خوشبو بہت دور سے آتی ہے، ہندوستان میں یہ درختوں کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے، اس کی لکڑیاں بڑی بڑی عمارتوں میں کام آتی ہیں، اس کے تنے کے اندر ایک قسم کی سیاہ لکڑی نکلتی ہے جس پر تیشہ کارگر نہیں ہوتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنگلائی: اس کی ہر پتی چار انگل سے زیادہ لمبی ہوتی ہے، اس کا پھول بہت خوبصورت ہوتا ہے اور ہر شاخ پر صرف ایک ہی کھلتا ہے۔

سن: یہ گلدستہ کی طرح کھلتا ہے، اس کی قسم روئی کے پھول کی طرح ہوتی ہے، جس کو پٹ سن کہتے ہیں، اس کی رسیاں بے حد نرم ہوتی ہیں۔

آئین اکبری میں ان تمام پھولوں کی تصویریں بھی ہیں، ابوالفضل نے ان کا ذکر کرکے آخر میں لکھا ہے کہ ہندوستانی پھولوں کے علاوہ ایرانی اور تورانی پھول یعنی بنفشہ، یاسمین کبود، سوسن، ریحان، رعنا، زیبا، شقائق، تاج خردس، قلعہ، نافرمان اور خطمی وغیرہ بہ کثرت ہوتے ہیں، جابہ جا باغ اور چمن کثرت سے موجود ہیں، جن سے آنکھوں کو تراوت اور تازگی پہنچتی ہے، پہلے ہر باغ میں پھولوں کے نصب کرنے میں کچھ بے ترتیبی سی ہوتی تھی، جب حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ نے اس ملک کو عزت بخشی تو خیابان بندی اور طرح ادائی نمودار ہوئی، جن کو دیکھ کر اہل عالم حیرت زدہ ہوگئے۔"(۱)

جہاں گیر کا ذوق: جہاں گیر نے بھی اپنی تزک میں ہندوستانی پھولوں کا ذکر بہت ہی طرب انگیز طریقہ پر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے پھول اپنی شامہ نوازی اور دل آویزی میں دنیا کے تمام پھولوں سے بہتر ہیں، اس کے بعد وہ چمپا، کیوڑا، مولسری اور سیوتی وغیرہ کی قلمی تصویر کھینچتا ہے، وہ ڈھاک کے پھولوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان کو دیکھ کر ان سے نگاہیں ہٹانے کو جی نہیں چاہتا ہے۔

کشمیر کے پھول: وہ کشمیر جنت نظیر گیا تو اس کی رعنائی، دل آویزی اور دل کشی دیکھ کر مست ہوگیا اور اس کا قلم بھی رقص کرنے لگا، چنانچہ اسی "سدا بہار باغ" اور عشرت افزا گلشن کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہاں اتنے چشمے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، جدھر نظر اٹھتی ہے، سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے، ہر جگہ آب رواں ہے، گل سرخ، بنفشہ اور نرگس خود سے اگتے ہیں، میدانوں میں طرح

---

(۱) آئین اکبری نول کشور پریس جلد اول ص ۶۷، ۵۵، نیز دیکھئے، اس کا اردو ترجمہ شائع کردہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، جلد اول ص ۱۶۷، ۱۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح کے پھول دکھائی دیتے ہیں اور خوشبودار بوٹیوں کی تو کوئی حد نہیں۔ (تزک جہاں گیری ص ۳۰۴،۳۰۳) پھولوں ہی کی وجہ سے فارسی مورخین کشمیر کو روکش گلزار افلاک ابروئے عالم خاک اور جاوید بہار لکھتے ہیں، فارسی کے مشہور شاعر عرفی اور قدسی دونوں نے شاعرانہ انداز میں لکھا ہے کہ کشمیر کی ہوا اور مٹی میں یہ اثر ہے کہ یہاں پھول بہ کثرت پیدا ہوتے رہتے ہیں، عرفی کہتا ہے:

وآنکہ بہ چنیں فصل کہ در ساخت گلزار — از لطف ہوا چاشت نسیم سحر آید
نہ شگفتہ گل اما بمثل بر رگ شاخ — گر پائے نہم خونِ گلم تا کمر آید

قدسی نے کہا ہے۔

ز فیض ابری روید دریں کاخ — ز تار شمع گل پیش از رگِ شاخ
کند گل بر سرِ دیوار ریشہ — شود فولاد سبز از آب تیشہ
نگارے بر ورق گر صورت خار — زتاثیر ہوا گل آورد بار
گر افتد از کف ساقی پیالہ — دو اندر ریشہ در گل ہمچو لالہ

جہاں گیر نے اپنی تزک میں کشمیر کے پھولوں میں لالہ کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہار میں پہاڑوں، میدانوں، دیواروں، صحنوں اور کوٹھوں پر لالہ مشعل کی طرح بزم افروز رہتا ہے، پھر وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ عام طور سے شگوفوں کے آنے کا وقت اسفندیار یعنی فروری میں ہوتا ہے لیکن کشمیر میں فروردین یعنی مارچ میں آیا کرتا ہے، کشمیر میں عمارتیں زیادہ تر لکڑی کی ہیں، جو دو دو تین تین اور چار چار منزلوں کی ہوتی ہیں، کوٹھوں پر مٹی ہوتی ہے، جہاں لالۂ چوغاشی موسم بہار میں بہت ہی خوش نما معلوم ہوتا ہے، باغوں اور مسجدوں میں بھی اس کی بہار خوب دکھائی دیتی ہے اور لالہ کا ایسا خوش نما منظر کشمیر کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا، عرفی نے یہاں کے لالہ کے جوش نمو کی تعریف کرتے ہوئے شاعرانہ انداز میں لکھا ہے کہ سخت پتھر پر تیشہ کی ضرب پڑتی ہے تو اس سے بھی لالہ ہی نمودار ہوتا ہے۔

آں لالہ کہ ہنگام تراشیدن خارا — از رخنۂ سنگ ودہن تیشہ بر آید

جہاں گیر کو کشمیر میں چنبیلی کی بہت سی قسمیں دکھائی دیں، لکھتا ہے کہ نیلے رنگ کی چنبیلی کشمیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بہت ہوتی ہے، سفید چنبیلی میں خوشبو زیادہ ہوتی ہے، صندلی رنگ کی چنبیلی کشمیر کی خاص چیز ہے، اس میں بھی خوشبو بہت ہوتی ہے، جہاں گیر نے کشمیر میں گلاب کی بھی کئی قسمیں دیکھی تھیں لیکن صرف اس میں بھی خوشبو بہت ہوتی ہے، جہاں گیر نے کشمیر میں گلاب کی بھی کئی قسمیں دیکھی تھیں لیکن صرف دو ہی کی تفصیل بیان کی ہے، ایک کا رنگ بالکل سرخ بتایا ہے جو بہت خوشبودار ہوتا ہے، دوسرے کا رنگ صندلی لکھا ہے اور اس کی لطافت اور نزاکت کی تعریف کی ہے، سوسن کی بھی دو قسمیں لکھی ہیں، ایک تو باغ میں اگتا ہے اور دوسرا صحرائی ہوتا ہے، جس میں رنگینی تو کم لیکن خوشبو زیادہ ہوتی ہے، باغ میں اگنے والے سوسن کا رنگ سبز ہوتا ہے، گل جعفری کا ذکر کرتے ہوئے جہاں گیر لکھتا ہے کہ بڑا بھی ہوتا ہے اور خوشبودار بھی، اس کا تنا آدمی کے قد سے بھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی اس میں کیڑے بھی پڑ جاتے ہیں، جہاں گیر کو کشمیر کے پھولوں میں بادام اور شفتالو کے پھول بہترین معلوم ہوتے تھے، وہ لکھتا ہے کہ کشمیر میں اتنے پھول ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، جب اس نے اپنے عہد کے ممتاز مصور نادر العصر منصور کو ان کو تصویر بنانے کو کہا تو وہ سو سے زیادہ پھولوں کی تصویریں نہ بنا سکا۔(۱)

جہاں گیری عہد کے مؤرخ معتمد خاں بخشی نے اقبال نامۂ جہاں گیری میں پونچھ کی گھاٹی کے ایک تالاب میں ایک عجیب وغریب پھول دیکھا تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ یہاں ایک عجیب پھول نظر آیا، جو اب تک دیکھا نہ گیا تھا، تین رنگوں کا شاخ دار پھول ہے، ایک رنگ بہت ہی سرخ گل انار کی طرح ہے، دوسرا رنگ گل شفتالو کی طرح ہے، تیسرا ابلق سیرونیم سیونیم سیر؟ ہے، ہندوستان کے پھول گڑہل کی طرح معلوم ہوتا ہے لیکن گڑہل سے بڑا ہوتا ہے، نزدیک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خطمی کے چھوٹے اور بڑے پھولوں کا ایک گلدستہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے، خوش رنگی اور نظر فریبی میں بے نظیر ہے، اس کا درخت توت اور امرود کے درختوں کی طرح بڑا ہوتا ہے لیکن پتہ کی مشابہت بید مشک کے پتہ سے ہے، بید مشک کے پتہ میں تیز نوک ہوتی ہے لیکن اس کا پتہ چوڑا ہوتا ہے، پھول اتنا بڑا ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھوں میں بھی نہیں سماتا، اس کا

(۱) تزک جہاں گیری، نول کشور پریس، ص ۹۹، ۲۹۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درخت سر سے پاؤں تک پھولوں سے لدا رہتا ہے، اس کو اہل کشمیر کلر پوش کہتے ہیں، پکلی اور دھمتور میں بوہ بہلول کہلاتا ہے، یہ صرف انہی پہاڑوں پر ہوتا ہے، جہاں برف سات آٹھ دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتی۔(۱)

شاہ جہانی عہد میں ظفر خاں کشمیر کا گورنر رہا، وہ اپنے عہد کا ممتاز شاعر بھی تھا، کشمیر کے پھولوں کا ذکر ایک نظم میں کیا ہے، یہاں کے کیوڑے کے متعلق لکھتا ہے کہ اس میں خوشبو ایسی لپٹی رہتی ہے جیسے ساز میں نغمہ رہتا ہے۔

زگل ہا کیوڑہ گردید ممتاز　　　درو پیچیدہ بو چو نغمہ در ساز

کچنار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب یہ پھولتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی ہوئی ہے۔

شگفتہ آں چناں گلہائے کچنار　　　کہ گوئی آتش افتادہ بہ گلزار

قدسی نے کشمیر کے پھولوں کی کثرت سے متاثر ہو کر کہا ہے:

جز آں گلہا کہ مشہور جہاں ست　　　گل ایں جا بوستاں در بوستاں ست

ابوالفضل اور جہاں گیر دونوں نے زعفران کا شمار پھولوں ہی میں کیا ہے، ابوالفضل نے آئین اکبری (جلد اول آئین ۳۱) میں اس کی پوری تفصیل درج کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ اردی بہشت میں اس کا بیج بویا جاتا ہے، بارش کے پانی سے اس کی پرورش ہوتی ہے، اس کا بیج پیاز اور لہسن کی گٹھن کی طرح ہوتا ہے، پھول ڈنٹھل پر نمودار ہوتا ہے، جس میں چھ پتیاں اور چھ بڑے ریشے ہوتے ہیں، ان چھ پتیوں میں تین پتیاں بہت شاداب ہوتی ہیں، ان کا رنگ بنفشی ہوتا ہے، ان ہی بنفشی رنگ کی پتیوں میں تین اور پتیاں ہوتی ہیں، ان کے ریشے زرد ہوتے ہیں، جن کی آغوش میں تین اور ریشے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں، ان ہی ریشوں کو زعفران کہتے ہیں، زعفران کا پودا چھ سال تک پھول دیتا ہے، بشرطیکہ اس کی آبپاشی برابر ہوتی رہے، پہلے دو سال پھول کم آتے ہیں لیکن تیسرے سال بہت پھولنے لگتا ہے، چھ سال گزرنے کے بعد اگر گٹھی کو زمین سے نہ نکالیں تو سڑ

---

(۱) اقبال نامۂ جہاں گیری ص ۴۲، ۲۴۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے، اس لیے ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ اس کو لگاتے ہیں اور اس زمین کو پانچ سال تک غیر مرزوعہ چھوڑ دیتے ہیں۔

زعفران سب سے زیادہ کشمیر میں ہوتا، جہاں گیر اور ابوالفضل دونوں نے لکھا ہے کہ کشمیر کے موضع پانپور میں دس دس کوس تک اس کی کھیتی ہوتی ہے اور جدھر نظر اٹھاؤ، زعفران ہی زعفران نظر آتا ہے، اس کی خوشبو اتنی تیز ہوتی ہے کہ سر میں درد ہو جاتا ہے لیکن کشمیریوں کو اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔(۱)

شاہ جہانی دور میں دارا شکوہ کے پیر ملا محمد شاہ نے اپنی مثنوی نسبت (۱۰۵۵ھ) میں بہت سے ایسے پھولوں کے نام لیے ہیں، جن کا ذکر اور نہیں آیا ہے، مثلاً گل سنجد، گل انگور، گل خریفی، گل تاج خروس، قلغی، گل مخملی، گل عباسی، نازبو، گل آفتاب پرست، گل دیوراج وغیرہ۔ عالم گیری عہد کے مورخ سبحان رائے کھتری نے خلاصۃ التواریخ میں لکھا ہے:

"گونا گوں گلہائے بویا ورنگارنگ شقایق مطرا از گل سرخ کہ آں را گلاب گویند ویا سمن وسمن ونرگس وسوسن ولالہ وزنبق وبنفشہ وریحان ونسرین ورعنا ونافرمان وتاج خروس و قلعہ عباسی وخطمی وصد برگ داؤدی، وارغوان ذلک انچہ در ایران وتوران وولایت دیگری باشد دریں ملک اند"۔

پھر وہ لکھتا ہے:

"اما بفضل گلہا کہ مخصوص ہندوستان است از اندازۂ شرح و بیان افزوں اند، اگر چہ سیوتی وچنبہ وموگرا، وچلتہ وکوزہ و بھولسری نہ کرن پھول، وکرنہ وبتاؤ سنگار، جوہی و نواری وکیوڑ بیل وگل زعفران وآفتابی وکنول وجعفری درتن مالا وگڈیل وکرونده وسرن وسن و دوپہریا ودیگر گونا گوں ہر یک از بوئے جوش ورنگ ودلکش نکہت بخش، مشام تمام ارباب مجلس نکہت می پزیرد، وتمام خانہ بلکہ حوالی آں معطر می شود وبوئے آں بزودی زائل نمی گردد، دور ایران وتوران وآن اکناف پیدا نیاید۔"

---

(۱) آئین اکبری جلد اول، آئین، ۱۳۱، وتزک جہاں گیری نول کشور پریس ص ۳۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارسی کے شعرا اپنی شاعری میں عام طور سے ہندوستانی پھولوں کا ذکر کرتے تھے، مثلاً شیخ محمد محسن فانی کشمیری نے شاہ جہاں کی شان میں ایک قصیدہ پیش کیا تھا تو اس میں کہتے ہیں:

چنپہ می گیرد چو نرگس دست گلچیں را بزر — لالہ می بند و حنا چو گل بپائے باغباں
گل ز شبنم ہار چنبیلی بگردن افگند — تا تواند شد حریف شاہد ہندوستاں
باغ و صحرا سبز شد از فیضِ ابر نو بہار — شد ہمہ صحنِ زمین ہم رنگ بام آسمان
چشم نرگس از سواد ہند روشن می شود — در گلستاں لالہ را از سرمہ پر شد سرمہ داں
گرچہ گلہا ہم غزلہا خواندہ در وصف بہار — لیک بنود در چمن چو سبزہ کس رطب اللساں
بسکہ سوسن می کند بادو زباں وصف چمن — دور نبود گر ز حیرت غنچہ را واشد دہاں
تالب جو سبز شد از فیض ابر نو بہار — جدول زنگار دارد صفحۂ آب رواں

سیم و زر را دام گیرد ز چنبیلی و بیل
نرگس از بہر نثار ثانی صاحب قراں

پھولوں کے باغات: اور یہاں پر یہ تفصیل سے لکھنے کی گنجائش نہیں کہ چوں کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کو پھولوں سے بڑی دلچسپی رہی، اس لیے انہوں نے نہ صرف اپنے محلوں میں بلکہ ہندوستان کے ہر حصہ میں پھولوں کی چمن آرائی کی، محلات کے ذکر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمایوں کے عہد میں شاہی باغبانوں نے جمنا میں کشتیوں پر باغ لگا کر رکھتے، آگرہ کے قلعہ میں انگوری باغ میں طرح طرح کے پھول تھے، فتح پور سیکری کے محل میں مریم کے چمن میں ہر رنگ کے پھول عطر پاشی کرتے تھے، دہلی کے لال قلعہ میں باغ حیات بخش پھولوں سے نگار خانہ چین معلوم ہوتا تھا، اس کا بھی ذکر اوپر آیا ہے کہ بابر نے پھولوں کے لیے خیاباں بندی اور طرح ادائی کر کے باغبانی کو ایک مستقل فن بنا دیا، جس کو اس کے جانشینوں نے اور بھی زیادہ فروغ دیا اور انگریزوں نے بھی اپنی حکومت کے زمانہ میں اس کو تسلیم کیا کہ مغل بادشاہوں نے پھولوں کے باغات لگانے میں جس خوش مذاقی کا ثبوت دیا وہ خود انگریز نہ دے سکے، اسی لیے وہ اپنے لگائے ہوئے پھولوں کے حسین اور خوبصورت باغ کو مغل گارڈن کہہ کر تسکین دے لیا کرتے تھے، بابر کو کبھی چین نصیب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوا لیکن وہ میدان جنگ میں نہ ہوتا اور اس کو تھوڑا سا بھی سکون حاصل ہوتا تو باغات لگانے میں مشغول ہو جاتا، وہ اچھے باغ میں آ کر بیٹھ جاتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں منتقل ہو گیا، اس لیے کابل اور ہندوستان میں باغ وفا، چار باغ، باغ گل افشاں، آرام باغ، بہشت باغ، نیلوفر باغ وغیرہ کے نام سے بہت سے باغات لگائے، ابراہیم لودی پر فتح پانے کے بعد اس کی حکومت آگرہ میں قائم ہوئی تو لکھتا ہے:

''بہت دن سے دل میں تھا کہ جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں خرچ لگا کر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے، آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لیے جمنا کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کئے، پہلے ایک بڑا کنواں جس سے حمام میں پانی لیا جائے، بنوایا، پھر وہ قطعہ زمین جہاں املی کا درخت اور مثمن حوض ہے، درست کرایا، اس کے بعد بڑا حوض اور اس کی پٹری بنی، پھر بارہ دری کے آگے جو حوض ہے، وہ بارہ دری بنائی گئی، یہ بن چکے تو حکومت خانہ کا باغیچہ اور اس کے مکان بنے، پھر حمام غرض ہندوستانی وضع کے خوبصورت باغ اور عمارتیں تیار ہو گئیں، ہر ٹکڑے میں معقول چمن بن گیا، ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے گئے، اس کے علاوہ خلیفہ شیخ زین الدین یونس علی نے دریا کے کنارے پر خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے۔ (ص ۲۹۶)

اس نے دھولپور میں بھی باغ نیلوفر کے نام سے باغ لگایا، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اتوار کے دن تیسرے پہر باغ مذکور میں داخل ہوا، باغ کے گرد امرا اور مصاحبین کے مکانات بنانے کے لیے مقامات تجویز کئے اور حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مکانات بنوائیں اور باغ لگوائیں، جمعرات کے دن تیسری جمادی الاول کو باغ کے جنوب مشرق میں حمام بنانے کے لیے جگہ تجویز کی، مزدوروں نے فی الفور اس قطعہ کو صاف اور ہموار کر دیا، میں نے حکم دیا کہ پہلے اس جگہ کرسی دی جائے، پھر حمام بنایا جائے، اس حمام کے ایک کمرہ میں دہ در اور حوض تیار ہوں۔'' (ص ۳۴۲)

بابر کے جانشینوں نے آگرہ، فتح پور سیکری، دہلی، لاہور، الہ آباد اور دوسرے شہروں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑے خوبصورت چمن لگائے، جس پر ایک مستقل باب لکھنے کی ضرورت ہے لیکن آگے چل کر کشمیر اور لاہور کے شالا مار باغات کے ذکر سے انداز ہوگا کہ مغل بادشاہوں نے باغات لگانے کے فن کو کس کمال تک پہنچا دیا تھا اور وہ باغات کو جنت ارضی بنا دینا چاہتے تھے، شعرا ان باغات کے پھولوں کو دیکھ کر مست ہو جاتے، مثلاً شاہ جہانی دور کے ملک الشعرا ابو طالب کلیم آگرہ کے شاہی باغ کے پھولوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مگو نرگس بخوبی چشم باغست — کہ گر چشم ست او چنپہ چراغست
چہ چنپہ شعلہ شمعیست بے دود — کہ آتش می زند در خرمن عود
بصورت چوں گل خورشید زر دست — و لے گل، راز خجلت سرخ کردست
زموز و نان نظر دریوزہ دارم — کہ وصف بولسری را می نگارم
نہالش بس کہ افتادست موزوں — کجی را بردہ است از ریشہ بیروں
نہال بولسری درد در لالہ — چنا رہ دار می گردد پیالہ
زبوئے خویش چنداں می شود مست — کہ افتد ہر دمش پیمانہ از دست
بہم تاج خروس و جعفری یار — نشستہ باہم اندر بزم گلزار
چناں باہم بسر یارانہ بردند — کہ آبے بے رضائے ہم نخوردند
گل گڈ مل نہ فہمیدست موسم — شگفتہ چوں رخ یارست دایم
برائے شاہدانِ ایں گلستاں — بدست کیورہ ہیں بیرۂ پاں

ان پھولوں سے دربار اور محل کی بھی زینت و آرائش کی جاتی، دربار کی رونق گلدستوں اور دستنبو سے بڑھ جاتی محل کے کمروں کو پھولوں سے سجایا جاتا، پہلے ذکر آیا ہے کہ نور جہاں کی خلوت اور اس کے کمروں کے در و دیوار ہر روز نئے نئے خوش رنگ اور خوشبودار پھولوں سے آراستہ کئے جاتے اور دروازوں پر پھولوں کے پردے لٹکتے رہتے، دیواروں پر پھول اس طرح سجائے جاتے کہ انہی دیواروں میں سے نکلے معلوم ہوتے، شادی بیاہ میں دولہن پھولوں کے انبار سے لدی رہتی، دولہا پر پھولوں کی بارش ہوتی، دلہا دلہن کے لیے سہرے بنائے جاتے، غالب در ذوق نے لال قلعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی میں جا کر یہ کہا تھا:

غالب:

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز ☆ چاہئے پھولوں کا ایک مکرر سہرا

ذوق:

پھرتی خوشبو سے ہے اتراتی ہوئی باد بہار ☆ اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

پھولوں کے ہار اور گجرے پہننے کا بھی عام رواج تھا، ان سے زیورات بھی بنائے جاتے، جن کے تیار کرنے میں مالی اور مالنیں طرح طرح کی صناعی کرتیں اور جب ان کو بیگمات پہنتیں تو دیکھنے والے زبانِ حال سے کہتے:

پھولوں کا زیور آج کھلا ان پر اس قدر ☆ تصویر بن گئے ہیں عروس بہار کی

ان پھولوں سے مقبروں کی بھی زینت و آرائش کی جاتی، اکبر (سکندرہ) جہاں گیر (لاہور) اعتماد الدولہ کے مقبروں اور تاج محل میں صرف سرد، شمشاد، صنوبر، چنار اور سفیدار کی قطاریں لگائی گئیں، بلکہ ان کی روشوں اور کیاریوں میں طرح طرح کے پھول لگا کر ان کو جنت نگاہ بھی بنایا گیا، جس سے یہ عبرت کدے عشرت کدے بن گئے اور پھر معلوم نہیں یہ پھول کتنے شاعروں کے خیالات کو رنگینیوں، جذبات کو نیرنگیوں اور احساسات کو رعنائیوں سے معمور کر کے ان کی شاعری میں سوز و غم اور اندوہ و مسرت کے ساتھ کیف و نشاط اور سرور انبساط کی کیفیت پیدا کرتے رہے اور معلوم نہیں کتنے اہل دل نے ان ہی سے فنا و بقا، جلال و جمال اور جنون و تمکین کا درس بھی لیا۔

☆☆☆

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خور و نوش

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں اور ان کے امرا کا کھانے کا ذوق بہت اعلا اور لطیف رہا۔ اس لیے ان کے دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوتے، سلاطین دہلی کے عہد کی کوئی ایسی کتاب نہیں ملی جس میں اس عہد کے کھانے کی پوری تفصیل معلوم ہوتی لیکن اس دور کی کتابوں میں جو اجمالی ذکر ملتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کھانوں میں غیر معمولی تنوع ان کے زمانے ہی سے شروع ہو گیا تھا، شاہی دعوتوں کی جو تفصیل آگے آئے گی اس سے ظاہر ہوگا کہ ایک دستر خوان پر ایک ہزار سے زیادہ اقسام کے کھانے ہوتے، پلاؤ کی کئی قسمیں ہوتیں، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے گوشت ہوتے، پرندوں کے کباب بھی بنائے جاتے، شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے جاتے۔

رفتہ رفتہ ترکستانی، ایرانی اور ہندوستانی ذوق کی آمیزش سے طرح طرح کے کھانوں کی ایجاد ہوتی رہی، اکبر، جہاں گیر اور شاہ جہاں کے دستر خوان پر کھانوں کی بے شمار قسمیں ہونے لگیں، ان ہی کی تقلید میں امرا بھی دستر خوان اسی شان سے سجاتے، کھانوں کے اس غیر معمولی شوق کی وجہ سے ہندوستانی کھانوں میں بڑی رنگا رنگی پیدا ہوتی رہی، جس کو ہم علاحدہ علاحدہ عنوانات کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں:

چاول کی مختلف چیزیں: ہندوستان کی عام اور اصل غذا چاول ہے، عام طور سے یہ ابال کر پکایا جاتا ہے، جس کو بھات کہتے ہیں، یا کبھی اس میں دال ملا کر کھچڑی پکائی جاتی ہے، یا دودھ اور قند ملا کر تیار کرتے ہیں اور دودھ کے بغیر جو پکاتے ہیں وہ بکھیر کہلاتی ہے، مسلمانوں نے چاول پکانے میں طرح طرح کی جدتیں پیدا کیں، شاہی دستر خوان پر میٹھے اور نمکین چاول کے ستر ستر اقسام ہوتے، ان کی بعض قسموں کے نام آئین اکبری (جلد اول ص ۳۵) میں یہ ہیں:

(۱) **خشکہ:** اس میں چاول کے ساتھ نمک بھی ملا دیتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) **قبولی:** گوشت چاول، چنے کی دال، گھی، پیاز، ادرک، دارچینی، کالی مرچ، زیرہ، الائچی اور مونگ ملا کر تیار کی جاتی۔

(۳) **دزدبریاں:** یہ چاول اور گوشت ملا کر پکایا جاتا لیکن اس میں زیادہ سے زیادہ گھی دیا جاتا، جو ضروری مسالوں میں بالکل پیوست ہو جاتا۔

(۴) **قیمہ پلاؤ:** چاول میں قیمہ ڈالتے اور چنے کی دال بھی ملا دیتے، مسالے میں پیاز، ادرک اور کالی مرچ وغیرہ بھی دیتے۔

(۵) **شُلّہ:** اس میں اگر ساڑھے تین سیر چاول ہوتا تو دس سیر گوشت ملایا جاتا اور دو سیر گھی اور ضروری مسالے ہوتے۔

(۶) **قیمہ شلہ:** اس میں اگر دس سیر قیمہ ہوتا تو ایک سیر چاول اور آدھ سیر چنے کی دال ہوتی۔

مغل بادشاہوں کے آخری دور میں پلاؤ کی بہت سی قسمیں ہوگئی تھیں، مثلاً:

(۷) **ایرانی پلاؤ:** اس میں سیر بھر چاول کے ساتھ چھ عدد انڈے، خوبانی، بادام، پستہ، کشمش، دہی اور دودھ دیا جاتا۔

(۸) **کوکو پلاؤ:** یہ دو سیر گوشت، ایک سیر چاول، پاؤ بھر دودھ، آدھ پاؤ بالائی اور آدھی چھٹانک کوکو دے کر پکاتے۔

(۹) **کوکو قیمہ پلاؤ:** اس میں گوشت کے بجائے قیمہ دیتے لیکن آدھی چھٹانک گوشت کی یخنی بھی دی جاتی، یہ دیگچی کا منہ آٹے سے بند کر کے پکایا جاتا۔

(۱۰) **کوکو قورمہ پلاؤ:** اس میں جو گوشت ڈالا جاتا اس میں شوربا بھی ہوتا۔

(۱۱) **موتی پلاؤ:** عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب گذشتہ لکھنؤ میں اس کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ اس چاول کے ساتھ آب دار موتی ہوتے، موتیوں کے تیار کرنے کی ترکیب یہ تھی کہ تولہ بھر چاندی اور ماشہ بھر سونے کے ورق انڈے کی زردی میں خوب حل کر دیے جاتے اور اس محلول مرکب کو مرغ کے نرخرے میں بھر کے نرخرہ کے ہر ہر جوڑ پر باریک دھاگے کس کے باندھ دیے جاتے اور اس کو تھوڑا سا جوش دے کر چاقو سے نرخرے کی کھال چاک کر دی جاتی، جس سے سڈول آب دار موتی نکل آتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو پلاؤ میں گوشت کے ساتھ دم کر دیے جاتے، بعض رکاب دار پنیر کے موتی بناتے اور اس پر چاندی کا ورق چڑھا دیتے۔

(۱۲) **پلاؤ انار دانہ:** اس میں ہر چاول آدھا تو یاقوت کی طرح سرخ اور جلا دار ہوتا اور آدھا سفید، مگر اس میں شیشے کی سی چمک ہوتی، جب دستر خوان پر لگایا جاتا تو معلوم ہوتا کہ پلیٹ میں ابلق رنگ کے جواہرات رکھے ہوئے ہیں۔

(۱۳) **نورتن پلاؤ:** اس میں نورتن کے مشہور جواہرات کی طرح نو رنگ کے چاول ملا دیے جاتے اور مختلف جواہرات کے رنگ کی آب و تاب بڑی نفاست اور لطافت سے قائم رکھی جاتی۔

(۱۴) واجد علی شاہ کی خاص محل صاحبہ کے لیے ایک قسم کا پلاؤ ایسا بھی پکتا، جس میں ۳۴ سیر گوشت کی یخنی تیار کر کے مقطر کر لی جاتی، اس میں چاول دم کیے جاتے اور جب پک کر تیار ہوتے تو کھاتے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ سب چاول خود ہی حلق سے اتر رہے ہیں اور کھانے کے بعد کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی۔

(۱۵) بعض رکاب دار گوشت کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں بناتے اور ان کو اس احتیاط سے پکاتے کہ ان کی صورتیں بگڑنے نہیں پاتیں اور ان کو پلاؤ میں چھوڑ دیتے، پھر قابوں میں اس طرح سجاتے کہ معلوم ہوتا کہ پلیٹ میں بیٹھی دانے چگ رہی ہیں۔

(۱۶) عبدالحلیم شرر ہی کا بیان ہے کہ لکھنؤ کے ایک حکیم صاحب کے یہاں ایک قسم کا پلاؤ ایسا پکتا جو صرف دو تین لقمے کھائے جاتے، ایک بار انہوں نے ایک پہلوان کو مدعو کیا، جو صبح کو بیس سیر دودھ پیتا اور تین سیر بادام اور پستہ کھاتا، کھانے میں ڈھائی سیر آٹے کی روٹیاں اور پورے ایک بکرے کا گوشت کھا جاتا تھا، حکیم صاحب نے اس کو ایک طشتری میں پلاؤ کھلایا جس کو کھانے کے بعد وہ کچھ اور نہ کھا سکا، دوسرے دن آیا تو حکیم صاحب سے کہنے لگا کہ مجھ کو زندگی بھر ایسی توانائی اور چوچالی نصیب نہیں ہوئی تھی، جیسی کہ کل سے آج تک رہی۔

(۱۷) عبدالحلیم شرر نے یہ بھی لکھا ہے کہ نواب شجاع الدولہ کے سالے نواب سالار جنگ کا ایک باورچی تھا جو صرف ان کے لیے کھانا پکاتا اور بارہ سو روپیہ ماہوار پاتا تھا، وہ ایسا بھاری پلاؤ پکاتا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواب سالار جنگ کے سوا کوئی اور ہضم نہ کرسکتا تھا، ایک روز نواب شجاع الدولہ نے ان سے کہا کہ تم نے مجھ کو کبھی وہ پلاؤ نہیں کھلایا، جو خاص اپنے لیے پکوایا کرتے ہو، نواب سالار جنگ نے ان سے وعدہ تو کرلیا لیکن جب اپنے باورچی کو پلاؤ زیادہ پکانے کے لیے حکم دیا تو اس نے کہا کہ میں تو صرف آپ کے خاصے کے لیے نوکر ہوں، کسی اور کے لیے نہیں پکا سکتا، نواب سالار جنگ نے اس کو راضی کیا تو اس نے کہا ''بہتر، مگر شرط یہ ہے کہ حضور خود لے جا کر اپنے سامنے کھلائیں اور چند لقموں سے زیادہ نہ کھانے دیں اور احتیاطاً آب دار خانے کا انتظام بھی کر کے اپنے ساتھ لیتے جائیں، پلاؤ تیار ہوا تو اس کو سالار جنگ خود لے کر پہنچے اور دستر خوان پر پیش کیا، نواب شجاع الدولہ نے کھاتے ہی بہت تعریف کی اور بڑی رغبت سے کھانے لگے، مگر دو چار لقمے کے بعد ہی نواب سالار جنگ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، نواب شجاع الدولہ نے کہا کہ ان چار لقموں سے کیا ہوتا ہے اور یہ کہہ کر زبردستی دو ایک لقمے اور کھا گئے لیکن کھانے کے بعد ان کو اتنی پیاس معلوم ہوئی کہ جتنا زیادہ پانی پیتے اور شدت بڑھتی جاتی، نواب سالار جنگ اپنے آب دار خانے سے پانی منگوا کر پلاتے رہے اور بڑی مشکل سے ان کی پیاس ختم ہوئی۔

(۱۸) **نرگسی پلاؤ:** اس میں انڈے کی یخنی دی جاتی ہے۔

(۱۹) **مرغ پلاؤ:** یہ مختلف طریقوں سے پکایا جاتا ہے، کبھی تو اس کے گوشت کی یخنی دے کر پکاتے ہیں، کبھی مرغ کے پیٹ کو آلائش سے پاک کر کے اور اس میں قیمہ، ادرک اور کشمش بھر کر اس کو اچھی طرح گھی، دہی اور لہسن میں بھون لیتے ہیں اور چاول کو دم دے کر اس کو اس میں چھوڑ دیتے ہیں۔

(۲۰) **سہ رنگا پلاؤ:** پلاؤ میں زعفران، شنجرف اور سبز رنگ دے کر اس کو سہ رنگا بناتے ہیں، عبدالحلیم شرر نے نور پلاؤ، چنبیلی پلاؤ اور گل زار پلاؤ کے نام لیے ہیں لیکن ان کی نوعیت معلوم نہ ہوسکی، نور پلاؤ شاید نور جہاں کی ایجاد تھی۔

حسب ذیل پلاؤ کی نوعیت ان کے ناموں سے ظاہر ہوگی۔

(۲۱) کوفتہ پلاؤ، (۲۲) انگوری پلاؤ، (۲۳) نارنج پلاؤ، (۲۴) فالسئی پلاؤ، (۲۵) خرمہ پلاؤ، (۲۶) مٹر پلاؤ (۲۷) بونٹ پلاؤ (۲۸) گری پلاؤ (۲۹) قیمہ پلاؤ (۳۰) مچھلی کا پلاؤ (۳۱) کیلے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پلاؤ (۳۲) قورمہ پلاؤ (۳۳) مسور کا پلاؤ (۳۴) گیہوں کا پلاؤ (گیہوں کے دلئے چاول اور گوشت کی یخنی سے تیار ہوتا) (۳۵) آم کا پلاؤ (۳۶) اناس کا پلاؤ (۳۷) کبابی مرغ پلاؤ (۳۸) بریانی، بریانی اور پلاؤ دونوں قریب قریب ایک ہی چیز ہیں لیکن بریانی میں مسالے کی زیادتی سے سالن ملے ہوئے چاولوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے، پلاؤ میں نسبۃً مسالہ کم ہوتا ہے (۳۹) تہری، چاول کے ساتھ کبھی آلو اور کبھی لوکی دے کر پکاتے ہیں، جس میں ہلدی کا رنگ تیز ہوتا ہے (۴۰) بھونی کھچڑی، یہ کھچڑی اور پلاؤ کی درمیانی چیز ہے (۴۱) کھچڑا، چاول اور چنے کی دال ملا کر پکاتے ہیں۔

میٹھے چاول کی حسب ذیل قسمیں تیار ہوتی رہیں:

(۱) **زردہ:** اسے ابوالفضل نے آئین اکبری (جلد اول ص ۳۵) میں زرد برنج لکھا ہے، اس کی تحریر کے مطابق اگر اس میں دس سیر چاول ہوتا تو پانچ سیر قند، تین سیر گھی، آدھ سیر کشمش، آدھ سیر بادام، پستہ پاؤ بھر نمک ڈیڑھ دام زعفران اور ڈھائی مثقال دارچینی دی جاتی، زردہ مختلف چیزوں سے بھی بنایا جاتا، مثلاً شکر قند کا زردہ، انڈوں کا زردہ، کھوئے کا زردہ، گاجر کا زردہ، نکتی کا زردہ، اناس کا زردہ۔

(۲) **مزعفر:** بھی میٹھے چاول کو کہتے ہیں، زردہ سے اس کی تفریق اس طرح کی جاتی ہے کہ زردہ کو زرد رنگ دے کر رنگین بنایا جاتا ہے لیکن مزعفر کو زعفران ڈال کر رنگین اور خوشبودار کیا جاتا، میوہ دار مزعفر میں کشمش، پستہ، چھوہارہ اور چرونجی وغیرہ بھی دی جاتی ہے۔

(۳) **سپیدہ:** یہ بھی میٹھا چاول ہوتا ہے، لیکن اس میں زعفران یا زرد رنگ نہیں دیا جاتا ہے، بلکہ اس کو سپید ہی رکھا جاتا ہے، یہ عموماً چاول اور شکر ہی سے تیار کیا جاتا ہے لیکن بعض رکاب دار پیڑوں اور برفیوں کے بھی سپیدے تیار کرتے ہیں۔

(۴) **متنجن:** میٹھے چاول میں گوشت ڈال کر پکایا جاتا ہے، اس کو لذیذ بنانے کے لیے اس میں زعفران، بادام، کشمش اور دہی ڈال دیتے ہیں۔

(۵) **بعض** رکاب دار میٹھے چاول پکانے میں خاص خاص صنعت دکھاتے، مثلاً ایک رکاب دار زردہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پکار کر اس پر شکر سے بیلے اور چنبیلی کے پھول بنا کر اس طرح چھڑک دیتا کہ معلوم ہوتا کہ اصلی پھول چھڑکے ہوئے ہیں۔

آٹے کی چیزیں: چاول کی طرح گیہوں کے آٹے سے تیار کی ہوئی چیزیں بھی ہندوستانی کھانے کے ضروری اجزا ہیں، ہندوؤں کا اونچا طبقہ روزمرہ کھانے میں تو گیہوں کے آٹے کی روٹی کھاتا، لیکن ان کی دعوتوں میں پوری کچوری، لیچوی، برھئی، دال پوری اور نون بری وغیرہ ہوتی، بعض پوریاں، پستہ، بادام، چرونجی، کھوپرہ اور چھوہارا ابھر کر پکائی جاتیں، ہندوؤں کے یہاں شکر قند، کیلے، آلو، اروی اور سنگھاڑے کی پوریاں بہت اچھی بنتی ہیں، بعض ہندو گھروں میں دہی کی کچوریاں بھی بہت لذیذ بنائی جاتی ہیں، ہندوؤں کے یہاں کی آٹے کی میٹھی چیزوں میں مال پوا، گجھیا اور گلگلے مشہور ہیں۔

مسلمانوں نے گیہوں کے آٹے سے بھی چیزیں پکانے میں طرح طرح کی جدتیں کیں، آئین اکبری (جلد اول ص ۴۸) میں گیہوں کے آٹے سے بنی ہوئی چیزوں میں حسب ذیل کھانوں کا ذکر ہے:

چکھی: گیہوں کا آٹا خمیر کر کے اس کو دھوتے اور جب تھوڑا خمیر رہ جاتا تو اس میں چاول اور مسالے ملاتے، پھر اس کے اوپر قیمہ لپیٹ دیتے اور اس میں گھی، پیاز، زعفران، لونگ، الائچی، دھنیا وغیرہ ڈالتے۔

تھولی: گیہوں کے آٹے میں آدھا گھی، کالی مرچ، دارچینی، الائچی اور لونگ وغیرہ ڈال کر پکاتے۔

بادنجان: خمیری آٹے میں گھی اور زیادہ سے زیادہ پیاز، عرق لیمو اور کالی مرچ وغیرہ ڈال کر تیار کرتے۔

ہریسہ: گیہوں کے آٹے میں گوشت، گھی اور دارچینی دے کر پکاتے۔

کشک: پانچ سیر آٹے میں دس سیر گوشت، ایک سیر چنا، ڈیڑھ سیر پیاز، آدھ سیر ادرک اور کچھ دارچینی ڈال کر تیار کرتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قطاب: یہ سنبوسہ کی ایک قسم تھی، چار سیر میدہ میں دس سیر قیمہ دیا جاتا، اس کی بہت سی قسمیں ہوتیں۔

تنوری: دس سیر میدہ میں پانچ سیر گائے کا دودھ، ڈیڑھ سیر گھی اور پاؤ بھر نمک ڈال کر پکاتے۔

تنک تانگی: ایک سیر میدہ کی پندرہ یا اس سے زیادہ تیار کی جاتیں۔

روٹی کے پکانے میں جدتیں برابر بڑھتی گئیں، ان میں سے بعض کی قسمیں یہ ہیں، شیر مال، باقر خانی، کلچے، تافتان، آبی، شیر مال اور باقر خانی تنوری روٹیوں ہی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں، شیر مال میں گھی جتنا زیادہ دیا جاتا ہے، اتنی ہی وہ اچھی ہوتی ہے، اس کو تنور میں پکا لیتے ہیں، اچھی باقر خانی دھیمی آنچ سے تیار کی جاتی ہے، شیر مال میں تہ کا ہونا ضروری نہیں لیکن باقر خانی میں متعدد پرتیں اور تہیں ہوتی ہیں، شیر مال کا حجم چھوٹا کر دیا جاتا ہے تو وہ کلچہ کہلاتا ہے، تافتان بھی روٹی کی ایک قسم ہے، جو لکھنؤ میں اب بھی بہت شوق سے بالائی کے ساتھ کھائی جاتی ہے، آبی روٹی خمیری آٹے سے تنور میں پکتی ہے، اس میں گھی نہیں ہوتا، بعض رکاب دار آٹے کو پانی کے بجائے کیلے سے گوندھتے اور اس میں شکر ڈال کر لذیذ باریک روٹی پکاتے۔

ہندوؤں کو پوریاں تلتے دیکھ کر مسلمانوں نے توے کی روٹیوں میں گھی ملا کر طرح طرح کے پراٹھے ایجاد کیے، بناتے وقت آٹے کی تہ ربر کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جاتی، پھر اس میں متعدد پرتیں دی جاتیں، جس کے بعد یہ گھی میں تلے جاتے، کبھی یہ چوکور، کبھی گول، کبھی مثلث اور کبھی مستطیل بنائے جاتے، اس کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں، ورقی بیگماتی، مغلئی، حیدرآبادی، پشاوری، پھینی، زعفرانی، پنیری وغیرہ، اچھے پراٹھے وہی ہوتے جن میں اندر باہر گھی، زیادہ سے زیادہ ہوتا، اچھے پکانے والے سیر بھر آٹے میں پورا سیر بھر گھی کھپا دیا کرتے، عبدالحلیم شرر کا بیان ہے کہ شاہ غازی الدین حیدر کو پراٹھے بہت پسند تھے، ان کے لیے چھ پراٹھے پکائے جاتے، جس میں تیس سیر گھی خرچ ہوتا، میٹھے پراٹھے محبوبی اور نان جلیبی کہلاتے، محبوبی بہار میں اب بھی پکتی ہے اور نان جلیبی لکھنؤ کی خاص چیز ہے، میٹھے سموسے بھی گیہوں کے آٹے سے بنائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے۔

روغنی روٹیاں روزمرہ کے کھانوں میں داخل ہیں، بعض کاغذ کی طرح پتلی ہوتیں اوراس میں چتیاں مطلق نہ پڑتیں اور بعض اتنی خستہ ہوتیں کہ ذرا سا چھونے پر ٹوٹ جاتیں لیکن رکاب دار اپنا فن اس طرح دکھاتے کہ توے سے اتار کر دسترخوان پر بالکل صحیح سالم لاتے، چپاتیاں بھی مختلف قسموں کی ہوتی ہیں، بعض اتنی پتلی اور ہلکی ہوتی ہیں کہ پھونک سے اُڑ جاتی ہیں، بعض توے سے اتار کر آگ پر پھیلائی جاتی ہیں، جو پھلکا کہلاتی ہیں اور بعض دو ملا کر پکائی جاتی ہیں، ان کے بیچ میں کچھ گھی دے دیا جاتا ہے، جس کے بعد یہ تمیز کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ایک ہے یا دو لیکن وہ علاحدہ علاحدہ کرلی جاتی ہیں، ایسی چپاتیوں کو دوستی کہتے ہیں، چپاتیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اور اس میں گھی شکر ملا کر ملیدہ بناتے ہیں، بعض ملیدے اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ منہ میں لقمہ لیتے ہی شربت بن جاتے ہیں، چبانے یا منہ چلانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

گیہوں کے آٹے ہی سے مسلمانوں نے میٹھی اور نمکین کھجوریں بنانی شروع کیں، جن کی مختلف قسمیں ہیں، مثلاً ورقی، تنکی، حبابی، کشمشی، بادامی، نمک پارے وغیرہ، بہار میں گیہوں کے آٹے سے کلیجے بھی بنتا ہے، جو اعلا قسم کے بسکٹ کا مزہ دیتا ہے، پوا اور گلگلہ ہندوؤں کی خاص چیزیں ہیں لیکن پورا پکانے میں بھی مسلمان باورچیوں نے بڑی لطافت پیدا کی، واجد علی شاہ کا باورچی ایک سیر گھی میں صرف ایک پوا پکاتا اور جب کڑاہی میں سے پوے کو نکالتا تو گھی کو پھینک دیتا اور اگر اسی میں اس کو دوسرا پوا پکانے کو کہا جاتا تو وہ کہتا کہ بادشاہ کے کھانے کے لائق پوا نہ ہوگا، گنواروں کے لیے ہوگا، کیوں کہ ایک پوا پکانے کے بعد گھی گھی نہیں رہتا، بلکہ تیل رہ جاتا ہے۔

گوشت کی چیزیں: مسلمان گوشت کے بغیر کھانا پسند نہیں کرتے ہیں، اس لیے ان کے یہاں گوشت کی اتنی قسمیں تیار ہوتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا، جانوروں میں عموماً بکرے، دنبہ، اونٹ اور ہرن کا گوشت پسند کرتے ہیں، پرندوں میں قاز، بط، تعذری، کلنگ، چرز، دراج، کبک، پودنہ، لوہ، کردانک، کبوتر، مرغ، تیتر، بٹیر، کنجشک اور ہریل کا گوشت کھاتے ہیں۔

مغل بادشاہوں کے عہد میں گوشت کی حسب ذیل چیزیں تیار ہوتی رہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغرا: گوشت میں گیہوں کا میدہ، چنا، کچھ گاجر، چقندر، شلجم اور پالک ملا دیتے اور اس میں ایک سیر قند بھی ڈال دیتے، پھر گھی اور ضروری مسالے دے کر پکاتے، کچھ سرکہ بھی چھوڑ دیتے۔

یخنی: دس سیر گوشت کی یخنی تیار کرتے تو ایک سیر پیاز ڈالتے۔

یولمہ: مسلم بکرے کو یخنی کی طرح پکاتے۔

دو پیازہ: دس سیر گوشت کا دو پیازہ پکاتے تو اس میں دو سیر پیاز اور دو سیر گھی اور ضروری مسالے دیتے۔

مطنجنہ گوسفند: دس سیر گوشت میں آدھ سیر چنا، دو سیر گھی اور ضروری مسالے دے کر تیار کرتے، اسی طرح دس سیر گوشت میں دو سیر گھی اور ایک سیر پیاز دے کر پکاتے تو دم پخت کہلاتا۔

ملغوبہ: دس سیر گوشت میں دس سیر دہی دیا جاتا، (آئین اکبری جلد اصفحہ ۴۷)

قیمے بھی طرح طرح سے پکائے جاتے اور اس کے مختلف نام ہوتے، مثلاً زعفرانی، نرگسی، سلیمانی، خمیری، نان پاؤ، گاؤدیدہ، گاؤزبان، آبی، ترنجی، ہندوستانی، ایرانی وغیرہ۔

مرغ کی مختلف چیزیں پکتی رہیں، مثلاً قورمہ، مرغ مسلم اور مرغ مثمن، مرغ کے قورمے اور مرغ مسلم تو عام طور سے پکتے رہتے ہیں لیکن مرغ مثمن اس طرح پکتا کہ ذبح کرنے کے بعد اس کے جسم سے تمام ہڈیاں نکال لی جاتیں اور اس کا گوشت کوٹ کر اور اس میں پانچ انڈے، پیاز، دھنیا، ادرک، کالی مرچ اور زعفران دے کر پکاتے، یہ کباب کی ایک قسم ہوتی، مرغ کو مشک اور عنبر بھی کھلایا جاتا، تاکہ ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت خوشبودار ہو، واجد علی شاہ کے مرغ کو کبھی کبھی سانپ بھی کھلایا جاتا، سانپ کھانے والے مرغ کے گوشت سے جنسی قوت بڑھ جاتی اور پرندوں کے گوشت کم و بیش اسی طرح پکائے جاتے۔

کباب کی قسمیں تو بے شمار ہیں، ہر حلال پرندہ کے گوشت کا کباب بنایا جاتا ہے، اس کے علاوہ حسب ذیل کباب عام طور سے بنتے، شامی کباب، گولر کباب، نرگس کباب، سیخ کباب، پسندے کے کباب، ران کباب، کباب کلیجی، اس کے علاوہ اور بھی چیزوں کے کباب بنائے گئے، مثلاً آٹے کے کباب، دہی کے کباب آلو کے کباب، ناریل کے کباب، اروی کے کباب اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انڈے کے کباب۔

مسلمانوں کو گوشت سے کچھ ایسا شغف رہا کہ وہ بعض اوقات شلجم وغیرہ پکاتے ہیں تو اس میں گوشت ہی کی لذت ہوتی ہے، بعض رکاب دار بادام کا سالن پکاتے ہیں جو مزے میں گوشت سے بڑھا ہوتا ہے، گوشت کے ساتھ گیہوں، چنا، شلجم، گاجر اور پالک وغیرہ ملا کر بھی پکاتے ہیں، جس کو حلیم کہا جاتا ہے۔

انڈے: آج کل کی طرح انڈے مختلف طریقوں سے استعمال کیے جاتے، تل کر اس کی پھلکی خریز، چلہ اور خاگینہ وغیرہ تیار ہوتے، اس کے کباب بھی بنتے اور پلاؤ بھی تیار کیے جاتے، حلوؤں کی مختلف قسمیں بھی بنائی جاتیں، انڈوں کے پکانے میں بھی بڑی صنعت دکھائی جاتی، عبدالحلیم شرر کا بیان ہے کہ لکھنؤ کا ایک رکاب دار دسترخوان پر بڑے بڑے سیر سیر بھر کے انڈے ابلے اور تلے ہوئے پیش کر دیتا، جن میں سفیدی اور زردی اسی نسبت سے قائم رہتی، جو چھوٹے انڈوں میں ہوا کرتی۔

ترکاریاں: ترکاریاں جتنی اچھی اور لذیذ ہندوؤں کے یہاں پکتی رہی ہیں، مسلمانوں کے یہاں نہیں ہوتیں، ہندوؤں کو ساگ اور ترکاری کھانے کا بے حد شوق رہا، جن جن چیزوں سے وہ ترکاری یا ساگ بناتے ان میں کچھ کے نام یہ ہیں:

آلو، اروی، بنڈہ، تروئی، لوکی، بھنڈی، نینوا، کھیکسا، پوئی ٹینڈس، خرفہ، کاسنی، کندور، چچینڈا، کریلا، ککڑی، کوہڑا، چقندر، ٹماٹر، شلجم، گوبھی، گانٹھ، گوبھی، پرول، پیٹھا، لوبیا، رام تروئی، کنڈولا، املی کے پھول، ولایتی سیم، گوار کی پھلی، سیم، چولی کی پھلی، کدو، بیگن، ٹنڈہ، ارہر کی پھلی، کٹہل، پپیتہ، باقلہ، کھم کچنال کی کلیاں، کچنال کی پھلی، مولی، بوٹ، گاجر، سانگر کی پھلی، گوندنی، سویا، پالک، میتھی، چولائی، بتھوا، سرسوں کا ساگ، اروی کے پتے، مٹر کا ساگ، خرفہ کا ساگ، مکوئی کا ساگ، سرخ چولائی، کرم وا کا ساگ، سن کے پھول کا ساگ، پتھر چٹے کا ساگ، خشخاش کے پھول کی ترکاری، چکوڑ، چنگور کا ساگ، کونڑے کا ساگ، کنیڈوئی کا ساگ، مرسا کا ساگ، فراش بیں وغیرہ ان ترکاریوں میں سے آلو ٹماٹر اور فراش بیں باہر سے آئے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوپر کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں عموماً ترکاریاں اچھی نہیں پکتی ہیں لیکن وہ ہندوستان کی ترکاریوں سے متاثر ہوکر ترکاری پکانے کی طرف مائل ہوئے، تو اس میں بھی آرٹ دکھانے کی کوشش کی، عبدالحلیم شرر کا بیان ہے کہ لکھنؤ کے بعض رکاب دار مسلم کریلے ایسی نفاست اور صفائی سے پکاتے کہ معلوم ہوتا کہ ان میں بھاپ تک نہیں لگی ہے اور بظاہر بالکل ہرے اور کچے دسترخوان پر لاکر رکھے جاتے لیکن کاٹ کر کھائے جاتے تو بہت ہی لذیذ ہوتے، راقم نے بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ واجد علی شاہ جب مٹیا برج میں مقیم تھے، تو ایک انگریز نے ان کو اپنے یہاں مدعو کیا اور انگریزی کھانے کھلائے، اثنائے گفتگو میں انگریز نے انگریزی کھانوں کی فوقیت ظاہر کر کے ہندوستانی کھانوں پر طنز کیا، واجد علی شاہ سن کر ملول ہوئے کہ اب وہ اس انگریز کو ہندوستانی کھانوں کی برتری نہیں دکھا سکتے ہیں، یہ گفتگو ان کا ایک رکاب دار بھی سن رہا تھا، واجد علی شاہ اپنی قیام گاہ پر آئے، تو وہ مصر ہوا کہ انگریز کو کسی دن مدعو کیا جائے، واجد علی شاہ بادلِ ناخواستہ راضی ہوئے اور جب انگریز آیا تو رکاب دار نے دسترخوان پر صرف ایک بڑا سا کدو لاکر رکھ دیا، انگریز کو غصہ آیا کہ اس کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے لیکن واجد علی شاہ نے انگریز کے ہاتھ میں چھری دی اور جب اس نے اس کو کاٹا تو اس کو حیرت ہوئی کہ اس کے اندر طرح طرح کے ہندوستانی کھانے تھے، عبدالحلیم شرر نے یہ بھی لکھا ہے کہ لکھنؤ کے ایک رئیس نواب علی نقی خاں نے اپنے ایک دوست سید علی اوسط کو ایک خوان بھیجا جب انہوں نے اس کو کھولا تو اس میں صرف ایک پلیٹ تھی، جس پر ایک کچا کدو رکھا تھا، اس کو دیکھ کر ان کی طبیعت مکدر ہوئی اور اپنی ماما سے کہا کہ اس کو لے جا کر رکھ لو، کل پکا لینا، خوان لانے والا یہ سن کر ہنسنے لگا اور بولا کہ اس کو کاٹ کر یونہی کھائیے، پکانے کی ضرورت نہیں، جب انہوں نے کاٹا تو عجیب لذیذ چیز نظر آئی، حیدر آباد میں اب بھی بیگن کی ترکاری ایسی لذیذ پکائی جاتی ہے کہ لوگ اس کو گوشت پر ترجیح دیتے ہیں اور اہم سی اہم دعوتوں میں بھی یہ ترکاری ضرور ہوا کرتی ہے۔

دال: دال بھی نسبۃً ہندوؤں کے یہاں اچھی پکتی ہے اور یہ خاص ہندوستان کی چیز ہے، نادر شاہ ہندوستان آیا تو اس کو یہاں کے لوگوں کو چاول اور روٹی کے ساتھ دال کھاتے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور بولا کہ ''این ہندیاں غلہ را بہ غلہ می خورند'' لیکن مسلمانوں نے دال کو اپنے دسترخوان کا ضروری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزبنالیا ہے، عام طور سے وہ مونگ ، ماش، ارد، موٹھ، ارہر، چنے ،مسور اور کیوٹی کی دال استعمال کرتے ہیں، بعض رکاب داروں نے دال پکانے میں بھی بڑی مہارت پیدا کی، واجد علی شاہ کا ایک رکاب داران کے خاتمۂ سلطنت کے بعد ایک رئیس کا نوکر ہوا اوران کے لیے مسور کی دال پکائی تو وہ دستر خوان کی اور چیزوں کو کھانا بھول گئے اور دال ہی کو کھا کر انگلیاں چاٹتے رہے، باورچی سے بے حد خوش ہوئے لیکن جب انہوں نے دال پکانے کی ترکیب پوچھی تو اس نے تمام اجزا اوران کے اخراجات کی تفصیل بتائی، مسور کی دال صرف تین پیسے کی تھی اوراس کے اجزا میں چھتیس روپے خرچ ہوئے تھے، رئیس صاحب چلا اٹھے کہ تین پیسے کی مسور میں ۳۶ روپے خرچ ہوئے! یہ سن کر رکاب دار اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا، ''یہ منہ اور مسور کی دال'' اسی وقت سے یہ محاورہ بھی رائج ہو گیا، عبدالحلیم شرر نے بھی نواب آصف الدولہ اور ماش کی دال پکانے والے ایک باورچی کا مبالغہ آمیز قصہ لکھا ہے، لکھنؤ کا ایک اور مشہور باورچی ارہر کی دال اتنی لذیذ پکاتا کہ اس کا نام ہی سلطانی دال پڑ گیا تھا، بہادر شاہ ظفر کو مونگ کی دال بہت پسند تھی، اس لیے ان کے باورچی خانہ میں یہ اکثر پکا کرتی اور شاہ پسند کہلاتی تھی، ایک بار بادشاہ نے مرزا غالب کو یہ دال بھیجی تو انہوں نے حسب ذیل رباعی لکھی:

بھیجی ہے جو مجھ کو شہِ جمجاہ نے دال ☆ ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال

یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ☆ ہے دولت و دین و آتش و داد کی دال

اچار: اچار بھی ہندوؤں کی خاص مرغوب چیز ہے لیکن مسلمان بھی اس کو لذیذ چیز سمجھ کر استعمال کرنے لگے ہیں، مسلمان بادشاہوں کے دستر خوان پر بھی یہ رہا کرتے تھے، آئین اکبری میں حسب ذیل اچاروں کا ذکر ہے:

اچار لیمو، اچار آم، اچار ادرک، اچار شلجم، اچار بانس، اچار سیب، اچار بہی، اچار بیگن، اچار کشمش و منقی، اچار کچنار، اچار شفتالو، اچار گل کریل، اچار سورن، اچار سرسوں، اچار توری، اچار سہجنہ، اچار ککڑی، اچار مولی، اچار کچالو، اچار استرخار، اچار زردک۔

مٹھائیاں: مٹھائیاں بھی ہندوؤں کے یہاں بہت اچھی بنتی ہیں اور جتنی مثلاً اندرسے، امرتی، سندیش،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چم چم، رس گلا، موہن بھوگ، لونگ لتا، چندر کلاں، رس ملائی، مہی دانے، مگدل، کھیر موہن، گھیور، پیڑے، تھور، پن توا، تلکٹ اور کھر چن وغیرہ بناتے ہیں، مسلمان نہیں بناتے لیکن ان تمام مٹھائیوں کو مسلمان بھی بڑی رغبت سے کھاتے رہے، خصوصاً وہ امرتی کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں، رجب علی سرور نے لکھنؤ کی امرتی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امرتی مسلسل کا ہر پیچ ذائقہ کو پیچ و تاب دیتا ہے، یاقوتی مفرح کا مزہ جب منہ میں رکھا، اصل تو یہ ہے کہ ''ہے عسل مصفی'' ہندوستانی مٹھائیوں میں مسلمانوں نے بھی بعض خاص مٹھائیاں بنا کر اضافے کیے، جلیبی، برفی، قلاقند، گلاب جامن، بالوشاہی، مگوچھی، پیاؤ برے، خرمے، نکتیاں، بونٹ، چنے اور موتی چور کے لڈو، ان ہی کی جدتیں ہیں، ادنیٰ مٹھائیوں میں ریوڑی اور بتاشے بھی ان ہی کی اختراع ہے۔

شاہی خاندانوں میں میٹھی چیزیں پکانے میں فن کا پورا کمال دکھایا جاتا، گذشتہ لکھنؤ میں مرزا آسمان قدر فرزند مرزا خرم بخت اور واجد علی شاہ کی دعوتوں کے دلچسپ قصے بیان کیے گئے ہیں، واجد علی شاہ کے دستر خوان پر قورمہ کو مربہ کی شکل میں پیش کیا گیا تھا، بعد میں مرزا آسمان قدر نے جب واجد علی شاہ کی دعوت کی تو دستر خوان پر متعدد اقسام کے کھانے نظر آئے، مگر وہ سب شکر کے تھے، حیدر آباد میں اب بھی مختلف پھلوں کی شکل میں مٹھائیاں بنائی جاتی ہیں۔

ہندوستانی کھانوں میں فیرینی خاص مسلمانوں کی جدت ہے، یہ عام طور سے چاول کے آٹے سے بنتی ہے لیکن اس کے بنانے میں اتنا تنوع پیدا کیا گیا ہے کہ پھلوں میں سیب، ناشپاتی، اناناس، شکر قند، گاجر وغیرہ کی بھی بننے لگی ہے، مونگ کی دال سے جو فیرینی بنتی ہے، وہ یاقوتی کہلاتی ہے، آلو کی کھیر، لوکی کی کھیر، شریفے کی کھیر، ناریل کی کھیر، گیہوں کی کھیر، پیاز کی کھیر، مکا کے بھٹے کی کھیر، رس کی کھیر، پکانے میں بھی مسلمانوں کے یہاں بڑی جدتیں ہوئیں۔

بالائی کی روٹی اور گلوری بھی مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے، فالودہ اور نمشک بھی مسلمانوں ہی کے آوردہ ہیں، فالودہ کا ذکر سلاطین دہلی کے عہد کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے، ربڑی، دہی، لسّی، مٹھا، رائتہ، مکھن، سری کہن، ہندوؤں کے یہاں قدیم زمانہ سے استعمال ہوتا رہا ہے، جن کو مسلمان بھی اپنے کھانوں میں استعمال کرتے ہیں، ''بالائی'' کا نام اودھ کے نواب آصف الدولہ کا رکھا ہوا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، نان خطائی کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ بیرونی چیز ہے۔

حلوے: حلوے خاص مسلمانوں کی چیزیں ہیں، وہ بادام، چلغوزہ، پستہ، آخروٹ اور کشمش وغیرہ سے تو طرح طرح کے حلوے بنانے کے عادی تھے لیکن بعد میں ہندوستان کی ترکاریوں اور سبزیوں سے بھی حلوے بنانے لگے، کدو، گاجر اور پیٹھے کے حلوے تو بہت عام ہیں، کیلے سے جو حلوہ بنایا جاتا ہے، وہ حلوائے کیلانی کہلاتا ہے، مسلمانوں نے آلو، شلجم اور آم کے بھی حلوے بنائے، حتی کہ مچھلی کا بھی حلوہ تیار کیا، حلوہ سوہن کا نام بتاتا ہے کہ شاید ہندوؤں ہی نے اس کو شروع کیا تھا، لیکن مسلمانوں نے اس میں تنوع پیدا کیا، حلوہ کی قسموں میں جوزی، حبشی، دودھیا اور پپڑی بہت ہی رغبت سے کھائی جاتی ہے، اس کے بنانے والے ماہر سیر بھر سمنک میں پچیس تیس سیر یا کبھی چالیس سیر تک گھی کھپا دیتے ہیں اور اس کی ٹکیوں پر عجیب عجیب قسم کے خوب صورت طغرے بناتے ہیں۔

سوئیاں: سوئیاں بھی خاص مسلمانوں کے دسترخوان کی چیز رہی، موٹی اور باریک سی باریک سوئیوں کے علاوہ ان کے لچھے اور ٹکیاں بھی تیار کی جاتی ہیں، سادہ سوئیاں پانی میں ابال کر پکتی ہیں لیکن قوامی سوئیاں کھووے میں ڈال کر مختلف شکلوں میں پکائی جاتی ہیں، ان کے شیرخورمے، حلوے، زردے، مزعفر، سپیدے اور قتلیاں بھی بنتی ہیں، حیدرآباد کے شیرخورمے اور بنارس کی قوامی سوئیاں مشہور ہیں، بنارس کی سوئیاں اتنی باریک ہوتی ہیں کہ ان کو کسی باریک شئے سے مثال نہیں دے سکتے۔

مربے: مربوں کی صنعت بھی مسلمانوں ہی کے یہاں رہی، وہ آم، لال املی، فالسہ، ادرک، بادام و پستہ، کروندہ، ثعلب مصری، گاجر، آنولہ، ہڑ، کیلا، کمرکھ، بہی، سیب، ککروندہ، بیر، بیگن، سونٹھ، ترنج، لہسن، بانس، ہلیلہ زرد، ناریل اور شقاقل مصری کے مربے بہت ہی لذیذ اور اعلا قسم کے تیار کرتے رہے ہیں، بعض صناع آموں کی کیریوں کے مربے ایسے تیار کرتے کہ معلوم ہوتا کہ کیریاں ابھی توڑ کر لائی گئی ہیں اور شیرے میں ڈال دی گئی ہیں، آگرہ کے پیٹھے کے مربے شاہی زمانے کی یادگار ہیں، بعض مربوں کے شیرے اتنے پتلے بنائے جاتے کہ ان کو سفید طشتری میں انڈیل دیا جاتا تو معلوم نہیں ہوتا کہ طشتری میں شیرہ ہے، چھونے ہی سے پتہ چلتا۔

چٹنیاں: ہندوستانی کھانوں میں چٹنیوں کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک چٹنی شاہ جہانی کہلاتی ہے، جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شاید شاہ جہاں کو بہت مرغوب رہی ہو، یہ سرخ مرچ، ادرک، پیاز، پودینہ، عرق لیمو سے ملا کر تیار کی جاتی ہے، ایک چٹنی راحت جاں کہلاتی ہے جو گاجر، کمرکھ، عرق لیمو اور پودینہ سے بنتی ہے، چٹنی نورتن غالباً ہندوؤں کی خاص چیز ہے، جو کٹھائی، نمک، گڑ، پیاز، پودینہ، کلونجی، مرچ سیاہ اور ادرک ملا کر تیار کی جاتی ہے، بعض خاص خاص چٹنیوں کے نام یہ ہیں، چٹنی اعجوبہ، چٹنی عرق نعناع، چٹنی لوزانی، پھانکوں کی چٹنی، جس میں کیری کی پھانکیں ہوتی ہیں۔

غربا کے کھانے: غربا کے یہاں چنے، مٹر، مکئی اور جوار کا عام رواج ہے، یا پھر ان ہی چیزوں کے آٹے کی روٹیاں اور ستو استعمال ہوتے ہیں، تنوع کی خاطر ان ہی کی گھنگھنیاں بھی بنائی جاتی ہیں یا ان ہی کی پھلوری پکوڑی، کچڑی اور تپورہ بنا کر کھائی جاتی ہے، مسلمانوں نے پھلوری میں طرح طرح کے مسالے دے کر رمضان شریف میں اس کو افطاری کا ضروری جز بنالیا ہے اور روزے میں امرا اور غربا سب کے دستر خوان پر یہ رہنے لگی ہے، بیسن کی روٹی پکانے میں اتنی لطافت پیدا کی گئی کہ دہلی کے لال قلعہ میں بھی وہ پکنے لگی تھی اور جب بہادر شاہ ظفر نے غالب کو تحفۃً بھیجی تو انہوں نے حسب ذیل رباعی کہی:

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے ☆ مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر ☆ جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

نوابانِ اودھ کے وزیر روشن الدولہ کا باورچی کچے بھٹوں کے لچھے اس نفاست سے کاٹتا کہ کہیں ٹوٹنے نہ پاتا اور اس کا رائتا ایسا بناتا کہ لوگ کھا کر دیر تک چٹخارے لیتے رہتے، سیو، دال موٹ اور سنبوسے، آٹے کے سنگھاڑے ہندوؤں کے یہاں بہت اچھے بنتے ہیں اور مسلمان بھی انہیں عام طور سے استعمال کرتے ہیں۔

پان: کھانے کے بعد پان کھانے کا عام رواج تھا، مسالک الابصار کے مصنف نے پان کی بڑی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ ہندوستانی نہ شراب پیتے ہیں اور نہ کسی نشیلی چیز کا استعمال کرتے ہیں، وہ تو پان ہی کھا کھا کر اپنا جی خوش کر لیتے ہیں اور پان ہے بھی عمدہ چیز اور حلال بھی ہے، اس میں حرام کا کوئی شبہ تک نہیں، پھر لطف یہ کہ پان کے اندر بہت سے مسالے پڑتے ہیں، جو بہت ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزے کے ہوتے ہیں، شراب میں تو ایسے ذائقے کی ایک چیز بھی نہیں، علاوہ ذائقے دار مسالوں کے پان میں اور چند خوبیاں ہیں، اول تو اس کے کھانے سے منہ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے، دوسرے کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے، تیسرے سانس کی آمد و رفت میں آسانی پیدا ہوتی ہے، دل کو فرحت ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پان کے کھانے سے نہ عقل بگڑتی ہے اور نہ ذہن خراب ہوتا ہے، نہ کھانوں کا مزہ زائل ہوتا ہے، خاطر تواضع کے موقع پر ہندوستان میں پان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں سمجھی جاتی، یہاں تک کہ مہمان کی مہمانی میں کھانے پینے کی کل نعمتیں، مٹھائیاں، شربت، پھول اور خوشبوئیں وغیرہ، غرض دنیا کی کل اچھی چیزیں موجود کر دی جائیں، مگر پان نہ دیا جائے تو ایسی مہمانی قابل ذکر اور قابل قدر نہیں سمجھی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے رئیس اپنی محفلوں میں جب کسی کو سرفراز کرنا چاہتے ہیں تو اس کو اپنے ہاتھ سے پان دیتے ہیں۔

ابوالفضل نے بھی پان کی بڑی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک قسم کی سبزی ہے لیکن تجربہ کار اشخاص اس کو عمدہ میوہ خیال کرتے ہیں، چنانچہ امیر خسرو اس کی تعریف میں فرماتے ہیں:

نادرہ برگے چو گل بوستاں ☆ خوب تریں میوۂ ہندوستاں

ابوالفضل نے اس کی تعریف میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے کھانے سے منہ خوشبودار اور محفل معطر ہو جاتی ہے، پان دانت کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے، اس کے کھانے سے بھوک لگتی ہے، اس تعریف کے بعد ابوالفضل یہ بھی لکھتا ہے کہ پان کی بے شمار قسمیں ہیں، جن میں کچھ یہ ہیں:

(۱) بلہری، سفید اور چمک دار ہوتا ہے، یہ زبان کو سخت نہیں کرتا اور مزے میں تمام اقسام سے بہتر ہے، اس کو رکھ کر سفید بھی کر لیتے ہیں (۲) کاکیر، سفید اور چتی دار ہوتا ہے، اس کے ریشے سخت ہوتے ہیں، اس لیے زیادہ کھانے سے زبان سخت ہو جاتی ہے (۳) جیسوار، یہ بھی اچھا پان نہیں لیکن دوسرے پانوں کے ساتھ ملا کر فروخت کرتے ہیں (۴) کپوری زرد، سخت اور ریشہ دار ہوتا ہے لیکن خوش مزہ اور خوشبودار بھی ہوتا ہے (۵) کپور کانت سبز اور زردی مائل ہوتا ہے لیکن تیز کافور کی طرح خوشبودار بھی ہوتا، صرف بنارس میں پیدا کیا جاتا ہے (۶) بنگلہ چوڑا، سخت، گرم اور تیز ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالفضل نے پانوں کے کھانے کی ترکیب بھی بتائی ہے، وہ لکھتا ہے کہ اہل شوق پانچ سے لے کر پچیس یا اس سے بھی زیادہ پانوں کا بیڑہ بناتے ہیں اور طرح طرح سے اس کو آراستہ کرتے ہیں، بعض اشخاص ایک پتہ پر چونہ، دوسرے پر کتھا اور سوپاری رکھ کر بیڑہ بناتے، بعض شوقین چونے اور کتھے کے بیڑے میں کافور اور مشک بھی ڈال دیتے ہیں، بعض اوقات کھلے پانوں کو رکابیوں میں پھیلا کر چنتے ہیں اور پکا کر بھی کھاتے ہیں۔(۱)

سلاطین دہلی کے عہد میں شاہانہ دعوتیں: سلاطین دہلی اور مغل بادشاہوں کے یہاں جب کوئی دعوت ہوتی تو ان کے دسترخوان پر کھانے کی طرح طرح قسمیں ہوتیں، امیر خسرو نے قران السعدین میں بغرا خاں (بنگال کے حکمراں اور سلطان کیقباد (دہلی) کی ملاقات کے وقت ایک دعوت کی جو تفصیل لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی دعوتوں میں ایک ہزار سے زیادہ اقسام کے کھانے ہوتے، شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے جاتے، منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شربت گلاب ہوتا، پلاؤ کی کئی قسمیں ہوتیں، ایک قسم کا پلاؤ وہ ہوتا جس میں خرمے اور انگور ڈالے جاتے، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے گوشت کی مختلف شکلیں ہوتیں، پرندوں میں بٹیر، تیتر، تیہو اور چرز وغیرہ کے بھی گوشت ہوتے اور آخر میں پان تقسیم کیا جاتا۔(۲)

سلطان محمد تغلق کے شاہی مطبخ میں دو طرح کا کھانا پکتا، ایک خاص اور دوسرا عام، خاص کھانے میں بادشاہ کے ساتھ ممتاز امراءعزا یا خاص بیرونی مہمان ہوتے، سلطان جب دسترخوان پر کسی کی طرف توجہ کرتا تو خود رکابی اٹھاتا اور اس میں ایک روٹی رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس شخص کو دیتا، وہ شخص بائیں ہتھیلی پر رکابی لے لیتا اور داہنے ہاتھ سے سلام کرتا، کبھی یہ خاصہ باہر بھی بھیجا جاتا، عام دسترخوان پر کھانا مطبخ سے لایا جاتا تو اس کے آگے نقیب النقبا ہوتے، اس کے ہاتھ میں سونے اور اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی چھڑی ہوتی، جب وہ چوتھے دروازہ سے داخل ہوتے تو دیوان خانے کے تمام لوگ کھڑے ہوجاتے، صرف سلطان بیٹھا رہتا، جب کھانا زمین پر رکھا جاتا تو نقیب صف باندھ کر کھڑے ہوتے، ان کا سردار سب کے آگے کھڑا ہوکر سلطان کی تعریف کرتا، اس

(۱) آئین اکبری جلد اول ص ۵۲۔ (۲) قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص ۵۶، ۱۸۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت جو شخص جہاں ہوتا، چپ چاپ کھڑا ہو جاتا، کسی کو حرکت کرنے کی اجازت نہ ہوتی، نقیب کا نائب بھی اسی طرح تعریف کرتا، پھر سب زمین بوسی کر کے بیٹھ جاتے، متصدی سب حاضرین کے نام لکھ لیتا، سلطان کا کوئی لڑکا ناموں کی فہرست اس کے پاس لے جاتا، اس کو دیکھ کر سلطان کسی امیر کو کھانا کھلانے کی خدمت انجام دینے کا حکم دیتا، کھانے میں عموماً چپاتیاں، بھنے ہوئے گوشت، مرغ اور سموسے ہوتے، دسترخوان کے صدر میں قاضی خطیب، فقیہ، سادات اور مشائخ ہوتے، ان کے بعد سلطان کے رشتہ دار اور امرا ترتیب وار بیٹھتے، ہر شخص کی جگہ مقرر ہوتی، جب سب لوگ بیٹھ جاتے تو شرب دار آتے، ان کے ہاتھوں میں سونے چاندی، تانبے اور کانچ کے پیالے ہوتے، جن میں شربت ہوتا، کھانے سے پہلے شرکا شربت پیتے، جب وہ پی لیتے تو حاجب بسم اللہ کہتا، اس وقت کھانا شروع کیا جاتا، ہر شخص کے سامنے ہر قسم کے کھانے کے علاوہ ایک رکابی موجود ہوتی، لوگ علاحدہ علاحدہ رکابیوں میں کھاتے، کھانے کے بعد فقاع یعنی نبیذ پیالوں میں لائی جاتی اور جب حاجب بسم اللہ کہتا تو لوگ اس کو پینا شروع کر دیتے، اس کے بعد پان اور چھالیہ تقسیم کی جاتی، ہر ایک آدمی کو چھالیہ کے ساتھ پان کے پندرہ بیڑے دیے جاتے، جس پر سرخ ریشم کا دھاگہ بندھا رہتا، جب پان تقسیم ہو جاتا تو حاجب پھر بسم اللہ کہتے اور سب کھڑے ہو جاتے جو امیر کھانا کھلانے پر مامور ہوتا، وہ زمین بوسی کرتا، اس کے بعد تمام شرکا اسی طرح زمین بوسی کر کے رخصت ہو جاتے، اس طرح کا کھانا دو دفعہ ہوتا، ایک تو ظہر سے پہلے اور دوسرا عصر کے بعد۔(۱)

مسالک الابصار کا مصنف شیخ مبارک کی زبانی لکھتا ہے کہ سلطان ہر روز دو دفعہ اجلاس کرتا، ایک صبح کو، دوسرا شام کو، اجلاس کے ختم ہونے کے بعد عام دسترخوان بچھائے جاتے، اس پر تقریباً تیس ہزار آدمی کھانا کھاتے، سلطان کے ساتھ خاص دسترخوان پر دو سو علما و فضلا شریک ہوتے اور اس وقت علمی گفتگو ہوتی، مسالک الابصار کے مصنف نے شیخ ابوبکر بن خلال بزی کی زبانی لکھا ہے کہ سلطان کے مطبخ کے لیے، روزانہ ڈھائی ہزار بیل، دو ہزار بکریاں اور بھیڑیں ذبح ہوا کرتی تھیں۔

ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کی والدہ کے محل میں ایک دعوت میں شریک ہوا تھا، وہ اس کا ذکر

---

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۱۲، ۱۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب ہم محل میں داخل ہوئے تو ہم کو ایک دالان میں بیٹھنے کا حکم ہوا، اس کے بعد کھانا آیا، اسی کے ساتھ طلائی مٹکے بھی آئے، جو دیگوں کے مانند تھے، ان کی گھڑونچیاں بھی جن کو سبو کہ کہتے طلائی تھیں، پھر پیالے رکابیاں اور لوٹے لائے گئے، جو سب سونے کے تھے، دستر خوان بچھائے گئے تو دو دو صفیں تھیں، سب سے پہلے وہ شخص بیٹھتا جو مہمانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہوتا، جب ہم کھانے کے واسطے آگے بڑھے تو حاجبوں اور نقیبوں نے تعظیم کی، ہم نے بھی تعظیم کی، پہلے شربت لایا گیا، جب ہم شربت پی چکے تو حاجبوں نے بسم اللہ کہا، اس وقت ہم نے کھانا شروع کیا، جب کھانا کھا چکے تو نبیذ کا دور چلا، اس کے بعد پان تقسیم ہوئے، پھر حاجبوں نے بسم اللہ کہا، ہم سب نے تعظیم کی، اس کے بعد ایک خاص جگہ جا کر بیٹھے، جہاں ہم کو زربفت کے خلعت دیے گئے، پھر ہم محل کے دروازہ پر آئے، وہاں پہنچ کر ہم سب نے پھر تعظیم کی، حاجبوں نے پھر بسم اللہ کہا تو وزیر ٹھہر گیا، ہم سب بھی ٹھہر گئے محل کے اندر سے ریشم کتان اور سوتی تھان آئے جو ہم میں سے ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ حصوں میں دیے گئے، اس کے بعد طلائی سینی آئی، جس میں خشک میوے تھے، دوسری سینی میں گلاب اور تیسری میں پان تھے، اس ملک میں دستور ہے کہ جس کے واسطے یہ چیزیں سینی میں لائی جاتی ہیں، تو وہ سینی کو ہاتھ میں لیتا ہے، اس کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے زمین کو چھوتا ہے، وزیر نے سینی کو اپنے ہاتھ میں لے کر مجھ کو بتایا کہ میں کس طرح سینی کو لوں، پھر میں نے بھی اسی طرح کیا، اس کے بعد ہم سب اپنی قیام گاہ پر واپس آئے۔(۱)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سلطان کھانے پینے کی چیزیں اپنے خاص مہمانوں کے پاس بھجوا دیتا، تا کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق پکوا کر خرچ کریں، ایک بار ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کے محل میں بھی گیا، اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ میں سلطان کے محل میں گیا تو پہلے وزیر کو جا کر سلام کیا، اس نے مجھ کو ہزار ہزار کی دو تھیلیاں دیں اور کہا یہ میرے سر شوئی (سر دھونے) کے لیے ہیں، اس کے بعد ایک ریشمی خلعت دیا، میرے ساتھ کچھ ہم راہی، غلام اور خادم بھی تھے، وزیر نے ان سب کے نام لکھے اور ان کے چار درجے مقرر کیے، پہلے چار درجے والوں کو دو دو سو، دوسرے کو ڈیڑھ

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ، اردو ترجمہ ص ۲۰۶، ۲۰۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈیڑھ سو، تیسرے کو سو سو اور چوتھے کو پچھتر پچھتر دینار دیے، اس کے بعد سلطان کی طرف سے ضیافت کا حکم ہوا، اس کے لیے ایک ہزار رطل آٹا اور ایک ہزار رطل گوشت آیا، آٹا ایک ثلث تو میدہ تھا اور باقی دو ثلث بغیر چھنا ہوا تھا، گھی، چینی اور چھالیہ بھی کئی کئی رطل تھیں، ہزار ورق پان کے بھی تھے،(۱)(اس زمانہ میں ایک رطل چودہ سیر کے برابر ہوتا تھا)

سکندر لودی رات کا کھانا علما و فضلا کی موجودگی میں کھاتا، اس کی خواب گاہ میں مسہری کے پاس دستر خوان لگتا، انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے، علما و فضلا کے سامنے بھی کھانا لگایا جاتا، لیکن وہ اس وقت نہ کھاتے، جب سلطان کھالیتا تو ان کے سارے کھانے ان کے گھروں پر بھیج دیے جاتے اور وہ وہیں کھاتے۔(۲)

سلاطین دہلی کے مطبخ کا نگراں اعلا چاشنی گیر کہلاتا، اس کے نائب، نائب چاشنی گیر کہلاتے، پانی اور دیگر مشروبات کا مہتمم شرب دار کہلاتا۔

دور مغلیہ کے دستر خوان: اکبر کے زمانے میں محل کے اندر تین قسم کے کھانے پکتے، ۱-صوفیانہ جس میں گوشت نہ ہوتا، ۲- گوشت یا برنج جس میں چاول اور گوشت دونوں ملے ہوتے، ۳- آب زیر جس میں مسالہ کے ساتھ گوشت پکتا، اکبر ہر جمعہ، اتوار، روزہ تحویل (سال شمسی کا پہلا دن) روز مہر (چاند اور سورج کے گرہن کے دن) رجب کے پہلے دوشنبہ اور تخت نشینی کے دن صوفیانہ کھانا کھایا کرتا تھا، ان مقررہ دنوں میں جانور ذبح نہیں کیے جاتے تھے، جہاں گیر کو کالے تیتر کا گوشت زیادہ پسند تھا، وہ پودنہ کا گوشت بھی شوق سے کھاتا، بھیڑ سے زیادہ تیار حلوان کے گوشت کو زیادہ پسند کرتا، مچھلیوں میں روہو کھاتا، یا پھر اس کو وہ مچھلیاں پسند تھیں، جن کے ڈینے ہوتے، نور جہاں کے آنے کے بعد شاہی محل کے کھانوں میں ایرانی اثرات کی وجہ سے لطافت اور نفاست زیادہ بڑھ گئی، جو شاہ جہاں کے زمانے میں انتہا تک پہنچ گئی، اورنگ زیب کا کھانا سادہ ہوتا، وہ عموماً کھچڑی، بریانی اور قبولی زیادہ کھاتا لیکن اس کے عہد میں بھی جب کبھی اس کی طرف سے دعوت ہوتی تو اس کا پورا اہتمام کیا جاتا، اس کے عہد میں ایران سے ایک سفیر آیا، تو اس کے اعزاز میں لاہور میں ایک دعوت

---

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۲۰۷۔ (۲) واقعات مشتاقی ص ۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی گئی، کھانے میں چار سو قابیں تھیں، فواکہات اور عطریات کے سات سو خوان تھے (۱) شاہی دستر خوان بچھتا تو پہلے گلاب پاش سے گلاب چھڑکا جاتا، پھر کیوڑہ، پھر عطر خس یا کوئی اور عطر مغلوں کی حکومت کے آخری دور میں قلعہ معلّٰی کے اندر دستر خوان پر اتنی قسموں کے کھانے لگائے جاتے کہ ان کی گنتی ممکن نہ ہوتی، ان کھانوں کے نام ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں۔

بہادر شاہ ظفر کے دستر خوان کے آداب یہ تھے، سب سے نیچے چمڑا، چمڑے پر سیتل پاٹیاں، سیتل پاٹیوں پر بیچ میں چار گز لمبا اور آدھ گز بلند تخت اور اس کے چاروں طرف پر تکلف دستر خوان ہوتا، بادشاہ تخت پر آکر بیٹھتا، اس کے دائیں طرف بیگمیں، بائیں طرف شہزادیاں، سامنے مرد اور لڑکے ہوتے، سیلا بچی پہلے بہادر شاہ ظفر کے سامنے آتی، اس کے بعد دائیں طرف سے سلسلہ شروع ہوتا، شاہی سیلا بچی میں صرف بیگمیں ہاتھ دھوتیں، دوسری سیلا بچی میں شہزادیاں اور تیسری میں مرد ہاتھ دھوتے، کھانے سے پہلے گلاب پاش سے چاروں طرف گلاب چھڑکا جاتا، اس کے بعد عطریات کا چھڑکاؤ ہوتا، بادشاہ کسی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو چوب دار طعام مبارک کی آواز بلند کرتا، کھاتے وقت کسی کو بولنے کی اجازت نہ تھی اور جب بادشاہ کسی کو کوئی خاص کھانا مرحمت کرنا چاہتا تو وہ بچہ ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے ادب پر جاتا اور جھک کر تین سلام بجالاتا، بہادر شاہ کا ہاتھ رک جاتا، تو سب شرکا ہاتھ روک لیتے لیکن خود بادشاہ ہاتھ اس وقت تک نہ روکتا جب تک کہ اس کو یہ اطمینان نہ ہو جاتا کہ تمام شرکا سیر ہو کر کھا چکے ہیں، کوئی پانی مانگتا تو چاندی کی صراحی سے پانی سونے کے کٹورے میں انڈیلا جاتا اور کٹورہ کو سنہری طشتری میں رکھ کر پیش کیا جاتا، کھانا کھانے کے بعد بہادر شاہ کے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں شکرانے کے لیے اٹھ جاتے، اس کے ہاتھ تمام شرکا بھی ہاتھ اٹھاتے، پھر سیلا بچی بدستور سابق سب کے سامنے آتی، ابٹنہ، کھلی، بیسن اور صابن سے ہاتھ دھوئے جاتے، ہاتھ صاف کرنے کے لیے رومال بکثرت موجود ہوتے، کھانے کے بعد بہادر شاہ ظفر کے سامنے سونے کی طشتری میں سونے کا خلال پیش ہوتا، بیگمات پان دان کھول کر گلوریاں بنانے میں لگ جاتیں، دستر خوان پر کھانا بہت بچ جاتا، اسی میں سے بہادر

(۱) عالم گیر نامہ ص ۶۰۷-۶۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ جس کو کہتے اس کے پاس خاصہ بھیجا جاتا۔

امرا کی دعوتیں: بادشاہوں کی تقلید میں امرا بھی اپنا دسترخوان اسی شان سے سجاتے، امیر خسرو کے نانا عماد الملک سلاطین دہلی کے عہد میں میر عرض کے عہدے پر مامور رہے، وہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کو روزانہ کھانا کھلاتے تھے، ان کے لیے پچاس طشت بہترین کھانے کے آتے، عہد تغلق کے ایک امیر خداوندزادہ قوام الدین کی ایک ضیافت میں ابن بطوطہ ملتان میں شریک ہوا تھا، اسی سلسلہ میں وہ اس زمانے میں دعوتوں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو نہایت پتلی ہوتی ہیں، پھر مسلّم بھنی ہوئی بکریاں لاتے ہیں، ہر ایک کے چار یا چھ ٹکڑے کر کے ایک ایک آدمی کے سامنے رکھتے جاتے ہیں، پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں آتی ہیں جن کے جوف میں حلوا صابونیہ بھرا ہوتا ہے اور ہر ایک ٹکیہ کے اوپر ایک میٹھی روٹی ہوتی ہے، جس کو خشتی کہتے ہیں، یہ آٹے، شکر اور گھی سے بنتی ہے، پھر ایک خاص چیز لاتے ہیں، جس کو سموسہ کہتے ہیں، وہ قیمہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے، اس میں بادام، جائفل، پستہ، پیاز اور گرم مسالہ ڈال کر پتلی چپاتیوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تل لیتے ہیں، ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چھ سموسے رکھے جاتے ہیں، پھر گھی میں پکے ہوئے چاول لاتے ہیں، اس کے اوپر مرغ ہوتا ہے، پھر لقیمات القاضی لاتے ہیں، جس کو ہاشمی کہتے ہیں، پھر قاہریہ لاتے ہیں...... کھانا شروع کرنے سے پہلے چاندی سونے اور کانچ کے پیالوں میں مصری اور گلاب کا شربت پی لیتے ہیں تو سب بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرتے ہیں، کھانا شروع ہونے پر فقاع (یعنی نبیذ) کے پیالے آتے ہیں اور جب اس کو پی لیتے ہیں تو پان آتا ہے، چھالیہ کے ساتھ پان لینے کے بعد سب اٹھ کر چلے جاتے ہیں، اگر کسی دعوت میں سلطان بھی ہوتا ہے تو کھانے سے پہلے اس کی تعظیم کرتے ہیں، اس طرح کہ سر کو رکوع کی طرح نیچے جھکاتے ہیں اور رخصت ہوتے وقت بھی یہی تعظیم بجالاتے ہیں۔(۱)

عہد مغلیہ کے امرا کے دسترخوان: عہد مغلیہ میں امرا کا دسترخوان اور بھی پر تکلف ہو گیا تھا، اکبر کے وزیر ابوالفضل کے دسترخوان پر طرح طرح کی چیزیں ہوتیں، وہ خود بھی اکبری وزن سے بائیس

---

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ص ۲۷،۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیر کھانا ایک وقت میں تنہا کھاتا،(۱) مآثر الامراہی کا سہار لے کر مولانا محمد حسین دربار اکبری میں اپنے خاص انداز میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالفضل کے کھانے کا حال سن کر تعجب آتا ہے، بائیس سیر کے اجناس کی مختلف چیزیں مختلف رنگوں سے پک کر دسترخوان پر لگتی تھیں، ابوالفضل کا لڑکا عبدالرحمٰن پاس بیٹھتا تھا اور خانساماں کی طرح دیکھتا رہتا تھا، خانساماں بھی سامنے حاضر رہتا، دونوں خیال رکھتے تھے کہ ہر کابی سے دو تین یا ئی نوالے کھائے جائیں، جس کھانے کو صرف ایک ہی دفعہ کھایا اور چھوڑ دیا وہ دوسرے وقت دسترخوان پر نہ آتا، کسی کھانے میں آب و نمک کا فرق ہوتا تو شیخ صرف اشارہ کر دیتا، منہ سے کچھ نہ کہتا، خانساماں کو دے دیا جاتا، وہ اس کا تدارک کرتا، جب شیخ دکن کی مہم پر تھا، دسترخوان وسیع اور کھانے ایسے پر تکلف اور عمدہ ہوتے تھے کہ آج کل کے لوگوں کو یقین نہ آئے، بڑے خیمہ میں دسترخوان چنا جاتا تھا، کھانے کی ہزار عمدہ قابیں مع لوازمات کے ہوتی تھیں اور سب امرا میں بٹ جاتی تھیں، پاس ہی ایک دوسرا بڑا خیمہ ہوتا تھا، اس میں کم درجہ کے لوگ جمع ہوتے تھے اور کھانا کھاتے تھے، باورچی خانہ برابر گرم رکھتا تھا اور کھچڑی کی دیگیں ہر وقت چڑھی رہتی تھیں، جو بھوکا آتا رزق پاتا اور کھاتا تھا۔

جہاں گیری عہد کے ایک فوجی سردار باقر خاں نجم ثانی کے باورچی خانے کے لیے دو سو بکرے، چالیس اونٹ اور ایک ہزار دوسرے جانور ذبح ہوتے تھے،(۲) سفر کی حالت میں بھی اس کے باورچی خانہ کے لیے تیس تیس چاندی کے دیگ ساتھ چلتے تھے، باقر خانی روٹی اسی کی ایجاد کردہ ہے، شاہ جہاں کا خسر یمین الدولہ آصف خاں دن رات میں شاہ جہانی تول سے ایک من وزن کا کھانا کھایا کرتا تھا،(۳) اس کے لڑکے اعتقاد خاں (۴) کے یہاں کھانوں کے اتنے اقسام ہوتے کہ کوئی اور امیر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

شاہانہ دعوتیں: امرا جب بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کرتے تو وہی شان و شوکت دکھاتے جو درباروں میں ہوا کرتی تھی، اعتمادالدولہ نے جہاں گیر کو چودھویں سال جلوس جشن نوروز کے موقع پر اپنے یہاں مدعو کیا تو جہاں گیر کی رہ گذر کو طرح طرح کے فانوس سے روشن کیا اور جو نذرانے پیش کیے ان

---

(۱) مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۲۱۔ (۲) مآثر الامراء جلد اول ص ۴۰۸۔ (۳) ایضاً ص ۵۸۔ (۴) ایضاً ص ۱۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سونے کا ایک تخت بھی تھا، جو تین سال کی مدت میں ساڑھے چار لاکھ روپیے میں تیار ہوا تھا۔(۱)

عہد جہاں گیری میں آصف خاں (نور جہاں کے بھائی) نے برطانوی سفیر کو جو دعوت دی اس کا ذکر ایڈورڈ ٹیری نے بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ آصف خاں نے سفیر کی دعوت ایک بہت بڑے اور خوب صورت خیمہ میں کی، وہاں میرے علاوہ اور کوئی نہ تھا، خیمہ ایسی خوشگوار قسم کی خوشبوئیات سے معطر کیا گیا تھا جو بادشاہوں اور امیروں کو مرغوب ہوا کرتی تھیں، خیمے کے اندر بڑے قیمتی قالین بچھے تھے اور جہاں کھانا چنا گیا تھا، وہاں پر اور بھی عمدہ قالین بچھائے گئے تھے، ان کے اوپر اعلا قسم کے بوٹے دار سفید دسترخوان تھے، ان پر چاندی کے ظروف رکھے تھے، جن کے حاشیے سونے کے بنے ہوئے تھے، یہ ظروف ہماری ان بڑی سی بڑی پلیٹوں سے بڑے نہ تھے، جن میں نان پاؤ رکھ کر کاٹے جاتے ہیں، ہم لوگ ایک مثلث کی شکل میں بیٹھے، سفیر آصف خاں کے دائیں جانب تھوڑی دور پر بیٹھا اور میں ان دونوں کے سامنے تھا، ہم سب زمین ہی پر بیٹھے، کیوں کہ یہاں لوگ اسی طرح کھانا کھاتے ہیں، ہمارے چہرے ایک دوسرے کے سامنے تھے اور ہم سب کے کھانے علاحدہ علاحدہ تھے، سفیر کے کھانوں میں دس قسم کے کھانے میزبان سے زیادہ تھے، میرے کھانے میں دس قسم کی چیزیں میزبان سے کم تھیں، پھر بھی میرے سامنے پچاس قسم کے کھانے تھے...... میں نے ان سب کو چکھا، سب کا ذائقہ بہت ہی عمدہ تھا، بڑی قابوں میں مختلف قسم کے چاول تھے، جن کا رنگ سفید بھی تھا، زعفرانی بھی، روغنی بھی، یہ کس طرح پکائے گئے تھے، یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن بہت ہی مزے دار تھے، کھانے میں گوشت کی بھی کئی قسمیں تھیں، مرغ اور پرندوں کے گوشت کاٹ کاٹ کر ہندوستانی طرز پر پکائے گئے تھے، میٹھی اور ترش چیزیں بھی تھیں، چاول کی فیرینی بہت میٹھی تھی، خوشبودار بھی اور ٹھنڈی بھی، چاول کے آٹے کی ایک اور بہت ہی میٹھی چیز تھی، اس میں میٹھے بادام بہت ہی باریک تراش کر کے ڈالے گئے تھے اور اس میں مرغ کے گوشت کے ٹکڑے بھی ملے تھے، جن کو تمیز کرنا آسان نہ تھا، ان میں کیوڑے کے ساتھ عنبر بھی تھا،

(۴) تزک جہاں گیری ص ۲۶۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح طرح کی روٹیاں بھی تھیں، بعض میں بادام اور قند ملے تھے، بعض بہت ہی خوشبودار تھیں، آلو کی بھی عمدہ چیزیں تھیں، مختلف قسم کے پھل بھی تھے، بادام، کشمش اور آلو بخارا کی چیزیں بھی تھیں اور پھر معلوم نہیں کیا کیا تھا، غرض کہ یہ ضیافت عمدہ سے عمدہ تھی، روٹیاں بہت اچھے گیہوں کی تھیں، سفید ہلکی اور گول بھی، ...... پانی سادہ تھا، ہم لوگ اس دعوت میں بہت دیر تک رہے، یہ روم کے مشہور اپی کیور کی دعوت سے یقینی بہتر کہی جا سکتی ہے، جو اپنی بھوک کو رفع کرنے کی خاطر زمین ہوا اور سمندر کی تمام چیزیں فراہم کرنے کا عادی تھا۔(۱)

آصف خاں اپنے محل میں بلا کر بادشاہ، شہزادوں اور شہزادیوں کی ضیافت کرتا تو ان کے استقبال اور دعوت میں جتنا زیادہ تکلف اور اہتمام ممکن ہوسکتا تھا، وہ کیا کرتا تھا، اسی زمانہ میں ایک فرنگی سیاح اف، اس، مزیق آیا تھا، اس کا بیان ہے کہ اس نے آصف خان کے پہرہ داروں کی سازش سے اس کے محل کے اندر چھپ کر ایک ضیافت کو دیکھنے کی کوشش کی، اس کا بیان ہے کہ آصف خاں نے شاہ جہاں کو اپنے زنان خانہ میں مدعو کیا، تو جس وسیع ایوان میں اس نے یہ دعوت کی اس کو فرش فروش اور زرنگار قالین سے آراستہ کیا، چاندی کی انگیٹھیوں میں جا بجا عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں جلائی جارہی تھیں، جن سے تمام فضا معطر تھی، مرصع اور زریں ظروف سے پورا ایوان جگمگا رہا تھا، ایوان میں جس طرف داخلہ کا راستہ تھا، وہاں چاندی کی ایک بڑی مچھلی آویزاں تھی، اس کے منہ سے سات معطر فوارے چھوٹ رہے تھے، بیچ میں دسترخوان بچھے تھے، جو باریک اور مہین سوتی کپڑے کے تھے، ان پر قدرتی خوشبودار پھولوں کے گلدستوں کے بجائے نقرئی اور طلائی پھول کڑھے تھے، ایک نمایاں جگہ پر دو طلائی مسندیں بچھی تھیں، ان کے پاس جا بجا نقرئی مسندیں بھی تھیں، جب شاہ جہاں ایوان میں داخل ہوا تو بغل کے کمروں سے سرود و نغمہ کی آواز بلند ہوئی، شاہ جہاں کے آگے آگے شہزادیاں تھیں، جو طلائی اور نقرئی کام سے لپے ہوئے زرق برق لباس پہنے تھیں، ان کے گلوں اور سروں پر سونے اور موتیوں کے ہار جگمگا رہے تھے، شاہ جہاں اندر داخل ہوا تو دائیں طرف اس کی خوش دامن اور بائیں طرف اس کی چہیتی بیگم ممتاز محل تھی، خود بیچ میں

(۱) آزاد ترجمہ بحوالہ اکبر (Akber, The great moghal) (از وی اے اسمتھ، ص ۴۰۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، اس کے پیچھے دارا شکوہ اور آصف خاں تھے، شاہ جہاں زرنگار مسند پر آ کر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی دو حسین عورتیں مورچھل ہلانے لگیں، اس کے فوراً ہی بعد آصف خاں کے گھر والے اور خود شاہ جہاں کے شہزادے اور شہزادیاں آگے بڑھیں اور جھک کر کورنش اور چہار تسلیمات بجا لائیں، شاہ جہاں اپنی خوش دامن سے بڑی تواضع کے ساتھ پیش آیا، اسے اپنے دائیں جانب بٹھایا اور دوسروں کو بھی بیٹھنے کو کہا، پہلی اور دوسری بار کہنے پر وہ سب کھڑے رہے لیکن تیسری بار ان سے کہا گیا تو وہ مؤدب بیٹھ گئے، ان کے بیٹھتے ہی بہت ہی شیریں نغموں کی آواز آنی شروع ہوئی، ان نغموں میں بادشاہ کے جنگی کارنامے بیان کیے جا رہے تھے، دست شوئی کا اہتمام شروع ہوا تو پہلے چار حسین لڑکیاں داخل ہوئیں، جو آصف خاں کے خاندان کی تھیں، وہ اپنے حسن و جمال میں کسی جگہ کی بھی حسین عورتوں سے کم نہ تھیں، وہ بہت ہی مؤدب ہو کر بادشاہ کی طرف بڑھیں، ان میں سے ایک نے اس کے سامنے سفید ساٹن کا ایک کپڑا بچھایا، دوسری نے ایک خوب صورت طلائی سیلانچی سامنے رکھی، جس میں جواہرات بھی جڑے تھے، تیسری نے اسی قسم کے جواہرات سے مرصع طلائی برتن سے ہاتھ دھلایا اور چوتھی نے ہاتھ پونچھنے کے لیے تولیہ بڑھایا، ان چاروں کے بعد بارہ عورتیں داخل ہوئیں، جو پہلی چار لڑکیوں کی طرح معزز تو نہ تھیں لیکن تہذیب میں کم بھی نہ تھیں، انہوں نے شہزادوں اور شہزادیوں کے ہاتھ اسی طرح دھلائے، جب کھانا دوسرے دروازے آنا شروع ہوا تو طرح طرح کے نغمے بھی تیز ہونے لگے، خواجہ سرا طلائی ظروف میں کھانا لا رہے تھے، ان خواجہ سراؤں کا لباس بہت ہی اچھا اور معطر تھا، چار خواجہ سرا کھانا لا کر دو خواجہ سراؤں کو دے دیتے، پھر یہ دونوں ان دو حسین عورتوں کو جو بادشاہ کے پاس کھڑی رہتیں، یہ برتن دیتے، دونوں عورتیں گھٹنے ٹیک کر بادشاہ کے سامنے ظروف رکھتیں، دسترخوان پر روٹیوں اور مٹھائیوں کی بہت سی قسمیں تھیں، کھانے کے بعد رقص بھی ہوا، پھر نذرانے پیش ہوئے جن میں طرح طرح کے جواہرات تھے۔(۱)

شاہی مطبخ: شاہی مطبخ کے چار حصے ہوتے تھے، ۱- مطبخ: جہاں کھانا پکتا تھا، ۲- آب دار خانہ:

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جلد اول ص ۱۱۷، ۱۹۱۱ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں پینے کا پانی اور دوسرے مشروبات ہوتے تھے، ۳- میوہ خانہ: جہاں پھل رکھے جاتے تھے، ۴- رکاب خانہ: جہاں آٹے کی چیزیں پکتی تھیں۔

مطبخ میں حسب ذیل ملازم ہوتے تھے، ۱- میر بکاول: وہ پورے مطبخ کا نگراں ہوتا اور دیوان بیوتات کی مدد سے ہر قسم کی چیزیں فراہم کرتا، اکبری عہد میں سکھ داس چاول بہرائچ سے، دیوزیرہ چاول گوالیار سے، جنجن چاول راجوری سے آتا، کیوں کہ اکبران کو خاص طور سے پسند کرتا تھا، گھی حصار فیروزہ سے منگوایا جاتا، قاز، مرغابیاں اور اکثر ترکاریاں کشمیر سے آتیں، بکریاں، بھیڑ، بربری مرغ اور قاز وغیرہ پالے بھی جاتے، مذبح شہر سے باہر تالاب کے کنارے ہوتا، وہاں سے گوشت کیسوں میں لایا جاتا، باورچیوں کی مہر کے بعد کیسے مطبخ میں بھیجے جاتے، یہ سب کچھ میر بکاول کی نگرانی میں ہوتا، ۲- خزانچی: وہ ایک سال کا تخمینہ پیش کرتا، جس کے بعد سال بھر کی رقم اس کو دے دی جاتی، روپیوں کی تھیلیوں پر میر بکاول کی مہریں ہوتی تھیں، اجناس پر بھی اس کی مہر ہوتی، خزانچی روزانہ اخراجات کی فہرست بھی میر بکاول کے سامنے پیش کرتا، اس کی رسید پر دو عہدہ داروں کی مہریں ہوتیں، ۳- خورش شناس: وہ کھانا چکھا کرتا، ۴- تحویلچی: وہ تمام اخراجات لکھنے کے لیے مقرر رہتا، ان کے علاوہ بکاول، باورچی، رکاب دار اور سقے وغیرہ ہوتے۔

کھانا پکاتے وقت پکانے والے آستین چڑھا کر دامن کمر سے باندھ لیتے اور اپنا منہ اور ناک بند کر لیتے، کھانا پک جاتا تو اس کو پہلے بکاول، پھر چاشنی گیر اور آخر میں میر بکاول چکھتا، پھر کھانا قابو میں نکالا جاتا، طلائی اور نقرئی قابیں سرخ کپڑوں اور چینی اور تانبے کے ظروف سفید کپڑوں میں باندھ دیے جاتے، میر بکاول ان کپڑوں میں اپنی مہر لگا دیتا اور ہر پکی ہوئی چیز کا نام لکھ دیتا، باورچی خانہ کا منشی ان تمام کھانوں کی فہرست اپنے پاس رکھ لیتا، پھر یہ محل کے اندر بھیج دیے جاتے، کھانے کی قابیں بکاول اور دوسرے ملازمین لے کر چلتے، چوب دار ان کے ساتھ ہوتے، جب کھانے کی قابیں اندر پہنچ جاتیں تو پھر دہی اچار اور لیموں وغیرہ اسی طرح مہر کر کے بھیجے جاتے، محل کے اندر ملازمین ان کھانوں کو چکھ لیتے تو دسترخوان پر چنتے، دسترخوان بچھانے والے سیلانچی کہلاتے اور جب بادشاہ دسترخوان پر بیٹھتا تو پہلے فقرا کا حصہ علاحدہ کر دیا جاتا، تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملازمین آس پاس کھڑے رہتے، اکبر دودھ یا دہی سے کھانا شروع کرتا اور جب کھانا ختم ہو جاتا تو خدا کا شکر بجالایا جاتا، میر بکاول ہر وقت حاضر رہتا اور آخر میں فہرست کے مطابق برتنوں کو لے کر واپس جاتا۔(۱)

مختلف قسموں کے کھانے علاحدہ علاحدہ بکاول پکایا کرتے تھے، مغل بادشاہوں کے آخر دور میں کھانا پکانے والوں کی تین قسمیں ہوگئی تھیں، دیگ شو، باورچی اور رکاب دار، دیگ شو، صرف دیگ اور دوسرے برتن دھویا کرتے، باورچی دیگوں میں کھانا پکایا کرتے، رکاب دار صرف چھوٹی ہانڈیاں پکاتے اور میوہ جات کے پھول کتر کر کھانوں پر نقش ونگار بناتے۔

الوش: بادشاہ اپنے دسترخوان پر سے امرا اور خاص خاص لوگوں کو کھانے بھیجا کرتا تھا، جس کو الوش خاصہ کہا جاتا تھا(۲) جو امیر رات کو محل کا نگراں ہوتا، اس کو بھی کھانا شاہی خاصہ سے ملتا، خاصہ پاتے وقت ایک خاص رسم ادا کی جاتی، امیر کھڑے ہو کر بادشاہ کے محل کی طرف رُخ کر کے تین دفعہ تسلیمات بجالاتا، یعنی اپنا دایاں ہاتھ جھک کر زمین سے سر تک اٹھاتا۔(۳)

مشروبات: پہلے ذکر آچکا ہے کہ امیر خسرو نے لکھا ہے کہ شاہی دعوتوں میں شربت قند کے سیکڑوں پیالے رکھے جاتے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے شربت گلاب ہوتا، انار، نارنج، ترنج، لیمو، آم کے شربت کا ذکر تاریخوں میں برابر آتا ہے، اطبا اور عطار، مشک، بید مشک، کیوڑے، گلاب، زعفران اور دیگر خوشبودار چیزیں دے کر شربت کو مفرح اور لذیذ بناتے اور مسلمانوں کے آنے کی وجہ سے ہندوستان میں طرح طرح کے شربت مثلاً انار، شربت بیدانہ، شربت فالسہ، شربت زعفران وغیرہ رائج ہوئے، جو آج بھی استعمال میں ہیں۔

ناؤ نوش: بعض سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ اور ان کی تقلید میں امرا بھی شراب استعمال کرتے رہے لیکن ہر زمانہ میں شراب مذہبی حیثیت سے حرام اور معاشرتی حیثیت سے ام الخبائث سمجھی گئی۔

آب دار خانہ: اکبری دور سے پانی کا ایک باضابطہ محکمہ قائم ہو گیا تھا، جو آب دار خانہ یا برفاب

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے آئین اکبری جلد اول ص ۲۳۔ (۲) مآثر عالم گیری ص ۳۵، عالم گیر نامہ ص ۲۱۶، (۳) سفر نامہ برنیر اردو ترجمہ ص ۳۸۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہلاتا تھا، اکبر آگرہ اور فتح پور سیکری میں قیام کرتا، تو قصبہ سورون سے پانی لایا جاتا، جہاں کا پانی اکبر کو پسند تھا، یا وہ لاہور میں ہوتا تو ہردوار سے پانی برابر آتا رہتا، باورچی خانہ میں جمنا چناب یا بارش کا پانی صرف ہوتا اور اس میں گنگا کا پانی بھی ملا دیا جاتا۔

اس کے باورچی خانہ میں پہاڑوں سے برف بھی آیا کرتی تھی، لاہور سے ۴۵ کوس کے فاصلہ پر قصبہ سنہان (بنہان) ہے، وہاں برف بہت ہوا کرتی تھی، برف کشتیوں پر لائی جاتی، ایک کشتی آگرہ روزانہ پہنچا کرتی تھی، ڈاک چوکی بہل اور کہاروں کے ذریعہ بھی برف آتی رہتی، پہاڑی باشندے بھی برف کی سلیں فروخت کرنے کے لیے لاتے اور ہر سل پچیس تیس سیر کی ہوتی اور ہر بیل دو پشتارے لاتے اور راستے میں ڈاک چوکی کے گھوڑے بدلتے رہتے، کبھی ہاتھی پر بھی برف کی سلیں آتی رہتیں تھیں۔

جو برف سوداگر فروخت کرتے، وہ ایک روپیے میں دو یا تین سیر فروخت ہوتی، بیل اور ہاتھی پر جو برف آتی وہ جاڑے میں فی سیر تین دام اکیس چیتل اور برسات میں چودہ دام بیس چیتل اور عام زمانے میں نو دام ساڑھے اکیس چیتل سے فروخت ہوتی لیکن عام نرخ ساڑھے پندرہ چیتل فی سیر تھا، جو برف کہاروں پر آتی وہ گراں بکتی۔(۱)

عبدالحلیم شرر نے برف کی فراہمی کی ایک اور ترکیب لکھی ہے، وہ یہ کہ چلہ کے جاڑوں میں جب سردی خوب شدت پر ہوتی تو کھیتوں اور کھلے میدانوں میں مٹی کے برتنوں میں گرم پانی بھر کر رکھ دیا جاتا، جو صبح کو جما ہوا ملتا، اس برف کو اسی وقت زمین کے اندر گڈھوں میں دفن کر دیا جاتا، ان میں وہ برف اپنی حالت پر قائم رہتی اور سال بھر کام آتی، یہ برف صاف نہ ہوتی، تو شورہ اور نمک ملا کر اس کو صاف کرتے رہتے۔(۲)

لیکن جن کو برف میسر نہ ہوتی وہ شورہ سے پانی ٹھنڈا کیا کرتے، ایک سیر پانی جست یا چاندی یا کسی دوسری دھات کے برتن میں بھر دیا جاتا اور اس کا منہ بند کر دیتے، پھر ایک بڑے برتن میں ڈھائی سیر شورہ اور پانچ سیر پانی ڈال دیتے اور سربستہ برتن کو بڑے برتن میں رکھ کر پاؤ گھنٹہ

(۱) آئین اکبری جلد اول آئین ۲۲۔(۲) گزشتہ لکھنؤ ص ۲۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوب ہلاتے، اس طرح پانی ٹھنڈا ہو جاتا، شورہ ایک روپیہ میں ۳/۴ ۳ سے لے کر چار من تک مل جاتا۔

(آئین کبری جلد اول آئین ۲۲)

عام لوگ مٹی اور جست کی صراحیاں رکھتے اور ان پر شالباف (ٹول) کا کپڑا چڑھا دیتے، صراحیوں میں ہوا لگتی تو پانی ٹھنڈا ہوتا رہتا۔

پھل: کھانے کے ساتھ پھلوں کے کھانے کا بھی عام رواج تھا، زیر نظر عہد میں جن جن پھلوں کا ذکر تاریخوں میں آیا ہے، ان میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے، جس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ بعض پھل تو خالص ہندوستانی ہیں اور بعض پھل باہر سے لا کر یہاں ان کے درخت لگائے گئے۔

آم: یہ ہندوستان کا قومی پھل ہے، اس لیے خواص و عوام دونوں میں مقبول رہا، دہلی کے غلام خاندان کے مشہور فرماں روا شمس الدین التتمش کو یہ اس قدر پسند تھا کہ اس نے اس کا نام نغزک رکھنے کی کوشش کی جس کے لغوی معنی نادر، خوب اور لطیف ہیں، اس پر امیر خسرو نے یہ شعر بھی کہا:

نغزک ما نغز کن بوستاں ☆ نغز تریں میوۂ ہندوستاں

لیکن یہ نام چل نہ سکا، آم یا انبہ ہی کہلاتا رہا، یہ ہندوستان کے علاوہ کہیں اور نہیں ہوتا، اس لیے بیرونی سیاح اس کا ذکر بہت ہی مزے لے لے کر کرتے رہے، مثلاً ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک میوہ انبہ ہوتا ہے، اس کا درخت نارنگی کے درخت کے مشابہ ہوتا ہے، گو اس کے پتے نارنگی کے پتوں سے بڑے اور تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں، اس کا سایہ بھی زیادہ گھنا ہوتا ہے، لیکن جو شخص اس کے سایہ میں سفر کرتا ہے، کسلمند ہو جاتا ہے اور اس کا پھل آلو بخارا سے بڑا ہوتا ہے، پکنے سے پہلے سبز ہوتا ہے اور جب گر پڑتا ہے تو اس میں نمک ڈال کر اچار بناتے ہیں، اسی طرح جیسے ہمارے ملک میں لیمو اور کھٹے آم کا اچار بناتے ہیں اور کھانے کے ساتھ کھاتے ہیں اور ہر نوالہ کے پیچھے تھوڑا سا اچار کھا لیتے ہیں، جب خریف کے موسم میں انبہ پکتا ہے تو زرد رنگ کا ہو جاتا ہے اور اس کو سیب کی طرح کھاتے ہیں، بعض لوگ اس کو تراش کر کھاتے ہیں اور بعض چوستے ہیں، اس میں مٹھاس کے علاوہ کچھ ترشی بھی ہوتی ہے، گٹھلی بڑی نکلتی ہے، جس کو بوتے ہیں تو درخت ہو جاتا ہے۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۲۸، ۲۹)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابر ہندوستان آیا تو آم کو دیکھ کر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ خودرو بھی ہوتا ہے، مگر خودرو عمدہ نہیں ہوتا، عام طور سے کچی کیریاں توڑ لیتے ہیں اور پال ڈال کر پکاتے ہیں، گدری کیریاں ترشی لیے ہوتی ہیں، جن کا مربہ خوب ہوتا ہے، سچ یہ ہے کہ آم ہندوستان کے عمدہ پھلوں میں سے ہے، اس کا درخت بہت بڑھتا ہے، برسات کے موسم میں پکتا ہے، اس کو ایک تو اس طرح کھاتے ہیں کہ نیچے کی طرف کو پلپلاتے ہیں اور پھر اس کے منہ میں سوراخ کرتے ہیں اور رس چوستے ہیں، دوسرے شفتالوے کاروی کی طرح پوست کو علاحدہ کر کے کھاتے ہیں، اس کا پتہ شفتالو کے پتے سے کچھ کچھ مشابہ ہوتا ہے۔

بابر کو شاید آم زیادہ پسند نہ ہو، اس لیے وہ لکھتا ہے کہ بعض لوگ آم کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ خربوزہ کے سوا تمام پھلوں سے بہتر سمجھتے ہیں لیکن ایسا تو نہیں ہے، ہاں شفتالوے کاروی سے ملتا جلتا ہے، اس کا تنہ بھی بے ہنگم اور بے ڈول ہوتا ہے، ابوالفضل نے بابر کی اس رائے کی تردید کی ہے اور آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ آم اپنے رنگ، ذائقہ اور خوشبو میں بے مثل پھل ہے، بعض ایرانی اور تورانی بھی اس پھل کو خربوزے اور انگور سے بہتر سمجھتے ہیں، اس کا درخت بے حد خوش نما ہوتا ہے، خصوصاً جوان پودے بے انتہا خوب صورت ہوتے ہیں، ان کے پتے برگ بید سے مشابہت رکھتے ہیں، خزاں کے بعد ان میں سبز زرد، نارنجی اور آتشی رنگ کے نئے پتے نمودار ہوتے ہیں اور جب بہار کے شروع میں ان میں کلیاں پھوٹتی ہیں اور پھل انگور کے خوشوں کی طرح لگتے ہیں تو ان کی خوشبو نہایت عمدہ ہوتی ہے اور درختوں کی قطار عجب بہار دکھاتی ہے۔

آموں کے متعلق ابوالفضل نے بعض مفید معلومات فراہم کیے ہیں، مثلاً وہ لکھتا ہے کہ بعض آم وزن میں ایک سیر سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، آموں کے نہ صرف مربے اور اچار بنائے جاتے ہیں، بلکہ سالن میں ان کے قتلے بھی ڈالے جاتے ہیں جو بہت لذیذ ہوتے ہیں لیکن قتلہ اسی وقت اچھا ہوتا ہے جب آموں میں گٹھلی ہو جاتی ہے، بعض آم جاڑوں کے شروع میں بھی ہوتے ہیں، جن کو بھدیہ کہا جاتا ہے، آموں کے کچھ درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جو سال بھر پھل دیتے رہتے ہیں لیکن ایسے درخت بہت کم کہیں کہیں پائے جاتے ہیں، یہ پھل ہندوستان میں ہر جگہ ہوتا ہے، اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کثرت بنگال، گجرات، مالوہ، خاندیس اور دکن میں ہوتی ہے، پنجاب میں کم ہوتا ہے، آم کے پودوں کو دودھ اور شکر سے سینچا جاتا ہے، تو ان کے پھلوں میں مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے، ابوالفضل نے شاید اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر یہ بھی لکھا ہے کہ آم کی خستہ گٹھلیاں اگر رکھ دی جائیں تو یہ دو تین سال کے بعد تریاق کا کام دیتی ہیں، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اگر آم کو پکنے سے پہلے اس کی شاخ کے ساتھ توڑ لیا جائے اور شاخ کے اوپر گرم موم لگا کر اس کو گائے کے گھی یا شہد میں ڈال دیا جائے تو آم کے ذائقہ میں دو تین مہینے اور اس کے رنگ میں ایک سال تک کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ (آئین اکبری جلد اول ص ۴۹)

ہندوستان میں درختوں میں پیوند لگا کر اچھے درخت پیدا کرنے کا رواج مسلمان بادشاہوں کے دور میں ہوا، عہد اکبری میں محمد قلی افشار کشمیر میں شاہی باغات کا داروغہ تھا، اس نے کابل سے شاہ آلو منگوا کر اس میں پیوند لگایا اور اسی کے بعد درختوں میں پیوند لگانے کا عام رواج ہو گیا، (تزک جہاں گیری ص ۳۰۴) مسلمانوں نے آموں میں بھی پیوند لگانا شروع کیا اور اب قلمی آموں کی بے شمار قسمیں ہو گئی ہیں، ثمر بہشت، فضلی، خاص الخاص، گلاب خاص، دسہری، حسن آرا، محمود الظفر، دودھیا، حکیم الدین، سپیدہ، انگیں، نواب پسند، وحید پسند، دل پسند، صفدر پسند، صادق پسند، شیرۂ حیات، کوہ نور، گلاب جامن، آفتاب، آب حیات، دل فریب، اعیز الثمر، الماس، ابرنیساں، شمس الاثمار، تاج الاثمار، بدر الاثمار، سر یر خاص، بے نظیر کلاں، تیمور لنگ، تیموریہ، حضور پسند، رٹول، ماہ بوستاں، ثمر طوبیٰ، حمیدیہ، حوضِ کوثر، رشک قمر، رشک گلستاں، رشک جہاں، زرد آلو، سیبِ ہند، سیب جنت، لشکر شکن، معرکہ آرا، ناز بو، شہید ناز، پرنس وغیرہ مسلمانوں ہی کی کوششوں سے آج ملک میں پیدا ہو رہے ہیں، ہندوؤں نے بھی خاص خاص قلمی آم لگائے جن میں کشن بھوگ، موہن بھوگ، شوکل، سپیا، طوطا پری، ہیم ساگر، ہیر آساونیاں، ناگل، کیلوا، کنور پہاڑ، شیام، برن، بیسا کھیہ، باگل سہائے، بملی، بھارت، بھوگ، لوہا چنگ وغیرہ مشہور ہیں۔

نارنج: نارنج، نارنگ کا معرب ہے جو اب نارنگی کے نام سے مشہور ہے، بابر کے زمانہ میں یہ پھل سوات اور بجور میں بکثرت پیدا ہوتا تھا، وہ لکھتا ہے کہ بجور کے نارنج بہت رسیلے اور بہی کے برابر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں اور بعض درختوں میں سات سات ہزار لٹکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، گو اور جگہوں کے نارنجوں سے زیادہ کھٹے ہوتے ہیں۔ (تزک بابری، اردو ترجمہ، ص ۲۸۵)

کنولا: یہ بھی نارنگی ہی کی ایک قسم ہے، ابوالفضل اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ رنگ میں زعفرانی اور بہی کا سا ہوتا ہے، یہ پھل ہندوستان کے بہترین پھلوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کا درخت لیموں کے پودے سے مشابہ ہوتا ہے اور اس کے پھول میں ہلکی ہلکی خوشبو ہوتی ہے۔

(آئین اکبری جلد اول ص ۵۱)

ترنج: بابر رقم طراز ہے کہ ترنج نارنج ہی کی طرح ہوتا ہے، بجور اور سوات والے اس کو بالنگ کہتے ہیں، اسی لیے اس کے مربے کو مربائے بالنگ کہا جاتا ہے، ترنج دو طرح کا ہوتا ہے، ایک میٹھا لیکن بے مزہ، اس کے صرف مربے بنائے جاتے ہیں، دوسرا کھٹا ہوتا ہے، جس سے بڑے مزے کا شربت تیار کیا جاتا ہے، عام طور سے ترنج چھوٹے خربزے کے برابر ہوتے ہیں، ان کے چھلکے پتلے، پوست کھردرے، رنگ نارنج کے رنگ سے زیادہ زرد اور پتے نارنگ کے پتوں سے بڑے ہوا کرتے ہیں۔ (تزک بابری، اردو ترجمہ، ص ۲۸۵)

سنگترہ: اس کے بارہ میں بابر لکھتا ہے کہ یہ رنگ اور وضع میں نارنج سے ملتا جلتا ہے، ترنج سے چھوٹا اور اس کا درخت زرد آلو کے برابر ہوتا ہے، اس میں بڑی ترشی ہوتی ہے لیکن جو میٹھا ہوتا ہے وہ پسند کیا جاتا ہے، جہانگیر کو یہ بہت پسند تھا اور اس کے رنگ کی وجہ سے اس کا نام رنگترہ رکھنے کی کوشش کی لیکن یہ نام چل نہ سکا، اب یہ سنترہ کہلاتا ہے۔

لیمو: نارنج ہی طرح لیمو بھی ہوتا ہے، بابر نے لکھا ہے کہ اس کے ریشہ کو جوش دے کر زہر کھانے والے کو پلایا جاتا ہے تو زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔ (تزک بابری، ص ۲۸۵)

کلکل: بابر نے لکھا ہے کہ یہ نارنج جیسا بڑا لیمو ہے اور بڑا رسیلا پھل ہے، قاز کے انڈے کے برابر ہوتا ہے۔ (تزک بابری ص ۲۸۵)

کرنا: یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا کلکل کے برابر لیکن ذائقہ میں کھٹا ہوتا ہے، ابوالفضل نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ سیب سے مشابہ ہوتا ہے، تین سال میں اس کے خوشے نکل آتے ہیں، ابتدا میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبز، ترش اور کچھ تلخ ہوتا ہے لیکن بعد میں زرد ہو جاتا ہے، جس کے بعد تلخی جاتی رہتی ہے اور پختہ ہو کر سرخ اور شیریں ہو جاتا ہے، دیر تک رکھے رہنے سے دوبارہ سبز ہو جاتا ہے، اس کا درخت لیمو کے مانند ہوتا ہے لیکن اس کی پتیاں برگ لیمو سے زیادہ چوڑی ہوتی ہیں، اس کے پھول سفید ہوتے ہیں، جن کے زریں ریشے یا دانے میں بے حد خوشبو ہوتی ہے اور ان سے عبیر تیار کیا جاتا ہے۔

(آئین اکبری، ص ۵۰)

امل بید: نارنج کے مشابہ ہوتا ہے، بابر رقم طراز ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ اس میں اتنی ترشی ہوتی ہے کہ اگر اس میں سوئی ڈال دی جاتی ہے تو پانی ہو کر بہہ جاتی ہے، اس کی عمدہ قسم کو کملہ کہتے ہیں جس کی مٹھاس لطیف اور خوش گوار ہوتی ہے، یہ حاجی پور میں زیادہ ہوتا ہے۔

جنبیری: نارنج کی شکل کا ہوتا ہے لیکن اس کے رنگ میں زردی ہوتی ہے اور بڑا کھٹا ہوتا ہے۔

سدا پھل: یہ امرود کے برابر ہوتا ہے، رنگ بہی کے رنگ کا ایسا ہوتا ہے، اس میں مٹھاس ہوتی ہے، بابر لکھتا ہے کہ اس کی مٹھاس نارنج کی ہوتی، ناگوار نہیں ہوتی۔ (تزک بابری، ص ۲۸۶)

امرود پھل: بابر نے لکھا ہے کہ یہ بھی نارنج ہی کی شکل کا ہوتا ہے۔ (تزک بابری، ص ۲۸۶)

کیلا: بابر ہندوستان آیا تو کیلے کے درخت کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا تھا، وہ لکھتا ہے کہ اس کا درخت گھاس اور درخت کے بین بین ایک چیز ہے، اس کا پتہ دو گز لمبا اور ایک گز چوڑا ہوتا ہے، پتہ اور درخت کے بیچ میں ایک شاخ دل کی شکل کی طرح ہوتی ہے، اسی شاخ کے منہ پر غنچہ ہوتا ہے، جس کی وضع بکرے کے دل جیسی ہوتی ہے، غنچہ کی جو پنکھڑی نکلتی ہے، اس کی جڑ میں سے چھ سات کلیوں کی ایک قطار پھوٹتی ہے، یہی کلیاں کیلا ہو جاتی ہیں، آگے چل کر لکھتا ہے کہ کیلے میں دو لطافتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا چھلکا آسانی سے اتر جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کے اندر بیج یا اور کوئی چیز نہیں ہوتی، بابر کو بنگال کے کیلے بہت پسند تھے، اس لیے لکھتا ہے کہ یہاں کے کیلے بہت میٹھے ہوتے ہیں، اس کا درخت بھی خوش نما ہوتا ہے، اس کے چوڑے چوڑے اور ہرے ہرے پتے اچھے معلوم ہوتے ہیں، ابوالفضل لکھتا ہے کہ کیلے کا درخت نیزے کی طرح ہوتا ہے اور اس کی پتیاں بے سلی ہوئی آستینیں معلوم ہوتی ہیں، کلیاں پتیوں کے درمیان صنوبری شکل اور سوسنی رنگ کی ہوتی ہیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر خوشہ میں ستر یا اسّی کیلے پھلتے ہیں۔ (تزک بابری ص ۲۸۲، آئین اکبری ص ۵۰، ۵۱)

پنیالہ: بابر لکھتا ہے کہ یہ سرخ سیب کے مشابہ اور مزہ میں چاشنی دار ہوتا ہے، اس کا درخت انار کے درخت سے اونچا اور پتے بادام کے ایسے مگر کچھ لمبے ہوتے ہیں۔ (تزک بابری ص ۲۸۳)

مہوہ: بابر نے لکھا ہے کہ اس کا درخت خوش نما اور سایہ دار ہوتا ہے، اس کے پھولوں کا عرق کھینچا جاتا ہے اور ان کو سکھا کر مویز کی طرح کھاتے ہیں، جو مزہ میں کشمش کی طرح ہوتے ہیں، ان کی بو بھی اچھی ہوتی ہے۔

کھرنی: ہندوستان کا یہ معمولی پھل ہے لیکن بابر کی نظر اس پر بھی گئی اور لکھتا ہے کہ اس کا درخت اونچا تو نہیں لیکن چھوٹا بھی نہیں ہوتا، پھل کا رنگ تو زرد ہوتا ہے لیکن مزہ کچھ انگور سے ملتا ہے، گو کھاتے وقت کچھ کسیلا پن بھی محسوس ہوتا ہے۔ (تزک بابری ص ۲۸۳)

جامن: بابر کو جامن پسند نہیں آیا، اس لیے لکھتا ہے کہ پھل تو سیاہ انگور کے ایسا ہوتا ہے لیکن مزہ میں زیادہ اچھا نہیں ہے، کچھ ترشی لیے ہوتا ہے۔

کمرک: بابر کو کمرک پسند آ گیا تھا، اس لیے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے پانچ پہلو ہوتے ہیں، عین آلو کے برابر ہوتا ہے، پکنے کے بعد زرد ہو جاتا ہے، اس میں گٹھلی نہیں ہوتی ہے، شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے لیکن پکنے کے بعد اس کی ترشی مزے کی ہو جاتی ہے، اچھا اور لطیف پھل ہے۔ (تزک بابری ص ۲۸۳)

کٹھل: بابر نے کٹھل کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ اس کی صورت بکرے کی اوجھڑی کی ایسی ہوتی ہے، کپی کی طرح سے پھولتا رہتا ہے، بہت میٹھا لیکن بدمزہ ہوتا ہے، اس کے اندر کے دانے خرما سے مشابہ ہوتے ہیں لیکن لمبے ہونے کے بجائے گول ہوتے ہیں، ان دونوں میں کھجور سے زیادہ نرم نرم گودا ہوتا ہے، جس کو کھایا جاتا ہے، اس میں بڑی چچپاہٹ ہوتی ہے اسی لیے کھاتے وقت احتیاطاً ہاتھ اور منہ پر چکنائی مل لی جاتی ہے، اس کے پھل درخت کی شاخ اور تنہ میں بھی لگتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت میں کپیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ (تزک بابری ص ۲۸۳)

بڑہل: بابر نے بڑہل بھی کھایا تھا، اس لیے لکھتا ہے کہ سیب کے برابر ہوتا ہے، اس کی بو تو اچھی ہوتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن عجب بے مزہ پھل ہے۔ (تزک بابری ص ۲۸۳)

بیر: بابر نے اس پھل کے متعلق فلکیاتی علم کا سہارا لے کر معلومات فراہم کیے ہیں، کہتا ہے کہ ثور اور جوزا میں اس کی پت جھڑ ہوتی ہے اور سرطان میں ہرا بھرا ہو جاتا ہے اور جب آفتاب ولا در حوت میں آتا ہے تو اس کے پھل پکنے لگتے ہیں بابر نے باندے کے بیر کی بڑی تعریف کی ہے۔ (تزک بابری، ص، ۲۸۳)

کروندہ: بابر نے اپنے وطن کے پھل جکہ سے اس کا موازنہ کیا ہے اور لکھتا ہے کہ اسی کی طرح لمبوترا اور گول ہوتا ہے لیکن عام طور سے پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے اور کروندہ میدانوں میں ہوتا ہے، اس کا مزہ مری خوان کا ایسا ہوتا ہے، گو اس میں مٹھاس زیادہ مگر تراوٹ کم ہوتی ہے۔ (تزک بابری، ص ۸۳)

آملہ: بابر اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی پانچ پھانکیں ہوتی ہیں اور گو بے مزہ مگر مفید پھل ہے، اس کا مربہ برا نہیں ہوتا ہے، اس کے خوب صورت درخت کے پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

گولر: بابر نے لکھا ہے کہ یہ انجیر سے مشابہت رکھتا ہے لیکن عجب بے مزہ پھل ہے، جو درخت کے تنے میں لگتا ہے۔ (تزک بابری، ص ۲۸۳)

چرونجی: بابر کو اس کا مغز پسند آیا تھا، اس لیے اس کے ذکر میں لکھتا ہے کہ اس کی گٹھلی میں سے چار مغز اور بادام کی سی گری نکلتی ہے، جو مٹھائیوں وغیرہ پر ڈالی جاتی ہے۔ (تزک بابری ص ۲۸۴)

کھجور: ہندوستان میں عام طور سے اچھی کھجوریں نہیں ہوتی ہیں، لیکن بابر نے اس پھل کے متعلق بھی دل چسپ معلومات فراہم کیے ہیں، مثلاً وہ لکھتا ہے کہ اس کی شاخیں درخت کے سر پر ایک ہی جگہ ہوتی ہیں، پتے شاخوں کی جڑ سے سر تک دو طرفہ ہوتے ہیں، تنہ تو کھردرا اور بد رنگ ہوتا ہے لیکن پھل انگور کے خوشہ کی طرح لگتا ہے، اس کے درخت میں دو باتیں حیوانوں کی ایسی ہیں، ایک یہ کہ جس طرح حیوان کا سر کاٹ ڈالا جاتا ہے تو وہ مر جاتا ہے، اسی طرح اس کے درخت کا سر تراش دیا جاتا ہے تو یہ خشک ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ جیسے حیوانات میں نر کے بغیر مادہ کے یہاں بچہ نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا، اسی طرح جب تک مادہ کھجور کے پھل میں نر کھجور کا پھول نہیں ملتا، اس کے بعد بابر اس کی تفصیل لکھتا ہے کہ کس طرح اس سے تاڑی نکالی جاتی ہے۔ (تزک بابری، ص ۲۸۴)

ناریل: بابر کے بیان کے مطابق اس کا درخت کھجور کے درخت جیسا ہوتا ہے اور اس کی تمام شاخوں میں پتے ہوتے ہیں، اس کے پھل کے اوپر ریشہ دار پوست ہوتا ہے، جہازوں اور کشتیوں کے رسے اور رسیاں اسی پوست سے بناتے ہیں، پوست کے نیچے سخت قسم کی جھلی ہوتی ہے، جس کے اندر مغز بنتا ہے، ابوالفضل نے ناریل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں پھل برابر لگے رہتے ہیں جو تین مہینے میں پک کر تیار ہوتے ہیں، کچے پھل کا رنگ سبز ہوتا ہے اور کچھ دنوں رکھ دیا جاتا ہے تو اس سے ایک قسم کا شربت نکلتا ہے، جو دودھ کی طرح سفید ہوتا ہے، گرمی کے موسم میں اس کو شکر ملا کر پیا جاتا ہے، تو بہت لذیذ ہوتا ہے، یہ پک جاتا ہے تو اس کو تیل میں ڈال کر سیاہ کر لیتے ہیں، جس کے بعد یہ میٹھا اور چرب دار ہو جاتا ہے، اس کو پان کے ساتھ بھی کھایا جاتا ہے، جس سے زبان میں نرمی اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے، اس کے پوست کے پیالے، چمچے اور ستار وغیرہ بناتے ہیں، پھل چہار چشمی، سہ چشمی، دو چشمی اور یک چشمی ہوتا ہے، ہر ایک کی خاصیت علاحدہ علاحدہ ہوتی ہے لیکن آخری قسم سب سے اچھی سمجھی جاتی ہے، ناریل کی ایک قسم زہر کا تریاق سمجھی جاتی ہے، اس کے بعض پھل بارہ سیر یا اس سے زیادہ وزنی ہوتے ہیں۔ (آئین اکبری، ص ۵۱)

تاڑ: بابر نے تاڑ کو بھی ہندوستانی پھلوں میں شمار کیا ہے اور اس کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کی شاخیں درختوں کے سر پر ہوتی ہیں، اس سے بھی یہاں کے لوگ کھجور کی طرح رس نکالتے ہیں اور پیتے ہیں، جس کو تاڑی کہتے ہیں، اس میں کھجور کے رس سے زیادہ نشہ ہوتا ہے، اس کی شاخوں میں گز ڈیڑھ گز تک پتہ نہیں ہوتا، اس کے بعد تیس چالیس پتے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نکلتے ہیں جن کی لمبائی تقریباً گز بھر کی ہوتی ہوگی، ہندی تحریریں اکثر ان ہی پتوں پر لکھی جاتی ہیں، بعض عورتیں ان کے پتوں کے بالے بھی پہنتی ہیں، ان پتوں کے گدے بھی بنائے جاتے ہیں، جو کھجور کے گدے سے زیادہ خوب صورت اور صاف ہوتے ہیں۔ (تزک بابری ص ۲۸۵)

سنگھاڑا: بابر نے سنگھاڑا کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن ابوالفضل نے اس کی تفصیل لکھی ہے کہ یہ پھل سہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشہ ہوتا ہے، اس کی بیلیں تالابوں میں پیدا ہو کر بڑھتی ہیں اور پھل پانی کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں، یہ کچا اور ابال کر بھی کھایا جاتا ہے۔ (تزک بابری، ص ۲۸۵)

کسیرو: بابر نے اس کا بھی ذکر نہیں کیا ہے لیکن ابوالفضل اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ تالابوں میں پیدا ہوتا ہے اور جب اس میں رس آجاتا ہے تو تالاب کی زمین میں سے اوپر نکال لیا جاتا ہے، کچا بھی کھایا جاتا ہے اور اُبال کر کے بھی۔ (آئین اکبری، ص ۵۲)

سالک: ابوالفضل نے اس کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ تالابوں میں زمین کے نیچے پیدا ہوتا ہے اور پانی کی تہہ سے باہر نکالا جاتا ہے۔ (آئین اکبری، ص ۵۱)

پنڈالو: اس کے بارے میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اس کی بیل کو لکڑی پر چڑھاتے ہیں، جو دو گز لمبی ہوتی ہے، اس کی پتیاں پان کے پتوں سے مشابہ ہیں اور اس کو جڑ سمیت اکھاڑ لیا جاتا ہے۔
(آئین اکبری، ص ۵۱)

سیالی: ابوالفضل کے بیان کے مطابق اس کا پودا بھی ایک قسم کی بیل ہے، جس کی جڑ میں پھل پیدا ہوتا ہے۔ (آئین اکبری، ص ۵۲)

پان: ابوالفضل نے پان کو بھی ہندوستانی پھلوں میں شمار کیا ہے اور اس کی بڑی تعریف کرتے ہوئے اس کی مختلف قسمیں بتائی ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ (آئین اکبری، ص ۵۲)

بھولسری: ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اس کا درخت خوب صورت اور پھل عناب سے مشابہ اور رنگ نارنجی ہوتا ہے۔ (آئین اکبری، ص ۵۲)

انار: یہ قندھار، یزد اور کابل سے برابر آتے رہے لیکن سلاطین دہلی کے زمانہ سے انار ہندوستان میں ہونے لگے تھے، ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں انار بکثرت ہوتے ہیں اور سال میں دو دفعہ پکتے ہیں، (اردو ترجمہ، ص ۳۰) سکندر لودی کو جودھ پور کے کچھ انار پیش کیے گئے تو ان کو کھا کر اس نے کہا کہ فارس کے انار میں جودھ پور کے اناروں کی ایسی لطافت اور شیرینی کم پائی جاتی ہے۔
(تاریخ داؤدی، ص ۷۶)

انگور: انگور ہندوستان میں مسلمان لائے، سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی، سلور اور چتور میں تقریباً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساڑھے تیرہ سو باغات لگائے، ان میں انگور کی بھی کاشت ہوا کرتی تھی، جس کی حسب ذیل قسمیں تھیں، سفید، سیاہ، خرمئی، چتوری، ارغوانی، سیری وغیرہ، انگور اس زمانے میں ایک جتیل میں ایک سیر ملتا تھا، (تاریخ فیروز شاہی از: شمس سراج عفیف، ص۲۹۶) شاہان مغلیہ کے عہد میں سمرقند سے بھی انگور بکثرت آتے رہے اور اس کی قسموں میں صاحبی، حبشی اور کشمشی وغیرہ تھے لیکن جہاں گیر کے بیان کے مطابق ہندوستان میں بھی یہ قسمیں پیدا ہونے لگی تھیں اور لاہور کے بازاروں میں عام طور سے بکتی تھیں۔ (تزک جہاں گیری ص۴) رفتہ رفتہ بلوچستان میں چمن انگور کی پیداوار کے لیے مخصوص ہوگیا۔

سیب: یہ زیادہ تر سمرقند، کابل اور جلال آباد سے آتے رہے۔ (تزک جہاں گیری، ص۵۷) لیکن کشمیر کی آب و ہوا اس کے لیے موافق ثابت ہوئی تو یہاں بکثرت ہونے لگی، جہاں گیر اپنی تزک میں کشمیر کے سیب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہاں کا یہ پھل بہت مشہور ہے، شاہ جہانی عہد کے مورّخ عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ میں کشمیر کے سیب کی رنگینی اور دلآویزی کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کے بعض سیب وزن میں ۵۷ مثقال تک ہوتے ہیں۔

شاہ آلو: یہ عہد اکبری میں کابل سے لاکر ہندوستان میں لگایا گیا، پہلے پہل اس کا پیوند محمد قلی افشار نے کشمیر میں لگایا (منتخب اللباب، جلد اول، ص۳۳) پھر وہیں بکثرت پیدا ہونے لگا، جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے کہ کشمیر کے باغ نور افزا میں شاہ آلو ڈیڑھ ہزار اور دوسرے درختوں سے پانچ سو توڑے گئے، یہ بیان کرکے وہ لکھتا ہے کہ میں نے تاکید کی ہے کہ شاہ آلو کے درخت اکثر باغوں میں لگائے جائیں۔ (تزک جہاں گیری ص۳۱۴) بادشاہ نامہ کا مؤلف عبدالحمید لاہوری لکھتا ہے کہ کشمیر میں شاہ آلو کو گلاس بھی کہتے ہیں اور یہ مٹھاس میں کابل کے شاہ آلو سے بہتر ہوتا ہے۔

(بادشاہ نامہ، جلد اول، حصہ دوم، ص۳۰)

زرد آلو: محمد قلی افشار ہی کی وجہ سے ہندوستان میں اس پھل کا بھی رواج ہوا، یہ پہاڑی علاقوں میں زیادہ ہوتا ہے، کشمیر کے زرد آلو کے متعلق جہاں گیر لکھتا ہے: ”زرد آلوئے کشمیر خوب می شد“ (تزک جہاں گیری ص۳۰۴) بادشاہ نامہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ یہاں ایک بہت بڑا زرد آلو دیکھنے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا، جو وزن میں نوے مثقال تھا۔ (جلد اول، حصہ دوم، ص ۳۰)

شفتالو: یہ بھی باہر سے ہی آتا تھا، جہاں گیر لکھتا ہے کہ استالف سے جو شفتالو آئے ان میں ایک شفتالو ساٹھ تولے کا تھا۔ (تزک جہاں گیری ص ۵۷) لیکن شفتالو بھی ہندوستان میں لگایا گیا اور بکثرت پیدا ہوتا رہا۔

آلوچہ: اس کا فارسی نام ظاہر کرتا ہے کہ یہ بھی باہر سے ہی آیا، آلو بخارا سے مشابہ ایک ترش پھل ہوتا ہے۔

خربزے: خربزے ہندوستان میں عراق، خراسان اور کاریز (ہرات) سے آیا کرتے تھے، اکبری دور میں عبدالرحیم خان خاناں نے عراق اور خراسان سے اس کے تخم منگوائے اور گجرات کے ایک گاؤں بلکوارہ میں اس کی کاشت کرائی، جہاں نہایت عمدہ خربزے پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ خراسان کے خربزوں سے بڑھ گئے اور اس کی کاشت تمام ہندوستان میں ہونے لگی، کشمیر کے خربزے کے بارہ میں بادشاہ نامہ کا مؤلف لکھتا ہے کہ اگر اس کی کاشت آفتوں سے محفوظ رہے تو یہ کابل کے خربزوں ہی کی طرح عمدہ ہوتے ہیں، (جلد اول حصہ دوم، ص ۳) خربزے کی عمدہ قسم سردہ ہے، یہ ہندوستان میں پیدا تو ہوتا ہے لیکن کابل کے سردے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

تربوز: کابل کے تربوز بھی مشہور ہیں لیکن ہندوستان میں بھی اچھے اور بڑے تربوز ہوتے رہے، جہاں گیر لکھتا ہے کہ فتح پور کے اطراف سے ایک تربوز میرے پاس لایا گیا، اتنا بڑا تربوز اب تک دیکھا نہیں گیا، میں نے حکم دیا کہ اس کا وزن کیا جائے، ۳۲ سیر وزن میں نکلا، (تزک جہاں گیری، ص ۵۷) کشمیر کے تربوزے بھی بہت بڑے اور میٹھے ہوتے تھے۔ (بادشاہ نامہ جلد اول، حصہ دوم، ص ۳۰)

ناشپاتی: کشمیر کی ناشپاتی ہر زمانہ میں مشہور رہی، جہاں گیر کا بیان ہے کہ یہاں کی ناشپاتی کابل اور بدخشاں کی ناشپاتی سے بہتر اور سمرقند کی ناشپاتی کے برابر ہوتی، (تزک جہاں گیری، ص ۳۰۴)

انناس: یہ یورپ کے بندرگاہوں کا پھل تھا لیکن مغل بادشاہوں کے دور میں آگرہ کے شاہی باغ گل افشاں میں لگایا گیا، تو وہاں بکثرت پیدا ہونے لگا۔ (تزک جہاں گیری ص ۴۷، ۳۰، ۱۷۳) ابوالفضل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ اس کو کٹھل سفری بھی کہتے ہی، کیوں کہ بعض اشخاص اس کے درخت کو گملوں میں لگا کر سفر میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور اس حالت میں بھی ان میں پھل لگتے ہیں، یہ رنگ میں ترنج اور مزہ خوشبو میں آم کی طرح ہوتا ہے، اس کے تنہ کی لمبائی ایک گز ہوتی ہے اور اس کے پتے ہاتھ کی شکل کے ہوتے ہیں، پھل تنے کے آخر میں لگتا ہے اور پتوں کے سرے آری کی طرح دندانے دار ہوتے ہیں۔ (آئین اکبری، ص۵۰) یہ پھل اب بنگال میں بکثرت ہوتا ہے۔

امرود اور شہتوت کا ذکر تاریخوں میں بکثرت ہے، امرود تو ہر جگہ پایا جاتا ہے لیکن بنگال کے شہتوت مشہور تھے۔

خشک میوے: بادام، اخروٹ، چلغوزہ، کشمش اور پستہ وغیرہ جیسے خشک میووں کے کھانے کا رواج تھا، بادام اور کشمش تو کشمیر میں پیدا ہوتے تھے لیکن خشک میوے زیادہ تر اصفہانی تاجر باہر سے لا کر لاہور، آگرہ اور دہلی کے بازاروں میں فروخت کرتے، (۱) اور یہاں سے سوتی کپڑے، تیل اور شکر لے جا کر بیرون ملک میں بیچا کرتے تھے، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اکبری عہد سے ہندوستان میں بادام اور پستہ کافی مقدار میں پیدا ہونے لگا تھا۔ (۲)

شاہی دسترخوان پر پھل: مذکورۂ بالا تمام پھل اور میوے شاہی دسترخوان پر باری باری ضرور ہوتے، جہاں گیر اپنی تزک میں لکھتا ہے:

> ''ایک دسترخوان پر کئی قسم کے میوے ہوتے، کاریز بدخشاں اور کابل کے خربزے، سمرقند اور بدخشاں کے انگور، سمرقند، کشمیر اور جلال آباد کے سیب، فرنگی بندرگاہوں کے اناناس، بنگالہ کے کولے ہوتے، اناناس آگرہ کے باغات میں لگائے گئے، تو ہر سال ہزاروں پیدا ہوا کرتے ہیں، کولہ نارنج سے چھوٹا اور کھٹ مٹھا ہوتا ہے اور بنگالہ میں خوب ہوتا ہے۔'' (ص۱۷۳-۷۴)

بازار میں پھل: یہ پھل بازاروں میں بھی بکثرت رہتے، آئین اکبری میں ہے کہ جس زمانہ سے کابل قندھار اور کشمیر ممالک محروسہ میں داخل ہو گئے، بکثرت پھل ہندوستان آنے لگے اور ان کی

---

(۱) کمرشیل پالیسی آف دی موغلز آر ڈی پنتھ، ص۱۵۲-۱۵۱۔ (۲) آئین اکبری جلد اول ص۶۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتنی کثرت ہوئی کہ تمام سال میوہ فروشوں کے مکانات ان سے بھرے رہتے اور انبار کے انبار بازار میں دکھائی دیتے، خربزے کی فصل فروردین سے شروع ہوتی اور اردی بہشت میں اس کی کثرت ہوجاتی، خربزے کشمیر سے آتے اور ان کی فصل ختم نہیں ہونے پاتی کہ کابل سے آنے شروع ہوجاتے، اس کے بعد بدخشاں سے آنے لگتے، جس زمانے میں یہ پھل زابلستان میں ہوتا، اسی زمانے میں اس کی کثرت پنجاب میں بھی ہوتی، بھکر میں یہ پھل چلے کے جاڑوں کے علاوہ ہر موسم میں پیدا ہوتا، انگور کشمیر اور کابل سے آتا، ایک دام میں دو سیر ملتا، انار، بیدانہ، ناشپاتی، بہی، امرود، شفتالو، زرد آلو، کرد آلو اور آلو چہ باہر سے بھی منگوائے جاتے اور ہندوستان میں بھی پیدا ہوتے۔

(آئین اکبری جلد اول، آئین ۲۸)

جہاں گیر بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کے باپ کی وجہ سے ہندوستان میں بکثرت پھل ہونے لگے۔

"در ایام دولت عرش آشیانی اکثر میوہائے ولایت کہ در ہند نبود بہم رسید، اقسام انگور از صاحبی و حبشی و کشمشی در شہر ہائے مقرر شائع گشت، چنانچہ در بازار ہائے لاہور در موسم انگور آں مقدار کہ خواہند از ہر قسم و ہر جنس بہم می رسد"۔ (ص،۴)

پھلوں کے باغات: پھلوں کے لیے بادشاہوں، شہزادوں، شہزادیوں اور امرا نے بکثرت باغات لگائے، فیروز شاہ تغلق نے اطراف دہلی میں ایک ہزار سے زیادہ باغات لگوائے اور ہر باغ کے صحن کو آراستہ پیراستہ کیا، اسی طرح اس نے حصار فیروزہ میں بہت سے باغات لگائے جن میں ہر قسم کے پھل اور پھول ہوتے تھے، باغات سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس کی تعداد ایک لاکھ اسّی ہزار تنکہ تھی، (۱) بابر نے جو باغات لگائے، ان کا ذکر پہلے آچکا ہے، اکبر کے زمانہ میں آگرہ اور لاہور میں بکثرت باغ لگائے گئے، ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ اکبر پھلوں اور میوؤں کو بڑی نعمت سمجھتا تھا، اس کی حوصلہ افزائی سے ایران و توران کے کارگزاروں نے ہندوستان میں آکر سکونت اختیار کی، ان کی وجہ سے پھلوں کی کاشت اور خرید و فروخت کا بازار گرم ہوا، بہترین خربزوں

---

(۱) عفیف ص ۲۹۶-۲۹۵-۱۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور انگوروں کی کثرت ہوگئی، اسی طرح تربوز، شفتالو، بادام، پستہ اور انار وغیرہ ہندوستان میں پیدا ہونے لگے۔ (آئین اکبری، آئین ۲۸)

اکبر نے فتح پور سیکری آباد کیا، تو اس میں بہت سے باغات لگائے، آئین اکبری میں ہے کہ اس شہر میں خوش منظر اور دل کشا باغات اس طرح لگائے گئے کہ پورا شہر صحن رشک چمن بن گیا۔ (آئین اکبری جلد دوم ص ۸۴)

اسی طرح لاہور کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:

''چوں چندگاہ پائے تخت شد والا کاخہا برافراختہ آمد و دلکشا باغہا شادابی دیگر بخشد''۔

(آئین اکبری جلد دوم ص ۱۵۲)

تاریخوں میں لاہور کے باغ دلکشا، باغ مرزا کامراں، باغ نولکھا، باغ دل آمیز کا ذکر آتا ہے۔

آگرہ کے باغات: آگرہ میں رفتہ رفتہ بہت سے باغات لگائے گئے، آرام باغ کے علاوہ باغ بلند خاں، زیرہ باغ، موتی باغ، چار باغ، مہتاب باغ، اچانک باغ، باغ مہابت خان اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

جہانگیر کے زمانہ میں آگرہ میں نور منزل کے نام سے جو باغ تیار ہوا اس کے مصارف دو لاکھ روپیے تھے۔ (تزک جہانگیری ص ۲۶۶)

دہلی کے باغات: دہلی میں جہاں آرا کا ملکہ باغ (۱۶۵۰ء) روشن آرا کا روشن باغ، (۱۶۵۰ء) محل دار خاں کا باغ (۱۷۴۸ء) قدسیہ باغ (۱۷۴۸ء) اب اچھے حال میں نہیں لیکن پھر بھی اپنی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

کشمیر کے باغات: کشمیر میں بکثرت باغات لگائے گئے، جن میں کچھ کے نام یہ ہیں، نور افزا باغ (اکبر نامہ جلد سوم ص ۷۲۶) باغ بہار آرا (بادشاہ نامہ از: عبدالحمید لاہوری جلد اول، حصہ دوم، ص ۵۳-۵۲) باغ دیرناک (اقبال نامۂ جہانگیری ص ۱۶۴) باغ عیش آباد، باغ نور افشاں، باغ صفا، باغ شاہ آباد، باغ مراد، باغ نشاط، باغ نسیم، باغ افضل آباد، باغ سیف خان، باغ ظفر خان، باغ الٰہی، باغ فیروز خان، باغ خدمت خاں وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ از:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالحمید لاہوری، جلد اول حصہ دوم، ص ۵۳-۵۲)

شاہ جہانی عہد تک آتے آتے باغ بانی میں ایسی زینت و آرائش پیدا ہوگئی کہ اس سے زیادہ شاید روئے زمین پر کہیں اور جگہ کے باغات مشکل ہی سے نظر آتی ہوگی، شاہ جہاں کے باغات کے اعلا نمونے کشمیر اور لاہور کے شالا مار باغ ہیں اور ان سے اس عہد کی تہذیبی نفاست، تمدنی لطافت، جمالیاتی ذوق اور احساس تناسب کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اسی لیے ان کی تفصیل میں قلم بے اختیار ہوا جا رہا ہے، جس کو امید ہے کہ ناظرین دل چسپی سے مطالعہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

کشمیر کا شالا مار باغ: کشمیر کا شالا مار باغ شاہ جہاں نے بنوایا اور جہاں یہ بنا اس جگہ کا نام شالا مار تھا، اسی لیے پہلے اس کا نام شالا مار باغ رکھا گیا لیکن چودہ سال کے بعد جب اس کی طراوت، نضارت سرسبزی، رنگینی اور شادابی سے آنکھوں کو فرحت پہنچنے لگی تو شاہ جہاں نے اس کا نام فرحت بخش رکھ دیا اور اپنے ذوق کے مطابق درخت لگائے، پھلوں کے درخت کے علاوہ دس دس گز پر چنار اور سفیدار نصب کیے، خوب صورت حمام اور دل کش عمارتیں تعمیر کرائیں اور نہروں اور فواروں سے اس کو جنت ارضی بنا دیا، بادشاہ نامہ میں ہے کہ باغ کی پشت پر سے ایک دس گز چوڑی نہر باغ میں آئی، اس کا نام شاہ نہر تھا، کیاریوں اور روشوں سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی باغ کے درمیانی حصہ میں آتی، جہاں ایک خوب صورت عمارت تھی۔

اس عمارت سے ہوتی ہوئی یہ نہر دس گز چوڑے آبشار کی شکل میں ایک حوض میں گر جاتی، جس کے بیچ میں ایک چبوترہ اور آٹھ فوارے تھے، پھر یہ نہر حوض کے پچھلے حصہ کی طرف دوسری عمارتوں سے ہو کر گزرتی اور ایک ایسے آبشار تک پہنچتی جہاں نو فوارے تھے، حوض سے نکل کر نہر ایک دوسرے آبشار کی شکل میں تبدیل ہو جاتی اور کیاریوں سے ہوتی ہوئی ڈل میں مل جاتی، جہاں سے کشتیاں باغ کی عمارتوں تک آتی جاتی رہتیں، ان کیاریوں کے آخر اور شاہ نہر کے بالائی حصہ سے متصل ایک عمارت تھی، جس کے ایک طرف ڈل تھا اور دوسری طرف چمن کی روشیں تھیں، یہاں بھی کشتیاں آتی جاتی رہتیں، شاہ نہر کے مد مقابل دو عمارتیں اور تھیں، ایک میں شاہی ملازم رہا کرتے، شاہ نہر کے پاس سفیدار اور چنار کے درختوں کے نیچے ایک چبوترہ بھی تھا، اس باغ کے پیچھے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باغ تھا، جس کا نام فیض بخش تھا، اس میں سے شاہ نہر پندرہ گز چوڑی ہو کر گزرتی، جس میں فواروں کی تین قطاریں تھیں، باغ کے بیچ میں ایک حوض ۶۰×۶۰ گز کا تھا، اس میں شاہ نہر دو گز کی بلندی پر سے ایک آبشار ہو کر گرتی رہتی، اس میں ۱۴۴ فوارے تھے، حوض کے بیچ میں ایک عمارت ۸×۱۰ گز تھی جس کے دو ایوان پتھر کے بنے ہوئے تھے، یہ ۲۴ گز طویل اور ۸ گز عریض تھے، ان کے دونوں طرف دو حجرے تھے، ان میں سے ہر ایک آٹھ گز لمبا اور پانچ گز چوڑا تھا، شاہ نہر یہاں سے ہوتی ہوئی گزرتی تو تین طرف تین آبشاروں کی شکل میں گرتی، ہر آبشار دس گز چوڑا ہوتا، نہر فرح بخش کے دروازہ تک چلی جاتی، جہاں تین فوارے تھے، جھروکہ دولت خانہ خاص و عام کی دیوار کے نزدیک ایک عمارت تھی، جس میں بیگمات آکر مقیم ہوتیں، فیض بخش کے بیچ کی عمارت دولت خانہ خاص کہلاتی اور جھروکہ کے آگے کی عمارت دولت خانہ خاص و عام کے نام سے مشہور تھی، بادشاہ نامہ کا مؤلف باغ فرح بخش کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ایک بہشت جاودانی ہے، یہاں کے پھل جنت کے پھل معلوم ہوتے ہیں، اس کی نہر سلسبیل اور کوثر کی طرح بہتی نظر آتی ہے اور اس کی عمارتوں میں فردوس بریں کی دلکشی ہے۔(۱)

اب اس باغ کی تمام عمارتیں کھنڈر ہو چکی ہیں، صرف نہر اور فوارے کے آثار موجود ہیں۔

لاہور کا شالامار باغ: شاہ جہاں نے لاہور میں جو شالا مار باغ بنایا، وہ اب بھی موجود ہے، امتیدادِ زمانہ سے اس کی اصلی شان و شوکت تو باقی نہیں رہ گئی لیکن اب بھی اپنی دل فریبی، دل آویزی اور رعنائی کی وجہ سے مغل فرماں رواؤں کی تمدنی زندگی کے جلوۂ صد رنگ کی اپنی مثال آپ ہے۔

اس کی جو قلمی تصویر بادشاہ نامہ کے مؤلف نے پیش کی ہے، اس کو ہم اسی کے الفاظ میں قلم بند کر کے ناظرین کی ضیافت کرنا چاہتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

اس دل نشیں اور نشاط افزا باغ میں تین طبقے ہیں، پہلا طبقہ فرح بخش کہلاتا ہے، درمیانی اور آخری فیض بخش کے نام سے موسوم ہیں، فرح بخش ۳۳۰ گز مربع ہے، اس میں آٹھ عمارتیں ہیں، جن میں چار تو بیچ میں ہیں اور چار کونوں پر ہیں، اتر کی طرف کی طنبی خانہ کی عمارت شاہی آرام

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۶-۲۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاہ ہے، یہ دس گز لمبی اور سات گز چوڑی ہے، یہ سنگ مرمر کی ہے اور اس میں دل کو لبھانے والی نقاشی ہے، اس کے بیچ ۴×۴ گز کا ایک حوض ہے، جو پورے سنگ مرمر کا ہے اور ابلتے ہوئے چشمہ کی طرح ہے، اس کے دونوں بازوؤں پر دو حجرے ۵×۷ گز کے ہیں، اس کے سامنے ایک پایہ دار ایوان ہے، جس کی لمبائی ۲۵ ذراع اور چوڑائی ساڑھے آٹھ ذراع ہے، اس کی پشت پر ایک شہ نشین ہے، جو چھ گز لمبی اور ڈھائی گز چوڑی ہے، نہر کا پانی اس عمارت میں دکھن کی طرف سے آتا ہے اور زمین کے اندر سے بہتا ہوا باغ کی طرف جاتا ہے، پھر نہر میں گرتا ہے، جو سات ذراع چوڑی ہے اور روش کے بیچ میں بنی ہوئی ہے، یہ بہتی ہوئی باغ کے اتر طرف جاتی ہے، جہاں کا ازارہ بھی سنگ مرمر کا ہے، اس کی نقاشی دیکھنے والوں کے لیے فرحت بخش ہے، یہ ایوان یعنی شہ نشین ایک دوسرے ایوان کے اندر بنا ہوا ہے، اس کے چاروں طرف پائے ہیں، اس کی لمبائی ۲۵ اور چوڑائی اٹھارہ ذراع ہے، اس کی درازی میں تین اور چوڑائی میں دو محراب دار چھتیں ہیں، نہر پہلے ایوان سے ہوتی ہوئی دوسرے ایوان میں آتی ہے، جہاں تین آبشار ہو جاتے ہیں، ہر آبشار ۷ ذراع چوڑی ہے، جو طبقۂ دوم کے حوض میں آکر گرتی ہے، یہ حوض سات گز مربع ہے، اس کے بیچ میں ایک فوارہ چھوٹتا رہتا ہے، ہر آبشار کے نیچے سنگ مرمر کے خوب صورت چینی خانے (طاقچے) بنے ہوئے ہیں، ان میں دن کے وقت رنگا رنگ کے پھولوں کے سنہرے گل دستے رکھے جاتے ہیں اور رات کافوری شمعیں جلتی رہتی ہیں، پورب طرف بیچ میں ایک عمارت بنی ہوئی ہے، جو بادشاہت کے آسمان کا آفتاب ہے، یعنی یہ جھروکۂ دولت خاص و عام ہے، اس کے سامنے بیرونی طرف دیوان خانہ کا ایوان ہے، جس کے چاروں طرف گچ کی ہوئی دیواریں ہیں، دکھن طرف بیچ میں اسی قسم کی عمارت ہے جو ملکۂ زماں، مالکۂ دوراں یعنی بیگم صاحب کا نشیمن ہے، ان دونوں عمارتوں کے درمیان ایک سات گز کی نہر ۲۳ گز کے ایک خیابان میں ہے، باغ کے بیچ اور دونوں نہروں کے سنگم پر ایک ۲۳ گز کا مربع حوض ہے، اس باغ میں ۱۰۷ فوارے ہیں، جن میں ۱۷ تو اس حوض اور ۹۰ نہروں میں ہیں، ہر نہر میں فوارے کا پانی کنوؤں سے آتا ہے اور فواروں سے پانی چار گز اوپر تک اچھلتا رہتا ہے، باغ کے ہر کونہ پر ایک مثمن برج ہے، اس کے اوپر سنگ سرخ کی ہشت پہل چوکھنڈی ہے، اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے نیم مثمن ایوان ہے، جس کے تین محراب دار چھتیں ہیں۔

فیض بخش کا پہلا درجہ اس باغ کا طبقہ دوم ہے، اس کی لمبائی ۳۳۰ گز اور چوڑائی ۹۶ گز ہے، پانی مذکورۂ بالا سات گز مربع حوض سے آبشار کی طرح بہہ کر نہر میں گرتا ہے، جہاں سے اس طبقہ کا آغاز ہوتا ہے، یہاں اس کا طول ۱۲ گز اور عرض ۸ گز ہے، اس کے درمیان سنگ مرمر کی ایک کرسی ہے، جس کے چاروں طرف چینی خانے ہیں، اس کے بیچ سے پانی ہر طرف بہتا ہے، اس کے سامنے سنگ مرمر کا ایک تخت ہے، پانی پھر ایک حوض میں آتا ہے، جو اس طبقہ کے بیچ میں ہے، اس کا طول ۸۲ گز اور عرض ۲۷ گز ہے، اس میں ۱۵۲ فوارے ہیں، حوض کے بیچ میں ایک چبوترہ ہے، اس کا طول گیارہ گز اور عرض ۸ گز ہے، اس حوض کے پورب اور پچھم طرف سنگ سرخ کے دو ایوان بنے ہوئے ہیں، پھر اتر طرف بیچ میں دونوں سنگ مرمر کے ایوان ہیں، حوض سے پانی ان دونوں ایوان کے نیچے سے ہو کر آبشار کی تین چار دروں میں منتقل ہو جاتا ہے اور باغ کے تیسرے طبقہ کے حوض میں جا کر گرتا ہے، حوض کی لمبائی آبشار کی چوڑائی کے مطابق دس گز ہے اور اس کی چوڑائی دونوں آبشاروں کی چوڑائی کی طرح آٹھ گز ہے، ان آبشاروں کے چینی خانے (چھوٹے چھوٹے طاقچے) فرح بخش کے چینی خانے ہی کی طرح ہیں، اس طبقہ کے پورب طرف ایک حمام ہے، جس میں پرچین کی بڑی لطافت اور نظافت، ہے اس میں گرم اور ٹھنڈے غسل خانے ہیں، جن میں پانی برابر بہتا رہتا ہے، پوشاک بدلنے کی علاحدہ جگہ ہے۔

باغ کا تیسرا طبقہ فیض بخش کا دوسرا درجہ ہے، اس کی لمبائی چوڑائی، روشیں، نہریں اور مربع حوض فرح بخش باغ کی طرح ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، سوائے اس کے کہ نہروں کا پانی دکھن سے اتر کی طرف بہتا ہے، اس میں فواروں کی تین قطاریں ہیں، جن میں ۱۴۳ فوارے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا پانی پانچ گز اوپر اچھلتا ہے، پانی نہر سے آتا رہتا ہے، اس طبقہ کے اتر طرف بیچ میں دولت خانہ خاص کی عمارت ہے، جس کی رو کار دکھن طرف ہے، اس ایوان کی لمبائی ۲۵ گز ہے، اس میں تین محراب دار چھتیں ہیں، چوڑائی ساڑھے آٹھ ذراع ہے اور اس میں ایک محراب دار چھت ہے، اس کا ازارہ بھی سنگ مرمر کا ہے اور اس کی نقاشی کو دیکھ کر سیاح حیرت میں آجاتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ایوان کے بیچ میں ایک حوض ہے، جس کی لمبائی ۴ گز اور چوڑائی تین گز، آب جوش کی طرح ہے، نہر کا پانی اس ایوان کے نیچے سے ہوکر اتر کی طرف پھلوں کے باغ میں جاتا ہے، جو لمبائی اور چوڑائی میں فرح بخش کی طرح ہے، یہ باغ چھ لاکھ روپے میں تعمیر ہوا۔ (بادشاہ نامہ جلد دوم، ص ۱۵، ۳۱۱، نیز دیکھو عمل صالح جلد دوم ص ۷۶، ۳۷۴)

مآثر الامرا (جلد دوم، ص ۸۰۶) میں ہے کہ یہ باغ شاہ جہاں کے سولہویں سال آٹھ لاکھ روپے میں خلیل اللہ خاں کے اہتمام میں تیار ہوا اور پھر اس میں یہ بھی ہے کہ:

''الحق بدیں کیفیت وخصوصیت باغے در ہندوستان نیست''۔

اگر فردوس برروئے زمین است ☆ ہمیں است وہمیں است وہمیں است

شاہ جہاں نے دہلی کے پاس (انبالہ کالکا ریلوے لائن کے پاس) ۱۶۵۳ء میں ایک باغ بنوایا تھا، جو شالا مار (اعزاباد) کے باغ کے نام سے مشہور رہا، شاہ جہاں پنجاب یا کشمیر جاتے وقت یہاں مقیم ہوا کرتا تھا۔

باغات سے نہ صرف پھل حاصل ہوا کرتے تھے، بلکہ وہ سیر گاہوں اور تفریح گاہوں کا بھی کام دیتے تھے، جہاں شاہی بیگمات بھی آکر تفریح کیا کرتی تھیں، یہاں دعوتوں اور تقریبوں کے بڑے بڑے جشن بھی منائے جاتے، بادشاہ اپنی بیگمات اور شہزادیوں کے ساتھ سفر میں منزل بہ منزل کوچ کرتا تو ان ہی باغات میں مقیم ہوتا، اس وقت خیمہ وخرگاہ نصب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، خواص پورہ باغ کا ذکر کرتے ہوئے عملِ صالح کا مؤلف لکھتا ہے:

''ایں باغ خواص پورہ وعمارات دیگر آں قدر دارد کہ ہر گاہ خدیو زماں یا پردگیان مشکوے دولت بایں بہشتی مکان تشریف می فرمایند، احتیاج بہ خیمہ نمی شود۔''

(جلد دوم ص ۳۷۶)

☆☆☆

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سازوسامان

دربار اور محل میں بکثرت سازوسامان رہتے، ان کی تفصیل قلم بند کرنا آسان نہیں، کیوں کہ ان کا تفصیلی ذکر ایک جگہ کہیں نہیں ملتا، اسی لیے ان کی تفصیل لکھنے میں ہم نے تاریخ کے علاوہ ہندوستان میں لکھے ہوئے فارسی اور اردو لغتوں کا بھی سہارا لیا ہے، کیوں کہ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چیزیں معاشرتی زندگی میں مستعمل رہیں، جن چیزوں کے نام فارسی، عربی اور ترکی میں ان کو مسلمانوں کی آوردہ یا وضع کردہ یا تصرف کردہ سمجھنا چاہیے اور جن چیزوں کے نام ہندی میں وہ ہندوستانی ہیں، جن کو مسلمانوں نے رضا و رغبت کے ساتھ قبول کر کے استعمال کیا اور اپنے ذوق کی بنا پر ان کی وضع قطع اور تراش خراش میں کچھ ترمیمیں کرتے رہے۔

زینت وآرائش کے سامان: جب دربار لگتا تو ضرورت کے وقت خیمے اور شامیانے بھی جا بجا کھڑے کر دیے جاتے، عہد تغلق میں حسب ذیل خیمے استعمال ہوتے:

سراچہ: شاہی سراچہ کا رنگ سرخ اور امرا کے سراچہ کا رنگ سفید ہوتا، جس پر نیلے رنگ کا نقش بھی ہوتا۔

صیوان: سراچہ کے اندر سایہ کے لیے لگایا جاتا جو دو بڑے بانسوں پر کھڑا رہتا۔(۱)

بارگاہ: خیمہ کی ایک قسم بارگاہ بھی تھی جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں خاص طور سے استعمال ہوتی۔

گنبد سفید: بارگاہ کے ساتھ نصب کیا جاتا، اس کے نیچے فیروز شاہ پوری شان و شوکت کے ساتھ بیٹھتا۔

دہلیز: یہ بھی خیمہ کی ایک قسم تھی۔

خواب گاہ: نام سے پتہ چلتا ہے کہ سونے کا خیمہ تھا۔(۲)

یہ تمام خیمے لشکر کے ساتھ چلتے لیکن ضرورت کے وقت دربار سے متعلق تقریبات میں بھی استعمال ہوتے، ان سب کے نام فارسی ہیں۔

---

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ، ص ۲۳۴۔ (۲) عفیف ص، ۳۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغل بادشاہوں کے زمانے میں بھی بڑے بڑے خیمے ہوتے، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

گلال بار: یہ سو گز مربع ہوتا۔

بارگاہ: اس کو ہزار فراش جر ثقیل سے ایستادہ کرتے تھے، اس میں ۷۲ کمرے ہوتے، اس کے گرد بارہ بارہ گز کے شامیانے کھڑے کیے جاتے۔

سرغہ: اس میں ۵۴ خانے ہوتے۔

سراپردہ گلیمی: اس کے اندر کئی خیمے ہوتے۔

سراچہ: چھ گز لمبے ڈنڈوں کے اوپر تانا جاتا، یہ ڈنڈے ہر دو گز پر نصب کیے جاتے، ان کے سرے پر ایک قبہ ہوتا۔

خرگاہ: یہ ایسا خیمہ تھا جو آسانی سے تہ کر دیا جاتا، اس میں دو دروازے ہوتے۔

راوٹی: چھوٹے خیمے کو کہتے، فوجی راوٹی کڑوں، لوہے کی چادروں، نرسلوں اور بانس کی پھچیوں سے بنا کرتے تھے لیکن عام ضرورت کے لیے یہ کپڑوں کے بھی تیار ہوتے تھے، تمام خیمے لشکر کے کیمپ کے ساتھ ساتھ ہوتے، (۱) لیکن درباری تقریبوں میں بھی استعمال ہوتے رہے، بعض راوٹیاں نقرئی بھی ہوتیں۔

بارگاہ: شاہ جہاں نے ایک بارگاہ مخمل، زربفت اور کلابتوں کی بھی تیار کرائی تھی، (۲) جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

چار طاق: خیمہ کی ایک قسم چار طاق تھی، جس کے اوپر چار گنبد ہوتے تھے۔(۳)

اسپک: یہ بھی خیمہ ہی کی ایک قسم تھی۔(۴)

دل بادل: شاہ جہانی عہد کے دل بادل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، یہ تین ہزار تیس گز زمین پر نصب کیا جاتا اور دس ہزار آدمی اس کے نیچے بیٹھ سکتے تھے۔(۵)

---

(۱) آئین اکبر جلد اول ص ۲۸-۲۷، (۲) مرآۃ احمدی جلد اول ص ۳۷۱، (۳) قانون ہمایونی، ص ۸۸، (۴) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۸۵، مرآۃ احمدی جلد اول ص ۲۶۹، (۵) آثار ... جلد سوم ص ۱۸...

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورۂ بالا اصطلاحی الفاظ میں راوٹی اور دل بادل تو ہندی ہیں، بقیہ فارسی ہیں، راوٹی کو چھولداری بھی کہتے ہیں۔

شامیانے: خیموں کے علاوہ شامیانے بھی ہوتے، ان کی بھی کئی قسمیں ہوتیں۔

شامیانہ: اس کی ایک خاص قسم تھی جو بارگاہ سے زیادہ نہ ہوتا۔

آٹھ کھنبہ: آئین اکبری میں ہے، کہ یہ سترہ شامیانے ملا کر آٹھ کھنبوں پر کھڑا کیا جاتا۔

عجائبی: شامیانہ کی ایک قسم عجائبی تھی، یہ نو شامیانوں کو چار چار ستونوں پر ملا کر کھڑا کیا جاتا، ان میں پانچ چوگوشی اور چار مخروطی ہوتے اور ایک ایک کڑی بیچ میں ہوتی تھی۔

منڈل: ایک قسم منڈل کہلاتی تھی، یہ پانچ شامیانوں کو ملا کر چار چار ستونوں پر تانا جاتا۔(۱)

نمگیرہ: عام طور سے فوجی کیمپ میں بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا لیکن رفتہ رفتہ عام ہو گیا اور اب بھی استعمال میں ہے۔

ان میں آٹھ کھنبہ اور منڈل کی اصطلاحیں تو ہندی ہیں، بقیہ فارسی ہیں۔

فرش فروش: دربار اور محل فرش وفروش سے آراستہ رہتے، تقریبات کے موقع پر اس کی آرائش اور بھی بڑھ جاتی، اس لیے فراش خانہ کا ایک علاحدہ شعبہ تھا، سلاطین دہلی کے عہد میں فرش فروش بچھانے والے فراش کہلاتے، ان کے نگراں اعلا کا خطاب مہتر فراش ہوتا، (۲) فیروز شاہ تغلق کے عہد میں فراش خانہ پر دولاکھ تنکے صرف ہوتے تھے، (۳) مغلوں کے عہد میں بھی فراش خانہ تھا، اکبر کے کیمپ کے ساتھ ایک ہزار ایرانی، تورانی اور ہندی فراش برابر چلتے تھے۔

سلاطین دہلی کی تاریخوں میں فرش فروش کے علاحدہ علاحدہ نام نہ مل سکے، مغل بادشاہوں کے عہد میں حسبِ ذیل چیزیں استعمال ہوتی رہیں، ان میں بعض چیزیں سلاطین دہلی کے عہد میں بھی استعمال ہوتی رہی ہوں گی۔

جاجم: یہ ترکی لفظ ہے، یہ چھپا ہوا فرش ہوتا، جس پر بیل بوٹے بنے ہوتے، ریشم کا بھی تیار ہوتا (۴)

---

(۱) آئین اکبری جلد اول آئین، ۲۱، (۲) طبقات ناصری، ص ۵۵، ۲۵۴، (۳) عفیف، ص ۳۳۳۔ (۴) آئین اکبری آئین ۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلوچی: یہ ایک قسم کا ریشمی فرش تھا۔(۱)

حصیر: چٹائی کو کہتے، عربی لفظ ہے، یہ بھی فرش کی ایک قسم تھی۔(۲)

شطرنجی: یہ ایک قسم کا دبیز فرش تھا، نور اللغات کے مؤلف کا بیان ہے کہ غالبًا یہ لفظ ہندی شت رنگ (بہت سے رنگ والا) سے بنا، کیوں کہ اس میں کئی رنگ ہوتے، یہ کبھی ریشمی اور سوتی بھی ہوتا۔

گلیم یا قالین: گلیم فارسی لفظ ہے، اس کے معنی تو کمبل، لوئی اور دھسا کے ہیں لیکن عہد مغلیہ میں یہ قالین کے معنی میں استعمال ہوتا رہا، یہ زیادہ تر ایران، توران، گوشکان، خورستان، کرمان اور سبزوار سے آتے۔ بعض ہندوستان میں بھی تیار ہوتا، عہد اکبری میں بعض قالین جو بیس گز سات طسوج لمبا اور گیارہ گز آدھ طسوج چوڑا ہوتا، (۳) قالین کا نام اس لیے پڑا کہ یہ آرمینیہ کے علاقہ کے ایک شہر قالی قلا میں پہلے پہل تیار ہوا، اقبال نامۂ جہاں گیری کے مؤلف نے قالین کے لیے قالی کا لفظ استعمال کیا ہے اور کشمیر کے قالین کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کرمان کے قالین کشمیر کے قالین کے مقابلہ میں کمبل سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے (۴)

چاندنی: نور جہاں کی جدت ہے، سفید فرش کو کہتے، خافی خان لکھتا ہے کہ چاندنی ایک عجیب چیز ہے، یہ عیب پوش بھی ہے اور گرد پوش بھی، چاندنی رات میں اس کی بڑی بہار ہوتی، (۵) لفظ ہندی ہے۔

میر فرش: فرش کے چاروں کونے پر سنگ مرمر یا آبنوس کے گنبد نما میر فرش رکھے رہتے، جو فرش کو اڑنے یا اس میں شکن پڑنے سے بچائے رکھتے، میر فرش کے کچھ نمونے لال قلعہ دہلی کے میوزیم میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں، فارسی اصطلاح ہے۔

مسند: ہر فرش کے ساتھ نمایاں جگہ پر تکیہ لگا کر ایک مخصوص جگہ ہوتی، جس فرش پر بیٹھا جاتا، اس کو مسند کہتے، مسند کے ساتھ تکیہ کا ہونا ضروری تھا، اس لیے مسند تکیہ ساتھ کیا جاتا، مسند مخمل یا زربفت یا کم خواب کی ہوتی، اس کے حاشیہ پر زری کا کام ہوتا، دائیں بائیں کہنیوں کی ٹیک کے لیے دو چھوٹے چھوٹے تکیے ہوتے، اس کی تصویریں آئین اکبری میں دیکھی جاسکتی ہیں، یہ اب بھی شادی

---

(۱) آئین اکبری آئین ۲۲۔ (۲) آئین اکبری آئین، ۲۲، (۳) ایضاً ص ۲۲ (۴) اقبال نامہ جہاں گیری ص ۲۸-۲۹ (۵) منتخب اللباب ص ۲۲۹، حصہ اول۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیاہ کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں، مسند اور تکیہ دونوں فارسی الفاظ ہیں۔

گاؤ تکیہ: مجلسوں کے بعض تکیے بہت بڑے بڑے ہوتے اور ضخامت کی وجہ سے گاؤ تکیے کہلاتے (۱)، فارسی لفظ ہے۔

پردے: سلاطین دہلی اور مغل بادشاہوں دونوں کے درباروں، محلوں کے ایوان میں پردے لٹکتے رہتے، دروں میں کواڑ کم ہوتے، ان کے بجائے پرتگالی بانات، کاشانی مخمل، گجراتی زربفت، کم خواب اور مشجر کے زرنگار اور مصور پردے ہوتے، جیسا کہ گزشتہ ابواب میں ذکر آچکا ہے، بعض پردوں میں طلا دوزی اور کلابتون دوزی کا کام بھی ہوتا، پردہ فارسی لفظ ہے۔

چوکھٹے: کمروں کی زینت و آرائش کے لیے قطعات اور رباعیوں کے چوکھٹے لگے رہتے جو اعلا خوشنویسی اور خطاطی کے نمونے ہوتے، یہ چوکھٹے آج بھی گھروں میں دکھائی دیتے ہیں، ہندی لفظ ہے۔

دستنبو: پھولوں کے گل دستے بھی مجلسوں میں ضرور ہوتے، جو دستنبو کہلاتے، یہ فارسی لفظ ہے لیکن اس کے بجائے گل دستہ زیادہ تر زبانوں پر چڑھا، یہ قیمتی کے علاوہ شیشے اور بلور کے بھی ہوتے۔

لوازم مجلس: مجلس میں فرش پر عام طور سے حسب ذیل چیزیں ضرور ہوتیں۔

حقہ: یہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ڈبیا یا ڈبہ کے ہیں:

بوئے عطر آئی دماغِ جاں معطر ہوگیا ☆ زلفیں تیری کیا کھلیں حقے کھلے عطار کے

لیکن اردو میں اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کو فارسی میں قلیان کہتے ہیں، یہ ایک چاندی کے یا گنگا جمنی طشت پر رکھا جاتا، اس کے اوپر جس میں پانی بھرا رہتا، وہ فرشی کہلاتا، یہ بھی چاندی کی ہوتی، اس میں نے لگائی جاتی، نے کے اوپر چلم ہوتی اور چلم کے اوپر سرپوش ہوتا، جو چنبر بھی کہلاتا، اس میں زنجیریں لٹکی رہتیں، چلم اور چنبر چاندی اور سونے کے بھی ہوتے، چلم جس چیز پر رکھی جاتی، وہ بھی چاندی یا سونے کی ہوتی، فرشی، نے، چلم اور چنبر فارسی کے الفاظ ہیں، قندھار میں حقہ کو اب بھی چیلم کہتے ہیں، لبوں سے لگا کر جس سے حقہ پیا جاتا ہے، وہ مہنال کہلاتا، یہ منہ اور نال

(۱) مآثر الامرا، جلد دوم، ص ۴۶۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مرکب ہے، نال سوراخ دار چیز کو کہتے ہیں، جیسے بندوق کی نال، اسی لیے نے کی نال جو منہ پر لگائی جاتی، اس کو مہنال کہا جاتا، ناسخ کا ایک شعر ہے:

رشک مہنال پر ہے کیا اس کو ☆ رنگ بدلا جو تیرے چنبر کا

حقہ کو لال قلعہ میں بھنڈہ بھی کہتے، جو ہندی لفظ ہے اور جہاں ملازم اس کو تیار کرتے، وہ بھنڈی خانہ کہلاتا، ہندی اور فارسی الفاظ سے مرکب ہے، حقہ کو خس سے ٹھنڈا بھی کیا جاتا اور اس کو عطر سے باسا بھی جاتا، خوشبودار تمبا کو استعمال کیا جاتا، جس سے فضا معطر رہتی۔

خاص دان: پان کی گلوریاں رکھنے کے لیے خاص دان ہوتا، جس کی شکلیں مختلف ہوتیں، یہ عموماً طلائی یا نقرئی ہوتا، اس پر پر تکلف غلاف بھی منڈھا رہتا، جن میں گوٹے پٹھے اور بادلے لگے رہتے، اس کے نیچے طلائی طشتری ہوتی، فارسی لفظ ہے۔

اگال دان: پیک کے لیے اگال دان ہوتے، جو چاندی، تانبے، پیتل اور جست کے ہوتے اور ان پر بہترین نقاشی بھی ہوتی، بیدر میں بھی ایک خاص دھات کے اگال دان بنتے، اس کو پیک دان بھی کہتے، اگال اور پیک دونوں ہندی کے الفاظ ہیں۔

الا پچی دان: یہ گلاب کے پھول کی شکل کا ہوتا، اس میں علاحدہ علاحدہ خانے ہوتے، جن میں الا پچی اور لونگ وغیرہ رکھی جاتی، عموماً چاندی کا ہوتا، الا پچی ہندی لفظ ہے۔

گلاب پاش: اس کی شکلیں بھی مختلف ہوتیں، عام طور سے اس کے پیندے میں کٹاؤ ہوتا، پھر پیٹ بیضاوی شکل کا ہوتا، گردن لمبی ہوتی اوپر سوراخ چھلنی دار ہوتا، جن سے عرق گلاب چھڑکا جاتا، یہ چاندی کا ہوتا، فارسی اصطلاح ہے۔

خاص دان، عطر دان، الا پچی دان، گلاب پاش وغیرہ ایک ہی طشت میں رکھے جاتے، جو سب قیمتی دھات کے بنے ہوتے محل کے اندر بھی یہ ساری چیزیں استعمال ہوتیں، پان دان، حسن دان اور خس کی پٹاری محل کی خاص چیزیں تھیں۔

پان دان: پان کے مسالے وغیرہ رکھنے کے لیے پان دان ہوتا، (۱) جو ہندی اور فارسی الفاظ سے

(۱) ہمایوں نامہ از: گل بدن بیگم، ص ۳۳، مآثر عالم گیری ۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکب ہے، یہ محل کے اندر سونے کا ہوتا، امرا اپنی حیثیت کے مطابق سونے اور چاندی کے رکھتے، ورنہ عام طور سے پیتل اور تانبے کا ہوتا، اس کی ساخت مختلف طرح کی ہوتی، کبھی یہ گول، کبھی مستطیل اور کبھی مثلث بنایا جاتا، جس کی حیثیت جتنی زیادہ ہوتی، اتنا ہی وہ وزنی پان دان رکھتا، اس لیے کبھی کبھی یہ پندرہ بیس سیر کا بھی ہوتا، اس کے اندر کتھ، چونا، چھالیاں اور تمباکو رکھنے کے علاحدہ علاحدہ ڈبیائیں ہوتیں، ان کے اوپر ایک تھالی ہوتی جس پر پان رکھا جاتا، ڈھکن کے اوپر ایک کڑا لگا رہتا جس کو پکڑ کر پان دان اٹھایا جاتا، ایسے پان دان اب بھی استعمال میں ہیں، گو اب اس کی نئی نئی وضع بھی ہوتی جا رہی ہے۔

حسن دان: بعض پاندان گنبد نما اور کلس دار ہوتے، جن کو حسن دان کہا جاتا ہے، فارسی اصطلاح ہے۔

خس کی پٹاری: پان کو گرمی کی تمازت سے بچانے کے لیے خس کی پٹاری میں رکھ دیا جاتا اور اس کو تول سے منڈھ دیا جاتا۔

دربار اور محل کو روشن کرنے کے لیے حسب ذیل چیزیں استعمال ہوتی رہیں۔

کافوری شمع: روشنی کے لیے کافور کی شمع بنائی جاتی، جس کی روشنی نہایت صاف ہوتی، اکبر کے سامنے کافوری شمع چاندی اور سونے کی لگن میں پیش کی جاتی۔

فانوس (۱): فارسی لفظ ہے، اس کی بہت سی قسمیں ہوتیں، اکبر کے زمانہ میں ایک ایسا فانوس تھا جو ایک گز بلند تھا، اس کے سر پر پانچ شمع دان ہوتے اور ہر شمع دان کے اوپر ایک جانور کی تصویر بنی ہوتی، اس سے تین گز اور اوپر کافوری شمعیں لگائی جاتیں اور ان کی بتیاں کترنے کے لیے زینہ لگایا جاتا۔

فتیلہ (۲): یہ بھی فارسی لفظ ہے، فتیلہ میں روغن ڈال کر روئی جلائی جاتی، کبھی اس میں روغن کے بجائے چربی دی جاتی۔

شمعدان (۳): فارسی اصطلاح ہے، شمع دان میں موم بتیاں جلا کرتی تھیں، یہ مختلف نمونے کے ہوتے، مثلاً نیچے ایک تھالی ہوتی، اس سے منسلک موم بتی لگانے کا ایک چھوٹا حلقہ بنا دیا جاتا، جس میں موم بتی نصب کر دی جاتی، یہ ایک شاخہ شمع دان کہلاتا، بعض دو شاخہ، سہ شاخہ اور چہار شاخہ ہوتے۔

---

(۱) و (۲) و (۳) آئین اکبری جلد اول، آئین ۱۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کنول: ہندی لفظ ہے، سرخ کاغذ یا ابرق کا کنول جیسا پھول بنا کر اس میں موم کی بتی جلائی جاتی، تو اس کو بھی کنول کہتے، ایسے شیشہ کے ظرف کو بھی کہتے جو گل نیلوفر کی طرح ہوتا، اس میں موم بتی جلا کرتی تھی۔

قندیل: فارسی لفظ ہے، اس شیشہ کے ظرف کو کہتے ہیں جس میں موم بتیاں جلا کر لوہے کی زنجیر سے چھت وغیرہ میں لٹکا دیتے۔

قمقمہ: چھوٹی چھوٹی قندیل کو قمقمہ کہتے، فارسی لفظ ہے۔

دغدغہ: دغدغہ بھی ایک قسم کی چھوٹی قندیل ہوتی، فارسی اصطلاح ہے۔

جھاڑ فانوس: جھاڑ ہندی اور فانوس فارسی لفظ ہے، بعض کنول یا قندیلیں ایک ساتھ ملا کر درخت کی شکل میں لٹکائی جاتیں، ان کو اب بھی جھاڑ فانوس کہتے ہیں، اس کے ظروف بلور کے بھی ہوتے۔

اکاس دیا(۱): اکبر نے اپنے فوجی کیمپ کے لیے ایک ایسا دیا ایجاد کیا تھا، جس کی روشنی بہت دور تک جاتی تھی، یہ چالیس گز کے ستون پر نصب کیا جاتا، ہندی اصطلاح ہے۔

توشک خانہ کے سامان: محل کے اندر کپڑے اور طرح طرح کی پوشاک رکھنے کے لیے حسب ذیل چیزیں استعمال ہوتی رہیں، جہاں یہ چیزیں رہتیں، وہ سلاطین دہلی کے عہد میں جامہ خانہ اور مغلوں کے دور میں توشک خانہ یا کرکیراق خانہ کہلاتا، کرکیراق کا لفظ ترکی معلوم ہوتا ہے، یہاں حسب ذیل چیزیں ہوتیں۔

صندوق: فارسی لفظ ہے، اس میں تمام سامان رکھ کر محفوظ کر دیے جاتے، صندوق عموماً لکڑی کے ہوتے لیکن شاہی محل میں صندوق سنگ مرمر اور آبنوس کے بھی ہوتے، سنگ مرمر کے صندوقچے آگرہ میں اب بھی ملتے ہیں، تیمور کے پاس ایک طلائی صندوق تھا، جس کا ڈھکنا بہت چوڑا تھا، اس کے اوپر آسمانی یا سبز شیشے یا دھات کے چھوٹے چھوٹے برج بنے تھے، ان میں ہیرے اور مختلف قسم کے قیمتی پتھر لگے تھے، اس کا دروازہ کھولا جاتا، تو اندر ایک اونچی جگہ پر پیالے دکھائی دیتے تھے، پیالوں کے اوپر سونے کے چھ بڑے گنبد لٹکتے نظر آتے، جن میں قیمتی پتھر اور جواہرات لگے تھے، اسی

---

(۱) آئین اکبری اول آئین ۱۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صندوق کے نزدیک دو ہاتھ اونچی ایک طلائی میز کی ایسی چیز تھی، جس کے کناروں پر جواہرات لگے ہوئے تھے، اس کے اوپر چمکتے ہوئے ہیرے کی ایسی چیز تھی جو چار ہاتھ لمبی تھی، اس کے سامنے ایک طلائی درخت شاہ بلوط کی طرح کا تھا، جس کا تنا آدمی کے پاؤں کے ایسا موٹا تھا اور طلائی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں، پھل کے بجائے شاخوں میں بے شمار ہیرے، موتی اور نگینے لگے ہوتے تھے۔

بقچہ: فارسی لفظ ہے، پہننے کے کپڑے بقچہ ہی میں رکھے جاتے، کپڑے رکھنے کی گٹھری کے معنی میں اب تک استعمال ہوتا ہے، بغچہ کا مفرس ہے، جس کے معنی ترکی میں جامہ پیچ ہیں، ترکی میں بکجا ہے، چھوٹے بقچہ کو بقچی کہتے۔

جامہ دان: کپڑے رکھنے کے صندوق کو کہتے، فارسی لفظ ہے۔

پٹارا: ہندی لفظ ہے، بانس کے گول ٹوکرے کو جس پر ڈھکن ہوتا، پٹارا کہتے، اس میں بھی کپڑے اور دوسری چیزیں رکھی جاتیں، یہ پرانی یادگار اب بھی شادی بیاہ کے موقع پر دیکھی جاسکتی ہے، اسی کی تصغیر پٹاری ہے۔

خاشک دان: فارسی لفظ ہے، عورتوں کی ایک پٹاری ہوتی۔

قینچی: ترکی لفظ ہے، فارسی میں مقراض کہتے۔

سوئی: ہندی لفظ ہے، اس کا فارسی مترادف سوزن ہے۔

سامان خواب گاہ: شاہی محل میں خواب گاہ کے اندر کئی چیزیں ہوتیں، مثلاً:

پلنگ: یہ عموماً جڑاؤ اور مرصع ہوتا، اس کے پائے چاندی یا سونے یا گنگا جمنی کے ہوتے، اگر پائے چاندی یا سونے کے نہ ہوتے تو لکڑی کے پائے پر چاندی اور سونے کا خول چڑھا دیا جاتا، ایسی ہی پٹیاں بھی ہوتیں، ایسے پلنگ نواڑ سے بنے جاتے، جو بعض ریشم کی طرح ملائم نرم اور چمک دار ہوتی، چھوٹے پلنگ کو پلنگڑی کہتے، ہندی لفظ ہے۔

چھپر کھٹ (۱): یہ بھی ہندی لفظ ہے، اس کے اوپر چھتری اور پوشش ہوتی، آج کل مسہری کی طرح ہوتا، شادی کے موقع پر دلہن کے لیے چھتری دار ہی چھپر کٹ ہوتا، جس کو رنگین کپڑوں سے مزین

---

(۱) ہمایوں نامہ ص ۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا جاتا، اس میں بھی نواڑ ہی ہوتی، میر حسن کی مثنوی میں ہے:

چھپر کٹ مرصع کہ دالان میں ☆ چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں
زمیں پر تھی اس طور اس کی جھمک ☆ ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

مسہری: ہندی لفظ ہے، اس کی پٹیاں چوڑی ہوتیں اور اس پر نقش و نگار بھی ہوتا، اس کے پائے پلنگ سے اونچے ہوتے اور ہر پایہ کے سرے پر ایک آہنی حلقہ نصب ہوتا، تاکہ اس میں ڈنڈے لگا کر چھپر کٹ بنایا جا سکے، سرہانے اور پائیں میں اونچا کٹہرا بھی لگا رہتا۔

چارپائی: فارسی لفظ ہے، ابن بطوطہ چارپائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندوستان میں چارپائیاں ہلکی ہوتی ہیں، ایسی کہ ایک آدمی اٹھا سکتا ہے، ہر...... شخص سفر میں چارپائی اپنے ساتھ رکھتا ہے، جو اس کا غلام اٹھا کر لے جاتا ہے، مخروطی شکل کے چار پائے ہوتے ہیں، جن میں چار لکڑیاں عرضاً وطولاً ٹھکی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کو ریشم یا روئی کی رسیوں سے بنتے ہیں، جب آدمی ان پر سوتا ہے تو ان کو تر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ خود ٹھنڈی ہوتی ہیں، (سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۲۰۶) کھاٹ چارپائی ہی کی قسم ہے، چھوٹی کھاٹ کو کھٹولا کہتے ہیں، یہ دونوں الفاظ ہندی ہیں۔

نہالی: فارسی لفظ ہے، پلنگ کے اوپر جو بستر ہوتا، اس کو نہالی کہتے، نہالی کے معنی لغت میں روئی دار بستر کے ہیں، بستر کو گداز اور گرم بنانے کے لیے کپڑے کے اندر روئی دے دی جاتی، جس کا رواج اب تک ہے، گل بدن بیگم نے نہالچہ فرش یا قالین کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ (ہمایوں نامہ ص ۳۴)

توشک: روئی دار بستر کو آج کل توشک کہتے ہیں، مغل بادشاہوں کے زمانے میں جہاں شاہی لباس اور پوشاک رکھی جاتی اس کو توشک خانہ کہا جاتا لیکن لغت میں توشک کے معنی بستر کے بھی ہیں، یہ ترکی لفظ ہے، گل بدن بیگم نے توشک گدے کے معنی میں، استعمال کیا ہے۔ (ہمایوں نامہ ص ۳۲-۳۱)

غالیچہ: اونی بستر کو غالیچہ کہتے تھے لیکن اب اس سے مراد قالین ہوتی ہے، یہ فارسی لفظ ہے۔

نمد: فارسی لفظ ہے، اون یا ملائم بالوں کے بستر کو کہتے۔

دری: ہندی لفظ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوزنی: ایک قسم کے فرش یا روئی دار یا دہرے کپڑے کو کہتے ہیں، جس پر سوزن کاری ہوتی، فارسی لفظ ہے، بہارِ عجم میں ہے:

''نوعے از بساط وگستردنی کہ اقسام از ابریشم وریسماں دراں دوزند''

گُبھا: ہندی لفظ ہے، روئی دار نرم بچھونے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اوقچہ: فارسی لفظ ہے، یہ پلنگ کی پرتکلف چادر ہوتی، جس کے حاشیہ پر کارچوبی یا کلابتونی کام بنا ہوتا، یہ چادر پلنگ پوش اور بستر کے نیچے بچھائی جاتی، جس کا حاشیہ دار کنارہ قریب آدھ آدھ گز نیچے لٹکتا رہتا۔ (ہمایوں نامہ ص ۳۴)

پلنگ پوش: ہندی اور فارسی سے مرکب ہے، بستر کی حفاظت کے واسطے اوپر ڈال دیا جاتا، یہ بھی عموماً رنگین اور مرصع ہوتا۔

تکیہ(۱): فارسی لفظ ہے، سرہانے میں سر کے لیے تکیہ ہوتا، جس کے اندر عموماً سیمل کی روئی ہوتی، اس کے اوپر غلاف ہوتا، اس غلاف کے اوپر بھی کسی رنگین کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا، جو عموماً اطلس، مخمل یا زربفت کا ہوتا، تکیہ کی شکل عموماً گول یا لمبوتڑی ہوتی، غلاف مقیش ڈوری سے بندھا ہوتا، تکیہ کے کنارے آڑی سنجاف یا گوٹ لگا کر اس کو خوب صورت بنایا جاتا، اس میں سلمہ اور ستارے کا کام بھی ہوتا، کبھی اس میں موتیوں کے گچھے بھی لگے ہوتے۔

بستوق: ترکی لفظ ہے، تکیہ کو کہتے۔ (ہمایوں نامہ ص ۳۶)

گل تکیہ: ہندی اور فارسی سے مرکب ہے، سوتے وقت رخساروں کے نیچے رکھے جاتے، گل گال کا مخفف ہے، گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں گلولہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (ہمایوں نامہ ص ۳۶)

تکینی: دائیں بائیں پاؤں کے پاس جو چھوٹے تکیے ہوتے، ان کو ہندی میں تکینی کہا جاتا۔

زبر پوش: فارسی لفظ ہے، سوتے وقت اوڑھنے کی چادر کو کہتے، امیر خسرو کا شعر ہے:

ہر کس بجاہائے خنک برتن زبر پوشی تنک
چوں آب ترچوں گل سبک تن را دلاسا داشتہ

---

(۱) ہمایوں نامہ ص ۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسنا: بستر کو پلنگ کے چار پایوں میں ریشم کے تسمہ سے باندھ دیا جاتا، تا کہ سوتے وقت کھسکنے نہ پائے، تسمہ کو کسنا کہا جاتا اور یہ ہندی لفظ ہے۔

نوابان اودھ کے زمانے میں یہ چیزیں جس طرح رائج رہیں، اس کی صدائے بازگشت میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں سنائی دیتی ہے۔

وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ ☆ کہ سیمیں تنوں کو ہو جس میں امنگ
سراسر اوچھے زری باف کے ☆ کہ تھے رشک آئینۂ صاف کے
بچھی چادر اک اس پر شبنم کی صاف ☆ کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف
کسے اس پر کسنے وہ مقیش کے ☆ کہ جھبوں میں تھے جس کے موتی لگے
دھرے اس پہ تکیے کئی نرم نرم ☆ کہ مخمل کو آئے جس کو دیکھے سے شرم
وہ گل تکیے اس کے جو تھے رشک ماہ ☆ کہ ہر وجہ تھی ان کی خوبی میں راہ

لحاف: لحاف عربی لفظ ہے، چھا جانے کے معنی ہیں، اسی مناسبت سے اوڑھنے کے لیے جو روئی دار چیز بنائی جاتی ہے، اس کا یہ نام رکھا گیا ہے، نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا اختراع ہے، ابن بطوطہ نے لکھا ہے چارپائی کے لیے دو گدیلے دو تکیے اور ایک لحاف لائے یہ سب ریشم کے بنے ہوئے تھے، اس ملک میں دستور ہے کہ گدیلوں اور لحاف پر کتان یا روئی کے سفید غلاف چڑھا دیتے ہیں اور جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو ان کو دھو ڈالتے ہیں، اندر سے لحاف اور گدیلے محفوظ رہتے ہیں۔ (ص ۲۰۶)

شال: فارسی لفظ ہے جو شال زیادہ گرم ہوتی، وہ لحاف کے بجائے اوڑھی جاتی، کبھی یہ لحوس (ایک جانور) کے بالوں سے تیار کی جاتی، اس کا اصلی رنگ سیاہ، سفید اور سرخ ہوتا، ایک شال سفید ایچہ کہلاتی، اس کا نام طرح دار بھی تھا، کیوں کہ اس میں سفید اور سیاہ ملی ہوئی دھاریاں بھی ہوتیں، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس کے مختلف رنگ ہوتے، بعض شالیں کام دار ہوتیں، جن کی قسمیں یہ تھیں: زردوزی، کلابتونی، کشیدہ، قلغہ، باندھنوں، چھینٹ وایچہ و پرزدار۔ (آئین اکبری جلد اول آئین ۳۳)

مایاں: فارسی لفظ ہے، اونی ریشمی چادر کا نام تھا۔ (آئین اکبری جلد اول آئین ۳۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بوغ بند: فارسی لفظ ہے، بستر بند کو کہتے، اس میں توشک اور لحاف وغیرہ باندھ کر رکھ دیا جاتا، بڑے بقچہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا رہا۔

پا انداز: اس چٹائی یا قالین کو کہتے جو دروازوں کے آگے پاؤں یا جوتے صاف کرنے کے لیے رکھے جاتے، فارسی لفظ ہے۔

آرائش وخواب گاہ: مغلوں کے شاہی محل کی خواب گاہ کا فرش عموماً سنگ مرمر کا ہوتا، اس کے اوپر فرش ہوتا، لال قلعہ اور آگرہ کے قلعہ کے اندر کی تمام دیواریں منقش تھیں اور جا بجا طلائی کام بھی ملتا ہے لیکن ان دیواروں پر بھی زرنگار پردے لٹکے رہتے اور چھتوں میں چھت گیر ہوتی، سلاطین دہلی کے زمانے میں ریشمی اور جواہرات سے ٹکے ہوئے مخمل اور مشجر کے پردے ہوتے، ان پردوں پر تصویریں بھی بنی رہتی تھیں، فیروز شاہ تغلق نے ایسے پردوں کو شرعاً ممنوع قرار دے کر ان کا استعمال روک دیا لیکن مغلوں کے زمانے میں اس کی پابندی نہیں کی گئی اور درو دیوار پر ہر قسم کے نقش ونگار ہوتے، فتح پور سیکری میں جو محل بنا تھا، اس کے بالا خانہ پر خواب گاہ بنائی گئی تھی، باکمال صناعوں اور عالی دماغ مصوروں نے اس کو خوش نما بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، رنگ سازی کے ماہر کاری گروں نے اندر باہر تمام درو دیوار کو طرح طرح کی شگوفہ کاری اور گل کاری سے مزین کر کے کمرہ کو نمونۂ بہشت بنا دیا تھا، مصوروں نے اس کے اندر اتنی تصویریں بنائی تھیں کہ پورا کمرہ نگار خانۂ چیں معلوم ہوتا تھا، بعض تصویریں اب بھی باقی ہیں، ایک جگہ دریا اور کشتی کا منظر ہے، کشتی میں کئی آدمی بیٹھے ہیں، ملاح کشتی چلا رہے ہیں، ایک ملاح مستول پر چڑھا ہوا ہے، دریا کے کنارے جا بجا عالی شان مکانات بھی نظر آ رہے ہیں، ان تصویروں میں درخت گل دستے اور بیل بوٹے بھی ہوتے، زریں رقم کاتب کتبہ نویسی میں اپنے فن کی نزاکت اور صفائی کا کمال دکھاتے اور اشعار لکھ کر ان کی قدر و قیمت بھی بڑھا دیتے، مثلاً مذکورۂ بالا خواب گاہ کے مغربی دروازہ پر نقش ونگار کے درمیان آبِ زر سے فیضی کے اشعار لکھے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے:

قصر شاہست بہر باب بہ از خلد بریں
سخنے نیست دریں باب کہ خلدیست بریں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر دروازہ پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور ہوتا، مشرقی دروازہ کے شمالی طاق کے نیچے یہ شعر لکھا ہوا ہے:

رشک فردوس بریں است و نگارستان چین

منزل اعلا ست داریم در نظر منظور باد(۱)

لال قلعہ دہلی کی خواب گاہ کے متعلق سر سید احمد خان نے لکھا ہے کہ اس لطیف و نفیس عمارت کی نظیر روئے زمین پر نہیں ہے، بالکل سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اس میں طرح طرح سے منبت کاری کا کام اور سونے کے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں، اس کے بیچ میں شہ نشیں کی طرح ایک مکان ہے اور اس کے دکھن اور اتر طرف دو بڑے در سنگ مرمر اور پرچین سازی سے بنے ہوئے ہیں، اس شہ نشیں کا طول پندرہ گز اور عرض چھ گز ہے اور اس کی دو محرابوں پر بڑا طویل کتبہ ہے اور اسی کے ساتھ سونے کے پانی سے اشعار لکھے ہوئے ہیں، جس کا ایک شعر یہ ہے:

زہے دلنشیں قصر پیراستہ ☆ بہشتے بصد خوبی آراستہ

اس شہ نشیں کے آگے پنج درہ دالان ہے، یہ بھی سنگ مرمر اور پرچین کا ہے، یہ بیس گز لمبا اور چھ گز چوڑا ہے، اس دالان کے بیچ میں سنگ مرمر کا مستطیل حوض ہے، اس میں طرح طرح کے رنگین اور بیش قیمت پتھر والے ہزاروں گل بوٹے، بیل اور پتیاں بنی ہوئی تھیں اور ہر ہر پھول کی پنکھڑی میں ایک ایک چھید تھا، کہ جب پانی چھوڑتے تھے تو ان سوراخوں میں سے ہزاروں فوارے چھوٹتے تھے۔(۲)

مسلمانوں کے آخری دور کی خواب گاہ کی آرائش کا نقشہ میر حسن کے حسب ذیل اشعار سے نظروں کے سامنے آجائے گا۔

چھتیں اور پردے بندھے زرنگار ☆ دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

کوئی دور سے در پہ اٹکا ہوا ☆ کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بہ سر ☆ کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال ☆ نگہ کو وہاں سے گذرنا محال

سنہری مغرق چھتیں ساریاں ☆ وہ دیوار اور در کی گلگاریاں

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو تاریخ فتح پور سیکری ص ۸۸-۸۴ (۲) تفصیل کے لیے دیکھو آثار الصنادید، جلد دوم، ص ۱۴-۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیے ہر طرف آئینے جو لگا ☆ گیا چوگنا لطف اس میں سما
وہ مخمل کا فرش سنہرا کہ بس ☆ بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

خس کی ٹٹیاں: گرمی سے بچنے کے لیے دروں پر خس کی ٹٹیاں لگی رہتی تھیں، جن پر پانی کا چھڑکاؤ برابر ہوتا رہتا تھا، ان ٹٹیوں کا رواج عہد اکبری سے شروع ہوا۔ (آئین اکبری جلد سوم ص ۶)

پنکھے: ہندی لفظ ہے، فارسی میں بادکش کہتے، یہ لفظ کم استعمال ہوا، گل بدن بیگم پنکھا کے بجائے پنخہ لکھتی ہے۔ (ہمایوں نامہ ص ۲۶) شاہی محل کے پنکھے سونے چاندی کے ہوتے، سونے یا چاندی کا ایک بڑا ڈنڈا ہوتا، جس کے آخر میں ایک موٹھ ہوتی، اوپر کا حصہ نکیلا کلس کے مانند ہوتا، پھر اوپر ہی کی طرف ایک دائرہ بنا کر اس کو اطلس، کم خواب یا کوئی اور قیمتی کپڑے سے منڈھ دیا جاتا، پھر اس کے چاروں طرف رنگین کپڑوں کی جھالر دے دی جاتی، تکلف کیا جاتا، تو اس کو مقیش اور پرزر بھی بنا دیا جاتا، اسی طرح بڑے پنکھے اب تاڑ کے بنائے جاتے ہیں، یہ پنکھا اتنا بڑا ہوتا کہ جب کوئی آدمی ہاتھوں میں لے کر جھلتا تو اس کی ہوا دور تک جاتی، اسی طرح سونے چاندی کے چھوٹے پنکھے بھی بنائے جاتے، اس قسم کے پنکھے اب بھی شادی بیاہ کے موقع پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

خس کی ٹٹی کے بھی پنکھے استعمال کیے جاتے، عام لوگ تاڑ، کھجور کے پتوں یا بانس کے پنکھے استعمال کرتے۔

منشی فیض الدین نے بزم آخر میں ایک پنکھا کا یہ نقشہ پیش کیا:

"ایک پنکھا سونے کا تھا، جس کے نیچے سچی موتیوں کی جھالر، اس میں سچے اور بڑے موتی اوپر سونے کا مور، اس کے پیٹ میں گلاب، کیوڑا بھرا ہوتا، پنجوں میں سے نکل نکل کر سب کو معطر کرتا جاتا۔"

ایک قسم کا دستی پنکھا ایسا بھی ہوتا جو کھولنے سے مور کے پروں کی شکل میں ہو جاتا، کبھی موروں کے پروں سے چھوٹے چھوٹے پنکھے بنائے جاتے۔

بڑا پنکھا جو مکان کی چھت میں لٹکایا جاتا، وہ تمام فرش پر ہوا پہنچاتا، وہ "فرشی یا فراشی" پنکھا کہلاتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مورچھل: اس سے مکھیاں ہانکی جاتیں، مور کے پردوں کا بناتے، اسی لیے یہ مورچھل کہلاتا، ہندی اصطلاح ہے۔

آتش دان: فارسی لفظ ہے، ہندی میں اس کو انگیٹھی کہتے، جاڑوں میں آگ تاپنے کے لیے شاہی محل میں آتش دان بھی ہوتا، سونے کے انگیٹھی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، عام طور سے لوہے کی انگیٹھی استعمال ہوتی، جس کا رواج اب تک ہے۔

مقابہ: فارسی لفظ ہے، خواب گاہ ہی میں مقابہ رکھا رہتا، جس میں سنگار کا سامان ہوتا، اس کے اندر چھوٹی چھوٹی ڈبیاؤں میں منجن، مسی، غازہ، سرمہ اور پیشانی پر لگانے کے لیے چاند ستارے رکھے رہتے۔

قصد تزئین تجھ کو جس رات آگیا اے رشک ماہ
چاند آئینہ بنا گردوں مقابہ ہوگیا

مچیا: یہ گھریلو کرسی تھی جو نواڑ یا ستلی سے بنی جاتی ہے، اس میں کبھی اڑنے کے لیے پشت بھی دے دی جاتی ہے اور اس کو جہاں چاہا لے جا کر بیٹھتے، یہ ہندی لفظ ہے اور یہ مسلمانوں کے گھروں میں اب تک استعمال ہوتی رہی۔

پیڑھی پیڑھا: یہ بھی ہندی لفظ ہے، عموماً لکڑی کی ہوتی ہے۔

مونڈھا: موجودہ کرسیوں کا رواج تو نہ تھا لیکن مونڈھے استعمال ضرور ہوتے رہے، یہ سینٹھے اور پانوں سے بنائے جاتے، ان کو مضبوط کرنے کے لیے ان پر بکری کی خشک کھال چڑھا دی جاتی، مونڈھے عموماً زنان خانے سے باہر مردانہ نشست میں ہوتے، یہ مونڈھے آج بھی استعمال ہوتے ہیں۔ (ہندی لفظ ہے)

کرسی: عربی لفظ ہے، چھوٹی چوکی کو کہتے، بادشاہ کے تخت کے آگے بھی یہ رکھی رہتی لیکن اب یہ لفظ اس فرنیچر کے لیے استعمال ہونے لگا ہے جس کو انگریزی میں چیر کہتے ہیں۔

کھانا پکانے کے ظروف: محل کے اندر شاہی مطبخ میں کھانا طلائی، نقرئی، مسی، سنگی اور خاکی ظروف میں پکایا جاتا ہوتی، چاندی کے ظروف میں جو کھانا پکتا وہ صحت بخش سمجھا جاتا، سونے اور چاندی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظروف کے علاوہ تانبے کے ظروف میں بھی کھانا پکتا، جن پر ایک مہینہ میں دو بار قلعی ضرور ہوتی، (۱) جو ظروف استعمال ہوتے، ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

دیگ: یہ فارسی لفظ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان اسے بھی ساتھ لائے، بعض دیگ بہت بڑی ہوتی، اس میں تین تین چار چار من کے کھانے ایک ساتھ پک سکتے تھے، ایک من اور آدھ من کے کھانے کی دیگیں تو لڑکیوں کے جہیز میں اب بھی دی جاتی ہیں، چھوٹی دیگ کو دیگچہ کہتے اور بعض اوقات پتیلی کو بھی دیگچی کہتے ہیں، دیگ، دیگچہ اور دیگچی عموماً تانبے کی ہوتی۔

پتیلا: یہ بھی فارسی لفظ ہے، پاتلہ یا پاتیلا کا مخفف ہے، اس کی شکل دیگ سے مختلف ہوتی، دیگ کی گردن اوپر بہت اٹھی ہوتی ہے، پتیلے میں گردن نہیں ہوتی اور یہ بیچ ہی میں پھیل جاتا ہے، چھوٹے پتیلے کو پتیلی کہتے ہیں۔ (۲)

کف گیر: فارسی لفظ ہے، دیگ کے جوش سے جو کف یعنی جھاگ پیدا ہوتا، اس کو نکالنے کے لیے جو چیز ہوتی، اس کو کف گیر کہتے، اب کف گیر بڑے چمچہ کو بھی کہا جاتا ہے، یہ بھی تانبے ہی کا ہوتا۔

کف گیرہ: جس کف گیر میں سوراخ ہوتے، اس کو کف گیرہ کہا جاتا، یہ دونوں فارسی کے الفاظ ہیں، ہندی میں اس کو چھلنا کہتے اور یہی زیادہ بولا جاتا ہے، یہ لوہے کا ہوتا۔

چمچہ: یہ ترکی لفظ ہے، شوربہ، شربت، یا کوئی اور رقیق چیز کے پینے کے ظرف کا نام تھا، اسی مناسبت سے چمچہ کا لفظ عام ہو گیا۔

لگن: فارسی لفظ ہے، ہاتھ پاؤں دھونے کے طشت کو کہتے تھے، اس سے مراد وہ تھالی بھی ہوتی جس میں شمع جلائی جاتی، اس میں آٹا بھی گوندھا جاتا۔

سینی: یہ فارسی لفظ ہے، لوہے، پیتل اور تانبے کی کشتی کو کہتے۔

کڑاہ: اس میں پکوان وغیرہ تلا جاتا، یہ لفظ ہندی ہے، آئین اکبری میں اس کا ذکر ہے، کڑاہی اسی کی تصغیر ہے، یہ لوہے کا ہوتا ہے۔

سیخ: فارسی لفظ ہے، اس میں گوشت گتھ کر کباب لگایا جاتا، پیتل اور لوہے دونوں کی ہوتی۔

---

(۱) آئین اکبری جلد اول آئین ۳۳۔ (۲) بابرنامہ ص ۳۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توا: یہ ہندی لفظ ہے، فارسی میں اس کو تابہ کر دیا گیا ہے، اس پر روٹی پکائی جاتی ہے، یہ لوہے کا ہوتا ہے۔

دست پناہ: فارسی لفظ ہے، آگ پکڑنے کے چمٹے کو کہتے، یہ آتش گیر بھی کہلاتا۔

پرات: ہندی لفظ ہے، آٹا گوندھنے کے تھال کو کہتے ہیں، تانبے یا پیتل کا ہوتا، اس کو تسلا بھی کہتے۔

بٹلوہی: اس میں پانی رکھا جاتا اور اسی میں کھانا بھی پکالیا جاتا، غریب ہندوؤں کے یہاں زیادہ استعمال میں رہا، یہ ہندی لفظ ہے۔

ڈوئی: ترکاری یا سالن پکاتے وقت دیگچی یا ہانڈی میں جو چمچہ استعمال کیا جاتا، اس کو ڈوئی کہتے، یہ لکڑی سے بنائی جاتی اور یہ ہندی لفظ ہے، اب بھی استعمال میں ہے۔

باورچی خانہ میں حسب ذیل چیزیں بھی استعمال ہوتی رہیں:

سل بٹہ: سل پر بٹہ سے مسالا پیسا جاتا، کھانے میں پسا ہوا مسالہ ڈالنے کا رواج ہندوستان میں شروع سے ہے، سل جس معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کے لیے فارسی کی کوئی اصطلاح نظر سے نہیں گذری، البتہ لغت میں بتہ کا لفظ فارسی بتایا گیا ہے، شاید ہندوستان میں بتہ سے بٹہ ہو گیا ہو، یا ممکن ہے کہ ہندوستانی لفظ بٹہ سے فارسی بتہ بنالیا گیا ہو۔

اوکھلی موسل: اوکھلی میں موسل سے غلہ کوٹا جاتا ہے، یہ خالص ہندوستانی چیز ہے، اس لیے نام بھی ہندوستانی ہے۔

کھرل: اس میں دوائیں حل کی جاتی ہیں، ہندی لفظ ہے، فارسی میں اس کے لیے ہاون دستہ کا لفظ ہے۔

دیگر الفاظ: سوپ اور چنگیر ہندوستانی الفاظ ہیں، ان کا استعمال باورچی خانوں میں برابر رہا۔

چھری: ہندوستانی لفظ ہے، فارسی میں کارد کہتے، چاقو ترکی لفظ ہے۔

کھانے کے ظروف: شاہی دسترخوان کے ظروف زیادہ تر چاندی اور سونے کے ہوتے، محمد تغلق کے دسترخوان پر سونے اور چاندی کے برتن کی بڑی فراوانی تھی (۱) پہلے ذکر آچکا ہے کہ پانی اور شربت پینے کے لیے سونے چاندی تانبے اور کانچ کے پیالے ہوتے، فیروز شاہ تغلق نے سونے

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۲۰۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاندی کے ظروف کا استعمال روک دیا تھا، کیوں کہ ان کا استعمال شرعاً ناجائز تھا لیکن مغلوں کے عہد میں سونے چاندی کے ظروف بکثرت استعمال ہوتے رہے، جہاں گیر کے دربار میں چاندی کے پیالے، برتن، شمع دان، پھول دان وغیرہ کی قیمت ۲۲ لاکھ ۲۵ ہزار آٹھ سواڑتیس روپیے قرار پائی تھی، شاہ جہانی خزانے میں یہ ظروف بڑھ کر کئی کروڑ کے ہو گئے تھے،(۱) نادر شاہ مالِ غنیمت میں سونے اور چاندی کے ظرف بھی اپنے ساتھ لے گیا، اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، چینی کے ظروف بھی استعمال ہوتے رہے، تزک جہاں گیری اور مآثر عالم گیری میں خطائی اور چینی ظروف کا ذکر بار بار آیا ہے، (۲) دہلی کے لال قلعہ کے میوزیم میں مغل بادشاہوں کے برتنوں میں چینی کی صراحیاں، خاص دان اور پھل کے طشت رکھے ہوئے ہیں۔

رکابی: کھانا عموماً رکابی میں کھاتے، شاہی محل میں رکابی چاندی اور سونے کی ہوتی، (۳) مس کی بھی بنتی، رکابی کا لفظ فارسی ہے۔

طباق: شروع میں ہشت پہل پیالے کو کہتے لیکن پھر پھیلا ہوا چوڑا ظرف سمجھا جانے لگا، ترکی لفظ ہے، بڑی رکابی کو کہتے، پلاؤ وغیرہ اسی میں رکھے جاتے، ہندی میں طباق کو تھال کہتے، تھال کی تصغیر تھالی ہے، ہندو امرا کے یہاں تھالی سونے چاندی کی بھی ہوتی۔

قاب: یہ بھی ترکی لفظ ہے، بڑی رکابی مراد ہے، گو عربی میں قعب بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔

پیالہ: رقیق چیز اس میں رکھی جاتی، یہ لفظ بھی فارسی ہے۔

بادیہ: یہ بھی فارسی لفظ ہے، تانبے کے بڑے پیالے یا کٹورے کو کہتے، اس کے اوپر حاشیہ ہوتا اور نیچے پیندے میں بھی روک کے لیے حلقہ بنا ہوتا، یہ اب بھی گھروں میں مستعمل ہے۔

کٹورا: ہندی میں پیالہ کو کٹورا کہتے اور یہ لال قلعہ میں بھی بولا جاتا، ذوق کا ایک شعر ہے:

اے گلرخو نہ چھیڑنا دامن سحاب کا ☆ دیکھو چھلک رہا ہے کٹورا گلاب کا

چھوٹے کٹورے کو کٹوری کہتے۔

---

(۱) خافی خان جلد اول ص ۷۵۸۔ (۲) بابر نامہ ۳۰۱، تزک جہاں گیری۔ ص ۱۴۴، ۱۵۹ مآثر عالم گیری ص ۲۲۶۔

(۳) تزک جہاں گیری ص ۱۴۴ اور آئین اکبری ص ۵۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنجان: عربی لفظ ہے، پیالی کو کہتے ہیں۔

کفچہ: چمچے کو کہتے، فارسی لفظ ہے۔

تشت: فارسی لفظ ہے، عربی طشت ہے، تسلا اور پرات کے قسم کی چیز ہوتی، شاہی محل میں طشت دار کا ایک عہدہ بھی ہوتا، جو سلاطین کو طشت میں ہاتھ دھلایا کرتے تھے۔ (طبقاتِ ناصری ص ۲۵۴)

تشتری: تشت ہی سے تشتری ہے، چھوٹی رکابی یا تھالی کو کہتے، تشتری اب پرچ کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔

مرتبان: اس میں مربہ یا اچار یا معجون رکھا جاتا، مرتبان ہندوستان کے ایک جزیرہ کا نام ہے اور یہیں یہ ظرف ایک خاص قسم کے چینی سے بنتا ہے، اسی لیے اس نام سے مشہور ہوا۔

بویام: بویام بھی مرتبان ہی کی طرح ہوتا ہے، یہ لفظ ہندی ہے، شیشے کے علاوہ ایک خاص قسم کی مٹی سے بھی بنتا ہے۔

خوان: فارسی لفظ ہے، سینی، کشتی، طباق اور تھال کو کہتے۔

خوانچہ: چھوٹے خوان کو کہتے۔

خوان پوش: فارسی لفظ ہے، خوان ڈھانکنے کا کپڑا ہوتا، سلاطین و امرا کے یہاں بہت مرصع ہوتا، اطلس یا ریشمی کپڑے کے قیمتی گوٹ لگا کر اس میں سلمہ ستارے لگا دیے جاتے۔

دستارخوان: خوان ہی کی مناسبت سے کھانا جس کپڑا پر کھایا جاتا، اس کو دستارخوان کہتے، جو اب دسترخوان کہلاتا ہے، یہ عموماً رنگین ہوتا، اس پر کچھ نقش و نگار بھی ہوتا، اشعار بھی لکھے ہوتے۔

یخدان: مٹھائی اور کھانے کی چیزوں کے رکھنے کا صندوقچہ ہوتا، اس کے لیے نعمت خانہ کی بھی اصطلاح ہے، اب یخدان کے بجائے نعمت خانہ ہی بولا جاتا ہے، فارسی اصطلاح ہے۔

کیف دان: معجون رکھنے کا صندوقچہ تھا، فارسی لفظ ہے۔

آب خورہ: پانی پینے کے ظرف کو آب خورہ کہتے، یہ تانبے، پیتل، پھول، چاندی اور سونے کا بھی ہوتا، لال قلعہ میں آب خورہ کے نیچے سونے چاندی کی طشتری ہوتی، اس کے اوپر آب خورہ اور اس کے اوپر ایک ڈھکن ہوتا، آب خورہ اب مٹی کے کوزہ کو کہتے ہیں اور کٹورا سے مراد پانی پینے کا ظرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے، تانبے کی بدھنی سے بچوں کو پانی پلایا جاتا، لال قلعہ میں یہ بدھنی چاندی سونے کی ہوتی۔

صراحی: فارسی لفظ ہے، اس میں پانی رکھا جاتا، شاہی محل میں یہ چاندی سونے کی ہوتی، قانون ہمایونی میں ہے کہ ہمایوں نے ہندوستان میں مکھیاں، گرد وغبار زیادہ دیکھے تو حکم دیا کہ پینے کی جتنی چیزیں ہوں وہ شیشے کی صراحیوں میں لائی جائیں، تاکہ وہ مکھیوں اور خس وخاشاک سے پاک رہیں، (ص ۱۱۳) لیکن مٹی اور جست کی صراحی میں پانی ٹھنڈا رہتا،، اس پر تول کا یا سرخ کپڑا منڈھ دیا جاتا، مٹی کی صراحیاں اب تک بنتی ہیں اور مختلف جگہوں میں مختلف شکلیں ہوتی ہیں، آگرہ کی صراحیاں مسلمان حکم رانوں کے عہد کی یادگار ہیں۔

خم: فارسی لفظ ہے، جو شراب کے مٹکے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں پانی کے بڑے مٹکے کے لیے بھی یہی لفظ مستعمل ہے، عموماً مٹی کا ہوتا ہے لیکن لوہے اور پیتل کا بھی بنتا۔

کوزہ: فارسی لفظ ہے، آئین اکبری میں یہ گھڑے کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن اب مٹی کے آبخورہ اور ڈونگے کے لیے بھی استعمال ہوتا رہتا ہے۔

جیگڑ: لال قلعہ میں پانی سے بھری ہوئی ٹھلیا (یعنی گھڑا) کو جیگڑ کہتے تھے، ہندی لفظ ہے۔

مشک: فارسی لفظ ہے، سقے اسی میں پانی بھر بھر کر لاتے، بکری کی کھال کی بنتی، چھوٹی مشک کو مشکیزہ کہتے، ہندی میں چھاگل کہلاتا۔

ڈول: ڈول کو فارسی میں دلو کہتے لیکن یہ ہندی لفظ زیادہ مقبول ہوا، حتیٰ کہ شعرا نے بھی اسی کو استعمال کیا ہے۔

کنویں پہ دیکھے تو سقائے شوق زاہد بھی
نہ پھانسے چاہِ زنخدانِ حور میں پھر ڈول

ڈولچی: ڈول ہی کی تصغیر ہے۔

ڈونگا: پانی نکالنے کے لیے ڈنڈی دار ظرف کو ڈونگا کہتے اور اب یہ ہندی لفظ اس برتن کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جس میں ڈنڈی لگی ہوتی ہے اور اس کے اندر کھانے کا کوئی سامان مثلاً گوشت پلاؤ وغیرہ بھی رکھا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تام لوٹ: یہ بھی ڈونگا ہے اور ہندی لفظ ہے۔

سماور: یہ ایک قسم کا چولہا ہے جس میں پانی گرم کیا جاتا، لوہے، پیتل یا تانبے کا ہوتا ہے، فارسی لفظ ہے۔

آفتابہ: یہ فارسی لفظ ہے، ایک قسم کا لوٹا تھا، جس کے پیچھے گرفت کے واسطے دستی لگی ہوتی اور منہ پر سر پوش ہوتا، شاہی محل میں بادشاہوں کا آفتابہ رکھنے والا، آفتابچی کہلاتا، ہمایونی عہد کی تذکرۃ الواقعات کا مصنف جوہر آفتابچی ہی تھا۔

لوٹیا اور لوٹا: ہندو لوٹیا استعمال کرتے لیکن مسلمانوں نے اپنے زمانے میں اس لوٹیا میں ٹونٹی لگادی تا کہ پانی کے استعمال میں آسانی ہو، اس کو لوٹا کہنے لگے، لال قلعے میں چاندی کے لوٹے اور سونے کی لٹیاں برابر استعمال ہوتی رہیں، ہندو اس قسم کے لوٹے کو گنگا ساگر کہتے ہیں۔

بیسن دانی: ہاتھ دھونے کے لیے بیسن دانی ہوتی، بیسن سے کھانے کی چکنائی دور کرتے، لفظ ہندی اور فارسی سے مرکب ہے۔

سیلابچی: فارسی لفظ ہے، ہاتھ دھونے کے سلسلہ میں پانی جس میں گرتا وہ سیلابچی یا سلفچی کہلاتا، یہ تو اب تک رائج ہے، اس کے اوپر ایک جالی دار ڈھکن ہوتی، جس سے چھن کر پانی نیچے کے ظرف میں گر جاتا، اس طرح میلا اور گندہ پانی نظر کے سامنے نہیں رہتا، جالی دار ڈھکن کے اوپر گھاس رکھ دیتے، تا کہ چھینٹیں نہ پڑیں، سلاطین اور امرا کے یہاں سونے چاندی کی ہوتی لیکن عام طور سے تانبے کی بنتی۔

مٹی کے برتن: پکانے، کھانے اور دوسرے استعمال کے برتن مٹی کے بھی ہوتے، جو ہندوستان میں صدیوں سے استعمال میں ہیں اور یہ نہ صرف غریبوں بلکہ اچھے اچھے گھرانوں میں استعمال ہوتے رہے ہیں، کیوں کہ بعض کھانے مٹی کی ہانڈیوں میں نسبتاً اچھے تیار ہوتے، مٹی کے اگال دان، پھول دان، حقے، پان دان، کھلونے اور مختلف قسم کے پھل وغیرہ بھی تیار ہوتے رہتے اور ان پر ہر قسم کا رنگ بھی چڑھایا جاتا، بلکہ نقش و نگار کے ساتھ اور چمک بھی پیدا کی جاتی، یہ فن ہندوستان میں عرصہ سے ہے، بنارس، مرزاپور، نظام آباد، لاہور، ملتان، ٹھٹھ اور ڈھاکہ میں اچھے اچھے مٹی کے برتن اب تک تیار ہوتے ہیں، گل ملتان مشہور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیدری ظروف: بیدر میں ایسے ظروف بنائے جاتے، جن میں سونے چاندی، تانبے، سیسے، لوہے اور پیتل ملے ہوتے اور یہ فن یہیں محدود رہا، اس لیے یہاں کے برتن بیدری کے نام سے مشہور ہوئے، ان برتنوں میں نقرئی یا طلائی لکیریں بھی ہوتی ہیں، یہ برتن ڈھاکہ میں بھی بنتے رہے لیکن بیدر کے پیالے، حقے، اگال دان اور پھول دان وغیرہ زیادہ مشہور ہوئے اور بادشاہوں کے محل میں بھی استعمال ہوتے رہے، دہلی کے لال قلعہ کے میوزیم میں شاہی خاندان کی یادگاروں میں بیدر کے حقے مچھلیاں، اگال دان، میر فرش وغیرہ بھی رکھے ہوئے ہیں۔

سواری: سواری میں حسب ذیل چیزیں استعمال ہوتی رہیں:

محافہ: عربی میں محفہ تھا، فارسی میں محافہ ہوگیا، پردے دار سواری کو کہتے، اس میں عورتیں بیٹھتیں اور کہار ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے۔

ڈولی: محافہ کو ہندی میں ڈولی کہتے، عہد تغلق کا ذکر کرتے ہوئے ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ عورتیں اس ملک میں ڈولیوں میں آتی جاتی ہیں اور بعض وقت مرد بھی اس میں بیٹھتے ہیں، یہ چارپائی کے مشابہ ہوتی ہے اور ریشم یا روئی کی رسیوں سے بنی جاتی ہے اور اس کے اوپر ایک لکڑی ہوتی ہے، جو ایک ٹھوس بانس کو ٹیڑھا کر کے بناتے ہیں، آٹھ آدمی باری باری اس کو اٹھاتے ہیں، چار آدمی اٹھاتے ہیں اور چار آرام کرتے ہیں، اکثر لوگوں کی روزی اس پر منحصر ہے، جس کے غلام ہوتے ہیں، تو وہ ڈولی کو اٹھاتے ہیں، اگر غلام نہ ہوں تو کرایہ کے آدمی جو شہر میں بہت ہیں اور بازاروں میں بادشاہی محل یا لوگوں کے دروازہ کے پاس کھڑے رہتے ہیں کہ کوئی شخص ان کو ڈولی، اٹھوانے کے واسطے اجرت پر لے جاوے، عورتوں کی ڈولیوں پر ریشم کے پردے پڑے ہوتے تھے۔

پالکی: فارسی لفظ ہے، محافہ کی پرتکلف شکل پالکی کہلاتی، ہندی میں اس کو نالکی اور تام جھام بھی کہتے، اس کو بھی کہار اٹھاتے۔

ہوادار: یہ بھی پالکی ہی کی ایک قسم ہے، ہندی اور فارسی سے مرکب ہے۔

فنس یا پنس: یہ بھی پالکی ہی کی ایک قسم تھی لیکن پالکی سے زیادہ وزنی ہوتی۔

چوڈول: ہندی لفظ ہے یہ بھی ایک سواری تھی، جو عورتوں کے استعمال میں رہتی تھی، مآثر عالم گیری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے کہ اورنگ زیب کے اکیسویں سال جلوس میں شاہزادہ محمد عظیم کی شادی کیرت سنگھ کی لڑکی سے ہوئی تو اورنگ زیب نے جہیز میں ۶۳ ہزار جواہرات کے علاوہ ایک طلائی چوڈول، ایک پالکی اور پانچ ڈولیاں دیں، پالکی اور ڈولیاں چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں۔ (ص ۱۶۷)

ادہار: عورتوں کی سواریوں پر پرتکلف پردے ڈال دیے جاتے جو ہندی میں ادہار کہلاتا ہے، زری اور کلابتوں کے خانہ دار ڈورے اس پر منڈھ دیے جاتے، جس کو بعض جگہ توڑ کہتے اور چار کونوں پر اور بیچ میں چاندی یا سونے کے کلس لگا دیے جاتے، تاکہ سواری شان دار اور دل آویز معلوم ہو۔

ہودج: سواری کے لیے ہاتھی استعمال ہوتا، ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھنے کے لیے ہودج ہوتا، جس کو فارسی میں عماری کہتے۔

بیگڈنبر: ہودج کے اوپر کی چھتری کو کہتے، ہندی لفظ ہے۔

ہاتھی کے لوازم: ہاتھی کے لیے مختلف قسم کی ہلکی اور وزنی زنجیریں استعمال ہوتیں، جن کے نام یہ ہیں، دھرنہ،، انڈو بیڑی، گدھ بیڑی، لوہ لنگر وغیرہ مختلف ڈوریوں کے کچھ نام کلاوہ، لٹھی، ڈورا اور پچوہ تھے، ان کی آرائش کے لیے زیورات بھی پہنائے جاتے، جن کے نام یہ تھے: چوراسی، قطاس، بٹیا، گتھلی، پائے رنجن اور بنگری وغیرہ ان کے سر اور سونڈ کے لیے برگستوان کی شکل کا ایک خوبصورت جامہ ہوتا، جس کو پاکھر کہا جاتا، پاکھر کے اوپر ایک مرصع پوشش ڈالی جاتی، جس کو گج جھنپ کہتے، رن پیل ایک پیشانی بند ہوتا، جو زربفت وغیرہ جیسے قیمتی کپڑوں سے تیار کیا جاتا، اس کے دامن میں مورچھل لٹکے رہتے، جو ہوا میں ملنے کی وجہ سے بہت خوش نما نظر آتے، ہودج کے نیچے جھولیں لٹکتی رہتیں، جو قیمتی کپڑوں کی بنائی جاتیں، ان تمام لوازم کے لیے ہندی ہی کی اصطلاح استعمال میں رہیں۔ (آئین اکبری آئین ۴۴)

گھوڑے کی سواری کے سازوسامان: گھوڑوں پر سواری کی جاتی اور ان کو بڑا آراستہ پیراستہ رکھا جاتا، ان کے مختلف سازوسامان کے نام یہ ہیں: ارتک، گجم، مجمعہ بند، پایے بند، اورنگ زیت پنبہ، بال پوش، جل، رومال پشیمن، مگس، ران، پشت تنگ، خرخرہ، قیرہ، نکتہ قشقہ، گردنی لعل وغیرہ یہ تمام اصطلاحات عربی وفارسی کی ہیں، گھوڑے کو باندھنے کے لیے لوہے کا کھونٹا ہوتا، اسی کی ڈوری فارسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کمند کہلاتی اور کھونٹا جس ہتھوڑے سے نصب کیا جاتا، اس کو تبر تخماق کہتے تھے، یہ ترکی لفظ معلوم ہوتا ہے، گھوڑے کو کھلانے پلانے کے لیے حسب ذیل سامان استعمال ہوتا: توبڑہ، کڑاہ (اس میں چنے پھلائے جاتے) سبد (توبرہ کی ایک قسم) مسین سطل (پانی پینے کا برتن) ان سب کی تصویریں آئین اکبری میں ہے، (ص ٢٧، ٩٦) ان میں کڑاہ کے علاوہ تمام الفاظ فارسی کے ہیں۔

مذکورۂ بالا ساز و سامان کے علاوہ جواہر خانہ میں زیورات اور جواہرات اور توشک خانہ میں طرح طرح کے لباس ہوتے، ان کی نوعیت کا اندازہ گزشتہ ابواب سے ہوا ہوگا، اسلحہ خانہ میں اسلحہ ہوتے جن کی تفصیل میری کتاب ''ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں فوجی نظام'' میں ملے گی، نقار خانہ میں نقارہ، دہل، کرنا، سرنا، نفیر، سنگ اور سنج ہوتے، پہلے ذکر آیا ہے کہ محل کے اندر زردوز کارچوب، سنار، نقاش، رنگ ساز، لوہار، بڑھئی، خراد، درزی وغیرہ مستقل کام کرتے رہتے، ان کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کیا جاتا۔

اپنی دولت اور ساز و سامان کے لحاظ سے مغل بادشاہوں کی حکومت دنیا کی متمول ترین حکومتوں میں شمار ہوتی تھی، پہلے بھی ذکر آیا ہے کہ نادر شاہ ہندوستان سے جو مالِ غنیمت لے گیا، تو اس میں تخت طاؤس کے علاوہ ٢٥ کروڑ کے جواہرات، ٢٥ کروڑ کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے، پانچ کروڑ کا سونا، چاندی، ٩ کروڑ کے قیمتی ظروف اور ٢٠ کروڑ کے فرنیچر اور دو کروڑ کے قیمتی کپڑے تھے، اس غارت گری کے بعد بھی دہلی کے لال قلعہ میں دولت کے علاوہ بڑا ساز و سامان رہ گیا تھا، احمد شاہ ابدالی ١٧٥٧ء میں دہلی کے لال قلعہ میں داخل ہوا تو اپنے ساتھ سولہ لاکھ روپے کے علاوہ بہت سے طلائی اور نقرئی ظروف لے گیا، ١٧٦١ء میں سورج مل جاٹ نے آگرہ کے قلعہ پر قبضہ کیا تو پچاس لاکھ کا ساز مان قلعہ سے بھرت پور منتقل کیا، ١٧٨٨ء میں غلام قادر روہیلہ کا استیلا لال قلعہ دہلی پر ہوا، تو اس زوال پذیر زمانہ میں بھی دہلی میں اس کو پندرہ لاکھ کا سامان ملا، جن میں ایسے ایسے قیمتی کپڑے اور جواہرات تھے، جن کی قیمت اس زمانہ کے جوہری یہ کہہ کر نہ لگا سکے کہ ان کی نظروں سے ایسی چیزیں نہیں گذریں۔ (١)

---

(١) فال آف دی مغل امپائر، از: جدوناتھ سرکار جلد دوم ص ٣٢٥، جلد سوم ص ٣٢٢

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہوار

عہد رسالت میں مسلمانوں نے دو ہی تہوار منائے ،عید الفطر اور عید الاضحیٰ ، کچھ عرصہ کے بعد شب برأت کی حیثیت بھی تہوار ہی کی ہوگئی ، یہ تینوں تہوار مذہبی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مسلمان ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ ایران بلکہ وسط ایشیا کا قومی تہوار جشن نوروز بھی ساتھ لائے اور اس کو اس دھوم دھام سے مناتے کہ مذکورۂ بالا تینوں تہوار سے اس کا جشن بڑھ جاتا۔

عہد تغلق کی عید: ابن بطوطہ نے عہد تغلق کی عید الفطر کی جو قلمی تصویر کھینچی ہے،اس سے سلاطین دہلی پورے دور کے جشن عید کا اندازہ ہوگا ، وہ لکھتا ہے کہ عید کی پہلی رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیروں، مصاحبوں، مسافروں، متصدیوں، حاجبوں، نقیبوں، افسروں، غلاموں اور اخبار نویسوں کے لیے ایک ایک خلعت ہر ایک کے درجہ کے مطابق بھیجتا ہے، جب صبح ہوتی ہے،تو ہاتھی سجائے جاتے ہیں،ان پر ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولیں ڈالی جاتی ہیں،ان میں سے سو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے ہیں،ان سب پر ایک ایک چھتر ہوتا ہے، جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا ہے، ہر ایک چتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے اور ہر ایک ہاتھی پر جواہرات سے مرصع ایک ریشمی گدی رکھی جاتی ہے،ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے اور اس کے آگے آگے زین پوش جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک علم بہ طور پرچم کے لے جاتے ہیں، ہاتھی کے آگے غلام اور مملوک پیادہ پا چلتے ہیں،ان میں سے ہر ایک کے سر پر چاچی ٹوپی یعنی ساشیہ ہوتی ہے اور کمر پر مطلا پٹی میں بعض جواہرات لگے ہوئے ہوتے ہیں اور بادشاہ کے آگے آگے نقیب بھی ہوتے ہیں، جو تعداد میں تین سو ہوتے ہیں،ان میں سے ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ ہوتی ہے، کمر میں طلائی پٹی اور ہاتھ میں تازیانہ جس کا دستہ سونے کا ہوتا ہے،صدر جہاں قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہاں قاضی القضاۃ خوارزمی اور تمام قاضی ذی رتبہ پردیسی ،عراقی ،خراسانی ،شامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مغربی سب ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں، اس ملک میں سب پردیسیوں کو خراسانی کہتے ہیں اور مؤذن بھی ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہیں اور تکبیر کہتے ہوئے جاتے ہیں، بادشاہ اس ترتیب سے محل شاہی کے دروازے سے نکلتا ہے اور لشکر باہر منتظر ہوتا ہے، ہر ایک امیر اپنی فوج کو لیے علاحدہ کھڑا رہتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ نوبت نقارے والے بھی ہوتے ہیں، سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے، بادشاہ کے آگے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے اور قاضی و مؤذن ہوتے ہیں جو تکبیر کہتے جاتے ہیں، بادشاہ کے پیچھے باجے والے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے بادشاہ کے خدمت گار، پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خاں کی سواری مع اس کی فوج اور باجے کے ہوتی ہے، اس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خاں کی سواری، اس کے بعد بادشاہ کے چچا زاد بھائی ملک فیروز کی، پھر ملک مجیر ذی الرجا کی، پھر ملک قبولہ کی، پھر ملک نکبہ کی پھر ملک بغرا کی، پھر ملک مخلص کی، پھر قطب الملک کی ہر ایک کے ساتھ لشکر اور باجے ہوتے ہیں، یہ لوگ جن کے نام لیے گئے ہیں، وہ امرا ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہیں، وہ عید کے دن بادشاہ کے ساتھ نوبت نقارہ لے کر جاتے ہیں اور باقی امیر بغیر نوبت کے جاتے ہیں اور وہ درجہ میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص عید کے دن جلوس میں مع اپنے گھوڑے کے زرہ پوش ہوتا ہے، جب بادشاہ عید گاہ کے دروازے پر پہنچتا ہے تو وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ قاضی مؤذن، امرا اور ذی رتبہ پردیسی پہلے داخل ہوں، بادشاہ آخر میں اترتا ہے، امام نماز شروع کرتا ہے، اس کے بعد خطبہ پڑھتا ہے۔

عید کے دن دربار بڑی شان و شوکت سے سجایا جاتا، اس کی تفصیل بھی ابن بطوطہ نے لکھی ہے، اس روز تمام دیوان خانہ میں فرش بچھایا جاتا، اس کے صحن میں موٹے موٹے ستونوں پر بارگہ کھڑی کی جاتی، اس کے چاروں طرف خیمے ہوتے، ان میں رنگ برنگ کے ریشمی پھول اور بوٹے لگائے جاتے، دیوان خانے میں تین صفیں بنائی جاتیں، ان ہی کے درمیان سونے کی ایک چوکی لا کر رکھی جاتی اور اس پر ایک گدی ہوتی جس پر رومال پڑا ہوا ہوتا، دیوان خانہ کے صدر میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا، یہ تخت سونے کا تھا، اس پر جواہرات ٹکے ہوتے تھے، اس کا طول ۲۳ بالشت اور عرض اس سے آدھا تھا، اس کے علاحدہ علاحدہ ٹکڑے ہو جاتے، جب دیوان خانہ میں لاتے تو جوڑ لیتے، ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے، اس کے اوپر ایک کرسی بچھاتے اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگاتے، جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے، پھر ایک ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا، سب سے پہلے خاص خطیب، پھر علما، پھر سادات، پھر مشائخ، پھر بادشاہ کے اعزا و اقربا پھر ذی مرتبہ پردیسی، پھر وزرا، پھر فوجی عہدے دار آگے بڑھتے اور سلام کر کے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے، سلام کرتے وقت نذرانے بھی پیش کرتے، جو رومال میں بندھے رہتے، یہ نذرانے سونے کی ایک تھالی میں ڈالتے جاتے، اس میں سے بادشاہ بھی بخشش کرتا جاتا، سلام کے بعد کھانا آتا، اس روز سونے کی انگیٹھی میں عود، الائچی اور عنبر جلاتے رہتے، تاکہ دربار کی فضا معطر رہے، سونے اور چاندی کے گلاب پاش سے پھولوں کے عرق بھی برابر چھڑکے جاتے، بادشاہ کے دائیں بائیں امرا کھڑے رہتے اور بارگہ کا کوتوال ہاتھ میں سونے کی چھڑی لیے رہتا، اس کے نائب کے ہاتھ میں چاندی کی چھڑی ہوتی، یہ دونوں اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ بٹھاتے اور صفوں کو سیدھی کرتے رہتے، وزیر اور کاتب ان کے پیچھے ہوتے، اس کے بعد رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی، یہ نشست عصر کے وقت ہوتی، اس کے دوسرے دن دربار اسی ترتیب کے ساتھ ہوتا اور جشن جاری رہتا، تیسرے دن بادشاہ اپنے رشتہ داروں کے نکاح کی رسم ادا کراتا، چوتھے دن غلام آزاد کیے جاتے، پانچویں دن لونڈیاں آزاد ہوتیں، چھٹے دن غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح ہوتے اور ساتویں دن خیرات تقسیم کی جاتی۔(۱)

عہد فیروز شاہی کی عید: فیروز شاہ کے عہد میں عید کا یہ جشن اسی شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا، بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ ہی ہوا، عفیف کا بیان ہے کہ عید کے روز کوشک فیروز آباد کے آٹھوں چمن میں آم کی پتیاں بڑی خوب صورتی سے سجائی جاتیں، محل پاشیب میں بارگاہ نصب کی جاتی، اس کو بارگاہ بام کہا جاتا، اس کے دونوں طرف لکڑی کے پاشیب تیار کیے جاتے اور ہر قسم کے گدے بچھائے جاتے، بعض گدے ریشم اور بعض زرمینہ کے ہوتے، بعض پر نقرئی اور زریں کام ہوتا، بعض سفید کپڑے کے ہوتے اور بعض موم کے بنائے جاتے، تمام در و دیوار پر زرمینہ لپیٹا رہتا، صحن میں

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۹-۱۰۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرش ہوتا اور وہاں ہر قسم کے تر و خشک میوے رکھے رہتے۔

چاشت کے وقت بادشاہ باہر آ کر محل کوشک میں قیام کرتا، پہلے بندگان تیغ دار حاضر ہوتے، دس چتر بادشاہ کے دائیں اور دس بائیں اور ایک خاص بادشاہ کے سر پر رکھے جاتے، ان میں سے بعض چتر سرخ، بعض سبز، بعض کنج، بعض نسیج، بعض دو رنگے، بعض سیاہ، بعض سفید ہوتے، برسات میں مہلہک رنگ کا چتر سر پر سایہ فگن ہوتا، چتر کے بعد مکسانی اور مکلل نشانات تخت کے سامنے سے گذارے جاتے، مکسانی نشانات ایک سو ستر رنگ کے ہوتے اور بے حد خوب صورت نظر آتے، اس طرح تمام علم بردار اپنے اپنے مراتب کے مطابق محل کے اندر جاتے تھے، اس کے بعد پائگاہ کے زریں پوش گھوڑے محل میں داخل ہوتے، اس کے بعد طلائی اور نقرئی جھول سے آراستہ ہاتھی تخت کے سامنے زمیں بوس ہو کر سلام کرتے اور دعا دیتے، پھر اپنی اپنی جگہ دائیں بائیں کھڑے ہو جاتے، ان کے بعد اکثر شکرہ داروں کے ساتھ ارباب شکرہ خانہ حاضر ہوتے، ان کے بعد مطرب آتے جو زعفرانی لباس پہنے ہوتے، ان کے سروں پر سرخ دستار ہوتی، ان میں سے بعض مطربوں کا لباس بہت ہی مرصع اور مکلل ہوتا، بعض لباس کی قیمت چالیس ہزار تنکے ہوتے، مطربوں کے بعد قوالوں کا گروہ ہوتا، پھر اہل طرب آ کر رقص کرتے، اس کے بعد دربار کے خوانین، ملوک، امرا، علما و مشائخ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوتے، تمام ارکین سلطنت اپنے اپنے مرتبے کے مطابق اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے رہتے۔

جب دن کچھ چڑھ جاتا تو سلطان عیدگاہ کے لیے روانہ ہوتا، اس کے ساتھ تمام لوگ دربار سے باہر آتے، سلطان ہاتھی پر سوار رہتا یا کبھی گھوڑے پر بھی ہوتا، ایک چتر بادشاہ کے سر پر سایہ فگن رہتا، دوسرا شہزادۂ تغلق کے اوپر ہوتا اور تمام چتر دربار ہی میں چھوڑ دیے جاتے، شاہزادہ کی سواری آگے ہوتی، اس کے بعد بادشاہ ہوتا، نماز سواد کوشک میں ہوتی، اس کے بعد سلطان پھر دربار میں آتا، جہاں لوگ پھر حاضر ہوتے، اس روز خواص و ملوک کو خلعت بھی دیے جاتے اور قوالوں اور گویوں کو انعام و اکرام عطا ہوتے۔(۱)

(۱) عفیف ص ۳۶۵-۳۶۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہد مغلیہ کی عید: مغل بادشاہ بھی جشن عید اسی روایتی شان وشوکت کے ساتھ مناتے رہے، اس موقع پر ان کے دربار کی آرائش ان کے تمدن کے ساتھ بڑھتی رہی اور وہ عید گاہ بڑے کروفر کے ساتھ جاتے رہے، عید کا چاند ہوتا تو مفتی اور قاضی بادشاہ کو خبر کرتے اور رویت ہلال کا اعلان توپ داغ کر کے کیا جاتا اور یہ رواج اب تک دہلی میں جاری ہے، اب توپ تو نہیں چھوٹتی، گولے چھوڑے جاتے ہیں، عید منانے کے لیے کئی روز پہلے سے تیاری ہوتی رہتی، محل اور دربار دلہن کی طرح سجا دیا جاتا، دربار کی آرائش کا اندازہ اس سے ہوگا، جب ہم جشن نوروز میں اس کی آرائش کی تفصیل بیان کریں گے، صبح کو بادشاہ ہاتھی پر جلوس کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کے لیے روانہ ہوتا، چاؤش ونقیب آگے ہوتے، نقارے کی صدائیں بلند ہوتی رہتیں، شاہی علم اور چتر توق فضا میں لہراتے رہتے، شاہی دبدبہ کے لیے کچھ توپیں بھی ساتھ چلتیں، ہاتھی کی پیشانی پر ڈھالیں لٹکتی رہتیں، عید کی خوشی میں ان کی مستکوں پر نقش ونگار ہوتے، ان پر جھلابور جھولیں ہوتیں، جن پر موتی اور جواہرات ٹکے ہوتے، وہ زیوروں میں لدے پھندے سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے، جھومتے، جھامتے خوش مستیاں کرتے جلوس کے ساتھ چلتے، ہاتھی کے ہودج پر عماری ہوتی، جس پر چتر یا میگڈنبر لگا ہوتا، شہزادے گھوڑوں پر ہوتے، یہ زرق برق زین، ارتک، گجم، مجمعہ، بند، یال پوش اور پشت تنگ وغیرہ سے آراستہ ہوتے، شہزادوں کے پیچھے محل سراؤں کی پالکیاں ہوتیں، ان کے پیچھے کچھ فوج کا دستہ ہوتا، نقارہ زور زور سے بجتا جاتا، ایک ہاتھی پر روپے لدے ہوتے، جو راستے میں غریبوں اور مسکینوں میں لٹائے جاتے، عید گاہ تک ایک ہجوم ہوتا، جہاں بادشاہ داخل ہوتا تو اس کی آمد کی اطلاع ۲۱ توپوں کی سلامی سے دی جاتی، منبر کے پاس شاہی خیمہ لگتا، جس میں بادشاہ اپنے شہزادوں اور امرا کے ساتھ جا کر بیٹھتا، عید کی نماز سے پہلے صف بندی ہو جاتی اور جب امام خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر آتا تو اس کے گلے میں جواہر نگار قبضہ کی تلوار لٹکتی ہوتی، خطبہ میں جب بادشاہ کا نام آتا تو ایک توپ کا گولہ چھوٹتا، خطبہ ختم ہونے کے بعد امام بادشاہ سے آ کر بغل گیر ہوتا، شاہی جلوس پھر اسی شوکت کے ساتھ واپس ہوتا، تو دیوان عام میں دربار لگتا، کبھی عید کے دوسرے دن بھی دربار ہوتا، بادشاہ کی خدمت میں عید کے تحفے اور نذرانے پیش کیے جاتے، تمام کاری گر اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صناع اپنی دستکاریوں کے نمونے پیش کرتے، بادشاہ بھی شہزادوں اور اراکین سلطنت کو طرح طرح کے انعام واکرام سے نوازتا، بادشاہ پھر محل کے اندر آتا، جہاں وہ بیگمات اور شہزادیوں کو خلعت عطا کرتا، بادشاہ نامہ میں ۱۰۴۰ھ کی عید کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

''چودھویں اروی بہشت کو عید فطر مسرتوں کی نوید کے ساتھ آئی، اسی روز ایک مرصع ہودج یمین الدولہ نے پیش کیا تھا، جو ایک لاکھ روپے میں تیار ہوا تھا، ایک ہاتھی کی پیٹھ پر باندھا گیا، بادشاہ دین پرور اس کوہ ہیبت اور فلک حرکت ہاتھی پر بیٹھے، وہ تمام رمضان المبارک روزے سے رہتے، بیس ہزار روپے محتاجوں میں تقسیم کے لیے عنایت کیے اور عید گاہ تشریف لے گئے، آنے جانے میں تمام آئین کا لحاظ ملحوظ رکھا گیا، اسی روز نجابت خان ولد مرزا شاہ رُخ کو صوبہ ملتان کی فوج داری دی گئی اور پانصدی ذات اور شش صد سوار کے اضافہ کے بعد دو ہزار و پانصدی ذات و دو ہزار سوار منصب دیا گیا اور نقارہ کی بھی عزت بخشی گئی...... اخلاص خان کو اجمیر کی فوج داری دی گئی، بنگالہ کے تعیناتیات میں سے محمد زماں کو اور کابل کے کومکیاں میں بہاری داس کچھواہہ کو منصب میں اضافہ کر کے دو ہزاری ذات و ہزار دولت سوار سے سرفراز کیا گیا، چندر من ولد راجہ نرسنگھ بندیلہ کو ہزار پانصدی ذات و ہفت صد سوار کے منصب سے نوازا گیا۔'' (بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۷۲)

جامع مسجد دہلی اور نماز عید: یہ مسجد شاہ جہانی عہد میں ۱۰۶۰ھ میں بن کر تیار ہوئی، سعد اللہ خاں دیوان اعلا اور فاضل خان خاناں کی نگرانی میں چھ برس تک پانچ ہزار راج، مزدور، بیلدار اور سنگ تراش کام کرتے رہے، اس میں دس لاکھ روپے خرچ ہوئے، (۱) یہ روایت عام طور سے مشہور ہے کہ جب مسجد بن کر تیار ہوئی تو عید بالکل قریب تھی، شاہ جہاں نے کہا کہ ہم عید کی نماز یہیں پڑھیں گے سعد اللہ خاں بہت گھبرایا، کیوں کہ ہزاروں من ملبے پڑے ہوئے تھے، شاہ جہاں کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے حکم دے دیا کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے، اٹھا لے جائے، اس حکم کو سن کر

(۱) آثار الصنادید ص ۷ باب ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور دیکھتے دیکھتے تمام ملبے اٹھ گئے، مسجد صاف ہوگئی اور پھر شہر کے لوگوں نے شاہ جہاں کے ساتھ اس عالی شان اور حسین مسجد میں عید کی نماز ادا کی۔

عید گاہ: شاہ جہاں نے دہلی میں عید گاہ شہر کے حصار سے باہر بنوائی تھی، اس کا طول ۶۲ گز اور عرض ساڑھے آٹھ گز تھا، یہ ۱۲ گز کی بلندی پر واقع تھا، اس کے گرد چار دیواری تھی، جس میں تین دروازے اور چار برج تھے، مشرقی دروازے کے آگے، جلو خانہ تھا، اندر فرش پر سرخ سنگ لگائے گئے تھے اور جا بجا سات چشمے بہتے رہتے، ایک چبوترہ بھی تھا جس کا طول ۱۹ ذراع اور ۵۴ ذراع تھا، اس کے گرد سنگ سرخ کا مجر بھی تھا، چبوترہ کے آگے ایک وسیع صحن تھا اور اس کے وسط میں ایک حوض تھا، یہ عید گاہ ڈیڑھ سال میں پچاس ہزار روپیے میں ۱۰۶۵ھ میں بنائی گئی تھی۔(۱)

عالم گیری عہد کی عید: عالم گیر اکیسویں سال جلوس تک عید کا جشن پوری شاہانہ روایتوں کے ساتھ مناتا رہا، مآثر عالم گیری کا بیان ہے کہ یہ مسرت انگیز دن آتا تو کار پردازانِ سلطنت دربار کی ترتیب وانعقاد کی تیاری بڑے اہتمام سے کرتے، نغمہ شادی کی پرزور آواز سے زمین وآسمان گونج اٹھتے، عالم گیر ہاتھی پر عید گاہ جاتا، اس کے ساتھ کوئی شاہزادہ ہوتا، عید گاہ سے واپسی کے بعد دربار میں آتا، تو عطر و پان تقسیم کیے جاتے، شہزادے اور امراء نذرانے پیش کرتے، خود عالم گیر بھی ان کو خلعت اور مناصب دیتا، خلعت کے ساتھ قیمتی موتی، ہاتھی باساز طلا اور روپیے بھی ہوتے، کسی کا روزینہ بھی مقرر ہوتا، ہندو امرا بھی اس روز مناصب اور خلعت پاتے، مثلاً اٹھارہویں سال جلوس کے جشن عید میں عالم گیر نے رانا راج سنگھ مرزبان کو خلعت خاص کے ساتھ جمدھر مرصع عطا کیا اور مہاراجہ جسونت سنگھ کے لیے خلعت بھجوایا لیکن اس کے جشن منانے میں دنیاوی نمود ونمائش زیادہ بڑھتی جارہی تھی، جو عید جیسے مذہبی تہوار کے لیے منافی تھی، اس لیے عالم گیر نے اس موقع پر دربار کے جشن میں انتہائی سادگی کا حکم دیا(۲) گو یہ سادگی اس کے بعد قائم نہیں رہی۔

بہادر شاہ ظفر کی عید: خاندان مغلیہ کے آخری تاج دار کے عہد میں حکومت برائے نام رہ گئی تھی اور اس

---

(۱) تاریخ ہند جلد ہفتم از ذکاء اللہ، ص ۴۵۰-۴۵۱۔ (۲) جشن عید کے لیے دیکھو مآثر عالمگیری ص ۴۸، ۴۹، ۵۴، ۶۰، ۸۰، ۹۵، ۱۰۷، ۱۲۹، ۱۴۷، ۱۵۶، ۱۶۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی شان و شوکت بڑی حد تک ختم ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اس کی بہت سی روایتیں باقی تھیں، دربار میں جشن عید روایتی طور پر منایا جاتا، گو اس میں مسرفانہ تکلفات کرنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی، احسن الاخبار مورخہ ۸/اکتوبر ۱۸۴۸ء عیسوی میں بہادر شاہ ظفر کے جشن عید کا حال اس طرح درج ہے:

''حضرت بادشاہ غازی ہفتہ کے دن شوال کی پہلی تاریخ کو قلعۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور عید کی نماز پڑھنے کو عید گاہ تشریف لے گئے، نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور حسب معمول نیاز کے لیے درگاہِ آثار شریف میں حاضر ہوگئے، درگاہ شریف کے متولی جہاں دار شاہ کو خلعت شش پارچہ اور امام جماعت کو خلعت وشمشیر عنایت ہوئے اور واپس قلعہ معلیٰ میں آئے، آتے جاتے وقت حسب ضابطہ شاہی انگریزی توپ خانوں سے سلامی کی توپیں سر ہوئیں، شام کے وقت تخت ہوادار پر سوار ہو کر ناظر کے باغ میں رونق افروز ہوئے، محفل رقص وسرود منعقد ہوئی، اس کے ختم ہونے کے بعد محل خاص میں تشریف لے جا کر آرام فرمایا، ہر طرف سے مبارک بادکی آوازیں آئیں اور توپ خانہ سے سلامی کی توپیں چھٹیں۔''

سرود و نغمہ: عید کے روز نغمہ وسرود کی مجلس نشاط بھی منعقد کی جاتی، جب کہ دربار کے ماہرین موسیقی اپنے تمام آلات وساز کے ساتھ سامعہ نواز ہوتے لیکن اورنگ زیب اس کو لہو ولعب اور شرعاً ناجائز سمجھتا، اس لیے اس نے حکم دیا کہ ماہرین موسیقی مجرائے شاہی کے لیے تو حاضر ہوں لیکن نغمہ پرداز نہ ہوں، گو اس کے دربار میں خوش حال خاں، بسرام خان اور رس بین، جیسے ماہرین موسیقی موجود تھے۔(۱)

لیکن عالم گیر کے بعد دربار میں عید کے روز سرود ونغمہ کی روایت پھر جاری ہوگئی اور بہادر شاہ ظفر کے عہد تک رہی۔

قصیدہ خوانی: دربار کے جشن عید میں بادشاہوں کی خدمت میں قصیدے بھی پیش کیے جاتے، جس کے صلہ میں شعرا انعام واکرام سے نوازے جاتے، ایسے فارسی قصائد کو تو ہم نظر انداز کرتے ہیں،

مآثر عالم گیری ص ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری دور میں لال قلعہ کے اندر بہادر شاہ ظفر کی شان میں غالب اور ذوق نے جو قصائد پیش کیے، ان کے کچھ اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، غالب تشبب میں کہتے ہیں:

ہاں نومۂ نو سنیں ہم اس کا نام ☆ جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح ☆ یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب ☆ بندہ عاجز ہے، گردشِ ایام
مرحبا اے سرور خاص خواص ☆ حبذا اے نشاط عام عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے ☆ لے کے آیا ہے عید کا پیغام

بہادر شاہ ظفر کی مدح میں کہتے ہیں:

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ ☆ مظہر ذو الجلال والاکرام
اے ترا لطف زندگی افزا ☆ اے ترا عہد فرخی فرجام
چشم بد دور خسروانہ شکوہ ☆ لوحش اللہ عارفانہ کلام

ذوق اپنے ایک طویل قصیدہ میں کہتے ہیں:

مژدۂ عید سے ہے گلشنِ عالم میں بہار ☆ نغمۂ عیش سے ہے بزم جہاں میں رونق
دوش پر سرو لب جو کی ہے اک سبز قبا ☆ بر میں لالہ کے بھی گلشن میں ہے گلگوں یملق
جوش سبزہ سے ہے وہ فرش سر صحن چمن ☆ کوئی مخمل اسے کہتا ہے کوئی استبرق
باغ عالم میں ہے یہ جوش بہار عشرت ☆ ٹپکے ہے نخل سے مستی میں ہمیشہ راوق
تو بھی کر تہنیتِ عید کا اس کے ساماں ☆ کہ ہے وہ خسرو دیں حامی دین برحق
وہ بہادر شہ غازی کو دم معرکہ ہوں ☆ اسکے تیروں کے ہدف اسکے حسودوں کے حدق

آخر میں ذوق کہتے ہیں:

ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر اس طرح ☆ تا کہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیر طبق
ہووے ہر سال مبارک تجھے عید رمضاں ☆ اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

عوام کی عید: عوام بھی اس دن اپنی مسرتوں کا اظہار طرح طرح سے کرتے، علی الصباح اٹھتے، غسل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے، نئے نئے کپڑے بدلتے،عطر ملتے،گھروں کوسجاتے،بچوں کوحسین ورنگین کپڑے پہناتے، ان کو لے کرعید گاہ چلے جاتے، راستے میں صدقۂ عید الفطر تقسیم کرتے جاتے، وہاں نماز کے بعد لوگوں سے خوشی میں بغل گیر ہوتے، پھر گھر آتے تو تمام اعزہ، اقربااور احباب سے ملنے جاتے، ان کوعید کی مبارک باد پیش کرتے، ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کھلا کر تواضع کرتے، پھر سیر گاہوں اور تفریح گاہوں کی طرف نکل جاتے، جہاں طرح طرح کے کھیل تماشے ہوا کرتے تھے۔

عید کے پیچھے ٹر: عید کی خوشی منانے کے لیے کسی مخصوص جگہ ایک اجتماع ہوجاتا، جس نے رفتہ رفتہ میلے کی شکل اختیار کرلی، عید کے ایسے میلے کو پنجاب میں ٹر کہنے لگے، یہاں دوکانیں لگتیں اور تفریحات کا پورا سامان کیا جاتا، رفتہ رفتہ یہ دہلی میں بھی ہونے لگا اور اب بھی ہوتا ہے۔

عید کے کھانے: عید میں عموماً میٹھی چیزیں زیادہ پکتیں، شیر خورمہ کا رواج بہت رہا اور اب بھی ہے، یہ پتہ نہیں چل سکا کہ سویوں کا رواج کب سے ہوا لیکن سویاں مسلمان حکم رانوں کے عہد ہی کی یادگاروں میں سے ہیں۔

عید کی اہمیت: علما بھی عید کے دن خوشی کا اظہار کرنا دینی شعار سمجھتے رہے، حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ”عید کے دن اس لیے خوشی ہوتی ہے کہ رمضان کے روزے ختم ہوجاتے ہیں، یعنی ایک چیز جوان پر شاق ہوتی ہے اس سے فراغت ہوجاتی ہے اور خدا نے جو چیز ان پر فرض کی تھی، اس کے ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے اہل وعیال کو دوسرے سال تک رکھ کر احسان فرمایا لیکن اس خوشی کے اظہار میں اس کا بھی حکم دیا کہ اعلائے کلمۃ الحق بھی ہو اور شعائر دین کی سربلندی بھی ہو، اس لیے ایک جگہ جمع ہوکر دو رکعت نماز ادا کرنا واجب قرار دیا، اس اجتماع کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ اسلام کی شان وشوکت کا اظہار بھی ہو، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ جانے اور آنے میں راستے بدلتے تھے، تاکہ مختلف راستوں میں مسلمانوں کی شان وشوکت ظاہر ہو، اس اظہار شوکت کے لیے زیب وزینت ضروری ہوئی، اس لیے خوش پوشی حتی کہ گانے کے تفریحی سامانوں کی بھی اجازت دی گئی۔“

(حجۃ اللہ البالغہ، ج۲ص ۲۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عید اضحیٰ: عید اضحیٰ عید الفطر ہی کی طرح منائی جاتی، صرف فرق یہ ہے کہ عید اضحیٰ میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے، قربانی کرنے کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی مانگی اور جب حضرت ابراہیمؑ ان کی قربانی کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فدیہ لے کر ان کی قربانی معاف کر دی، دین ابراہیمی کی اسی سنت کو ادا کرنے کے لیے عید اضحیٰ میں برابر قربانی کی جاتی ہے۔

عید اضحیٰ کے موقع پر محلوں اور درباروں کی زینت و آرائش عید الفطر ہی کی طرح کی جاتی، سلاطین دہلی اور شاہانِ مغلیہ دونوں اسی شان سے عیدگاہ روانہ ہوتے، جس طرح عید الفطر میں جاتے اور عید ہی کی طرح مراسم ادا ہوتے، بادشاہ نامہ میں ہے:

> ''عید اضحیٰ کی دس تاریخ آئی تو دنیا کے لیے شادمانی کے دروازے کھل گئے، شہنشاہ حق آگاہ عیدگاہ تشریف لے گئے اور نماز ادا کرنے کے بعد دولت خانہ کی طرف مراجعت کی نچھاور کی رسم کے ساتھ قربانی کی سنت ادا کی گئی، اسی روز حاجب بلخ کو بیس ہزار روپیے، خواجہ یاقوت تحویل دار کو پانچ ہزار، مراد آختہ بیگی کو چار ہزار، نذر بیگ قوش کو یک مہر تیس تولک اور دو ہزار روپیے، عباد اللہ میر شکار کو دو ہزار، اونٹوں کے داروغہ کو ڈیڑھ ہزار مرحمت ہوئے، ذوالفقار خاں کو خلعت عطا ہوا، منصب میں پانچ صدی، بیس صد سوار کا اضافہ ہوا۔(۱)

عالم گیر عید اضحیٰ سادگی سے منایا کرتا تھا،(۲) لیکن اس کے بعد عیدین میں شان و شوکت کا اظہار پرانی روایت کے مطابق ہوتا رہا۔

بہادر شاہ ظفر کی حکومت شام غریباں تھی لیکن احسن الاخبار مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۸۴۶ء میں ہے:

> ''بروز عید اضحیٰ بادشاہ سلامت زرق برق لباس زیب تن فرما کر بہت عمدہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور عیدگاہ تشریف لے گئے، نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خلعت شش پارچہ اور رقم جواہر، ایک قبضہ شمشیر مع پرتلہ خطیب صاحب کو اور کم خواب کی قبا سہ رقم

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم، ص ۱۰۱۔ (۲) مآثر عالم گیری ص، ۱۶۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواہر ایک دستار سربستہ اور گوشوارہ منقش ایک دوشالہ متولی مصلی کو اور خلعت شش پارچہ سہ رقم جواہر اور قبضہ شمشیر وقار الدولہ ناظم امور خان مانی کو مرحمت فرمائے، اس کے بعد اونٹ کی قربانی کی گئی اور حاضرین مجلس نے نان اور کباب کا شغل فرمایا، اس وقت نہایت شادمانی اور فرحت کا ساز و سامان تھا، ایک دوسرے کو مبارک باد دینے میں مصروف نظر آتا تھا، چاروں طرف سے مبارک باد مبارک باد کی صدائیں آرہی تھیں، جس راستہ سے بادشاہ سلامت کی سواری گذری، امراء رؤسا اور اراکین سلطنت نے مبارک بادیں پیش کیں اور نذریں بھی گذرانیں، آتے جاتے وقت شاہی اور انگریزی توپ خانہ سے نہایت بلند آواز کے ساتھ سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔"

نماز کے بعد قربانی دینے والے اپنے ہاتھوں سے قربانی کرتے، سلاطین بھی اس کی پابندی کرتے، سلطان محمد تغلق نیزہ سے اونٹ کو خود نحر کرتا اور ایسا کرتے وقت پہلے اپنے کپڑوں پر ایک ریشمی لنگی اوڑھ لیتا تا کہ کپڑوں پر خون کی چھینٹیں نہ پڑیں،(۱) جہاں گیر اور اورنگ زیب بھی اپنے ہاتھوں سے قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔

صوفیائے کرام کی عید اضحیٰ: آٹھویں صدی ہجری میں حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری بڑے مشہور ولی اللہ گذرے ہیں، اچہ میں قیام رہتا تھا، ایک بار دہلی سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے آئے تو سلطان دہلی سے باہر تھا، ان کو انتظار کرنا پڑا، اسی اثنا میں عید اضحیٰ آگئی، انہوں نے عید اضحیٰ کا تہوار جس طرح منایا اس کی تفصیل ہم بزم صوفیہ (ص ۲۱-۴۱۹) میں لکھ چکے ہیں، اس کو ہم پھر یہاں اس لیے نقل کرتے ہیں کہ اس عہد میں صلحا عیدین کس طرح مناتے تھے، اس کا بھی پورا نقشہ نگاہ کے سامنے آجائے۔

عید اضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو حضرت جہانیاں جہاں گشت جاگے، فجر کی نماز ادا کی، ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلّٰی سے اٹھے، غسل فرمایا اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی

(۱) سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۰۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ تھے، تکبیر کہتے جاتے اور ہم راہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عیدگاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جا کر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا بقرعید کی نماز جلد ہونی چاہئے، تاکہ قربانی جلد ہو اور جانور بیچارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلا کر کہا کہ داروغۂ مطبخ سے جا کر کہو کہ سلام پھیرتے ہی جا کر قربانی کرے، تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لیے کہ یہ مستحب ہے، اس اثنا میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خاں جہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمہاری قبا مشروع ہے، جواب دیا مشروع ہے، پھر پوچھا موئے بند سوتی ہے یا اونی، جواب دیا، سوتی، پھر فرمایا تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اپنے بال کو کھول دو تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا، بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے، اسی درمیان میں فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہاں نے آکر قدم بوسی کی اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیروں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد مسلمانوں نے سہو کے بارے میں حضرت مخدوم جہانیاں سے رجوع کیا، فرمایا عیدین کی تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ میں لوگوں میں زحمت ہوگی، اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدومؒ نے چار رکعت نماز اور پڑھی اور اپنے ہم راہیوں سے بھی پڑھوائی، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لیے لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور بپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئی اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے، صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے اور جب ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے گھر پہنچے تو وہاں ائمہ، علما، قضاۃ الصدور اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنہوں نے اٹھ کر تعظیم کی...... گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے، تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا، عید اضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی اور اسی سے افطار کیا اور ہمراہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دستر خوان بچھوایا، کھانا کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے۔(۱)

عید میلاد النبیؐ: پہلے کہا جا چکا ہے کہ اسلام میں عیدین کے سوا کوئی اور تہوار نہیں لیکن رفتہ رفتہ کچھ روایتیں ایسی بن گئیں کہ بعض تقریبیں تہوار کی شکل میں بدل گئیں، اسی میں عید میلاد النبی بھی ہے، یہ ۱۲ر ربیع الاول کو منائی جاتی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت ہے، اسلامی ممالک میں یہ تقریب عیدین سے زیادہ تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے، اس روز ذکر رسول ہوتا ہے، وعظ و تذکیر کے ذریعہ سے آپ کی حیات طیبہ بیان کی جاتی ہے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین ہوتی ہے اور پھر اظہارِ مسرت میں مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں، غربا کو کھانا کھلایا جاتا ہے، احباب و معززین مدعو ہوتے ہیں اور مجلس خوشبوئیات سے معطر کی جاتی ہے، یہ تقریب ہر زمانہ میں منائی گئی، سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے عہد میں بھی پورے احترام کے ساتھ اس کا انعقاد ہوتا رہا۔

شاہ جہانی عہد میں عید میلاد النبی کا ذکر کرتے ہوئے، بادشاہ نامہ کا مؤلف ۱۰۳۷ھ میں لکھتا ہے کہ اس مجلس میلاد سعادت کی ترتیب پورے اہتمام سے کی گئی ہے جس میں سادات، علما، صلحا اور مشائخ مدعو کیے گئے، شاہ جہاں بڑی تعظیم کے ساتھ مسند پر آ کر بیٹھا، بارہ ہزار روپے تقسیم کیے اور لوگوں کی حیثیت کے مطابق ان کو شال مرحمت کیے اور ایک بڑی جماعت کی طرح طرح کے کھانے اور حلوے کھلائے گئے اور عطریات تقسیم ہوئے۔(۲)

عید بقرعید کی طرح شب برأت کوئی تہوار نہیں ہے، اس کی مذہبی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ لیلۃ البرأۃ ایک مقدس رات ہے، اس رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عبادت فرماتے

(۱) الدر المنظوم، صفحہ ۶۴، ۵۲، ۷۵۔ (۲) بادشاہ نامہ جلد اول ص ۲۳۱۔(۱) بادشاہ نامہ جلد اول ص ۲۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، مردوں کی دعائے مغفرت کے لیے قبرستان تشریف لے جاتے تھے اور دوسرے دن روزہ رکھتے تھے، دین دار مسلمانوں کا عمل بھی اسی پر رہا لیکن عام مسلمانوں میں دوسری چیزوں کی طرح شب برأت میں بھی بہت سی بدعات اور رسمیات داخل ہوگئیں اور اس کی حیثیت ایک تہوار کی ہوگئی، جس کو عوام وخواص سب ہی مناتے تھے، مسلمان سلاطین بھی اس کو اسی شکل میں مناتے تھے۔

سلاطین دہلی کے عہد کی شب برأت: سلاطینِ دہلی کے عہد میں شب برأت جس طرح منائی جاتی، اس کا اندازہ عفیف کے اس بیان سے ہوگا، جس میں اس نے فیروز شاہ تغلق کے عہد کی شب برأت کا نقشہ کھینچا ہے، وہ لکھتا ہے کہ شعبان کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں شب کو آتش بازی کا عجیب وغریب نظارہ ہوتا تھا، کوشک فیروز آباد میں آتش بازی چھوڑنے کے لیے چار النگ بنائے جاتے، ایک النگ بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا، دوسرا النگ ملک نائب باربک اور تیسرا ملک علی اور چوتھا ملک یعقوب پسر ملک محمد علی کا ہوتا، چاروں النگ پر طبل ودمامے بجائے جاتے اور محل میں اتنے مشعل اور چراغ روشن کیے جاتے کہ آس پاس کی فضا منور ہوجاتی، چاروں النگ میں کشتیاں باندھی جاتیں اور ہر کشتی میں بے شمار مشعلیں روشن کی جاتی تھیں، طبل بجتا رہتا تھا اور آتش بازی کے طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے، اس کو دیکھنے کے لیے نہ صرف شاہزادے، خواتین اور ملوک موجود ہوتے، بلکہ دور دور سے ہندو مسلمان دونوں آتے اور اس کو دیکھ کر محظوظ ہوتے، اس موقع پر سلطان کی خدمت میں مختلف اہل حرفہ مٹی کے ہاتھی اور اونٹ بھی بنا کر پیش کرتے اور انعام پاتے۔(۱)

شب برأت میں آتش بازی چھوڑنے پر اس دور کے علما ومشائخ سخت اعتراض کرتے، مثلاً سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کے ملفوظات میں ہے:

> ''یہ فقیر جب خانۂ کعبہ کی زیارت کو گیا تھا تو ملک غزنین، خراسان اور عرب میں دیکھا کہ اس قسم کی بدعت کو یہاں کوئی نہیں کرتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کوئی خاص تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کے عوام جو دین سے بے خبر ہیں، اس

(۱) عفیف بحوالہ مقدمہ، ص ۳۶۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات کو غیر شرعی چیزوں میں مشغول رہ کر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں۔‘‘

عہد مغلیہ کی شب برأت: عہد مغلیہ میں بھی یہ روایت قائم رہی، اس روز شاہی محل اور دوسری عمارتوں میں چراغاں کیا جاتا، جس سے صحن و چمن سب منور ہو جاتے، آتش بازی کے تماشے دکھائے جاتے، جھروکہ سے خود بادشاہ اس کا تماشہ دیکھتا محتاجوں میں روپیہ تقسیم کیا جاتا اور علما کو انعام واکرام سے نوازا جاتا، (۱) شاہ جہاں نامہ کا مؤلف ۱۰۴۹ھ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’۳۱ رفروردی کو شعبان کی چودھویں شب آئی، یہ لیلۃ البرأت کے نام سے مشہور ہے، بڑی عظمت اور برکت کی رات سمجھی جاتی ہے، اس رات دعا مقبول ہوتی ہے اور قضاو قدر کی طرف سے عمر اور رزق ملتا ہے، صلحا اور اتقیا اس رات کی بڑی قدر کرتے ہیں، اس مبارک رات میں عبادت کرتے ہیں محتاجوں کو روپیے بھی تقسیم کیے جاتے ہیں، بادشاہ کے حکم سے اس رات کو صحن میں دروازوں پر دارالسلطنت کے قلعہ کے اوپر چراغاں کیا جاتا ہے، اس روز اتنی روشنی ہوتی ہے کہ ماہتاب کی روشنی دھیمی نظر آنے لگتی ہے۔ (۲)

جشنِ نوروز: ان مذہبی تہواروں کے علاوہ ہندوستان کے مسلمان سلاطین نوروز کا غیر مذہبی تہوار بھی مناتے رہے، یہ ایران اور پارسیوں، بلکہ وسط ایشیا کا تہوار ہے، جو پہلی فروردین کو منایا جاتا ہے، اسی مہینہ سے ایرانی سال کا آغاز ہوتا ہے اور موسم بہار بھی شروع ہو جاتا ہے، کیوں کہ آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے، اسی خوشی میں یہ جشن بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

سلاطینِ دہلی کا نوروز: سلاطینِ دہلی اور شاہانِ مغلیہ دونوں کے عہد میں بڑے تزک واحتشام سے یہ جشن منایا جاتا تھا، امیر خسرو نے سلاطین دہلی میں کیقباد کے جشنِ نوروز کا جو منظوم حال مثنوی قران السعدین میں لکھا ہے، اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خود اس کے ذکر سے کس قدر محظوظ ہوتے تھے، وہ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر محل میں ہر قسم کی زینت وآرائش کی گئی، اس کے کنگرے بھی سجائے گئے، محل کی نو محرابوں میں زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے، جشن گاہ میں پانچ چتر تھے، ایک سیاہ، دوسرا سفید، تیسرا سرخ، چوتھا سبز اور پانچواں پھولوں کا، سیاہ چتر میں نقش ونگار بنے

(۱) بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۱۶۸۔ (۲) عمل صالح الموسوم بہ شاہ جہاں نامہ ص ۸۶، ۲۸۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تھے اور جا بجا موتی، اس طرح لٹکتے ہوئے نظر آتے تھے، جیسے سیاہ ابر میں بوندیں پڑ رہی ہوں سفید چتر مدور تھا، اس کی چھت دروازے اور ستون سنہرے تھے اور یہ بھی موتیوں سے جگمگا رہا تھا، سرخ چتر میں موتیوں کے علاوہ یاقوت بھی تھے، سبز چتر میں سبز اطلس لگائی گئی تھی اور اس پر موتیوں کا ایک سبز سایہ دار اور بار آور درخت بنایا گیا تھا جو معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمردیں بنا رہا ہے، پھولوں کا چتر چمن کی طرف کھلا ہوا تھا دربار کے دائیں بائیں سیاہ اور شاہی پرچم اور دو ہزار گھوڑے تھے، دائیں طرف کے گھوڑوں پر سیاہ جھولیں پڑی تھیں، بائیں طرف کے گھوڑوں کی جھولیں سرخ تھیں، ان کے پیچھے ہاتھیوں کی قطار اس طرح تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کے قلعہ پر پاکھر پڑی ہے، دربار کے بیچ میں زرو جواہر سے مرصع ایک مصنوعی چمن بنایا گیا تھا، اس کے مصنوعی درختوں کی شاخوں میں پھل اس طرح لٹک رہے تھے، جیسے ابھی ٹپک پڑیں گے، اس کی چڑیاں ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ ابھی اڑنا چاہتی ہیں، بہت سے درخت موم کے بھی تھے اور ایسے دل فریب گل دستے تیار کیے تھے کہ سبزہ، لالہ، ریحان اور بید کا ایک چمن نظر آتا تھا، زری کے کام سے بھی دربار کو جنت نگاہ بنایا گیا تھا، اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیواروں پر لٹکتے تھے، جس سے دیوار کے پتھر بھی یاقوتی رنگ کے معلوم ہو رہے تھے، فرش پر بھی موتی اور سونے کا کام تھا، غرض پورا محل سونے سے آراستہ کر دیا گیا تھا کہ فردوس بریں کا دھوکا ہوتا تھا اور جب جشن منانے کے لیے سلطان کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو چاؤش نے نعرے لگائے اور سلطان کے محافظ دستے ادھر ادھر حرکت کرنے لگے، شحنۂ بارگاہ نے صفیں سیدھی کیں، کچھ دستے تلواریں لیے دائیں بائیں ہو گئے، جب بادشاہ سونے کے تخت پر آ کر بیٹھا تو اس کا تاج جگمگانے لگا، اس کی قبا میں سونے کی اعلا درجہ کی صنعت کاری تھی، اس کے تاج، قبا اور پٹکے میں موتی اس طرح ٹکے ہوتے تھے کہ پٹکے کی چمک کمر تک اور قبا کی گلے تک اور تاج کی سر تک تھی، دربار کی زمین اور فضا، نافۂ چینی سے معطر کی گئی تھی، جب بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوا تو نذریں پیش ہونے لگیں، محاسب اس کو لکھتا جاتا اور حاجب پکار پکار کر تفصیل بیان کرتا جاتا تھا۔(۱)

اس موقع پر دربار کے خوانین اور امرا سلطان کی خدمت میں پیش کیے جاتے اور ان میں

(۱) قران السعدین، ص ۸۵-۳۰۷۔ بزم مملوکیہ، ص ۳۸-۳۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہرایک کے کارنامے بھی بیان کیے جاتے ،بلبنی عہد میں جشنِ نوروز کے موقع پر دربار کے ایک معزز خان کشلی خاں کی مدح میں شاہی مطربوں نے ایک نظم سنائی، مجلس ختم ہونے کے بعد کشلی خان نے مدح نگار شاعر خواجہ شمس معین کو بلا کر مجلس نوروزی کا کل پرتکلف اور قیمتی سامان دے دیا اور مطربوں کو دس ہزار ٹنکے انعام دیے۔(۱)

عہدِ اکبری کا نوروز: تمدن کی ترقی کے ساتھ اس جشن کی زینت و آرائش میں اضافہ ہوتا گیا، اکبر کے عہد میں یہ جشن انیس دن تک منایا جاتا تھا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ ان ایام میں انواع واقسام کی زینت و آرائش ہوتی، جس کو دیکھ کر حاضرین فرط مسرت میں نعرے بلند کرتے، ہر پہر کے آغاز پر نقارے بجتے، مطرب اپنے نغموں سے لوگوں کو محظوظ کرتے، راتوں کو چراغاں کیا جاتا اور جشن سے پہلے اور آخری دن بکثرت صدقہ دیا جاتا، تحفے بھیجے جاتے۔(۲)

اکبر کے ستائیسویں سال جلوس میں جو جشن منایا گیا اس میں امرا کے مشورے سے سرایوں اور شفاخانوں کی تعمیر ہوئی، چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے شکار کی ممانعت کردی گئی تھی، بازاروں کی نگرانی کے لیے داروغہ کا تقرر ہوا اور بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں وقائع نگار مقرر کیے گئے، بارہ برس سے کم عمر کی لڑکیوں کی شادی کی ممانعت ہوئی، شاہی حکم کی اجازت کے بغیر قتل کی سزا روک دی گئی وغیرہ وغیرہ۔(۳)

اکبر کے اٹھائیسویں سال جلوس کے نوروز کا ذکر کرتے ہوئے طبقات اکبری کا مؤلف لکھتا ہے:

''اس سال نوروز کے موقع پر دیوان عام اور دیوانِ خاص کے ایوانوں، ستونوں اور دیواروں کو قیمتی کپڑوں، مصور پردوں سے مزین کیا گیا اور اس طرح آراستہ کیا گیا کہ دیکھ کر لوگ حیرت میں آجاتے تھے، صحن میں زردوزی کا شامیانہ لگایا گیا، اس کو بھی زربفت سے آراستہ کیا گیا اور اس پر ایک تخت بچھایا گیا، جو سونے یاقوت اور موتیوں سے مرصع تھا

(۱) برنی ص۱۴۳-۱۱۳ فرشتہ ج۱،ص ۸۷۔ بزمِ مملوکیہ ص۸۰-۷۹۔ (۲) آئین اکبری ج۱، آئین ۲۲۔ (۳) اکبرنامہ جلد۳، ص۳۷۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فردوس کے لیے باعث رشک تھا۔

صفحہ نہ طاق بیاراستند ☆ پردہ زربفت فلک ساختند
تخت زدند و تتق آویختند ☆ عرش و گر بر زمین انگیختند

اٹھارہ روز تک یہ آراستگی رہی، رات کو طرح طرح کے فانوس روشن کیے جاتے، امرا دن یا رات کو ایک یا دو بار بادشاہ کے پاس آ کر بیٹھتے، ہند اور فارس کے اربابِ نغمہ، امرا اور اہل خدمت شاہانہ عنایات سے سرفراز کیے جاتے، فتح پور اور آگرہ کے بازاروں کی بھی آئین بندی ہوئی تھی اور اطراف و جوانب سے جوگ اس کا تماشہ دیکھنے آئے، جو انہوں نے نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ سنا تھا، ہفتہ میں ایک دن جو چاہتا بادشاہ کے پاس جا سکتا تھا، بقیہ دنوں میں صرف امرا اور خاص خاص لوگ آ سکتے تھے، نوروز کے دن جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو امرا صف بستہ ترتیب کے ساتھ کھڑے رہتے، نوروز کے آخری دن بھی یہ مجلس اسی شان سے ہوتی اور امرا شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیے جاتے، کسی کو گھوڑے عنایت ہوتے، کسی کو خلعت ملتا، کسی کو علوفہ میں اضافہ ہوتا، بہتوں کو جاگیریں ملتیں، کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کو کچھ نہ کچھ نہ ملتا، امرا نذرانے پیش کرتے، بڑے بڑے امرا میں سے کوئی نہ کوئی محل کے اندر ضرور آتا، جس کے ساتھ مہمانی کے تمام لوازم برتے جاتے، نذرانے میں عموماً ہندوستان، خراسان اور عراق کے کپڑے ہوتے، موتی، لعل، یاقوت اور طلائی آلات بھی پیش کیے جاتے، عربی اور عراقی گھوڑے، کوہ پیکر ہاتھی اور بہت سے اونٹ بھی ہوتے، اس موقع پر شاہم خان جلائر بنگالہ اور راجہ بھگوان داس لاہور سے آ کر قدم بوس ہوئے اور یہ طے پایا کہ یہ جشن ہر سال اسی طرح منایا جائے۔(۱)

اکبر نے یہ بھی جدت کی تھی کہ دیوان خاص و عام کے گرد جتنے ایوان تھے، ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک امیر کے سپرد کیا کہ وہ اپنے ذوق کے مطابق اس کو آراستہ کرے، خود اس کے دولت خانۂ خاص کو شاہی ملازم سجاتے، اس کے در و دیوار پر پرتگالی بانات، رومی و کاشانی مخمل،

(۱) طبقات اکبری جلد ۲، ص ۶۵-۳۶۴، ترجمہ آزاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گجراتی زربفت وکم خواب، تاش تمامی مقیش پیمک اور کشمیر کی شالیں لٹکائی جاتیں، فرنگ وچین کے زرنگار پردے لگائے جاتے، نیچے ایران وترکستان کے قالین ہوتے، شیشۂ آلات میں عجیب و غریب آئینے فانوس، کنول قندیلیں اور قمقمے لٹکائے جاتے، صحن میں خیمے نصب ہوتے اور صحنوں میں پھولوں کے تختے لگا کر ان کو رنگین وحسین بنایا جاتا، امرا اپنے ذوق کے مطابق اپنے اپنے ایوانوں کی آئین بندی کرتے، مثلاً شاہ فتح اللہ شیرازی اپنے ایوانوں کو علم ہیئت کے آلات، گھڑیالوں، گھنٹوں، نظام فلکی کے نقشوں، اصطرلابوں، جرثقیل کی کلوں وغیرہ سے سجاتے، بعض امرا اپنے ایوانوں کو حربی اسلحہ سے آراستہ کرتے اور بعض اپنے ایوانوں کے ساتھ ایک باغیچہ لگا دیتے، غرض اس جشن میں ایک بہت عمدہ نمائش بھی منعقد ہو جاتی، جس میں ہر قسم کی صنعتوں کے نمونے ہوتے تھے۔

جہاں گیر اپنی تزک میں جشنِ نوروز کی زینت وآرائش کا حال بہت ہی لطف سے کرتا ہے، مثلاً گیارہویں سال جلوس میں لکھتا ہے کہ آفتاب جب برج حمل میں گیا، تو دیوان خاص اور دیوان عام کو خوب سجایا گیا، صحن میں بارگاہ اور شامیانے نصب کیے گئے اور ان کو فرنگی پردوں، مصور، زربفت اور نادر کپڑوں سے آراستہ کیا گیا اور جب تخت پر آکے بیٹھا تو شاہزادے، امرا اور ارکانِ دولت کورنش بجا لائے اور مبارک باد پیش کیا، دربار کے مشہور ماہر موسیقی نادعلی سے کہا گیا کہ اس دن نذرانے میں جو نقد وجنس بھی پیش ہوگی، سب اس کی ہوگی، دوسرے روز بھی نذرانے پیش ہوئے، چوتھے روز خواجہ جہاں کا نذرانہ پیش ہوا، جو اس نے آگرہ سے بھیجا تھا، اس میں ہیرے کے چند ٹکڑے اور کچھ دانے موتی کے تھے، مرصع آلات، کپڑے اور ہاتھی بھی تھے، جن کی مجموعی قیمت پچاس ہزار روپے تھی، پانچویں دن کنور کرن نے ایک سومہر، ایک ہزار روپے، ایک زنجیر فیل اور چار راس گھوڑے پیش کیے، ساتویں روز آصف خاں کے منصب میں ہزاری ذات، دوہزار سوار کا اضافہ کیا گیا، نقارہ اور علم بھی مرحمت کیا گیا، اسی روز جمال الدین حسین کا نذرانہ پیش ہوا، جو بہت عمدہ تھا، اس میں ایک مرصع خنجر تھا، جس کے اوپر ایک زرد یاقوت لگا ہوا تھا، اس کا حجم مرغی کے آدھے انڈے کے برابر تھا، اتنا لطیف اور بڑا زرد یاقوت پہلے دیکھنے میں نہ آیا تھا، کچھ پرانے زمرد بھی تھے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر جمال پنج ہزاری ذات وسہ ہزاری تھا، اس کے منصب میں ہزار سوار کا اضافہ کیا گیا، آٹھویں دن صادق خان اور ارادت خان کے منصب میں اضافہ ہوا، نویں روز خواجہ ابوالحسن نے جواہرات، مرصع آلات اور قیمتی کپڑے پیش کیے، جن کی قیمت چالیس ہزار روپیہ ہوگی، تاتار خاں بکاول بیگی نے ایک قطعہ لعل، ایک قطعہ یاقوت، ایک عدد مرصع تختی، دو عدد انگوٹھیاں اور کچھ کپڑے نذرانے میں گذارنے، دسویں روز راجہ مہا سنگھ دکن کے تین زنجیر فیل قبول کیے گئے، اسی روز مرتضیٰ خاں لاہور کا فرستادہ زربفت پیش کیا گیا اور دیانت خاں نے موتی کی دو تسبیحیں، دو قطعہ لال، چھ دانے بڑے موتی پیش کیے، اسی روز بہادر خاں حاکم قندھار نے سات راس عراقی گھوڑے اور کچھ قیمتی کپڑے بھیجے، ارادت خاں اور راجہ سورج مل ولد راجہ باسو کے نذرانے بھی پیش ہوئے، تیرہویں روز عبدالسبحان کے منصب میں اضافہ ہوا، پندرہویں روز مظفر خاں کو ٹھٹھ کی ولایت دی گئی، سولہویں روز اعتقاد خاں ولد اعتماد الدولہ کے نذرانے پیش ہوئے، سترہویں روز تربیت خاں نے نذر گذرانی، اٹھارہویں روز آصف خاں کے گھر پر گیا، اس کا گھر ایک کردہ کے فاصلہ پر تھا لیکن اس نے نصف راستہ پر مخمل اور زربفت وغیرہ بچھا دیے تھے، وہاں آدھی رات تک قیام رہا، اس نے جو جواہرات، مرصع آلات اور کپڑے وغیرہ نذرانے میں دیے، ان کی قیمت ایک لاکھ چودہ ہزار روپے تھی، ان کے علاوہ چار راس گھوڑے، ایک راس اونٹ اور ایک طلائی خوانچہ بھی پیش کیے، گیارہویں روز اعتماد الدولہ کے گھر گیا، وہاں جو نذرانے پیش ہوئے، ان میں بڑی نفاست تھی، دو موتی تھے، جن کی قیمت تیس ہزار روپے تھی، ایک قطعہ لعل قطبی تھا جو بائیس ہزار روپے میں خریدا گیا تھا، دوسرے موتیوں اور لعل کی قیمت ملا کر ایک لاکھ دس ہزار روپے کے نذرانے تھے، اس میں کچھ قیمتی کپڑے بھی تھے، جن کی قیمت پندرہ ہزار روپے تھی، وہاں ایک پہر رات تک بڑی اچھی صحبت رہی، اسی روز نور محل بیگم کو نور جہاں بیگم کا لقب عطا کیا گیا، بارہویں روز اعتبار خاں کی پیش کش سامنے آئی، اس میں ایک برتن مچھلی کی شکل کا تھا، جس میں جواہرات لگے ہوئے تھے، اس کے علاوہ مرصع آلات اور کپڑے تھے، جن کی مجموعی قیمت چھپن ہزار روپے تھی، انیسویں روز آفتاب کا روز شرف تھا، اس لیے مجلس دولت خانہ اور بھی سجائی گئی، دو گھڑی دن گزرنے کے بعد تخت پر آکر بیٹھا، خرم نے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت ایک لعل پیش کیا، جس میں بڑی صفائی اور آب و تاب تھی، اس کی قیمت اسی ہزار روپیے تھی، اس فرزند کا منصب پانژدہ ہزاری ذات و ہشت ہزار سوار سے بڑھ کر بیست ہزار ذات و دہ ہزار سوار کیا گیا اور اسی روز وزن قمری بھی لیا گیا۔(۱)

محل کے اندر نور جہاں بھی اسی دھوم دھام سے نوروز مناتی تھی، اس کی سرکار کے نجومی نوروز کے دن کا جو رنگ مبارک بتاتے، اسی رنگ کی مکان میں قلعی ہوتی، اسی رنگ کے فرش اور پردے ہوتے، اسی رنگ کی پوشاک تمام بیگمات اور کنیزیں پہنتیں، ہاتھی گھوڑے، اونٹ اور دوسری سواریوں کی پوشش بھی اسی رنگ کی ہوتی مخمل، مشجر اور اطلس بھی اسی رنگ کی استعمال کی جاتی، ایک خاص وقت میں جہاں گیر محل کے اندر جا کر نور جہاں کے ساتھ ایک شہ نشیں پر بیٹھتا، نور جہاں روپیے تصدق کر کے فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کراتی، اس روز محل کے دروازے پر محتاجوں کا ہجوم ہوتا، نقار خانے سے شہنائی کی نوبت بھی بجتی رہتی، پھر نور جہاں اور جہاں گیر دونوں بالا خانے پر آتے تو ان کے سامنے سے جلوس گذرتا، فیل بان ہاتھیوں کے کرتب، شہسوار شہسواری کا کمال اور فوجی اپنے کرتب دکھاتے، پھر شہر اور سلطنت کے صناع اپنی صناعیوں کا مظاہرہ کرتے اور شہر کے مختلف حصوں میں نور جہاں کی طرف سے کھانے پینے کا انتظام ہوتا۔(۲)

شاہ جہانی دور اپنی شان و شوکت اور لطافت اور نفاست میں منتہائے کمال تک پہنچ گیا تھا، اس لیے نوروز کا جشن بھی ان ساری خوبیوں اور لطافتوں کے ساتھ منایا جاتا تھا، بادشاہ نامہ کا مؤلف اس جشن کا ذکر کرتا ہے تو اس کا قلم رقص کرنے لگتا ہے اور اس کی انشا پردازی کا حسن بہت بڑھ جاتا ہے، افسوس ہے کہ اس کے ترجمہ میں وہ خوبی پیدا نہ ہو سکے گی، اس لیے ہم صرف اس کے خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

شاہ جہاں کے آٹھویں سالِ جلوس میں عید الفطر اور نوروز دونوں ساتھ ساتھ پڑ گئے، ان

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۵۸، ۱۵۶، (۲) سید امجد علی اشہری "مصنف نور جہاں بیگم کی سوانح عمری" نے نوروز کے موقع پر نور جہاں کے بہت سے لطیفے لکھے ہیں، یہ کسی مستند تاریخ میں نظر سے نہیں گذرے، اس لیے احتیاطاً نظر انداز کیے جاتے ہیں لیکن وہ دلچسپ ہیں اور ممکن ہے کہ صحیح ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں کے جشن ایک ساتھ منائے گئے، اس لیے دربار کی زینت و آرائش کی کوئی حد باقی نہ رہی، دیوان عام اور خاص کے سامنے مخمل اور زربفت کے خیمے لگائے گئے، ان میں ایک خیمہ گجرات کے صناعوں نے ایک لاکھ روپیہ میں تیار کیا تھا، خیموں کے ستون سونے اور چاندی کے تھے، فرش میں بھی سونے کا کام تھا، تخت گاہ کے پاس ایک اسپک کے نیچے طلائی مجر تھا، اس کے سامنے ایک زرنگار شامیانہ تھا، جس میں موتی ٹکے ہوئے تھے اور اس کے ستون سونے کے تھے، یمین الدولہ نے اس کو ایک لاکھ روپیہ میں تیار کرایا تھا، مرصع چتر پر موتیوں کا غلاف تھا، چھوٹے چھوٹے تختوں میں مینا کاری کے اعلانمونے نظر آتے تھے، چاندی اور سونے کی خرگاہیں جا بجا نصب تھیں اور درودیوار نقرہ باف گجراتی، زربفت، عراقی، دیبائے رومی و چینی اور پردہائے فرنگی سے مزین تھے، اس کے درمیان تخت طاؤس تھا۔(۱)

اورنگ زیب یہ جشن نہیں مناتا تھا، اس نے اس کو اسراف سمجھ کر روک دیا تھا لیکن اس کے بعد بادشاہوں نے آخر وقت تک منایا، بہادر شاہ ظفر کے جشن کا اندازہ ذوق کی ایک نظم کے حسب ذیل اشعار سے ہوگا، جوانہوں نے ایک جشن کے موقع پر کہی تھی۔

خسروا سن کے ترا مژدۂ جشن نو روز ☆ آج ہے بلبل تصویر تلک زمزمہ سنج
خبر عیش تری دے ہے چمن کو جاکر ☆ زرگل پیک صبا پائے نہ کیوں کر پارنج
بادۂ جوش جوانی کی ہے گویا ایک موج ☆ تن پیران کہن سال پہ ہر چین شکنج
لایا ہے معنی رنگین سے یہ لعلِ خوش رنگ ☆ ذوق جو مدح وثنا میں ہے ترے گوہر سنج
خسروا ہوتا ہے اس رنگ سے معلوم یہ رنگ ☆ رنگ نو روز جو ہے اب کی برنگ نارنج
بزم رنگیں میں تری رنگ طرب ہو ہر روز ☆ اور تری خاطر اقدس پہ کبھی آئے نہ رنج

جشن نوروز اور عوام: عوام بھی جشن نوروز مناتے تھے اور دربار میں جو کچھ ہوتا تھا، اس کی نقل اپنی حیثیت کے مطابق اپنے گھروں پر کرتے، وہ بھی اپنے مکانوں کی صفائی کراتے، ان کو آراستہ و پیراستہ کرتے، اعزہ واحباب کی دعوت کرتے، تفریح گاہوں میں جا کر جشن کی مسرتوں سے محظوظ

(۱) بادشاہ نامہ ج ا حصہ ۲، ص ۷۷، نیز دیکھو ج ا ص ۲۵۶، ۲۹۷، ۳۶۴، ۴۱۸، ۴۲۳، ۴۷۳، حصہ دوم، ص ۸ وغیرہ وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے، بازاروں کی سیر کرتے، جن کی زینت و آرائش پورے شباب پر ہوتی، راتوں کو ان میں چراغاں بھی ہوتا، جا بجا طرب ونشاط کی محفلیں بھی ہوتیں، مگر عوام کا زیادہ وقت دربار کی زینت و آرائش دیکھنے میں گزرتا جہاں زرق برق ہاتھی جھومتے اور مرصع گھوڑے کلیلیں کرتے رہتے، حلوائی طرح طرح کی مٹھائیوں کے درخت، مٹھائیوں کے پھل، پھول اور پتے یا کسی مسجد اور روضہ کی شکل بناتے، باغبان اور گل فروش پھولوں کے ہار اور زیورات بنانے میں اپنا کمال دکھاتے، کاغذ فروش رنگ برنگ کے کاغذی گل دستے تیار کرتے، میوہ فروش پھل دار درختوں کی صنعت دکھاتے، پارچہ فروش انواع واقسام کی بیرقیں اور جھنڈیاں بناتے اور یہ سب کے سب صناع اپنی صناعیوں کو بادشاہ اور اس کے امرا کی خدمت میں پیش کرتے اور انعام پاتے۔

لیکن جو جشن اتنے بڑے پیمانہ پر منایا جاتا تھا، اب ہندوستان سے بالکل ختم ہو گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق حکومت سے زیادہ اور عوام سے کم تھا، اس لیے حکومتوں کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

عید گلابی یا آب پاشان: یہ تقریب برسات کا پہلا چھینٹا پڑنے پر منائی جاتی تھی، اس موقع پر صراحیوں میں عرق گلاب بھر کر لوگوں پر چھڑکا جاتا، یہ بھی ایرانی تقریب تھی، جس کو شاہانِ ایران منایا کرتے تھے، اس کو عید تر کان بھی کہتے تھے (۱) جہاں گیر اپنے نویں سال جلوس میں لکھتا ہے:

"مجلس گلاب پاشی کہ از زمانِ قدیم بہ آب پاشی مشہور است و از رسوم مقررہ پیشیناں ست منعقد گشت۔" (ص ۱۳۱)

بادشاہ نامہ میں ہے:

"روز دوشنبہ سلخ شوال کہ روز تیر از ماہ تیر بود جشن عید گلابی انعقاد یافت، بادشاہ زادہائے کامگار و یمین الدولہ صراحی ہائے مرصع و دیگر نوئینان نامدار صراحیہائے مینا کار و زریں و سیمیں و پر از گلاب و عرق فتنہ و عرق بہار از نظر مقدس گذرانید۔" (ج ۱ ص ۲۰۴)

یہ عید گلابی اور نگ زیب بھی مناتا تھا، شہزادے اور امرا مرصع اور مینا کار صراحیوں میں

(۱) عمل صالح جلد اول ص ۴۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گلاب بھر کر اس پر چھڑ کا کرتے تھے۔ (عالم گیر نامہ ص ۶۲۳)

شاہانہ جشن کے فوائد: ان جشنوں میں جن تکلفات کا مظاہرہ ہوتا رہا، وہ اسلامی نقطۂ نظر سے سراسر اسراف اور لہو ولعب ہے اور یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا اس قسم کے مسرفانہ اور عیاشانہ تکلفات سے سلطنت کی بنیاد کھوکھلی نہیں ہوگئی؟ اس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے ایک شان دار تہذیب و تمدن کا ضرور اندازہ ہوتا ہے، حکم راں طبقہ تو اس نمود و نمائش کے ذریعہ اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا تھا لیکن اس زینت و آرائش میں جو حسن سلیقہ ظاہر ہوتا وہ اس ملک کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کا ضرور عنصر بنتا چلا گیا اور آج بھی کسی موقع پر جو شان و شوکت اور نفاست و لطافت دکھائی دیتی ہے، وہ اسی تمدن کی یادگار ہے، پھر ایسے موقع پر جو تحائف پیش کیے جاتے، جو فرش و فروش بچھائے جاتے، زینت و آرائش کے جو سامان کیے جاتے، حتی کہ آتش بازی کے جو تماشے دکھائے جاتے، ان سے صنعت و حرفت کو بڑا فروغ ہوتا، ان میں سے بعض صنعتیں اب بھی موجود ہیں، جو اس دور کی تہذیبی تابنا کی کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔

ہندوؤں کے تہوار: ہندوؤں کے تہوار مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں اور ہر مہینہ میں ان کے یہاں مختلف قسم کے تہوار ہیں، مسلمانوں کے دورِ حکومت میں وہ اپنے ہر ایک تہوار کو قدیم شاندار روایات کے ساتھ مناتے رہے، اس طویل زمانے میں صرف ایک مثال فرخ سیر کے عہد میں ملتی ہے کہ احمد آباد میں ہولی کے موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہوگیا، (۱) ورنہ عام طور سے مسلمان حکم رانوں اور مسلمان عوام کی طرف سے ہندوؤں کے تہواروں کے منانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی، بلکہ البیرونی اور ابوالفضل نے ان تہواروں کی تفصیل لکھ کر اپنی رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے، مسلمان عوام کا میل جول ہندوؤں کے ساتھ بڑھتا گیا، تو وہ بعض تہواروں میں دل چسپی بھی لینے لگے، ذیل میں ہم صرف خاص خاص تہواروں کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے، جن کی تفصیل بیان کرتے وقت زیادہ تر مسلمانوں کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے تاکہ یہ بھی اندازہ ہو کہ انہوں نے ان تہواروں کو کن نظروں سے دیکھا ہے۔

---

(۱) سیر المتاخرین جلد دوم ص ۳۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھشا بندھن: ساون کے مہینہ میں جب چاند پورا ہوتا ہے تو برہمنوں کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا جاتا ہے، اسی دن برہمن سیدھے ہاتھ میں رکھی باندھتے ہیں، اس لیے اس تہوار کو رکھشا بندھن کہتے ہیں، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ رکھی ایک ریشم یا اسی قسم کی دوڑی ہوتی ہے اور بعض اس میں موتی اور جواہر بھی باندھ دیتے ہیں، اس کو برہمن راجاؤں کے ہاتھ پر باندھا کرتے ہیں اور کوئی عورت کسی کے ہاتھ پر باندھ دیتی تو وہ اس کی بہن ہو جاتی ہے اور وہ اس کی عزت و ناموس کا محافظ ہو جاتا ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ اکبر اس تہوار کو اپنے دربار میں خاص طور پر مناتا، امرا اس کے ہاتھ پر جواہرات کی ڈوری باندھا کرتے تھے،(۱) جہاں گیر نے بھی اس رسم کو اپنے دربار میں قائم رکھا، وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ ساون میں جب آفتاب برج سرطان میں جاتا ہے تو برہمن دریا اور تالاب کے کنارے جاتے ہیں، افسوں پڑھتے ہیں، ڈوریوں اور دھاگوں پر دم دیتے ہیں اور ان کو دوسرے دن راجاؤں کے ہاتھوں پر باندھتے ہیں اور یہ مبارک چیز سمجھی جاتی ہے، دھاگے کو راکھی یعنی نگاہ داشت کہتے ہیں، جہاں گیر یہ بھی لکھتا ہے کہ میرے والد کے ہاتھوں پر ہندو امرا جو راکھی باندھتے تھے، ان میں لعل، موتی اور دوسرے بیش قیمت جواہرات بھی ہوتے اور جب اس کے تکلفات حد سے زیادہ ہونے لگے، تو میرے والد نے صرف ریشمی دھاگے باندھنے کا حکم دیا، میرے زمانے میں امرا نے پہلے تکلف کو راہ دیا لیکن پھر میں نے حکم دیا کہ وہ میرے ہاتھ میں صرف ریشمی دھاگے باندھیں۔ (تزک جہاں گیری ص ۱۲۱، ۱۲۰)

دسہرہ: ابوالفضل کا بیان ہے کہ آسوں کے شروع کی نو راتیں ہندو متبرک سمجھتے ہیں اور اس کی دسویں رات کو دسہرہ کہتے ہیں، جو بجی اور دسمیں کے نام سے بھی مشہور ہے، اسی روز رام کو راون پر فتح حاصل ہوئی تھی، اس لیے بڑی خوشی منائی جاتی ہے، اس دن گھوڑوں کو رنگ اور زیور سے آراستہ کرتے ہیں اور تمام پیشہ ور اشخاص اپنے آلات حرفہ کی پوجا کرتے ہیں، چھتریوں کا یہ بہترین تہوار ہے، جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے کہ جس تاریخ میں رام چندر نے اپنے دشمنوں پر فتح پائی تھی، اس کو چھتری بہت ہی مبارک سمجھتے ہیں، اسی لیے وہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کو سنوار کر کے ان کی پوجا کرتے ہیں اور

---

(۱) منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۶۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کو انعام دیتے ہیں۔ (تزک ص ۱۲۰) اکبر اور جہاں گیر کے دربار میں بھی دسہرہ کا جشن منایا جاتا اور دستور کے مطابق گھوڑوں اور ہاتھیوں کی آرائش کی جاتی اور ان کے سامنے پیش کیے جاتے اور انعامات تقسیم کیے جاتے۔ (ص ۱۲۴) یہ تہوار روایتی طور پر عالم گیر کے دربار میں بھی منایا جاتا، عالمگیر نامہ میں ہے: (ص ۹۱۴)

"ہشتم ماہ مذکور چوں روز دسہرہ بود کہ عید ہندو است مہاراجہ جسونت سنگھ و کنور رام سنگھ بہ عنایت خلقت قامت مباہات افراختند و پرتھی سنگھ ولد مہاراجہ بہ عطائے کمر مرصع نوازش یافت۔"

بہادر شاہ ظفر کے دربار کے جشن دسہرہ کے بارہ میں بزم آخر کے مصنف نے اس طرح گل افشانی کی ہے:

"دسہرہ کے دن بادشاہ نے دربار کیا، دیکھو! پہلے ایک نیل کنٹھ بادشاہ کے سامنے اڑایا، اسے لودہ باز خانے کا داروغہ باز اور شکرہ لے کر آیا، بادشاہ نے باز کو ہاتھ پر بٹھایا، تو دربار برخاست ہوا، تیسرے پہر کو اصطبل خاص کا داروغہ خاص گھوڑوں کو مہندی سے رنگ، رنگا رنگ کی ان پر نقاشی کر سونے روپے کے ساز لگا کر جھروکہ کے نیچے لایا، بادشاہ نے گھوڑوں کا ملاحظہ کیا، داروغہ کو انعام دے کر رخصت کیا۔"

دسہرہ اور محرم: دسہرہ میں جو میلہ لگتا، اس میں طرح طرح کے جلوس نکلتے، اس کی دھوم دھام کو دیکھ کر عام مسلمانوں نے اس کی نقل محرم میں کرنی شروع کی اور محرم بھی مسلمان عوام کا ایک تہوار بن گیا، حالاں کہ یہ تہوار نہیں، بلکہ اس مہینہ کے عشرہ میں عزاداری کی مجلسیں ہوتی ہیں، ائمہ کے فضائل اور کربلا میں آلِ رسول کے مصائب بیان کیے جاتے ہیں، جن کو سن کر سامعین بے اختیار رونے لگتے ہیں، سلاطین دہلی کے زمانے میں محرم صرف اس حد تک منایا جاتا کہ مجلسوں میں شہدائے کربلا کے واقعات بیان کیے جاتے اور ان کے لیے فاتحہ خوانی ہوتی، (۱) پھر تعزیہ داری شروع ہوگئی، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تیمور ہندوستان آیا، تو سالانہ معمول کے مطابق کربلا کی زیارت کے لیے نہ پہنچ

(۱) اعجاز خسروی از امیر خسرو جلد چہارم ص ۳۲۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکا، اس لیے اس نے حضرت امام حسین کے مقبرے کی شکل بنوائی جو تعزیہ کے نام سے مشہور ہوئی، اسی تابوت رکھ کر جلوس نکالا جانے لگا، رفتہ رفتہ عزاداری کی مجلس تو محدود ہوگئی لیکن عام مسلمان جلوس نکالتے وقت کوشش کرتے کہ اس کی دھوم دھام دسہرہ سے کم نہ ہو، بلکہ بڑھ جائے، اس لیے اس میں دسہرہ کا رنگ پیدا ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ محرم جس طرح ہندوستان میں منایا جاتا ہے کسی اور اسلامی ملک میں نہیں منایا جاتا ہے، اورنگ زیب نے محرم کے جلوس کو غیر اسلامی قرار دے کر اپنے عہد میں رکوادیا تھا، (۱) لیکن اس کے بعد پھر اس کی شکل میلہ کی ہوگئی اور اب تک جاری ہے۔

دیوالی: البیرونی نے لکھا ہے کہ کاتک کے پہلے دن کا نام دیبالی یعنی دیوالی ہے جو برج میزان میں اجتماع یعنی آفتاب و ماہتاب کے اکٹھے ہونے کا دن ہے، اس دن غسل اور آرائش کرتے، پان کا پتہ، سپاری اور تحفے ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں، صدقہ کرنے کے لیے دیوہروں میں جاتے ہیں اور دوپہر تک کھیل تماشہ کرتے ہیں اور رات کے وقت ہر جگہ نہایت کثرت سے چراغ جلاتے ہیں کہ ہوا تک روشن ہو جاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ باس دیو کی بیوی لکشمی اس دن ہر سال بیروجن کے بیٹے راجہ بل کو جو ساتویں زمین میں قید ہے، آزاد کرتی اور دنیا میں نکال لاتی ہے، اس لیے اس دن کا نام بل راج یعنی بل کی حکومت کا دن ہے، لوگوں کا خیال ہے کہ راج بل کرتا جگ میں تھا، جو خیر یعنی نیکی کا زمانہ تھا اور خوشی اس لیے ہوتی ہے کہ دیوالی کا دن اس زمانہ کے مشابہ ہے، اس مہینہ میں جب پورے چاند کا وقت گزر جاتا ہے تو لوگ ضیافتیں کرتے ہیں اور عورتیں اپنے کو سنوارتی ہیں۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ ماہ کاتک میں چھ تہوار ہیں، پروا جو بہت بڑا تہوار ہے، بل راج اس دن خود کو اور گائے بھینس کو آراستہ کرتے ہیں، دوسری نویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو بھی متبرک سمجھتے ہیں، اس مہینہ کے بتیسویں دن دیوالی ہوتی ہے، اس میں اختلاف ہے، شکل پچھ کے حساب سے یہی دن دیوالی ہے لیکن کشن پچھ کے حساب سے کاتک کے مہینہ کی پندرہ کو دیوالی ہوتی ہے، اس رات میں شب برأت کی طرح چراغ روشن کرتے ہیں، اس کا آغاز انتیس سے ہوتا ہے، اس رات میں جوئے بازی کو بہتر سمجھتے ہیں، دیش قوم کے لیے یہ بہترین تہوار ہے۔

---

(۱) منتخب اللباب ج دوم ص ۲۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیوالی کے بعد گوور دھن کا تہوار ہوتا ہے، جب کہ مویشیوں کو نہلا دھلا کر آراستہ کیا جاتا ہے اوران کی پوجا ہوتی ہے۔

جہاں گیر نے تزک میں لکھا ہے کہ دیوالی ویشوں کا تہوار ہے، جب آفتاب برج میزان میں جاتا ہے تو رات کو لوگ بہ کثرت چراغ جلاتے ہیں، دوستوں اور عزیزوں کے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں، ویشوں کی نظر ہمیشہ سود اور سودا پر رہتی ہے، اس لیے اس رات جوا کھیلنا مبارک سمجھتے ہیں۔ (ص ۱۲۱)

دیوالی اکبر اور جہاں گیر کے محلوں میں بھی منائی جاتی، رفتہ رفتہ اس تہوار نے محل کے اندر جو شکل اختیار کر لی تھی، اس کا اندازہ بہادر شاہ ظفر کے عہد کی اس قلمی تصویر سے ہوگا جو بزم آخر کے مصنف نے پیش کی ہے۔

> ''آج پہلا دیا ہے، دیکھو محل میں سب کی آمد و رفت بند ہوگئی، شقنیاں، دھوبنیں، مالنیں، کہاریاں، حلال خوریاں تین دن تک محل کے باہر نہ نکلنے پائیں گی اور نہ کوئی ثابت ترکاریاں محل میں آنے پائیں گی، بینگن، مولی، کدو، گاجر وغیرہ اگر کسی نے منگائی بھی تو باہر سے ترشی ہوئی، اس لیے کہ کوئی جادو نہ کرے، میرے دیے کو دیکھو، آج بادشاہ سونے چاندی میں تلیں گے، ایک بڑی سی ترازو کھڑی ہوئی، ایک طرف پلڑے میں بادشاہ بیٹھے، دوسری طرف چاندی نقد وغیرہ بادشاہ پر سے تصدق ہوا، قلعہ کے برجوں کی روشنی کا حکم ہوا، کھیلن بتاشے کھانڈ اور مٹی کے کھلونے کہاروں نے سر پر رکھے، جولنیاں ان کے ساتھ گھر گھر باستی پھرتی ہیں، نوبت روشن چوکی اور باجہ بجنے لگا، چاروں کونوں میں ایک گنا کھڑا کیا، نیتون میں ڈورے ڈال کر ان میں لٹکا دیے، صبح کو وہ گنے، حلال خوری کو دے دیے، رتھ بان بیلوں کو بنا سنوار پاؤں میں مہندی لگا رنگ برنگ کی اس پر نقاشی کر کے سینگوں پر قلعی اور سنگوٹیاں، ہاتھوں پر کارچوبی پٹے اور سنگھ گلوں میں گھنگھرو اوپر کارچوبی باناتی، جھولیں پڑی ہوا میں چھم چھم کرتے چلے آتے ہیں، بیلوں کو دکھا انعام و اکرام سے اپنے کارخانوں میں آئے، دیوالی ہو چکی۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیوالی کو عام مسلمانوں نے جن نظروں سے دیکھا، اس کا اندازہ نظیر اکبرآبادی کی نظموں سے ہوگا، ان ہی کا یہ بند ہے:

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دیوالی کا ☆ ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا ☆ کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بناد والی کا

بسنت: ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ماگھ کے مہینے میں تیسری، چوتھی، پانچویں اور ساتویں تاریخ کو چار تہوار مناتے ہیں، پانچویں تاریخ کو بسنت کا بڑا جشن ہوتا ہے، اس روز رنگ اور عبیر ایک دوسرے پر چھڑکے جاتے ہیں، نغمہ وسرود کی مجلس منعقد کرتے ہیں، یہ ہندوستان میں موسم بہار کی ابتدا ہے، قدیم زمانہ میں یہ تہوار ساون بھادوں میں منایا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے بھی بسنت منانا شروع کیا اور اس کی ابتدا اس طرح بتائی جاتی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے محبوب بھانجے مولانا تقی الدین نوح کا عین شباب میں انتقال ہوگیا، حضرت خواجہ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا، چھ مہینے تک مہر سکوت طاری رہی، اس کی وجہ سے امیر خسرو بھی مغموم رہتے تھے اور برابر اس فکر میں رہتے کہ کس طرح مرشد کا غم غلط ہو، بسنت کا میلہ تھا، ہندو دہلی میں کالکا جی کے مندر پر سرسوں کے پھول چڑھا رہے تھے اور مست ہوکر ترانے الاپ رہے تھے، خسرو بھی اس کو دیکھ کر بے خود ہوگئے، فارسی اور ہندی کے چند اشعار اسی وقت موزوں کیے، سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو کج کر کے مستانہ شان پیدا کی اور جھومتے جھامتے اشعار پڑھتے، حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو اس وقت اپنے بھانجہ کے مزار پر تھے، امیر خسرو کی مستانہ ادا دیکھ کر اور ان کے اشعار سن کر تبسم فرمایا، تو امیر خسرو کا کام بن گیا، اس روز سے دہلی میں جب ہندو کالکا جی کے مندر پر جاتے تو دہلی اور قرب و جوار کے صوفیہ قوالوں کو لے کر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لیے اشعار پڑھواتے ہوئے مولانا تقی الدین کے مزار پر جاتے ہیں، وہاں سے حضرت خواجہ کے مزار اقدس پر آتے ہیں، ان اشعار میں ایک شعر یہ ہے:

اشک ریز آمدست ابر بہار ☆ ساقیا گل بریز و بادہ بیار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ پڑھ کر اسی شعر کو بار بار دہراتے ہیں، ہندی کا ایک مصرع یہ ہے:

ع: عرب یار توری بسنت منائی

یہ پڑھا جاتا تو بڑا اثر پیدا ہوتا، رفتہ رفتہ دہلی کی درگاہوں میں پندرہ دن تک بسنت کا میلہ رہنے لگا، پھر اور دوسری جگہوں میں بھی مسلمان بسنت منانے لگے، جس میں حلوا پوری پکواتے اور عورتیں بسنتی لباس پہن کر بسنت کے گیت گاتیں۔(۱)

اردو کے شعراء نے تو بسنت پر بہت سی نظمیں کہی ہیں، مثلاً امانت لکھنوی کہتے ہیں:

کیا فصل بہاری نے شگوفے ہیں کھلائے ☆ معشوق ہیں پھرتے سر بازار بسنتی
گیندا ہے کھلا باغ میں میدان میں سرسوں ☆ صحرا وہ بسنتی ہے، یہ گلزار بسنتی
گیندوں کے درختوں میں نمایاں نہیں گیندے ☆ ہر شاخ کے سر پر ہے یہ دستار بسنتی
رُت پھر گئی عالم میں چلی باد بہاری ☆ میخانوں کو سجواتے ہیں میخوار بسنتی
ہے تکلف حسینوں کی دورنگی کا امانت
دو چار گلابی ہوں تو دو چار بسنتی

انشا نے تو بسنت پر ایک غزل مسلسل ہی کہہ دی ہے، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

صد برگ گہ دکھائے ہے گہ ارغوان بسنت ☆ لائی ہے ایک تازہ شگوفہ یہاں بسنت
بھر بھر کے گلستاں میں مے عیش و جشن سے ☆ دیتی ہے ہر گھڑی مجھے رطل گراں بسنت
تو اٹھ چلا تو زرد ہوئے سب کے رنگ رو ☆ کل آگئی بہار میں یہ ناگہاں بسنت
آتے نظر ہیں دشت و جبل زرد ہر طرف ☆ ہے اب کی سال ایسی ہی اے دوستاں بسنت
شادابی نسیم سے بحر سرور کو ☆ کرتی ہے جوش مار کے اب بیکراں بسنت

ہولی: البیرونی نے لکھا ہے کہ پھاگن کے آٹھویں دن کا نام پورارتک ہے، اس دن برہمنوں کے لیے آٹے اور گھی سے مختلف قسم کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ پھاگن کے تیرہ سے سترہ تک ہولی منائی جاتی ہے، جب کہ آگ

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو ''ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک'' ص ۴۲، ۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روشن کرتے ہیں، قسم قسم کے سامان آگ میں جھونکتے ہیں، عبیر اور رنگ ایک دوسرے پر چھڑکتے ہیں، طرح طرح کی خوشیاں مناتے ہیں۔

جہاں گیر اس تہوار کے متعلق لکھتا ہے کہ ہندی سال کے آخر میں منایا جاتا ہے اور جب آفتاب برج حوت میں داخل ہوتا ہے تو اس رات کو گلیوں اور گزرگاہوں میں آگ جلاتے ہیں اور جب دن ہوتا ہے تو اس کی راکھ ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں اور بہت شور و غوغا کرتے ہیں، اس کے بعد نہا دھو کر کپڑے پہنتے ہیں اور میدان اور باغات کی طرف چلے جاتے، ہندو اپنے مردوں کو جلاتے ہیں، ہولی کی رات سال کی آخری رات ہوتی ہے، اس لیے وہ سال کو مردہ سمجھ کر جلا دیتے ہیں۔" (ص ۱۲۱)

اکبر اور جہاں گیر کے محل میں راجپوت شہزادیاں آتیں تو ان کے ساتھ بہت سی ہندو کنیزیں اور سہیلیاں بھی تھیں، اس لیے شاہی محل میں وہ ہولی کھیلتیں، ان کے ساتھ اکبر اور جہاں گیر بھی ہولی کھیلتے، چسٹر بیٹی لندن کے مجموعوں میں ایک ایسی تصویر محفوظ ہے جس میں جہاں گیر اپنے محل کے اندر بیگمات اور شہزادیوں کے ساتھ ہولی کھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کنیزیں گا بجا رہی ہیں لیکن بیگمات اور شہزادیاں پچکاریاں بھر بھر کر ایک دوسرے پر رنگ پھینک رہی ہیں۔

اس کی رنگینیوں سے میر تقی میر جیسے خستہ دل شاعر بھی محظوظ ہوئے، چنانچہ لکھتے ہیں:

پھر لبالب ہیں آب گیر رنگ ☆ اور اڑے ہے گلال کس کس ڈھنگ
پاس آتے ہیں مرغ گلشن بھول ☆ تھے وہ دلبر گلاب کے سے پھول
پگڑیاں جامہ بھیگی سو سو ہیں ☆ ان کو گلہائے تر کہیں تو ہیں
چھڑیاں پھولوں کی دلبروں کے ہاتھ ☆ سیکڑوں پھولوں کی چھڑی ہے ساتھ
قمقمے جو گلال کے مارے ☆ مہوشاں لالہ رُخ ہوئے سارے
خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں ☆ گل کی پتی ملا اڑاتے ہیں
جشن نو روز ہند ہولی ہے ☆ راگ رنگ اور بولی ٹھولی ہے

شیوراتری: یہ ماگھ کے مہینے کا تہوار تھا، جب کہ شیوجی کی پوجا تمام رات ہوتی، البیرونی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالفضل کا بیان ہے کہ رات رات بھر ہندو پوجا کرتے اور جاگتے رہتے ہیں، سوتے نہیں ہیں اور بت پر خوشبو اور پھول چڑھاتے ہیں، عورتیں پھل اور پھول لے کر شیوجی کو بھینٹ چڑھاتی ہیں، شیوجی کی مورتی کو صندل اور عُود سے دھو کر دل کی مرادوں کے برآنے کی دعائیں مانگتی ہیں، عوام آتش بازی چھوڑتے ہیں، اکبر بھی یہ رات ہندو جوگیوں کے ساتھ گزارتا جو اس کی درازیِ عمر کے لیے دعائیں کرتے، ہندوستان میں مسلمان شب براءت جس طرح مناتے ہیں، اس میں شیوراتری کی بھی بڑی حد تک نقل ہوتی ہے۔(۱)

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

(۱) ہندوؤں کے تہواروں کی تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الہند البیرونی جلد دوم اردو ترجمہ باب ۷۶ و آئین اکبری جلد سوم ص ۱۴۹-۱۸۴، باب شمارہ تیوہار۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریبات

جشن ولادت: سلاطین دہلی کے عہد میں زیادہ تر سن رسیدہ فوجی سردار منتخب ہو کر تخت نشین ہوتے رہے، جو پہلے ہی سے صاحب اولاد ہوتے، اس لیے مؤرخین ان کے ولی عہد کی ولادت کا ذکر نہیں کرتے، البتہ عام طور سے اولاد نرینہ کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی جاتی، اس کے نام پر صدقے کیے جاتے، غربا و مساکین کو کھانا کھلایا جاتا، اسلامی طریقہ پر ساتویں روز اس کا عقیقہ کر دیا جاتا، لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا اور لڑکے میں دو بکرے ذبح ہوتے اور پھر اس کا گوشت کچھ تو غربا میں خیرات کر دیا جاتا اور کچھ اعزہ و احباب میں تقسیم کیا جاتا۔

اکبر کی پیدائش: مغل بادشاہوں کی حکومت خاندانی ہوگئی اور ان میں سے بعض فرماں رواؤں کی حکومت بڑی طویل رہی، اس لیے ان کی اولادوں کی پیدائش کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے، اکبر امرکوٹ میں پیدا ہوا، جب کہ ہمایوں ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر آوارہ وطن ہو رہا تھا، پھر بھی پریشانی میں اس پیدائش پر پورا جشن منایا گیا، یہ اس لیے بھی کہ ہمایوں کو بڑی آرزوؤں کے بعد ایک اولاد نرینہ پیدا ہوئی تھی۔

گل بدن بیگم کے ہمایوں نامہ کے انگریزی ترجمہ میں اس موقع کی کئی تصویریں دی ہوئی ہیں، جن میں سے بعض اسی زمانہ کی مصوری کے نمونے ہیں، ایک تصویر میں حمیدہ بیگم زچہ خانہ میں دکھائی گئی ہے، نومولود اکبر ایک خاتون کی گود میں ہے اور ولادت کا اعلان طنبورہ اور نفیری بجا کر کیا جا رہا ہے، اسی تصویر کے درمیانی حصہ میں نجومی بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو ولادت کی خبر دی جا رہی ہے، اس تصویر کے نیچے ہمایوں بیٹھا ہوا دکھائی دیتا ہے اور جب اس کو اکبر کی پیدائش کی خبر ملتی ہے تو اس کے سامنے کچھ لوگ رقص کرتے اور کچھ ساز بجاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ایک دوسری تصویر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ناچنے والیاں پیدائش کی خوشی میں رقص کررہی ہیں، ایک تیسری تصویر حمیدہ بیگم منہ پر نقاب ڈالے بیٹھی ہوئی ہے، اس کے سامنے عطردان، گلاب پاش اور خوشبو جلانے کے برتن رکھے ہوئے ہیں، سامنے بیگمات بیٹھی ہیں اور کچھ عورتیں گیت گا رہی ہیں، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اکبر کی ولادت کا ذکر بہت ہی انشا پردازانہ انداز میں کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اکبر نجومیوں کی بشارت کے مطابق ایک ساعت مسعود میں پیدا ہوا تو ہر طرف سے مبارک باد کی صدا بلند ہوئی، فضا لخلخہ، عنبر، بخور، عود اور کافور سے معطر کی گئی، ترانے اور نغمے بلند ہوئے، طرح طرح کے میوے اور کھانے تقسیم کیے گئے، خلعت انعام میں دیے گئے، ہمایوں اس وقت تیس میل دور ایک مہم پر تھا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ ہمایوں کے ایک غلام مہتر سنبل نے ایک تیز رفتار گھوڑے پر جا کر ہمایوں کو یہ بشارت دی، گل بدن بیگم کا بیان ہے کہ یہ خبر تردی بیگ محمد خان نے پہنچائی، جس کو سن کر ہمایوں نے اس کے تمام گذشتہ قصور معاف کر دیے، ہمایوں کو یہ خبر ملی، تو پہلے وہ بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالایا، پھر اس نے جشن منانے کا حکم دیا، دربار سجایا گیا، نقارے بجے، مطرب، مغنی عود اور قانون بجانے والے جمع ہوئے اور اپنے رنگا رنگ نغموں اور سازوں سے سب کو محظوظ کیا، بھانڈوں نے بھی تماشے دکھائے، مصاحبوں نے خوشی میں اپنی بذلہ سنجی سے مجلس کو زعفران زار بنایا، فوجی سپہ سالاروں اور سرداروں نے بھی اپنے اپنے لشکریوں کے ساتھ آ کر سلامی دی اور مبارک باد پیش کی، نجومیوں نے زائچے تیار کیے، جس میں ہمایوں نے بھی مدد دی، کیوں کہ وہ خود بھی نجوم و ہیئت کا ماہر تھا۔(۱)

جہاں گیر کی ولادت: باب حرم میں جہاں گیر کی پیدائش کا ذکر جا بجا آ چکا ہے، اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

شاہ جہاں کی پیدائش: شاہ جہاں ۳۰/ربیع الاول ۱۰۰۰ھ (جنوری ۱۵۵۲ء) میں پیدا ہوا تو اس موقع پر بھی روایاتی جشن منایا گیا، (۲) نصیر حسین خیال اس کی مرقع آرائی اس طرح کرتے ہیں:

> ''خرم کی پیدائش پر جو جشن ہوا اور حرم سرا میں جو خوشیاں منائی گئیں، وہ ترکانہ نہیں ہندوانہ تھیں، یہ پیدا ہوا تو ساری راجپوتی ریت رسمیں برتی گئیں، زچہ خانہ تک گایا اور

---

(۱) اکبر نامہ جلد اول ص ۲۱-۱۷، ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم ص ۵۹، (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۶۰۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندی سروں سے جی بہلایا گیا، دائی جی شہزادے کو گود میں لیے ہوئے ہیں، مگر ہاتھ نہیں لگاتیں، موتیوں کے تھال سامنے ہیں، مگر ان کے بھاویں نہیں لگتا، ایک ادا اور بڑے ناز سے سنا سنا کر کہتی ہیں کہ:

مانگے ہے جودھا جی کا راج ☆ للا جی کا نال نہ چھوائے

تھال بھر موتی جودھا رانی لائیں ☆ وہ بھی نہ لیوے یہ دائے

یعنی میں تو جب تک رانی جی کا آدھا راج پاٹ لکھا نہ لوں گی، ماننے والی اور شہزادے (للا جی) کا نال کاٹنے والی نہیں، میرے آگے یہ تھال بڑا مال نہیں، اسے اٹھا رکھو۔'' (مغل اور اردو ص ۱۵)

شہزادوں کی ولادت: جہاں گیر اپنے پوتوں کی پیدائش پر بھی پورا جشن مناتا، اس کے سترہویں سال جلوس میں شہزادہ اورنگ زیب پیدا ہوا تو اس نے طرب ونشاط کی ایک مجلس منعقد کی اور جب شہزادہ کو دیکھا تو ایک خوان بھر کر جواہرات اور مرصع آلات پیش کیے اور اسی نر اور مادہ ہاتھی نذرانے میں دیے۔ (۱)

اس کے دوسرے سال شاہ جہاں کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا تو وہ اپنے چودہویں سال جلوس میں لکھتا ہے کہ سعادت مند فرزند شاہ جہاں کے ایک لڑکے کی ولادت کے موقع پر ایک بڑا جشن آراستہ کیا، اس موقع پر اس کو ایک شمشیر پیش کی، جس کے قبضہ میں نیلم لگا ہوا تھا اور پھر ایک خوبصورت ہاتھی بھی عطا کیا، پھر ایک لاکھ تیس ہزار روپے بھی دیے اور چالیس ہزار روپے مولود کی والدہ کو دیے گئے۔ (۲)

شاہ جہاں نے بھی اس روایت کو برابر جاری رکھا، اس کے ساتویں سال جلوس میں دارا شکوہ کے ایک لڑکی پیدا ہوئی تو شاہ جہاں اس کے گھر گیا، دارا شکوہ نے پہلے کچھ رقمیں باپ پر نچھاور کیں، پھر تحفے اور نذرانے پیش کیے، خود شاہ جہاں کے حکم سے دارا شکوہ کے نانا یمین الدولہ اور دوسرے امرا کو خلعت دیے گئے، شاہ جہاں نے اس روز دارا شکوہ کے یہاں ایک دعوت میں شرکت بھی

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۵۳۔ (۲) ایضاً ص ۲۸۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ،(۱) اور جب ۱۰۴۸ھ میں دارا شکوہ کے یہاں اس کے لڑکے سپہر شکوہ کی ولادت ہوئی تو شاہ جہاں نے جشن منانے کے لیے دارا شکوہ کو دولاکھ روپیے دیے۔(۲)

آگے چل کر شہزادے کی ولادت پر جس طرح جشن منایا جاتا، اس کی پوری تصویر میر حسن نے اپنی مثنوی سحر البیان میں کھینچی ہے، یہ محض ایک کہانی ہے لیکن اس دور میں ایک شہزادے کی پیدائش پر جو دھوم دھام ہوتی، اس کی صحیح مرقع آرائی ہے، شہزادہ کی ولادت کی خبر ملتی تو بادشاہ پہلے شکرانہ کی نماز ادا کرتا، پھر جشن کا حکم دیتا۔

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جا نماز ☆ کیے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز
تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار ☆ نہ ہو تجھ سے مایوس امید وار
دوگانہ غرض شکر کا کر ادا ☆ تہیہ کیا شاہ نے جشن کا
وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے ☆ انہیں خلعت و زر کا انعام دے
کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو ☆ کہو خانساماں سے تیار ہو
نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا ☆ کہ نقار خانے میں دو حکم جا
کہ نوبت خوشی کی بجاویں تمام ☆ خبر سن کے یہ شاد ہوں خاص و عام

خوشی میں شادیانے بجائے جاتے اور جس طرح یہ بجتے اس کی بھی تصویر کھینچی گئی ہے۔

یہ مژدہ جو پہنچا تو نقارچی ☆ لگا ہر جگہ بادلہ اور زری
بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب ☆ مہیا کر اسباب عیش و طرب
غلاف ان پہ بانات پر زر کے ٹانک ☆ شتابی سے نقاروں کو سینک سانک
دیا زیر کو پہلے بم سے ملا ☆ لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر نے بم سے بہر شگوں ☆ کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
بجے شادیانے جو واں اس گھڑی ☆ ہوئی گرد و پیش آ کے خلقت کھڑی

اس موقع پر ارانا، نوبت، ترہئی، قرنا، جھانج وغیرہ سب بجائے جاتے، سازندے، قانون،

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم، ص ۳۰۔(۲) ایضاً جلد دوم، ص ۱۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مین، رباب، طبلے، مردنگ، چنگ، مجیرا، پکھاوج، ڈھول وغیرہ لے کر آ جاتے، بھانڈ، بھگت اور دوسرے ارباب نشاط اپنے ناچ گانے دکھاتے، اس کی تصویر بھی بہت سے اشعار میں کھینچی گئی جس کے دو اشعار یہ ہیں:

کہیں دھرپت اور گیت کا شور وغل ☆ کہیں قول قلباند و نقش و گل
مجیرا پکھاوج گلے ڈال ڈھول ☆ بجاتے تھے، اس جا کھڑے باندھ غول

اسی چہل پہل میں وزرا اور امرا نذرانے پیش کرتے اور خود انعام بھی پاتے اور محل کے نوکر چاکر سب نوازے جاتے۔

محل سے لگا تا بہ دیوانِ عالم ☆ عجب طرح کا اک ہوا اژدحام
چلے لے کے نذریں امیر و وزیر ☆ لگے کھینچنے زر کے تودے فقیر
دیا شاہ نے شاہزادے کے ناؤں ☆ مشائخ کو اور پیر زادوں کو گاؤں
امیروں کو جاگیر لشکر کو زر ☆ وزیروں کو الماس و لعل و گوہر
خواصوں کو فوجوں کو جوڑے دیے ☆ پیادے جو تھے ان کو گھوڑے دیے
خوشی سے کیا یاں تلک زر نثار ☆ جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار

....

چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات ☆ کہ دن عید اور رات تھی شب برأت

امرا کے یہاں اولاد پیدا ہوتی تو وہ بھی اسی قسم کی تقریبات انجام دیتے، عام مسلمانوں کے یہاں اولاد پیدا ہوتی تو وہ بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق چھوٹی بڑی تقریب کرکے اپنی خوشی کا اظہار کرتے، جس میں کبھی کبھی محل کی تقریبات کی تھوڑی بہت جھلک پیدا ہو جاتی۔

وزن مقدس: مغل بادشاہ اپنی سال گرہ بھی بہت دھوم دھام سے مناتے، سال گرہ میں وہ تولے جاتے، سلاطین دہلی کے عہد میں یہ تقریب نہیں منائی جاتی تھی لیکن مغل بادشاہوں نے یہ رسم راجپوتوں سے لیے اور وہ شمسی اور قمری دونوں کے حساب سے اپنی سال گرہ میں تولے جاتے، تزک جہاں گیری میں ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''موافق ۷ ارجب در منزل مریم الزمان مجلس وزن شمسی منعقد گشت، بایں روشن خودرا وزن کردن طریق ستودہ است حضرت آشیانی کہ مظہر لطف وکرم بودند، ایں روشن را پسندیدہ ہر سال خودرا دو مرتبہ باقسام فلزات از طلا ونقرہ وغیرہ واکثر امتعہ نفیسہ وزن می فرمودند ایک مرتبہ مطابق سال شمسی ودیگر موافق سال قمری ومجموع آں راکہ قریب بیک لک روپیہ است، بہ فقرا وارباب احتیاج تقسیم می کردند، من ہم ایں سنت سنیہ را مرعی می دارم وبہ ہماں دستور خودرا وزن نمودہ آں اجناس را بہ فقرا می دہم۔'' (ص ۱۱۳)

آئین اکبری میں ہے کہ اکبر شمسی سال گرہ کے موقع پر حسب ذیل بارہ چیزوں سے تولا جاتا ۱- سونا، ۲- چاندی، ۳- ابریشم، ۴- خوشبو، ۵- تانبا، ۶- روح توتیا، ۷- گھی، ۸- لوہا، ۹- دودھ، ۱۰- چاول، ۱۱- سات قسم کے اناج، ۱۲- نمک، یہ تمام چیزیں خیرات کردی جاتیں، پھر اکبر کا اس وقت جو سن ہوتا اسی تعداد میں بکرے، بکریاں، مرغیاں اور پرندے بھی صدقے کیے جاتے، قمری سال گرہ کے روز اکبر حسب ذیل آٹھ چیزوں میں تولا جاتا، ۱- چاندی، ۲- رانگ، ۳- پارچہ، ۴- سیسہ، ۵- میوہ، ۶- شیرینی، ۷- روغن کنجد، ۸- سبزی۔

شہزادوں کی بھی سال گرہ منائی جاتی لیکن وہ آٹھ سے زیادہ چیزوں میں نہیں تولے جاتے، اکبر کی یہ قائم کردہ روایت اس کے جانشینوں کے عہد میں بھی جاری رہی اور یہ تقریب بہت دھوم دھام سے منائی جاتی، دربار کی آرائش رسمی طریقہ پر پوری شان وشوکت کے ساتھ کی جاتی، امرا زرق برق لباس میں حاضر رہتے، شعرا قصیدے پڑھتے اور اس موقع پر طرح طرح کے انعامات بھی تقسیم ہوتے لیکن زیادہ تر خیرات وصدقات میں خرچ ہوتا (۱) اورنگ زیب نے یہ تقریب اپنے عہد میں بند کرادی تھی۔

مکتب نشینی: شہزادے جب چار برس چار مہینے اور چار روز کے ہوتے تو ان کی بسم اللہ کرائی جاتی، کیوں کہ تمام فرماں رواؤں کو اپنے شہزادوں کی تعلیم وتربیت کا بڑا خیال رہتا، بسم اللہ کی رسم

---

(۱) آئین اکبری جلد اول آئین ۱۸۔ اکبر نامہ جلد سوم ص ۹۳ و ۳۹۲ تزک جہاں گیری ص ۷۱، ۱۱۳، ۲۸۷، ۲۹۳، منتخب التواریخ جلد دوم ص ۸۴، بادشاہ نامہ جلد اول ص ۲۴۳، وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہتمام سے ادا ہوتی (۱) اور جو اتالیق یا اساتذہ تعلیم و تربیت کے لیے مامور ہوتے ان کی بڑی قدر کی جاتی، بسم اللّٰہ کی رسم ادا کرتے وقت نیک ساعت کا ضرور خیال رکھا جاتا اور بسم اللّٰہ کرانے والے اساتذہ ہر قسم کی عنایتوں سے نوازے جاتے، غیاث الدین بلبن کے شہزادوں کو ان کے استاد خواجہ تاج الدین نے خاص خاص کتابیں ختم کرائیں، تو ان کو دو گاؤں اور ایک لاکھ جیتل انعام میں دیے گئے، (۲) اکبر کے استاد شیخ عبدالنبی بھی تھے، وہ اکبر سے اپنی جوتیاں سیدھی کراتے، مسجد میں اذان اور جھاڑو دلاتے تو اکبر چوں و چرا نہ کرتا، ایک بار اس نے اپنی سال گرہ کی تقریب میں اپنے کپڑوں پر زعفران کا رنگ چھڑک لیا تھا، شیخ عبدالنبی نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے، سر دربار لکڑی اٹھا کر ماری، اکبر کو ناگوار ہوا، محل میں جا کر ماں سے شکایت کی لیکن ماں نے کہا کہ بیٹا دل پر میل نہ لانا، یہ نجات اخروی کا باعث ہے، قیامت تک چرچا رہے گا کہ ایک ملا نے بادشاہ کے ساتھ یہ حرکت کی اور سعادت مند بادشاہ نے اس کو برداشت کیا، (۳) جہاں گیر کے استادوں میں مولانا علی احمد نشانی بھی تھے، جن سے اس نے ہیئت، طبیعیات، املا اور انشا کا درس لیا تھا، ایک بار دربار میں مجلس سماع ہو رہی تھی کہ مولانا علی احمد نشانی پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ بسمل کی طرح رقص کرتے ہوئے فرش پر گر پڑے، جہاں گیر اپنے استاد کی یہ کیفیت دیکھ کر بے چین ہوگیا، غایت اضطراب میں تخت سے اتر کر مولانا کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا، اسی سکر میں مولانا کی روح پرواز کرگئی، (۴) شاہ جہاں اپنے استادوں حکیم دوائی گیلانی کا بڑا قدرداں رہا، (۵) عالم گیر اپنے استاد ملا جیون سے اسی طرح ادب سے پیش آتا، جس طرح بچے اپنے باپ سے پیش آتے ہیں، ملا صاحب کے بھولے پن اور عالم گیر کی سعادت مندانہ اطاعت گزاری کے قصے اور لطیفے آج بھی مجلسوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔

عہد علائی میں خضر خان کا جشن نکاح: سلاطین دہلی کے عہد میں شاہی خاندان میں نکاح اور شادی کی تقریبات کی تفصیل سب سے پہلے امیر خسرو کی مثنوی دول رانی خضر خاں میں ملتی ہے، سلطان

---

(۱) مثال کے لیے دیکھو اکبر نامہ جلد اول ص ۲۷۱، (۲) برنی ص ۱۰۲۔ (۳) مآثر الامرا جلد دوم ص ۵۶، (۴) تزک جہاں گیری ص ۸۲، (۵) شاہ جہاں نامہ از محمد صالح کنبوہ جلد اول ص ۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاء الدین خلجی کے لڑکے خضر خان کی پہلی شادی الپ خاں کی لڑکی سے ہوئی، نسبت طے ہونے کے بعد تین سال تک شادی کے ساز و سامان تیار ہوتے رہے اور جب منجموں نے ساعت سعید مقرر کی تو خضر خان کی بارات کا جلوس الپ خاں کے یہاں روانہ ہوا، اس موقع پر تمام شہر اور کوچہ و بازار کی آرائش ہوئی، جا بجا ڈیرے، خیمے ایستادہ کیے گئے، شامیانے لگائے گئے، در و دیوار پر نقش آرائی کی گئی، سڑکوں اور گلیوں میں بھی زریں پردے لٹکائے گئے اور ریشمی فرش بچھائے گئے اور جب بارات کا جلوس چلا تو اس کے ساتھ نوبت اور شادیانے بھی تھے، نٹوں اور شعبدہ بازوں کا ایک گروہ بھی تھا، جو طرح طرح کے تماشے دکھاتے چلتے تھے، کوئی ہوا میں گیند اچھالتا، کوئی تلوار کو پانی کی طرح گھونٹ جاتا، کوئی ناک کے راستے چاقو چڑھا لیتا، بہ روپیوں کی ایک جماعت بھی طرح طرح کے سوانگ بھرے ہوئے تھی، گانے والیاں بھی ساتھ ساتھ تھیں، جا بجا منجنیقوں سے روپے اور اشرفیاں نچھاور کی جارہی تھیں، امرا پیادہ ساتھ تھے، گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بھی جلوس تھا، ہاتھیوں پر زریں عماریاں کسی ہوئی تھیں اور چاروں طرف لشکری برہنہ تلوار اور خنجر لیے ہوئے تھے، گویا وہ نظر بد کا راستہ روکے ہوئے تھے، جلوس الپ خاں کے مکان پر پہنچا تو شہزادہ مسند پر جلوہ افروز ہوا، امرا اپنے رتبے کے مطابق دائیں بائیں بیٹھ گئے، صدر جہاں نے نیک ساعت میں نکاح کا خطبہ پڑھا اور ایک گراں قدر مہر پر دونوں کا عقد ہوا، تو حاضرین پر موتی اور جواہرات نچھاور کیے گئے اور لوگوں میں قیمتی چیزیں تقسیم کی گئیں، شہزادہ ایک پہر رات گزرنے کے بعد محل میں داخل ہوا، زرنگار فرش پر ایک پر تکلف کرسی بچھائی گئی، اس پر شہزادہ بٹھایا گیا، موتیوں اور جواہرات کی پھر نچھاور ہوئی، اس کے بعد جلوہ کی رسم ادا کی گئی۔(۱)

عہد تغلق کی ایک تقریب: سلاطین دہلی کی حکومت جس قدر مستحکم اور پائدار ہوتی گئی، اسی قدر ان کے تمدنی لوازم بھی بڑھتے گئے اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کے شادی بیاہ کی تقریبات میں بھی تکلفات کا اضافہ ہوتا گیا، سلطان محمد تغلق نے اپنی بہن فیروزہ اخوندہ کی شادی ایک معزز عرب سیف الدین غدہ ابن ہبۃ اللہ ابن مہنے امیر عرب الشام سے دہلی میں رچائی تو اس میں ہر قسم کی

(۱) مثنوی دول رانی خضر خاں، مرتبہ رشید احمد انصاری، ص ۴۴-۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیب وزینت اور آرائش وزیبائش کا مظاہر کیا گیا، ابن بطوطہ اس تقریب میں شریک تھا، وہ رقم طراز ہے کہ جب بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی بہن کی شادی امیر سیف الدین سے ہو تو ولیمہ کی تیاری اور دوسرے اخراجات ملک فتح اللہ شونویس کے سپرد کیے، جس نے دو بڑے بڑے سائبان، دو صحنوں پر لگائے، طرح طرح کے عمدہ فرش بچھائے، شمس الدین تبریزی مطربوں اور گانے والی عورتوں کو لے کر آیا، یہ سب بادشاہ کے غلام اور لونڈیاں تھیں، باورچی، نان بائی، حلوائی، سقے اور تنبولی بھی حاضر ہوئے، جانور اور پرندے ذبح کیے گئے، پندرہ دن تک سب لوگوں کو کھانا کھلایا گیا، بڑے بڑے امیر اور پردیسی دو وقت کھانے میں شامل ہوتے تھے، نکاح کی رات سے دو رات پہلے بادشاہ کے محل میں اچھے اچھے فرش بچھائے گئے اور بیگمات نے امیر سیف الدین کو اندر بلایا، یہ پردیسی تھا، اس کا کوئی قریبی رشتہ دار وہاں نہیں تھا، ان عورتوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کو ایک مسند پر بٹھایا، بادشاہ کے حکم کے مطابق بادشاہ کی سوتیلی ماں جو مبارک خاں کی ماں تھی، امیر سیف الدین کی ماں بنی اور شاہی محل کی ایک دوسری بیگم اس کی بہن، تیسری عورت اس کی پھوپھی اور چوتھی اس کی خالہ بنی تا کہ وہ سمجھے کہ اس کا تمام خاندان یہاں موجود ہے، انہوں نے اس کو ایک چوکی پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی اور باقی عورتیں اس کے سر پر کھڑی ہو کر ناچتی گاتی رہیں، بیگمات یہ سب سامان کر کے دولہن کے سونے کے گھر میں چلی گئیں اور امیر سیف الدین اپنے دوستوں سمیت باہر کے مکان میں رہا، بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ چند امرا اس کی جماعت میں اور چند دولہن کی جماعت میں داخل ہوں، اس ملک میں یہ دستور ہے کہ جس مکان سے دولہا دولہن کو اپنے گھر لاتا ہے، اس مکان کے دروازے پر دولہن کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور جب دولہا کی جماعت آتی تو دولہن کی طرف کے لوگ ان کو داخل ہونے سے روکتے ہیں، اگر وہ غالب ہو جاتے ہیں تو چلے جاتے ہیں اور اگر مغلوب ہو جاتے ہیں تو ان کو ہزاروں روپیے انعام دینے پڑتے ہیں، نماز مغرب کے بعد امیر کے پاس نیلے ریشم کے خلعت لائے، جو زربفت کے بنے ہوئے تھے اور ان پر اس قدر جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ چمک سے کپڑے کا رنگ نظر نہیں آتا تھا اور ایسی ہی ایک کلاہ تھی، ایسی پوشاک کہیں اور نہیں دیکھی گئی اور جو پوشاکیں بادشاہ اپنے اور دامادوں جیسے عماد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الدین سمنانی، ملک العلما شیخ الاسلام اور صدر جہاں بخاری کے بیٹوں کو دی تھیں، ان سب سے یہ بہتر تھی، خلعت پہننے کے بعد امیر سیف الدین اپنے ساتھیوں اور غلاموں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، پھر ایک چیز لائے جو تاج کے مشابہ تھی اور چنبیلی، نسرین اور رائے بیل کے پھولوں کی بنی ہوئی تھی اور جس کی جھالر منہ اور سینہ پر لٹکی تھی (اس سے سہرا مراد ہے) اور امیر سے کہا کہ اس کو سر پر رکھو، امیر نے انکار کیا کیوں کہ وہ عرب کا صحرائی تھا، مگر جب اس سے اصرار کیا گیا تو اس کو سر پر رکھ لیا، پھر سب جماعت حرم کے دروازہ پر پہنچی تو وہاں دولہن کی جماعت کھڑی تھی، امیر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور سب کو بھگا دیا، پھر امیر اندر گیا اور وہاں ایک منبر پر دولہن کو لا کر بٹھایا جو دیبا سے منڈھا ہوا تھا اور اس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے، گانے والی عورتیں امیر کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں، امیر کا گھوڑا دلہن کے منبر تک آیا، وہاں آ کر امیر گھوڑے سے اترا اور منبر کی پہلی سیڑھی کے پاس کھڑے ہو کر زمین بوسی کی، اس وقت دولہن کھڑی کر دی گئی اور پھر دولہن کے ہاتھ سے امیر کو پان دیا گیا اور پھر امیر دلہن سے ایک سیڑھی نیچے بیٹھ گیا اور اس کے ساتھیوں پر درہم اور دینار نچھاور کیے گئے، عورتیں تکبیر بھی کہتی جاتیں اور گانا بھی گاتیں، باہر نوبت اور نقارے بج رہے تھے، پھر امیر کھڑا ہو گیا اور اپنی دولہن کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے نیچے اترا، وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لی، امیر تو گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دولہن ڈولے میں بٹھا دی گئی اور ان دونوں پر درہم اور دینار نچھاور کیے گئے، ڈولے کو غلاموں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا، کچھ بیگمات ساتھ چلنے کو گھوڑے پر سوار ہوئیں اور کچھ پا پیادہ تھیں، دولہن کی سواری ان کے آگے آگے تھی، جب یہ سواری کسی امیر کے گھر کے سامنے سے گزرتی تھی تو وہ باہر نکل کر سواری پر درہم اور دینار بکھیرتا تھا، دوسرے دن دولہن نے دولہا کے دوستوں کے گھر کپڑے اور دینار و درہم بھیجے، بادشاہ نے بھی ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے اور دو سو سے لے کر ہزار دینار تک کی ایک ایک تھیلی بھیجی، ملک فتح اللہ نے بیگمات کو قسم قسم کے ریشمی کپڑے اور تھیلیاں دیں، اسی روز لوگوں کی پھر ضیافت کی گئی اور شادی ختم ہو گئی۔(۱)

---

(۱) سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ۱۳۴-۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیموری خاندان کی تقریبات: مغل بادشاہوں کے دورِ عروج میں شادی بیاہ کی تقریبات کے تکلفات بھی انتہا کو پہنچ گئے تھے، ان کی تفصیلات قلم بند کرنے سے پہلے تیمور اور بابر کے خاندان میں جو شادی بیاہ کی رسمیں تھیں، ان کی ایک ایک جھلک اس لیے دکھانا ضروری ہے کہ اس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی نسلوں میں ہندوستان آنے سے پہلے کیا کیا خاندانی اور قبائلی روایتیں تھیں اور پھر ہندوستان آکر بعد میں کون کون سی ہندوستانی رسمیں اختیار کیں۔

تیمور کی شادی: تیمور کی پہلی شادی کی جو تفصیلات ملتی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دلہن پہلے عرق گلاب سے نہلائی جاتی، اس کے بالوں میں روغن سمسم ملا جاتا اور پھر وہ گرم دودھ سے دھوئے جاتے، یہاں تک کہ ریشم کے لچھوں کی طرح نرم ہوکر ان میں اور بھی چمک پیدا ہو جاتی، اس کے بعد اس کو ایک سرخ قبا پہنائی جاتی، جس پر سنہرے گل بوٹے ہوتے، یہ قبا بغیر آستینوں کی ہوتی، اس پر ایک لمبا جامہ پہنایا جاتا، جس پر بہت بھاری روپہلا کام ہوتا، جامے کے لمبے دامن خواصیں اٹھائے رہتیں، کاکلیں خاص طور پر سنواری جاتیں اور پیشانی کو حسین بنانے کے لیے سر پر زربفت کی کلاہ پہنائی جاتی اور اس کے چندوے سے ریشمیں پھولوں کے طرے لٹکے ہوتے، جن میں بڑے بڑے پر اس طرح لگائے جاتے کہ ان کا سایہ زلفوں پر پڑتا رہتا اور دوسری تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دلہن سنوار کے مردوں کی مجلس میں بھی لائی جاتی اور وہ خاموشی سے خوف کھاتی ہوئی ان کی صفوں سے گزرتی، تیمور کی شادی الجائی خاتون سے ہوئی تو وہ بھی مردوں کی صف سے گزری، اس وقت اس کے باپ امیر قذغن نے مٹھیاں بھر بھر کر موتی لٹایا اور نقارچیوں نے طبل اور طاشے بجائے، جو گھوڑوں کی پیٹھ پر رکھے تھے، پھر نکاح پڑھایا گیا اور دعا خوانی ہوئی، نکاح کے بعد امیر قذغن نے مہمانوں میں تحائف تقسیم کرنے شروع کیے، اس کے ساتھ غلام قیمتی خلعت اور پارچے ہاتھوں پر لیے ہوئے ساتھ ساتھ تھے، امیر نے کسی کو تلوار اور کسی کو زریں کمر بندی، مجمع سے قریب ہی درختوں کی چھاؤں میں داستان گو ستار بجا کر حاضرین کو محظوظ کرنے کے لیے کوئی داستان سناتے جاتے تھے اور جب شام ہوئی تو دریا کے کنارے دور تک قندیلیں روشن کی گئیں، سینیوں میں کھانے چن کر مہمانوں کے سامنے رکھے گئے، کھانے میں بھنے ہوئے سالم بھیڑ کے بچے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھوڑوں کے پٹھوں کے گرم گرم کباب تھے اور شہد میں بھیگی ہوئی جو کی موٹی موٹی روٹیاں تھیں، اس وقت بھی تیمور کی دلہن مہمانوں کے سامنے لائی گئی اور خود تیمور بھی ایک عمدہ گھوڑے پر سوار آیا، جس پر پر تکلف ریشمیں پوشش گردن اور پشت کو ڈھکتی ہوئی گھوڑوں کے پاؤں تک لٹک رہی تھی، تیمور نے دلہن کو اٹھا کر گھوڑے پر سوار کیا اور وہ دونوں ایک خوش نما خیمے کی طرف روانہ ہوئے، دولہن کے ساتھ خواصیں بھی تھیں اور جب دبے پاؤں خواصیں خیمہ سے باہر نکل آئیں تو تیمور کے چند ہمراہی دولہن کو سلام کرنے حاضر ہوئے اور پھر دروازے کا پردہ گرا کر اپنے اپنے خیموں کو چلے گئے، خیمہ میں تیمور کے ساتھ اس کی دولہن رہ گئی تو باہر طبل و بوق کی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔(۱)

ہندال کی شادی: بابر کے لڑکے مرزا ہندال کی شادی کا ذکر گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں کیا ہے لیکن اس میں دعوت و ضیافت اور دولہا دولہن کو جو چیزیں دی گئیں، ان کی تفصیل زیادہ ہے، شادی کے مراسم کا مطلق ذکر نہیں ہے، دعوت میں تمام بیگمات ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا تناول کرتیں، مرزا ہندال کی شادی کی دعوت ہمایوں کے زمانے میں ہوئی، اس لیے ان بیگمات کے دسترخوان پر ہمایوں بھی شریک تھا، دعوت کے موقع پر بعض عورتیں مردانہ لباس پہن کر تیر اندازی، زہ گیری اور چوگان بازی کا تماشہ بھی دکھاتیں اور بعض ساز بھی بجاتیں، اس تقریب میں دولہن کو نو تکمہ دار جواہرات سے بھرے ہوئے نیم تنے دیے گئے، جن میں کسی میں لعل، کسی میں یاقوت، کسی میں زمرد، کسی میں عقیق وغیرہ تھا، اسی کے ساتھ نو ہار بھی تھے، ایک چارقب، چار تکمہ دار قرتیجی تھے، ایک جوڑا ہیرے اور ایک جوڑا موتیوں کا بندہ تھا، تین پنکھے، ایک چتر، ایک شمع دان چکی اور دوسرے گھریلو سامان بھی تھے، اسی کے ساتھ زین و لگام کے ساتھ نو گھوڑے، چاندی اور سونے کے ظروف اور ترک، چرکس اور حبشی غلام بھی تھے، مرزا ہندال کو بھی نو گھوڑے دیے گئے، جن کے زین اور لگام سونے اور چاندی کے تھے، اس کو بھی نقرئی ظروف، پھر لباس کے لیے مخمل، زربفت اور سقرلات پرتگالی دیے گئے، ترک، حبشی اور ہندی غلام بھی ساتھ کیے گئے۔(۲)

اکبر کا نکاح: اکبر نے کئی نکاح کیے، جیسا کہ "باب حرم" سے ظاہر ہوگا لیکن اس نے اپنی شادی کی

---

(۱) تیمور از ہیرالڈ لیم، ص ۳۶-۳۲ (۲) ہمایوں از گل بدن بیگم ص ۳۶، ۳۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریبات اس معیار پر انجام نہیں دیں جو اس کے جانشینوں کے عہد میں قائم ہوا، روایاتی طور پر کوئی جشن ضرور منایا جاتا ہوگا لیکن مورخوں نے ان کا ذکر کرنے میں بخل سے کام لیا ہے، اس کی شادی راجہ بہاری مل کی لڑکی سے ہوئی تو ابوالفضل صرف اتنا لکھ کر خاموش ہو جاتا ہے کہ راجہ بہاری مل نے سانبھر میں اپنی صبیۂ سعادت سرشت کی شادی کا دلکش جشن منایا۔(۱) اسی طرح اکبر کا نکاح ۹۸۲ھ میں قسیمہ بانو بنت عرب شاہ سے ہوا تو ابوالفضل صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتا ہے کہ اس موقع پر بڑا جشن منایا گیا۔(۲)

شہزادہ سلیم کی شادی کا جشن: البتہ ابوالفضل نے شہزادہ سلیم کی پہلی شادی کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ شہزادہ کی پہلی شادی راجہ بھگوان داس کی لڑکی مان بائی سے ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں ہوئی، ابوالفضل لکھتا ہے کہ جب یہ رشتہ طے پا گیا تو اکبر نے جشن آرائی کا حکم دیا اور تھوڑے وقت میں دیوانِ عام اور دیوانِ خاص کی ایسی آرائش ہوگئی کہ دیکھنے والے دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے، جشن کی ابتدا ہوتی تو روزانہ بخششوں کا بازار گرم رہتا، عشرت وشادمانی جاری رہتی، پرانی روایت کے مطابق ساچق اور نثار کے علاوہ دوسری پرانی رسمیں ادا کی گئیں اور خود اکبر اپنے امرا کے ساتھ راجہ کی قیام گاہ پر گیا اور شادی کی رسم انجام دی اور اسی دن دولہن کو لے کر واپس آیا، مآثر الامرا میں ہے کہ دولہن کے چوڈول (محافہ عروسی) کو اکبر اور شہزادہ سلیم دونوں اٹھا کر باہر لائے، راستہ میں قیمتی اور پر تکلف ریشمی کپڑوں کا فرش بچھا تھا،(۳) اس موقع پر فیضی نے ایک قصیدہ بھی کہا جس کے ہر مصرع سے شادی کی تاریخ نکلتی ہے، اس کے دو اشعار یہ ہیں:

زہے عقد در پاش سلطاں سلیم ☆ کہ پر تو دہد سال امید را
ز پروردن آفتاب دول ☆ قرانے شدہ ماہ و ناہید(۴) را

مولانا شبلی نے اس شادی کا ذکر اپنی ایک نظم میں اس طرح کیا ہے:

قرابت راجگانِ ہند سے اکبر نے جب چاہی ☆ کہ یہ رشتہ عروسِ کشور آرائی کا زیور تھا

---

(۱) اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۵۷۔ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۸۔ (۳) مآثر الامرا جلد دوص ۱۳۰۔ (۴) اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۲، ۱۴۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو خود فرمانده جے پور نے نسبت کی خواہش کی ☆ اگرچہ آپ بھی وہ صاحبِ دیہیم وافسر تھا
ولی عہد حکومت اور خود شاہنشہ اکبر ☆ گئے انبیر تک جو تخت گاہِ ملک وکشور تھا
ادھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی ☆ ادھر شہزادے پر چتر عروسی سایہ گستر تھا
دولہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے ☆ کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا
دولہن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر جو لائے تھے ☆ وہ شاہنشاہ اکبر اور جہاں گیر ابن اکبر تھا
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی ☆ کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا

ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجہ بھگوان داس جب اپنی بیٹی کو رخصت کرنے لگا تو اس نے اکبر سے کہا:

''مہاری رے بیٹی تمہارے محلوں کی چیری ہم باندگلام رے''

لیکن اکبر نے فوراً جواب دیا:

''تہاری رے بیٹی تہارے محلوں کی رانی تم صاحب سردار رے(۱)''

طبقات اکبری کے مصنف کا بیان ہے کہ راجہ بھگوان داس نے اپنی لڑکی کو جہیز میں زیورات، جواہرات اور قیمتی کپڑے کے علاوہ عراقی، عربی، ترکی اور کچھی گھوڑے، ایک سو ہاتھی اور بکثرت حبشی، چرکسی اور ہندی غلام اور کنیزیں دیں اور مہر دو کروڑ روپے رکھی گئی۔(۲)

جہاں گیر کے شہزادوں کی شادی: جہاں گیر کے شہزادوں کے شادی بیاہ کے جشن کی بھی زیادہ تفصیل تاریخوں میں درج نہیں۔

شہزادہ پرویز کی شادی شہزادہ مراد (اکبر کے لڑکے) کی لڑکی سے ہوئی، تو جہاں گیر اپنے پہلے سال جلوس میں صرف اتنا لکھتا ہے کہ پرویز کی شادی شہزادہ مراد کی لڑکی سے ہوئی تو نکاح کی تقریب مریم الزمانی کے گھر پر انجام پائی اور شادی کا جشن پرویز کے گھر میں منایا گیا، اس موقع پر جو لوگ بھی حاضر تھے، ان کو طرح طرح کی نوازشوں سے سرفراز کیا گیا، شریف آملی اور دوسرے امرا

---

(۱) مغل اور اردو از نصیر حسین خیال ص ۱۳-۱۲۔

(۲) طبقات اکبری ج ۲، ص ۳۹۳۔ مآثر الامرا جلد دوم ص ۱۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حوالے نو ہزار روپیے کیے گئے کہ صدقہ کے طور پر یہ فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیے جائیں (۱)

جہاں گیر کے پانچویں سال جلوس میں شہزادہ خرم کی شادی مرزا مظفر حسین صفوی حاکم قندھار کی لڑکی سے ہوئی تو وہ لکھتا ہے کہ شادی کے روز میں بابا خرم کے گھر گیا، رات وہیں گذاری، امرا کو خلعت دے کر سرفراز کیا، بہت سے قیدیوں کو رہائی دی، سونا، چاندی، روپیہ اور غلہ فقرا میں تقسیم کرایا۔ (۲)

شہزادہ خرم کی شادی ممتاز محل سے ہوئی تو اس کا ذکر جہاں گیر اپنی تزک میں نہیں کرتا ہے، البتہ اس سلسلہ میں اقبال نامۂ جہاں گیری کے مصنف نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ شہزادہ والا شکوہ کی شادی کا جشن منعقد ہوا تو اس نے شاہانہ مجلس منعقد کر کے اپنے پدر عالی گہر کے حضور میں نذر گزرانی اور رسم کے مطابق بیگمات کے لیے مناسب زیورات تیار کرائے اور امرا کو خلعت فاخرہ عطا کیا۔ (۳)

جہاں گیر کے سولہویں سال جلوس میں شہزادہ شہریار کی شادی نور جہاں کی لڑکی سے ہوئی تو جہاں گیر لکھتا ہے کہ اس کار خیر سے بڑا انشاط حاصل ہوا، حنابندی کی رسم تو مریم الزمانی کے گھر پر ہوئی لیکن نکاح اعتماد الدولہ کے گھر پر ہوا، میں خود محل کی عورتوں کے ساتھ وہاں جا کر اس بزم نشاط میں شریک ہوا، جمعہ کی مبارک رات کی سات گھڑی گزرنے کے بعد یہ نکاح ہوا، منگل کے روز باغ نور افشاں میں شہریار کو چارقب مرصع، دستار، کمر بند اور دو گھوڑے عنایت کیے، ان میں ایک گھوڑا عراقی تھا، جس کا زین سونے کا تھا اور دوسرا ترکی تھا، جس پر منقش زین تھی۔ (۴)

ظاہر ہے نور جہاں نے اپنی اکلوتی اولاد کی تقریب کے موقع پر اپنی تہذیبی نفاست اور لطافت کا کیا کیا ثبوت نہ دیا ہوگا لیکن مورخین اس قسم کی تفصیلات لکھنے میں بخل سے کام لیتے رہے ہیں، حالاں کہ شادی کے جشن میں دربار کی زینت و آرائش میں وہی ساری شان و شوکت کا مظاہر ہوتا رہا ہوگا جو اس کی دیرینہ روایت بن گئی تھی۔

عام طور سے کسی شادی کے جشن کے موقع پر شہر کے تمام بازار آراستہ کیے جاتے، دوکانیں

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۴۰، ۳۹۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۸۸۔ (۳) اقبال نامہ جہاں گیر ص ۶۷۔ (۴) تزک جہاں گیری ص ۳۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشجر سے جگمگاتی رہتیں، درختوں پر زربفت اور زریں تھان لپیٹ دیے جاتے، سڑکوں اور عام شاہراہوں پر رومی مخمل بچھادی جاتی، نوشہ کی آمدورفت کے لیے جو راستہ مقرر ہوتا، اس کے دونوں طرف دور دور تک فوجیں کھڑی کردی جاتیں، جن کے شانوں پر زریں پھول، دامنوں اور آستینوں پر کلابتوں کی تحریریں اور کمر میں آب دار شمشیریں لٹکتی رہتیں، جن سے بڑی شان وشوکت ظاہر ہوتی تھی، شہزادہ دولہن کے گھر عموماً ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہو کر جاتا، اس کے جلو میں معزز امرا ہوتے، عام طور سے شادی کا جشن ایک مہینہ تک جاری رہتا، دن کو طرح طرح کے جلوس نکلتے، رات کو آتش بازی چھوڑی جاتی، شاہ جہاں کی شادی کا جشن ایک مہینہ تک جاری رہا اور ہر روز دعوتوں اور ضیافتوں کا سامان ہوتا۔(۱)

کندوری: ایک زبانی روایت یہ بھی ہے کہ جہاں گیر کی بیوی جگت گسائیں نے کندوری کی رسم جاری کی، بارات کی روانگی سے ایک روز پہلے طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں اور ان پر حضرت بی بی فاطمہ کا فاتحہ ہوتا ہے، اس کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا ہے، اس پر کھانے کے لیے وہی عورتیں بیٹھتی ہیں جو سہاگن ہوتی ہیں، بیوہ یا بیوہ ہو کر دوسرا نکاح کرنے والی عورتوں کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ جگت گسائیں نے ایک شادی کے موقع پر محل میں یہ تقریب نور جہاں کو ذلیل کرنے کے لیے جاری کی، کیوں کہ وہ اپنے پہلے شوہر شیر افگن کے قتل کے بعد بیوہ ہوگئی تھی، اس کے بعد اس کی دوسری شادی جہاں گیر سے ہوئی تھی، لغت میں کندوری کا لفظ فارسی لکھا ہے، برہان قاطع میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں:

> ”بروزن رنجوری سفرہ ودستار خوان چرمیں را گویند، وبعضے انداز را گفتہ اند یعنی پارچۂ کہ درپیش سفرہ درروے زانو اندازند بوقت چیزے خوردن“۔

نور اللغات میں اس کے کئی معنی لکھے ہیں، ان میں سے دو یہ ہیں: ۱- وہ کھانا جو وسیع پیمانے پر عروس کی طرف سے بعد نکاح کھلایا اور تقسیم کیا جاتا ہے، ۲- نیاز جیسے بیوی کی کندوری یعنی حضرت فاطمہ کی نیاز، یہ رسم اب بھی جاری ہے۔

---

(۱) ہسٹری آف شاہ جہاں از بنارسی پرشاد سکسینہ ص ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورنگ زیب کی شادی: شاہ جہاں بھی اپنے شہزادوں کی شادی پوری شان وشوکت سے انجام دیتا رہا، اس کی تمام تفصیلات بادشاہ نامہ میں موجود ہیں، ان تقریبات میں سے ہم صرف شہزادہ اورنگ زیب کی شادی کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے اورنگ زیب کی نسبت (۱۰۴۶ھ-۱۶۳۶ء) شاہ نواز خاں صفوی کی لڑکی سے طے پا گئی اور شادی کے دن قریب آئے تو اس وقت اورنگ زیب دکن میں تھا، شاہ جہاں نے اس کو طالب آملی کی حسب ذیل رباعی لکھ کر اپنے پاس بلایا:

با مژدہ اگر زود در آئی چہ شود ☆ پا تاختہ پیش از خبر آئی چہ شود
زود آمدنت نظر شوقم دیر است ☆ از زود اگر زود تر آئی چہ شود

اورنگ زیب آگرہ آیا تو شادی کی تاریخ مقرر ہوئی، نکاح ہونے سے ساڑھے تین مہینے پہلے ۲۹؍شعبان ۱۰۴۶ھ کو شاہ جہاں نے ساچق میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیے کے جواہرات قیمتی کپڑے اور اس کے ساتھ نقدی بھی شاہ نواز خاں صفوی کے گھر بھیجی، موسوی خاں صدر میر جملہ، میر بخشی، مکرمت خاں میر سامان اور دوسرے جلیل القدر امرا ساچق کے ساتھ گئے، کچھ بیگمات بھی گئیں، یہ تقریب جہاں آرا بیگم کے گھر منائی گئی، تین مہینے کے بعد ۱۵؍ذی الحجہ کو شاہ جہاں نے دس لاکھ روپیے اورنگ زیب کو شادی کے سامان کی تیاری کے لیے عطا کیے، پھر ۲۲؍ذی الحجہ کو شاہ نواز خاں صفوی کے یہاں سے حنا پورے شاہانہ جلوس کے ساتھ آئی، اس میں بھی امرا اور بیگمات شریک تھیں، راستہ میں آتش بازی چھوڑ کر جلوس کو بارونق کیا جا رہا تھا، حنا کے ساتھ شہزادے کے لیے قیمتی خلعت بھی تھا، پان، قند، مصری اور دوسری قسم کی مٹھائیوں اور عطریات کے خوان بھی تھے، ارباب طرب ونشاط کا گروہ بھی تھا، جن کے نغموں سے سرود وانبساط فضا پر چھایا ہوا تھا، دیوان خاص میں شہزادۂ اورنگ زیب کو مہندی لگائی گئی، اس وقت دولہن کے گھر سے جو خلعت آیا تھا، اس میں سے ایک معطر پوشاک شہزادہ زیب تن کیے ہوئے تھا، بیگمات نے مہدی لگائی اور جب وہ محل میں چلی گئیں تو مردوں کا اجتماع ہوا، جن میں یمین الدولہ اور دوسرے امرا شریک تھے، دولہن کے یہاں سے جتنی چیزیں آئی تھیں وہ سب پھیلا کر رکھدی گئی تھیں، جن کو امرا نے شوق سے دیکھا، ان کو پان اور مٹھائیاں دی گئیں، باہر سے نغمہ وسرود کی آواز برابر آ رہی تھی، آتش بازی بھی چھوڑی جا رہی تھی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیگمات یہ سارے تماشے پردوں کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، رات کو ایک شان دار ضیافت بھی ہوئی جس میں شہزادہ اورنگ زیب بھی شریک ہوا، دوسری شب کو نکاح ہوا، نجومیوں نے صبح ہونے سے چار گھڑی پہلے نیک ساعت بتائی تھی، اسی لیے اسی وقت نکاح پڑھایا گیا، اس سے پہلے شہزادہ مراد بخش اور یمین الدولہ دوسرے ممتاز امرا کے ساتھ اورنگ زیب کے یہاں گئے اور اس کو جمنا کے کنارے کے راستہ سے شاہ جہاں کے پاس محل میں لائے، اورنگ زیب کورنش بجالایا، جس کے صلہ میں شاہ جہاں نے اس کو حسب ذیل چیزیں دیں، چارقب طلا دوزی، دوموتیوں کے ہار، ایک مرصع جمدھر، پھول کٹارہ کے ساتھ ایک مرصع شمشیر (با پردملہ مُرصع) دو عربی و عراقی گھوڑے جن کے زین مینا کار اور مرصع تھے اور دو ہاتھی جن کی جھولیں مخمل اور زربفت کی تھیں، پھر شاہ جہاں نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر سہرا باندھا، جس میں قیمتی لعل اور زمرد تھے، شہزادہ نے شکر گزار ہو کر جھک جھک کر تسلیمات عرض کیے، اس کے بعد ایک جلوس شاہ نواز خاں کے یہاں روانہ ہوا، مراد بخش، یمین الدولہ اور دوسرے امرا ساتھ تھے، یہ جلوس خاص خاص راستوں سے گذرا، ساتھ ساتھ باجے بھی تھے، نغمہ وسرود کی آواز بھی بلند ہو رہی تھی، آتش بازی بھی چھوٹ رہی تھی اور جب یہ جلوس شاہ نواز خاں کے یہاں پہنچا تو اس نے خود اس کا خیر مقدم کیا، شاہ جہاں بھی کشتی کے ذریعہ وہاں پہنچا اور اس کی موجودگی میں قاضی نے نکاح پڑھایا، چار لاکھ مہر مقرر ہوئی، نکاح کے وقت شاہ نواز خاں خود موجود نہ تھا، کیوں کہ یہی رسم تھی کہ لڑکی کا باپ نکاح کے وقت موجود نہ ہو، نکاح کے بعد ہر طرف سے مبارکباد اور تہنیت کی صدائیں فضا میں گونجنے لگیں، باجوں کی آواز ہر طرف گونجنے لگی، ابوطالب کلیم نے اس موقع پر ایک قصیدہ بھی پڑھا، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

جہاں کردہ سامان بزم نشاطی ☆ کہ گلبانگ عیشش بہ گردوں رسیدہ
قران کردہ سعدین و زیں سان قرانی ☆ فرح خیز و فرخندہ دوراں ندیدہ
زپیوند ایں گل بن باغ دولت ☆ زمانہ گل عیش جا دید چیدہ
فلک رتبہ اورنگ زیب آنکہ ایزد ☆ سزا وار تائید غیبیش دیدہ
نہال برومند بستان دولت ☆ کہ اقبال در سایہ اش آرمیدہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرد بہر تاریخ تزویج گفتا ☆ دو گوہر بیک عقد دوراں کشیدہ

دوسری رات کو شاہنواز خاں نے داماد کو اٹھارہ قسم کے جواہرات، مرصع اسلحہ اور دوسری قیمتی چیزوں کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ دیے اور جب شہزادہ اورنگ زیب اپنی دولہن کے ساتھ گھر واپس آیا، تو شاہ جہاں اس کے یہاں گیا، بیٹے نے باپ پر بہت سے جواہرات نچھاور کیے، اس کے بعد طرح طرح کے جواہرات اور قیمتی کپڑے نذرانے میں دیے، پھر شاہ جہاں کے حکم سے یمین الدولہ کو خلعت اور ایک مرصع شمشیر دی گئی، اسی طرح علامہ افضل خاں، خان دوراں بہادر نصرت جنگ، سید خان جہاں اور دوسرے امرا کو خلعت دیے گئے اور سب نے جھک کر تسلیمات عرض کیے، اورنگ زیب تین مہینے تک آگرہ میں مقیم رہا، اس درمیان میں کچھ نہ کچھ تقریب ہوتی رہی۔(۱)

داراشکوہ کی شادی اور بھی زیادہ پرشکوہ طریقہ پر ہوئی تھی، ساچق بھیجنے میں دو لاکھ روپیے خرچ ہوئے، پھر شاہ جہاں نے جشن شادی کے لیے سولہ لاکھ روپیے دیے، جن میں سات لاکھ کے جواہرات خریدے گئے، چار لاکھ طلائی اور نقرئی سامانوں، عراقی، رومی، چینی، فرنگی مخمل، زربفت، زردوزی کے کپڑوں، فرش فروش، قالینوں، سائبانوں، ہاتھیوں اور قسم قسم کے گھوڑوں کی خریداری میں صرف ہوئے، چار لاکھ روپیے میں امرا اور بیگمات کے لیے خلعت تیار کیے گئے اور ایک لاکھ نقدی رکھی گئی، دولہن کے باپ کی طرف سے دس لاکھ روپیے صرف کیے گئے اور اسی طرح چھ لاکھ اور خرچ ہوئے، کل اخراجات ۳۲ لاکھ روپیے تھے اور ہر امیر اور محل کی ہر بیگم کو خلعت دیے گئے، اہل نغمہ کے علاوہ ہر نوکر چاکر انعام واکرام سے نوازا گیا۔(۲)

کفایت شعار اور متشرع اورنگ زیب نے بھی اپنے شہزادوں کی شادیاں خاندانی روایات کے مطابق کیں، عالم گیر نامہ میں ہے کہ شاہزادہ معظم کی شادی راجہ روپ سنگھ راٹھور کی لڑکی سے ہوئی، تو وہ نکاح سے پہلے ہی شاہی محل میں چلی آئی، اس وقت اورنگ زیب نے اس کو ایک لاکھ کے جواہرات اور سامان دیے، محل کی بیگمات نے بھی طرح طرح کے تحفے اور پوشاکیں پیش کیں اور جب نکاح کی نیک ساعت مقرر ہوئی تو اس کا جشن غسل خانہ (یعنی دیوان خاص) میں منایا گیا، اس

---

(۱) بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۷۰-۲۶۶۔ (۲) ایضاً جلد اول ص ۴۶۰-۴۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات دف، چنگ بربط بجانے والے اور ارباب نغمہ کی بڑی کثرت تھی، شہزادہ معظم اپنی قیام گاہ سے جمنا کے راستہ کشتی پر شاہی محل آیا اور شاہ برج میں اترا، جمنا کے دونوں کنارے چراغاں ہو رہا تھا، کشتیوں پر بھی روشنی ہو رہی تھی، رنگین فانوسوں کی فراوانی تھی، دریا کا پانی روشنی سے رنگین ہو رہا تھا، دریا کے ساحل پر آتش بازی چھوڑی جا رہی تھی، شہزادہ محل میں داخل ہوا تو اس کے جلو میں ممتاز امرا تھے، دف، نقارہ، کرنا، صفیر، نفیر، سرنا کے علاوہ گانے والے اور گانے والیاں بھی ساتھ تھیں اور جب غسل خانہ میں اجتماع ہوا تو ترانہ سنجوں کی آواز فضا میں گونج رہی تھی، شہزادہ نے باپ کو جھک کر سلام کیا، باپ نے موتیوں کا ایک سہرا اس کے سر پر باندھا، جس کی قیمت پچاس ہزار روپیہ تھی، پھر طرح طرح کے موتی، لعل، بازو بند، خنجر، جیغہ مرصع، ہاتھی، گھوڑے مع ساز و سامان کے دیے، پھر آتش بازی چھوڑی گئی جس سے دریائے جمنا کا پانی بالکل گل ریز اور گلشن ہو گیا، اس کے بعد قاضی عبدالوہاب نے نکاح پڑھایا تو مبارک باد کے غلغلہ کے ساتھ نغموں اور ترانوں سے فضا گونجنے لگی، اس کے بعد انعامات تقسیم ہوئے، انعام پانے والوں میں امرا سے لے کر کلاونت تک تھے،(۱) اس موقع پر محل اور دربار کی جو زینت و آرائش ہوتی ہوگی اس کا قیاس ناظرین خود کر سکتے ہیں، نہ صرف دربار اور محل کو آراستہ کیا جاتا بلکہ باہر راستوں میں بھی سنہرے اور روپہلے کپڑوں کا فرش بچھایا جاتا تھا۔(۲)

فرخ سیر کی شادی: ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۵ء) میں فرخ سیر کی شادی اجیت سنگھ راٹھور کی لڑکی سے ہوئی تو تمام دیرینہ شاہانہ روایات کی پابندی کی گئی، فرخ سیر کی ماں کی طرف سے دولہن کے گھر ساچق گیا، وہاں سے منہدی آئی، دیوان عام اور دیوان خاص دونوں سجائے گئے، محل کے چاروں طرف چراغاں کیا گیا، جمنا کے کنارے بھی طرح طرح کی روشنی کی گئی فرخ سیر محل سے دہلی دروازہ کی طرف نکلا تو بعض مغنیہ اس کے جلو میں گا رہی تھیں اور بعض رقاصہ رقص کر رہی تھیں، جا بجا آتش بازی چھوٹ رہی تھی، اجیت سنگھ کے یہاں فرخ سیر پہنچا تو وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے مراسم ادا کیے، ان کو ایک ایسا شربت پینے کو دیا گیا جس میں کیوڑا اور شکر کے ساتھ بھانگ بھی ملی تھی،

(۱) عالم گیر نامہ ص ۴۴-۶۳۹۔ (۲) مآثر عالم گیری ص ۷۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجپوتوں میں اسی قسم کے شربت پلانے کی رسم تھی، پھر ایک سونے کا طشت فرخ سیر کے سامنے پیش کیا گیا، جس میں پانچ خانے تھے، ایک میں ہیرا، دوسرے میں لعل، تیسرے میں زمرد، (......) چوتھے میں عقیق (......) اور پانچویں میں بڑے بڑے قیمتی موتی تھے، فرخ سیر رات کو دولہن لے کر محل واپس آیا، واپسی میں وہ لاہوری دروازہ سے محل میں داخل ہوا، کیوں کہ جس راستہ سے دولہا جاتا، اسی راستہ سے واپس آنا مبارک نہیں سمجھا جاتا، واپسی کے بعد مزید پندرہ دن تک شادی کا جشن جاری رہا، (۱) اجیت سنگھ نے اپنی لڑکی کو جہیز میں طرح طرح کے بیش قیمتی سامان دیے تھے، جس کی قیمت ایک کروڑ روپیے تھی۔ (۲)

دولہن کو نہ صرف سسرال کی طرف سے قیمتی پوشاک، زیورات اور جواہرات ملتے، بلکہ میکے کی طرف سے اس کو جہیز میں ہر طرح کے گھریلو سامان کے علاوہ جاگیریں نوکر چاکر اور خواصیں ملتیں، مغل بادشاہوں کی حکومت کے زوال کے زمانے میں محمد شاہ کی شہزادی حضرت بیگم کی شادی احمد شاہ درانی سے ہوئی تو اس کے ساتھ چار سو کنیزیں جہیز میں گئیں، (۳) ظاہر ہے کہ دورِ عروج میں اور بھی زیادہ کنیزیں جہیز میں دی جاتی ہوں گی، ترکی اور حبشی غلاموں کو جہیز میں دینے کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

دہلی اور آگرہ میں شادی بیاہ کے موقع پر جو تمدنی اور تہذیبی روایتیں قائم ہوئیں، ان کی تقلید صوبوں کے والی ناظم اور حکمراں بھی کرتے رہے، مثلاً بنگال میں سراج الدولہ کی شادی ہوئی تو دو ہزار خلعت امرا، رفقا اور ارباب نشاط میں تقسیم کیے گئے جو سو روپیے سے ایک ہزار روپیے تک تھے اور بعض لوگوں کو ان کے رتبے کے مطابق جواہرات بھی دیئے گئے، ایک مہینہ تک دعوتیں ہوتی رہیں، جن میں ادنیٰ اور اعلا سب ہی شریک ہوئے، گھروں میں تورے (خوان) بھی بھیجے گئے، ہر تورہ میں جو کھانا ہوتا، اس کی لاگت پچیس روپیے سے کم نہ ہوتی، اس طرح کے ہزاروں تورے گھر گھر تقسیم ہوئے، روشنی اور آتش بازی کا بھی سامان تھا، جس سے پورا مرشد آباد فردوس بریں بن گیا تھا (۴)

---

(۱) لیٹر موغلز جلد اول از ولیم اروِن ص ۳۰۵ (۲) منتخب اللباب از خافی خاں جلد دوم ص ۸۳۳ و لیٹر موغلز جلد دوم از ولیم اروِن ص ۴۲۹ (۳) فال آف دی مغل امپائر از جدوناتھ سرکار جلد دوم ص ۹۲ (۴) سیر المتاخرین جلد دوم ص ۵۲-۵۵۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے دورِ زوال میں یہ تکلفات اور بھی بڑھتے گئے، جن کی تقلید امرا بھی کرتے رہے، مثنوی سحر البیان میں شہزادہ بے نظیر کی شادی بیاہ کی جو تفصیل لکھی گئی ہے وہ محض خیالی اور فرضی نہیں، بلکہ سلاطین اور امرا کے یہاں جو واقعی تمام باتیں ہوا کرتی تھیں، ان ہی کی صحیح مرقع آرائی ہے، بارات کی روانگی اس طرح دکھائی گئی ہے۔

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار ☆ بجے شادیانے بہم ایک بار
وہ دولہا کے اٹھتے ہی اک غل پڑا ☆ لگا دیکھنے اٹھ کے چھوٹا بڑا
کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا ☆ کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا
لگا کہنے کوئی ادھر آئیو ☆ ارے رتھ شتابی مری لائیو
کسی کو کسی نے پکارا کہیں ☆ نہ لانے پہ میانے کے مارا کہیں
کوئی پالکی میں چلا ہو سوار ☆ پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار
جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں ☆ کوئی مانگے تانگے پہ بیٹھا کہیں
سپر اور قبضے کھڑکنے لگے ☆ سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے

اور جب بارات روانہ ہوتی تو ہر قسم کے باجے بجنے لگتے۔

ٹکورے وہ نوبت کے اور ان کے بعد ☆ گرجنا وہ دھونسوں کا مانند رعد
وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں ☆ جنھیں گوش زہرہ مفصل سنیں
وہ طبلوں کا بجنا اور ان کی صدا ☆ یہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا
براتی ادھر اور ادھر جوق جوق ☆ وہ آواز قرنا وہ آواز بوق

اور جب دولہا جواہر نگار سہرا ڈالے گھوڑے پر آگے بڑھتا تو اس کا راستہ روشنی سے جگمگاتا رہتا۔

وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار ☆ وہ موتی کا سہرا جواہر نگار
ٹھٹھک کر وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل ☆ ہما کے وہ دونوں طرف مورچھل
وہ فانوسیں، آگے زمرد نگار ☆ کہ ہو سبز مینا جنھوں پر نثار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے ☆ پتنگے خوشی سے غزل خواں ہوئے
ہوا دن جو روشن چراغاں سے ☆ پڑھے شعر نوری کے دیواں سے
چراغوں کے تر پولئے جا بجا ☆ اور ان میں وہ بازاریوں کی صدا
تماشائیوں کا جدا ایک ہجوم ☆ پتنگے گریں جوں چراغوں پہ جھوم
وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے ☆ وہ ہاتھی کہ وہ دیو تھے جنگ کے
وہ ابرق کی ٹٹی وہ مینے کی جھاڑ ☆ کہے تو کہ تنکے کی، اوجھل پہاڑ
دو رستہ برابر برابر وہ تخت ☆ کسی پر کنول اور کسی پر درخت
وہ رنگیں درخت اور وہ شمع و چراغ ☆ کھلے جس طرح لالۂ نور باغ
جہاں تک نظر آوے ان کی قطار ☆ طلسمات کی سی ہوا پر بہار
سراسروہ ہر طرف مشعل کے جھاڑ ☆ کہ جوں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ
زری پوش سردار سب یک دگر ☆ پھریں برق کی طرح اِدھر اُدھر
کہے تو کہ نزدیک اور دور سے ☆ زمین وزماں بھر گیا نور سے

راستہ میں آتش بازی بھی چھوڑی جاتی، اس کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے:

اناروں کا دغنا تپنچے کا زور ☆ ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور
اڑایا ستاروں کے جو آگ نے ☆ تو ہاتھی لگے بن ہلے بھاگنے
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار ☆ ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار
دھواں چھپ گیا نور میں نور ہو ☆ سیاہی اڑی شب کی کافور ہو

اور جب جلوس دولہن کے گھر پہنچتا تو وہاں کی تصویر اس طرح کھینچی گئی ہے:

جب آئی وہ دولہن کے گھر پر برات ☆ کہوں واں کے عالم کی کیا تم سے بات
ہوا ان کی صحبت کی رشک بہشت ☆ دھرے لخلخے گرد عنبر سرشت
کھڑے بادلوں کے وہ خیمے بلند ☆ کریں عالم نور جس کو پسند
عجب مسند اک جگمگی اور فرش ☆ تمامی کے عالم کا چوکور فرش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلوریں دھرے شمع داں بے شمار ☆ چڑھی بتیاں موم کی چار چار
نئے رنگ کے اور نئے طور کے ☆ دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت تھی بس ☆ ملے ایک سے ایک سب پیش و پس
دوزانو زری پوش بیٹھے تمام ☆ شراب خوشی کے کیے نوش جام
وہ دولھا کا مسند پہ جا بیٹھنا ☆ برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا

اس کے رقص وسرود کی بھی مرقع آرائی ہے، جس میں راگ اور ناچ دکھایا گیا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:

وہ شادی کی مجلس وہ گانے کا رنگ ☆ وہ جی کی خوشی اور وہ دل کی ترنگ

پھر محل کے اندر کی چہل پہل دکھائی گئی ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ حسین سمدھنیوں کا استقبال کس طرح ہوتا:

ادھر کا تو یہ رنگ تھا اور یہ راگ ☆ محل میں ادھر تو ریان اور سہاگ
وہ گہری سی شادی مبارک وہ ڈھول ☆ وہ ٹونے سلونے وہ میٹھے سے بول
اترنے کی واں سمدھنوں کی پھبن ☆ کھلیں پھول جیسے چمن در چمن
گلے میں پہننا وہ ہنس ہنس کے ہار ☆ سٹاسٹ وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار
دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ ☆ وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کی چاؤ
ہنسی شور وغل قہقہے تالیاں ☆ سہانی سہانی نئی گالیاں

دعوتیں: اوپر کے بیان سے ظاہر ہوگا کہ شادی کے موقع پر ایک ایک مہینہ تک دعوتیں ہوتی رہتیں تھیں، ان شاہانہ دعوتوں میں جو کھانے ہوتے، ان کا اندازہ باب خوردونوش سے ہوگا، اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفر کے دورِ زوال میں عام طور سے دوستوں اور عزیزوں کے گھروں میں جو تورہ بھیجا جاتا، ان میں حسب ذیل چیزیں ہوتیں۔

۱- ڈھائی سیر پختہ وزن کی دو عدد باقر خانیاں، ۲- دو پیالے قورمے، ہر پیالہ میں کم سے کم آدھ سیر ہوتا، ۳- شامی کباب پانچ عدد، ۴- بریانی دو طباق، ۵- متنجن دو طباق، ۶- فرنی دو پیالے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر پیالہ میں آدھ سیر، ۷- آم کا مربہ ایک پیالی، ۸- کئی قسم کے اچار، ۹- دہی ایک پیالہ جس میں کم از کم آدھ سیر ہوتا، ۱۰- گاؤ زبان دو عدد، ۱۱- گاؤ دیدہ، ۱۲- نان تنوری یعنی آبی روٹی دو سیر کی چار عدد، یہ سب چیزیں مانڈوں سے ڈھکی ہوتی تھیں، مانڈہ باریک چپاتی کو کہتے تھے، ایک تورہ ایک کہار کی بہنگی میں بھیجا جاتا، بہنگی پر لکڑی کا رنگین خوان ہوتا، خوان میں مٹی کے لاکھی برتن ہوتے، بادشاہوں کے یہاں کے تورے اور بھی پر تکلف ہوتے، چاندی اور چینی کے برتنوں میں بھیجے جاتے تھے، ان میں کھانے کی مختلف چیزوں کی اتنی فراوانی ہوتی تھی کہ جہاں بھیجی جاتی تھیں، وہاں کا صحن بھر جاتا تھا۔

سرود ونغمہ: شادی بیاہ کے موقع پر گانا بجانا ہندوستانی روایت کے مطابق ضرور ہوتا، مغنی، مغنیہ اور دوسرے ارباب نشاط کا ذکر بابِ موسیقی میں آئے گا، گیت راگ میں محل کی خاص خاص عورتیں بھی شریک ہوتیں، ان میں عام طور سے ہندی گیت ہی گائے جاتے اور اس کا رواج سلاطین دہلی کے زمانہ ہی سے ہو گیا تھا، خود امیر خسرو نے بہت سے گیت لکھے اور ان کے بابل تو اب تک گائے جاتے ہیں، عام طور سے جو گیت رائج تھے، ان میں سے کچھ یہ ہیں، بارات کے وقت دولہا پہلی دفعہ دولہن کے گھر جاتا ہے تو اس کے ساتھ کی عورتیں یہ گیت گاتی ہیں:

سر بنے کے سونے کا سہرا
لڑیاں لگے ہیرے لال بنے کو میں جانے نہ دوں گی
ساسو جوگنیاں کے دیس بنے کو میں جانے نہ دوں گی
اپنے ہزریا لال بنے کو میں جانے نہ دوں گی
گہری ندی کے پار بنے کو میں جانے نہ دوں گی

اس وقت دولہن کی طرف سے یہ گیت گائے جاتے ہیں:

لاڈو تیرا ٹیکہ ہوا گلزار اے حرمیا کو بنہیاں پکڑ گھر لاؤ
میاں بندرے کو بنہیاں پکڑ گھر لاؤ

دولہن کی رخصتی کے وقت کے گیت بہت ہی پر درد ہوتے ہیں، بابل کا نمونہ یہ ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تورے بابل ساون کی چڑیا
دانہ چگے اڑ جائے رے سن بابل مورے
بھیا کو دیہو بابا اونچی رے اٹریا
ہم کو بیاہیوں بدیس سن بابل مورے

عورتیں دولہن کو رخصت کرتی ہیں تو اس کی طرف سے گاتی ہیں:

جا جگ جگ جئے میرا بھیا بیرن بھیا جی
بھیا اماں کا سنگ متی چھوڑیو کہ ہم بڑی دور بسے ہیں
ایک کوس گئے دو یئے کوس گئے ارے تیسرے میں
پردا اٹھائی جب دیکھا نیہروا بڑی دور بسے جی
بھیا اماں کا سنگ متی چھوڑیوں کہ ہم بڑی دور بسے جی

شادی بیاہ میں ہندوستانی اثرات: اوپر جتنی رسمیں لکھی گئی ہیں، ان میں بہت سی اب بھی اعلا اور ادنیٰ گھروں کے شادی بیاہ میں حسب ذیل حیثیت جاری ہیں اور یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ شاہی خاندان والوں نے شادی کی مقامی رسموں پر شاہانہ رنگ چڑھا دیا یا شاہی محل میں جو رسمیں ادا ہوتی رہیں، ان ہی کی نقلیں عام معاشرت میں بھی کی گئیں لیکن اوپر ساچق کا جو لفظ آیا ہے وہ ترکی ہے، ممکن ہے کہ ساچق کی رسم کو ترک یا مغل اپنے ساتھ لائے ہوں لیکن ہندی میں اس کے لیے بَری کا لفظ موجود ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ رسم یہاں بھی تھی، مغلیہ دور کے مورخین نے تفصیل سے یہ نہیں لکھا ہے کہ ساچق میں کیا کیا چیزیں جاتی تھیں لیکن عام طور سے جو چیزیں جاتی رہیں، ان میں دولہن کے ریشمی زری اور کارچوبی کے جوڑے ہوتے، جو گیارہ کشتیوں اور سینیوں میں سجا کر بھیجے جاتے، مقیش کا سہرا اور پھولوں کے گہنے بھی ہوتے، سہاگ پڑا میں دولہن کے سنگار کا سامان ہوتا، یہ سہاگ پڑا مندر کی شکل کا بنایا جاتا، شکر اور مٹھائیوں کے ساتھ میوے بھی ہوتے، جو رنگین سر بند مٹکیوں میں بند رہتے، ان کو چوگھڑے میں رکھا جاتا، جو بانس اور رنگین کاغذوں سے بنائے جاتے، یہ مٹکیاں کم سے کم ۵۲ ہوتیں اور امارت کی شان دکھانے کے لیے دو دو سو بھی بھیجی جاتیں، ان میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکر، چھوہارے، ناریل، کشمش، بادام اور کوزۂ نبات ہوتے، تمام مٹکیوں پر سوہے کا کپڑا نارے سے بندھا ہوتا، یہ مٹکیاں عام طور سے مٹی کی ہوتیں لیکن متمول خاندانوں کے لوگ تانبے اور چاندی کی ٹھلیاں بھی بھیجتے اور جو تانبے اور چاندی کی ٹھلیاں نہ بھیج سکتے، وہ کم از کم ایک چاندی کی مٹکی ضرور بھیجتے، جس میں شگون کی خاطر دہی بھرا رہتا اور مچھلیاں بھی بندھی رہتیں، یہ چیزیں دولہن کے گھر پہنچتیں تو اعزہ و اقربا کے یہاں تقسیم ہوتیں، یہ ساری چیزیں ہندوؤں کے شادی بیاہ میں رائج رہیں، جن کو شاہی خاندان والوں کے ساتھ عام مسلمانوں نے بھی قبول کیا۔

دولہن کی طرف سے دولہا کے یہاں حنا بھیجنے کی رسم عربی اور ایرانی ہے لیکن ہندوستان میں بھی مہندی لگانے کی رسم رہی، مہندی کے ساتھ دولہا کے لیے جوڑے بھی بھیجے جاتے، جن کو پہن کر وہ دولہن کے گھر آتا، یہ رسم اب بھی جاری ہے، متمول خاندانوں میں پسی ہوئی مہندی بہت سے طباقوں میں پھیلا کر بھیجی جاتی اور ان پر سبز اور سرخ شمعیں روشن کردی جاتیں، جس سے جلوس میں بڑی رنگارنگی پیدا ہو جاتی، دولہا کے لیے سونے کا سہرا بھی اسی کے ساتھ بھیجا جاتا، سہرا خالص ہندوستانی چیز ہے۔

برات کے ساتھ ڈھول، باجے، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، نٹ، بھانڈ، رقص و سرود، آتش بازی وغیرہ کا ہونا بھی خاص ہندوستانی چیز ہے، جو مسلمانوں کی معاشرت میں جاری ہوئی، اوپر جو تفصیل لکھی گئی ہے، اس میں شاہی محل کے اندر بیگمات جو رسمیں ادا کرتیں، ان کی تفصیل زیادہ نہیں لیکن نکاح سے کچھ دن پہلے دولہن مانجھے میں بٹھائی جاتی اور اس کو زرد جوڑا پہنایا جاتا جو وہ رونمائی تک پہنے رہتی، اس کو مہندی لگائی جاتی تو اس کی جھوٹی مہندی دولہا کے گھر بھیجی جاتی، اس کے ساتھ مٹھائیاں بھی ہوتیں، جو دولہن کے گھر کی کمسن لڑکیاں دولہا کے یہاں جا کر اس کو کھلاتیں اور وہ بھی مانجھے میں بٹھایا جاتا، ٹھیک برات کے روز دلہن نہلائی جاتی، ایک تخت پر پان بچھایا جاتا اور اسی پان پر بیٹھ کر دلہن نہاتی، پھر اسی پان کے بیڑے بنتے جو دولہا کو کھلایا جاتا، دولہا جب دلہن کے گھر آتا تو طرح طرح کی رسمیں ادا ہوتیں، اس کے ساتھ عورتیں جاتیں جو سمدھنیں کہلاتیں، ان کی پیشوائی دولہن کے گھر کی عورتیں اور لونڈیاں گیتوں میں طرح طرح کی گالیاں دے کر کرتیں، برات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دروازہ پر آتی تو دولہا دولہن کے گھر شربت پینے کے لیے آتا، جب وہ گھر کے اندر داخل ہوتا تو عورتیں ایک سوپ میں چراغ جلا کر پان رکھتیں اور ان میں سے کوئی ایک عورت دولہا کے راستہ میں پان ڈالتی جاتی، دولہا اس کو جھک جھک کر اٹھاتا اور سوپ میں رکھتا جاتا، اس طرح وہ شامیانہ کے نیچے ایک تخت پر لا کر کھڑا کیا جاتا، جہاں چاندی کے گلاس میں دولہن کے گھر کی معزز ترین عورت شربت پیش کرتی، پھر باری باری عورتیں آ کر اس کی بلائیں لیتیں اور سوپ والے پان سے اس کے گال سینکتیں، گال سینکتے وقت دولہا سر جھکا لیتا جس کے یہ معنی لیے جاتے کہ وہ اپنی دولہن کے سامنے اسی طرح جھکا رہے گا اس کے بعد وہ باہر چلا جاتا، دوسرے دن دولہن سنواری جاتی، اس کو سسرال کے کپڑے پہنائے جاتے، پھر اس کی چوٹی گوندھی جاتی، مانگ کے دائیں طرف گیارہ اور بائیں طرف دس مہریاں لال ناروں سے گوندھی جاتیں، اس طرح اکیس چوٹیاں ہوتیں، پھر دولہن پھولوں اور عطروں سے باس دی جاتی، اس کے سر پر سہرا باندھ دیا جاتا، رات کو دولہا پھر گھر آتا، دولہن اس کے سامنے لا کر بٹھائی جاتی، عورتیں پانوں کے اکیس بیڑے گیت گا گا کر دولہا کو کھلاتیں، پھر دولہن کے ہاتھ پر مصری رکھ دی جاتی اور دولہا کو کھانے کو کہا جاتا، پھر دولہن کے جلوے سات بار دکھائے جاتے، اس کے بعد اس کی رونمائی ہوتی، سالیاں گیند کھیلتیں، دولہا سے دولہن کا غلام بنے رہنے کے وعدے لیے جاتے، پھر دولہا اور دولہن کو حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا جاتا، صبح کو دولہن دولہا کے گھر رخصت کر دی جاتی، شادی کے چوتھے روز دولہا دولہن کے گھر واپس آتا، تو عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر چوتھی کھیلتا اور دولہن کے ہاتھ میں کنگن باندھتا، اس قسم کی ساری رسمیں جو مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے انجام پاتیں، ہندو معاشرت سے مسلمانوں کے یہاں داخل ہوئیں۔

خالص اسلامی طرز کی شادی میں یہ ہوتا کہ دو گواہوں کے سامنے دولہا اور دولہن کی طرف سے ایجاب و قبول ہوتا، مہر طے ہوتا اور پھر طعام ولیمہ ہوتا جس کا ہونا ضروری نہیں لیکن گزشتہ صفحات سے اندازہ ہوگا کہ سلطان علاء الدین خلجی ہی کے زمانے سے مسلمانوں کے شادی بیاہ میں ہندوستانی اثرات ظاہر ہونے لگے تھے، جو رفتہ رفتہ بڑھتے گئے، مغلوں کے عہد میں راجپوت شہزادیاں حرم میں داخل ہوئیں، تو ان کی وجہ سے ہندوستانی رسمیں اور بھی زیادہ بڑھتی گئیں لیکن شاہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محل میں نور جہاں اور اس کے خاندان کے اثرات بڑھے تو ان رسموں میں ایرانی لطافت اور نفاست سے ایک خاص قسم کا نکھار پیدا ہوتا گیا، عام لوگوں کے شادی بیاہ میں بھی نظر آنے لگا اور رفتہ رفتہ ان تمدنی تکلفات میں ایسی افراتفری پیدا ہوتی گئی کہ علما کو ان کے خلاف احتجاج کرنا پڑا،(۱) لیکن مسلمانوں کی معاشرت میں یہ چیزیں ایسی سرایت کر گئی تھیں کہ علما کے وعظ و تلقین کے باوجود اب تک جاری ہیں۔

☆☆☆

(۱) تقویۃ الایمان از حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ص ۶۱-۲۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موسیقی

موسیقی اور علما و صوفیہ: اسلام کے مفتیوں اور فقیہوں کے نزدیک مزامیر کے ساتھ موسیقی جائز نہیں، علما کا ایک گروہ تو صوفیوں کی مجلس سماع کو بھی ناجائز قرار دیتا رہا لیکن چشتیہ، سہروردیہ اور فردوسیہ سلسلہ کے صوفیۂ کرام اپنے یہاں سماع کی مجلسیں برابر منعقد کراتے رہے، چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں تو سماع کا ذوق اتنا بڑھ گیا تھا کہ مجلس سماع ان کے یہاں راہِ طریقت کا ایک اہم جز بن گئی تھی، دلیل العارفین میں ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی پر محفل سماع میں غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی کی خانقاہ میں مقیم تھے، وہاں کی مجلس سماع میں قوالوں نے ان دو شعروں کو گایا:

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود ☆ و زیاد محبت خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیراں ماند ☆ نام تو درونِ سینہ و گوش بود

تو حضرت خواجہ کئی روز تک بیہوش رہے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات سماع ہی کی بدولت ہوئی، فوائد السالکین میں ہے کہ ایک بار شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ گانا شروع کیا اور جب یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجر تسلیم را ☆ ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

تو حضرت قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور اسی حالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

راحت القلوب میں ہے کہ ایک بار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی ایک مجلس میں یہ غزل شروع کی گئی:

ملامت کردن اندر عاشقی راست ☆ ملامت کے کند آں کس کہ بینا ست

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد ☆ نشانِ عاشقی از دور پیداست
نظامی تا توانی پارسا باش ☆ کہ نور پارسائی شمع دلہا ست

تو بابا گنج شکر پر بے قراری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی جو اتنی بڑھی کہ سات دن اور سات رات سکر کا عالم رہا لیکن اس کے باوجود علما، صوفیہ کے اس شغل پر اعتراض کرتے رہے، ایک بار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے سامنے علما کے اعتراض کا ذکر آیا تو فرمایا کہ سبحان اللہ کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف میں ہی ہوں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ سماع ان ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں بھی ان کے سر پر ماری جائیں، یا ایک ہزار فرشتے بھی ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو لیکن علما ان باتوں سے مطمئن نہ ہوتے اور وہ صوفیہ سے سماع کے مسئلہ پر برابر الجھتے رہے، شمس الدین ایلتتمش کے زمانے میں خواجہ حمید الدین ناگوریؒ سماع کے بڑے دلدادہ تھے، ان کی وجہ سے جا بجا مجلسیں سماع برابر ہوتی رہتی، سلطان ایلتتمش کے دربار کے مفتیوں نے اس سے اس کے سد باب کرنے کی درخواست کی، سلطان نے ان سے تدبیر پوچھی تو انہوں نے قاضی حمید الدینؒ کو محضر میں طلب کرنے کا مشورہ دیا، سلطان نے ان کی بات مان لی، محضر دربار ہی میں منعقد ہوا، بحث شروع ہوئی تو خواجہ حمید الدین ناگوریؒ نے مفتیوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا:

حرام است بر سامع اہل قال ☆ مباح است بر سامع اہل حال

اس بحث سے ایلتتمش تو قائل ہو گیا لیکن علما کا ایک گروہ اس کا مخالف رہا لیکن ان کی مخالفت کے باوجود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے یہاں سماع کی مجلسیں برابر ہوتی رہتیں اور ان پر وجد کی ایسی کیفیات طاری رہتیں کہ راہِ طریقت کی اکثر کٹھن منزلیں اسی کے ذریعہ طے ہو جاتیں، فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرمایا کرتے تھے کہ سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں ۱- انوار ۲- احوال ۳- آثار اور یہ تین عالموں سے نازل ہوتی ہیں ۱- ملک ۲- جبروت ۳- ملکوت اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں ۱- ملک ۲- قلوب ۳- جوارح، انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں، انوار پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں، آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے لیکن ان روحانی تاویلات کو علما تسلیم نہیں کرتے اور وہ سماع کی حلت وحرمت پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے اتنا الجھے کہ ان کو بھی سلطان غیاث الدین تغلق کے سامنے ایک محضر میں حاضر ہوکر اپنے مذہبی عقائد کی وضاحت کرنی پڑی، اس محضر کے حکم مولانا علم الدین نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے دلائل کو سن کر سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا لیکن علما پھر بھی مطمئن نہ تھے، صوفیہ بھی ان کے اعتراضات کو نظر انداز کر کے اپنے یہاں مجلس سماع بڑے آداب کے ساتھ منعقد کرتے رہے اور وہ آداب یہ تھے کہ مجلس سماع کے لیے ایک علاحدہ مکان ہو، ارباب دنیا، امرا کے لڑکے، بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں، یہاں شرکا غسل کر کے باوضو آئیں، گانے والوں پر نظر نہ رکھیں، ان کی موسیقی پر دھیان نہ دیں، اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں، زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو بھی اس سے پرہیز کریں، اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، مزامیر بھی نہ ہوں لیکن عملی طور سے ان آداب کی پابندی کم کی جاتی، مزامیر تو مجلسوں میں ضرور ہوتے، فوائد الفواد (۲۲۷) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور سے دف چغانہ، چنگ اور رباب استعمال کیے جاتے۔

صوفیائے کرام کا میل جول ہندوستان کے باشندوں سے زیادہ بڑھا تو ان کی مجلسوں میں ہندی دوہے بھی گائے جانے لگے، جو رفتہ رفتہ اس قدر مقبول ہوئے کہ خود صوفیائے کرام نے دوہے کہنے شروع کیے، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت عبدالحق رودولوی اور حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے دوہے مشہور ہیں، حضرت عبدالقدوسؒ کا ایک دوہہ یہ ہے، وہ دوہے میں الکھ داس تخلص کرتے تھے:

دھن کا رن پی آپ سنوارا ☆ بن دھن سکھی کنت کنھارا
شہ کھیلے دھن ما نہیں ایوان ☆ باس پھول میں اچھے جیوان
کیوں نہ کھیلوں تجھ سنگ م ہین میتا ☆ مجھ کان تین اتیار کنیا
الکھ داس اکھے سن سوئی ☆ سوئی پاک ارتھ پہن سوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہندی دوہے ہندی راگ میں گائے جاتے اور وہ خود صوفیہ کو اتنے پسند تھے کہ ان کی مجلسوں میں نہ صرف عام ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے خود بھی کچھ راگ اختراع کیے تھے، راگ درپن (مؤلفہ فقیر اللہ سیف خاں) میں ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے دھناسری، ٹوری اور مالسری کو مخلوط کر کے ملتانی دھناسری ایجاد کیا، جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اپنی محفلوں میں بہت پسند کرتے تھے۔

سلاطین دہلی اور موسیقی: سلاطین دہلی کے دور میں علما متفقہ طور پر مزامیر کو حرام قرار دیتے رہے لیکن کچھ علما ایسے بھی تھے جو آلاتِ غنا کے ساتھ غنا کو بھی ناجائز سمجھتے مگر ان کی مخالفت کے باوجود مزامیر کے ساتھ موسیقی دربار اور عام معاشرت میں مقبول رہی۔

ایلتتمش کا جانشین رکن الدین فیروز شاہ اپنے دربار کے ارباب طرب وعشرت کے ساتھ کچھ ایسا مشغول رہنے لگا کہ پھر اس کو اپنی سلطنت کے اور معاملات سے کوئی سروکار نہ رہا، (تاریخ مبارک شاہی ص ۲۱) غیاث الدین بلبن ایک سخت بیماری کے بعد اچھا ہوا تو خوشی میں گانے بجانے کی مجلسیں بھی منعقد کی گئیں، حالاں کہ بلبن کا مزاج مذہبی واقع ہوا تھا۔ (مبارک شاہی ص ۴۱) اس کے دربار سے ارباب طرب کو وظائف بھی ملتے تھے، جشن نوروز میں مطرب دربار میں آ کر اپنے نغموں کی داد ضرور لیتے (تاریخ فرشتہ، جلد اول ص ۷۸) معز الدین کیقباد کے دربار میں گویّوں کی اتنی قدر ہوئی کہ وہ اور لوگوں کو مشکل سے دستیاب ہوتے تھے، (تاریخ فرشتہ ص ۸۴) اسی سلسلہ میں ضیاء الدین برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ سلطان کی مجلس میں ماہر مطرب اور پُرکار استاذ شریک ہوتے اور ہندی و پارسی راگ ملا کر سلطان کی مدح میں قول، غزل، حب (؟) اور کیلانی (؟) گاتے (ص ۱۵۷) سلطان کیقباد نے موسیقی کی مجلسوں میں کچھ ایسی بے اعتدالی اور بے راہ روی دکھائی کہ لوگ موسیقی کو رندی، بوالہوسی اور سرمستی کا ذریعہ سمجھنے لگے، اس دور کے مشہور مورّخ ضیاء الدین موسیقی کے خلاف اپنی کراہت کا اظہار برابر کرتے رہے لیکن اپنے شباب کے زمانے کی مجلسوں کو یاد کر کے ان کا قلم بے قابو ہو جاتا ہے، چنانچہ جلال الدین خلجی کے عہد کی مجلس نشاط کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''سلطان کی مجلسوں میں محمد چنگ بجاتا، فتو حادختر فقاعی اور نصرت خاتون گاتیں، اس طرح کہ ان کی آواز سن کر ہوا سے پرندے گر جاتے اور سننے والوں کے ہوش جاتے رہتے، دل تڑپنے لگتے، روح بے قابو ہو جاتی، نصرت بی بی اور مہر افروز غضب کا حسن رکھتی تھیں، جہاں ہوتیں اپنے کرشموں اور غمزوں کا اظہار کرتیں، سلطان کی مجلس میں جب رقص کرتیں تو جواُن کے کرشمے اور ناز کو دیکھتا اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو جاتا،...... سلطان کی مجلس ایسی تھی کہ خواب میں بھی نہیں دیکھی جاسکتی تھی۔'' (تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۹۹)

امیر خسرو نے علاء الدین خلجی کے لڑکے خضر خاں کی شادی کے موقع پر رقص و سرود کی تصویر نی مثنوی دولرانی میں اس طرح کھینچی ہے:

پری رویانِ ہندی جادوے ساز ☆ زلب کردہ درِ دیوانگی باز
لباس دیوگری شان تنگ دام ☆ پری را سایہ بگرفتہ در اندام
گرفتہ چوں پیالہ تال در دست ☆ نہ از مے کز سرود خویشتن مست
سرود دلکش از لب ہائے خوباں ☆ شتاباں سوئے گردوں پائے کویاں
برقص وجست خوبانِ ہوا باز ☆ نہادہ پائے بر بالائے آواز
پرندہ ہمچو طاؤسانِ والا ☆ معلق زن کبوتر ساں بბالا
بجستن فرق شاں گشتہ فلک سائے ☆ بگاہِ رقص بیزار از زمیں پائے
عرق کز روئے برطناز می ریخت ☆ کرشمہ می چکید وناز می ریخت

علما سے متاثر ہو کر سلطان غیاث الدین تغلق نے موسیقی کو اپنے دربار حتی کہ اپنی سلطنت میں ممنوع قرار دے دیا تھا اور صوفیہ کی مجلس سماع کے خلاف بھی ایک عام شاہی حکم جاری کر دیا تھا لیکن صوفیۂ کرام جن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ بھی تھے، سماع کے جائز ہونے کے قائل رہے، سی زمانہ میں مولانا فخر الدین زرادی نے تو سماع کی موافقت میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا لیکن سلطان محمد بن تغلق کے زمانہ میں موسیقی پر قدغن نہیں رہی، اس کے دربار میں گویوں اور سازندوں کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک طائفہ رہا کرتا تھا، یہ لوگ ارباب نشاط کہلاتے تھے، اُن کے لیے ایک نگراں داروغۂ ارباب نشاط کے نام سے مقرر تھا، محمد بن تغلق کے شاہی محل کے پہلے دروازہ پر نفیری، نقارے اور سرناوالے بیٹھے رہتے، جس وقت کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا تو وہ نقارہ اور نفیری بجانا شروع کر دیتے، وہ اپنے فن میں اس قدر ماہر ہوتے کہ بجانے میں یہ آواز نکالتے کہ فلاں شخص آیا ہے (سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۹۹) شادی بیاہ کی تقریب کے موقع پر مطربوں اور طوائفوں کا ناچ گانا بھی ہوتا اور محل کے اندر دُلہن کے پاس عورتیں ناچتیں اور گاتیں۔ (سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۱۳۳) سکندر لودی میں بڑی مذہبی راسخ العقیدگی تھی لیکن موسیقی کے سلسلہ میں وہ اپنے راسخ عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکا نغمہ ساز کے ساتھ سنا کرتا تھا، تاریخ داؤدی میں ہے کہ اس کے یہاں چار غلام تھے، ایک چنگ دوسرا قانون، تیسرا دنیا اور چوتھا طنبورہ بجانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا، اسی طرح اس کے یہاں سرنائی اور نوبت بجانے کے ماہرین تھے، اس کو ذاتی طور پر حسینی کانہڑا، کیدار، مالی گورہ اور کلیان راگنیاں پسند تھیں، اسی کے ایک درباری میاں بھوہ نے اپنے ایک دوست حماد سے ہندوستانی موسیقی پر ایک رسالہ لکھوایا جو سکندر لودی کے نام سے معنون ہوا، اس رسالہ کا ایک نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

فن کی ترقی: سلاطین کی سرپرستی سے موسیقی کے فن کو بڑی ترقی ہوتی گی، مسلمان ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ بہت سے باجے مثلاً قانون، عود، قنبورا اور کمان جاہ وغیرہ ساتھ لائے، یہ سب تار والے ساز تھے، منہ سے بجانے والے باجوں میں بق، نے اور سرنا ان ہی کے لائے ہوئے ہیں، نقارہ سنج، دف، طبل اور نوبت بھی ان ہی کی وجہ سے ہندوستان میں رائج ہوئے۔

ایران اور عرب کی موسیقی میں عشاق، نوروز، مبارکہ کرشمہ، بیعت، عراق، نیشاپور زنگلہ، چہارگاہ، پیدا ازل، اشیران، رہوائے، زنگلۂ حجاز اور گوشۂ ازل جیسے راگ اور راگنیاں بہت مقبول رہیں، ایرانی راگ کی بارہ قسمیں ایک رباعی میں اس طرح قلم بند کی گئی ہیں:

راست[1]، عشاق[2]، بوسلیک[3] بساز ☆ نوا[4]، اصفہاں[5] بزرگ[6] نواز
کوچک[7] استاد، عراق[8]، زنگولہ[9] ☆ پس حسینی[10] و رہوائے[11] و حجاز[12]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بارہ قسمیں آسمان کے بارہ برجوں کے لحاظ سے رکھی گئی ہیں۔

۱- راست: دوپہر کو گایا جاتا۔

۲- عشاق: ایک پہر دن رہنے سے شام تک گایا جاتا۔

۳- بوسلیک: ایک پہر دن ڈھلنے سے ایک پہر دن رہنے تک۔

۴- نوا: آدھی رات کے جانے تک۔

۵- اصفہان: آدھی رات سے صبح صادق تک۔

۶- بزرگ: آدھی رات سے پہلے تک۔

۷- کوچک: دوپہر سے ایک پہر دن ڈھلنے تک۔

۸- عراق: ایک پہر دن چڑھنے سے دوپہر تک۔

۹- زنگولہ: ایک پہر رات جاتے تک۔

۱۰- حسینی: طلوع آفتاب سے ایک پہر دن چڑھے تک۔

۱۱- رہوائے: صبح صادق سے طلوع آفتاب تک۔

۱۲- حجاز: دو گھڑی رات گئے تک۔

ان میں سے ہر ہر راگ کو دو شعبوں پر تقسیم کیا ہے اور یوں بارہ راگوں کے ۲۴ ہو گئے ہیں، جو رات دن کے ۲۴ گھنٹوں کے مطابق ہو گئے ہیں۔ ایران و عرب کے بعض راگ اور راگنیاں ہندوستانی راگ راگنیوں سے ایسی مماثلت رکھتی ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ایرانی اور عربی راگنیاں ہندوستانی راگوں سے مستعار ہیں یا ہندوستانی راگ ایرانی اور عربی راگنیوں سے متاثر ہوئے مثلاً نغمۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ نوروز ہندی للت پنچم اور قندھاری سے ملی جلی چیز ہے، اسی طرح عراق ہندی مالکوس اور پوروا، مبارک کرشمہ اور بھاگر ابیعت اور کانہڑا، نیشاپوری اور بلاول، زنگولہ.......... اور اسادری، پیدازل اور کھٹ، چہارگاہ اور گجری، اشیران اور جیت سری، رہوائے اور دھناسری، زنگولہ حجاز اور جیتی گوری، صغیر اور کلیان، گوشۂ ازل اور شدھ ٹوری میں بڑی مماثلت ہے، آگے چل کر ہندوستانی، ایرانی اور عربی راگوں میں بڑا امتزاج پیدا ہوتا گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر خسرو: مسلمانوں اور ہندوؤں کے راگوں میں امتزاج پیدا کرنے والوں میں سب سے ممتاز نام امیر خسرو کا ہے، وہ بہت بڑے صوفی بھی تھے اور بہت بڑے شاعر بھی، نائک بھی تھے اور بہت بڑے محبِّ وطن بھی، ان گوناگوں اوصاف کی وجہ سے ان کی طریقت، شاعری اور موسیقی میں جلوۂ صدرنگ نہیں بلکہ ہزار رنگ پیدا ہوئے، ان میں دردِ دل، سوزِ دل اور گدازِ دل انتہا درجہ کا تھا جو ان کی طریقت، شاعری اور موسیقی میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں، ان کا تعلق شاہی دربار سے تھا، اس لیے موسیقی کی ایرانی طرز سے اچھی طرح واقف تھے لیکن طبعاً ہندوستانی موسیقی سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے، اپنی مثنوی ''نہ سپہر'' میں لکھتے ہیں کہ ہندوستانی موسیقی ایک آگ ہے جو قلب اور روح دونوں کو جلاتی ہے اور دوسرے تمام ممالک سے بہتر ہے، وہ یہ بھی لکھتے ہیں: کہ ہندوستانی موسیقی صرف آدمیوں کو نہیں بلکہ جانوروں کو بھی مسحور کر دیتی ہے، ہرن کو اس کے ذریعہ مسحور کر کے شکار کر لیا جاتا ہے انھوں نے ''اعجازِ خسروی'' میں ایک باب موسیقی کے اصول و فروع پر بھی لکھا ہے، (جلد اول، ص ۲۹۰-۲۷۵) لیکن اس کی مشکل عبارت آرائی میں معانی و مطالب کچھ ایسے گم ہو گئے ہیں کہ اُن کا سمجھنا آسان نہیں، انھوں نے اس زمانہ کے خاص خاص سازوں کے یہ نام لکھے ہیں: رباب، قانون، چنگ، نائی، طنبور، بابلک شہنائی، تبیرۂ ہندی، دہل، دہلک، اس دور کے خاص خاص ماہرین فن کے عجیب و غریب نام لکھے ہیں: امیر کنجشک، محمد شاہ، مرغک، محمود چوزہ وغیرہ۔

امیر خسرو ہندی اور ایرانی راگ راگنیوں کو کس طرح ملایا، اس کے بہت سے قصے مشہور ہیں، ان قصوں میں ایک یہ بھی ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں جنوبی ہند سے بہت سے ہندو ماہرین موسیقی شمال ہند میں آکر سلطان اور اس کے امرا کی زرپاشی سے سیراب ہوئے، ان ہی میں نائک گوپال بھی تھا، جس کے سنگھاسن کو اس کے دو ہزار شاگرد اپنے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے اور وہ کبھی زمین پر پاؤں نہیں رکھتا تھا، اس کا مقابلہ امیر خسرو سے ہوا، اس طرح کہ جب نائک گوپال علاء الدین خلجی کے دربار میں اپنا فن دکھاتا تو امیر خسرو تخت کی آڑ میں چھپ کر سنا کرتے تھے، گوپال جب کوئی ہندی راگ شروع کرتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس راگنی میں اس کا کوئی مدمقابل نہیں، خسرو نے گوپال کی طرز کو اچھی طرح سمجھ لیا تو دربار میں آکر ایرانی راگ ''قول'' کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے جنوبی ہند کے حریف کے اسٹائل میں اس طرح گایا کہ گوپال سن کر مبہوت ہوگیا اور یہ کہہ کر اس نے اپنی شکست کا اعتراف کرلیا کہ جانتا ہوں کہ یہ چوری ہے لیکن یہ چوری اس طرح کی گئی ہے کہ میرا بھی اس پر اختیار نہیں، یہ واقعہ ''مرأۃ الخیال'' (ص ۲۴۳-۲۴۴) اور ''راگ درپن'' میں تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ درج ہے، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں ہندوستانی موسیقی کا ایرانی موسیقی سے امتزاج شروع ہوگیا تھا، امیر خسرو نے اس امتزاج کے ساتھ کئی راگ مثلاً مجیر، منم، زیلف، سازگری، ایمن، عشاق، موافق، غنم، فرعنہ، سرپردہ، باخرز اور فردوست اور محرم ایجاد کیے، ''راگ درپن'' کے مصنف کا خیال ہے کہ مجیر غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے، منم میں کلیان کے ساتھ ایک ایرانی راگ شامل ہے، سازگری میں پوربی، گوری، کنگلی اور ایک فارسی راگ کا امتزاج ہے، زیلف میں کھٹ راگ کو شہ ناز سے ملایا ہے، ایمن میں ہنڈول اور نیریز ملے ہوئے ہیں، عشاق میں سارنگ، بسنت اور نوا کے راگ ہیں، موافق میں ٹوڑی، مالوی، دوگاہ اور حسینی ملے ہوئے ہیں، غنم میں پوربی کو ذرا تغیر کردیا گیا ہے، فرعنہ میں کنگلی اور گوری کو ملایا ہے، باخرز میں دیسکال کے ساتھ ایک ایرانی راگ ہے، سرپردہ میں سارنگ، بلاول اور راست کو مرکب کیا ہے، فردوست میں کانہڑا، پوربی اور ایک ایرانی راگ کا امتزاج ہے اور ٹوڑی اور عراق کو ملا کر محرم بنایا گیا ہے۔

خسرو کی طرف اور دوسرے اختراعات بھی منسوب ہیں، مثلاً بادشاہ نامہ کا مصنف عبدالحمید لاہوری لکھتا ہے کہ ہندوستان میں خسرو سے پہلے گیت، چند، دھروپد اور راستت گائے جاتے تھے لیکن خسرو نے خاص خاص چیزیں ایجاد کیں، ان میں چار کے نام اُس نے خاص طور پر لیے ہیں ۱- قول جس میں فارسی اور عربی کے اشعار ہوتے جو ایک سے چارتال پر گایا جاتا۔ ۲- دوسری چیز کا نام لیے بغیر وہ لکھتا ہے کہ اس میں فارسی اشعار ترانہ کے ساتھ ایک تال پر گائے جاتے تھے، شاید یہ قلبانہ ہو۔ ۳- ترانہ اس میں اشعار نہیں ہوتے تھے لیکن ایک تال پر گایا جاتا تھا۔ ۴- خیال (بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۶-۵)

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خیال حسین شاہ شرقی کی ایجاد ہے لیکن کچھ ارباب فن ایسے بھی ہیں جو خسرو کو خیالیوں کا نائک کہتے ہیں اور خیال کی ایجاد ان ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ امیر خسرو کے زمانہ میں سنسکرت میں دھرپد زیادہ گایا جاتا جو زیادہ تر ہندوؤں کی مذہبی روایتوں پر مبنی ہوتا، مسلمان دھرپد کے تقدس اوراس کی کلاسیکی اہمیت سے پورے طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے قرین قیاس بھی ہے، کہ امیر خسرو کے اختراع پسند ذہن نے دھرپد کی جگہ خیال ایجاد کیا، آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر آف میوزک ڈاکٹر سمتی مٹا ٹکر کا بیان ہے کہ قوالی کے چلنت بولوں اور جزئیات سے خیال وجود میں آیا، اس لحاظ سے بھی خیال امیر خسرو ہی کی ایجاد سمجھی جاسکتی ہے، کیوں کہ قوالی بھی امیر خسرو ہی کی اختراع ہے ممکن ہے کہ حسین شاہ شرقی نے خیال کو زیادہ ترقی دی ہو لیکن اس کو سب سے زیادہ ترقی دینے والا محمد شاہ رنگیلے کے دربار کا ماہر فن نعمت خاں سدارنگ تھا، جس کے بعد دھرپد کے مقابلہ میں خیال زیادہ مقبول ہوتا گیا، دھرپد پیٹ اور خیال سینہ کا گانا کہلاتا ہے، دھرپد کے تال میں جو کرختگی ہوتی ہے وہ خیال میں نہیں پائی جاتی، اس کے دو اجزا ہوتے ہیں، استھائی اور انترا، استھائی دھیمے اور انترا اونچے سُروں میں گایا جاتا ہے، اس کے بول بہت محدود ہوتے ہیں، اسی وجہ سے وہ شاعری کی ہر صنف کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہے، پھر بھی خیال میں ہجر، وصال، عشق کی پسپائی، پائل کی غمازی اور سکھیوں کی چھیڑ چھاڑ وغیرہ کو کچھ اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے سننے والوں پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے، خسرو کا خیال کہیں نظر سے نہیں گزرا، البتہ نمونے کے طور پر محمد شاہ رنگیلے کے عہد کا ایک خیال ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس میں یہ دکھا گیا ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر سے چپ چاپ جا کر رات کی خاموشی میں ملنا چاہتی ہے لیکن اس کے پائل کی جھنکار سے اس کی ساس نند اور جٹھانی اٹھ جاتی ہیں اور وہ اپنا کلیجہ مل کر رہ جاتی ہے۔

چھن چھن باجے پائل ☆ کیسے جاؤں پی کو ملن
جاگے موری ساس نندیا ☆ اور دیور نیا اور جیٹھنیا
اگر سنے میرو باگردو نیگو ☆ اورسن پاوے محمد شاہ رنگیلے

عورتوں کے اس قسم کے جذبات کا اظہار خسرو کے ہندی گیتوں میں بہت ہوا ہے، شادی بیاہ کے موقع پر جو گیت اور بابل گائے جاتے ہیں، وہ خسرو ہی کی طرف منسوب ہیں، محمد حسین آزاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آب حیات'' میں لکھتے ہیں: کہ دلی بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں رسم ہے کہ عام عورتیں برسات کی بہار میں کھم گڑواتی ہیں، درخت ہو تو اس میں جھولا ڈلواتی ہیں، مِل مِل کر جھولتی ہیں اور گیت گا گا کر جی خوش کرتی ہیں، ان میں شاید ہی کوئی عورت ہو جو یہ گیت نہ گاتی ہو۔

آجھوں نہ آوے سوامی ہو

اے ہو جو پیا آون کہہ گئے

آون آون کہہ گئے

آئے نہ بارہ ماس

اے ہو جو پیا آون کہہ گئے

یہ گیت امیر خسرو کا ہے اور بروا راگ میں لے بھی ان ہی کی رکھی ہوئی ہے، (آب حیات ص ٦٧) محمد حسین آزاد یہ بھی لکھتے ہیں: کہ موسیقی میں امیر خسرو کی طبیعت ایک بین تھی کہ بن بجائے پڑی بجتی تھی، اس لیے دھر پد کی جگہ قول وقلبانہ بنا کر بہت سے راگ ایجاد کیے کہ ان کے اکثر گیت آج تک ہندوستان کے مردوں اور عورتوں کی زبان پر ہیں، بہار راگ اور بسنت کے میلے نے ان ہی کی طبیعت سے رنگ پکڑا ہے، بین کو مختصر کر کے ستار بھی انھیں نے نکالا ہے۔

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ خسرو نے ہندوؤں کے دنیا اور ایرانی طنبورہ کو ملا کر ستار کی ایجاد کی گو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں ایشیائے کوچک، ایران، آرمینیا اور ترکستان میں ستار موجود تھا اور یہ بیرونی ملکوں سے ہندوستان پہنچا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے ستار میں چار تار ہوا کرتے تھے مگر خسرو نے اس میں تین تار اور بڑھا دیے اور اس کا نام ستار پڑ کر خسرو کی طرف منسوب ہو گیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طبلہ بھی امیر خسرو ہی کی ایجاد ہے (اسلامک کلچر حیدر آباد، جنوری ١٩٥٥ء) گو اس کی ایجاد اکبری عہد کے سدھارک خاں کی طرف بھی منسوب ہے، قوال تو امیر خسرو ہی کو اپنا ابوالآبا سمجھتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ قوالی میں غزل کا حسن موسیقی کا روپ اور ارباب دل کا کیف شامل ہوتا ہے، امیر خسرو غزل گو تھے، موسیقی کے ماہر بھی تھے اور صاحب دل بھی تھے، اسی لیے قوالی کی ایجاد کے لیے وہی موزوں ہو سکتے تھے، وہ اپنے مرشد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی مجلس سماع میں مست اور بے خود ہوکر گاتے، ''سیر الاولیا'' (ص ۵۱۶-۵۱۵) میں ہے کہ ایک بار امیر خسرو خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے سامنے اپنی ایک غزل گانے لگے اور جب اس شعر پر پہنچے:

رُخ جملہ را نمود ومرا گفت تومبیں ☆ زیں ذوق مست و بے خبرکیں سخن چہ بود

تو سلطان المشائخ نگاہ محبت سے امیر خسرو کو دیکھا اور بے خود ہو گئے، کبھی کبھی وجد و کیف میں اپنی دستار بھی امیر خسرو کے سر پر رکھ دیتے تھے۔

قوالی کی ڈھولک کی ایجاد بھی امیر خسرو کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور بعض مضمون نگاروں نے جل ترنگ کو بھی ان ہی کی ایجاد بتائی ہے۔

امیر خسرو کو موسیقی میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے نائک کا خطاب دیا گیا تھا جو اُس زمانہ میں اس فن کا بہت بڑا خطاب سمجھا جاتا تھا، پہلا خطاب پنڈت، دوسرا گنی، تیسرا گندھرپ، چوتھا گائک، پانچواں اور آخری نائک ہوتا تھا، نائک موسیقی کے علم اور عمل دونوں میں یکتا سمجھا جاتا تھا لیکن امیر خسرو خود اپنے ان اوصاف کے قدرداں نہ بنے، اپنے دیوان ''غرۃ الکمال'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ وہ چاہتے تو اپنی شاعری کی طرح موسیقی پر بھی تین دفتر لکھ سکتے تھے لیکن انھوں نے لکھنا پسند نہیں کیا اور جس عشق مجازی کا راگ انھوں نے اپنی موسیقی اور شاعری میں الاپنا شروع کیا وہ عشق الٰہی سے بدل گیا اور ان میں عشق الٰہی کی ایسی سوزش پیدا ہوگئی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے تو میں کہوں گا کہ خسرو کا سوز سینہ، اور خسرو اسی سوز سینہ میں ماہر موسیقی کی حیثیت سے اپنی زندگی ہی میں جل کر رہ گئے لیکن بعد میں اس حیثیت سے بہت یاد کیے جانے لگے۔

حسین شاہ شرقی: امیر خسرو کے بعد موسیقی کو فن کی حیثیت سے ترقی دینے والوں میں جون پور کے حکمراں حسین شاہ شرقی (۱۴۸۳-۱۴۵۷) کا نام بہت ہی نمایاں ہے، ''راگ درپن'' میں ہے کہ اس نے ایک درجن سیام ایجاد کیں، ۱- ملہار سیام ۲- گورا سیام، ۳- بھوپال سیام، ۴- کہنیر سیام، ۵- سوہو سیام، ۶- رام سیام، ۷- میگھ سیام، ۸- بسنت سیام، ۹- بیراری سیام، ۱۰- سیام گودانی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱- گوندسیام، ۱۲- پوربی سیام "راگ درپن" ہی میں ہے کہ حسین شاہ شرقی نے چار ٹوڑی بھی ایجاد کیے، ۱- جونپوری ٹوڑی، ۲- راماٹوڑی، ۳- رسوتی ٹوڑی، ۴- بھلے ٹوڑی، ٹوڑیوں میں اس نے کچھ راگ بھی ملائے، مثلاً جون پوری ٹوڑی میں مالسری اور موافق کو ملایا، راما ٹوڑی میں رام کلی اور مالسری کو مخلوط کیا اور رسوتی ٹوڑی میں ملتانی اور دھناسری کو ضم کیا۔

مان سنگھ گوالیاری: حسین شاہ شرقی کی وفات کے بعد ہندوستانی موسیقی کی قیادت گوالیار کے حکمراں راجہ مان سنگھ ٹونوار کے ہاتھ آ گئی، فرشتہ نے اُس کے قلب کی پاکیزگی کی تعریف کی ہے، ہندو اس کو ہندو اور مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے، شاہ جہانی عہد کے مورخ عبدالحمید لاہوری نے "بادشاہ نامہ جلد دوم" ص ۶ میں اس کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کو ہندوستانی موسیقی کے تمام دقائق سے پوری آگاہی تھی، "عمل صالح" کے مصنف محمد صالح کنبوہ لاہوری نے بھی راجہ مان سنگھ کی مہارت موسیقی کی بڑی تعریف کی ہے اور اس کے اختراعات کا ذکر کیا ہے (عمل صالح جلد دوم ص ۵۸) وہ گاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ دو آدمی مل کر گا رہے ہیں، بشن پد اسی کی ایجاد ہے جو دُھر پد کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے، دھرپد میں مذہبی اور فلسفیانہ قسم کی چیزیں گائی جاتی ہیں، اس میں تصور کی پرواز اور خیالات کی گہرائی ہوتی ہے، اس کے ذریعہ روحانی روشنی حاصل کی جاتی ہے، پہلے یہ سنسکرت میں گایا جاتا تھا لیکن راجہ مان سنگھ نے اس کو عام فہم بنانے کی خاطر گوالیاری یعنی ہندی میں گانا شروع کیا اور اس کو ساز کے ساتھ ہم آہنگ کیا، اسی لیے دُھرپد کی ایجاد اُس کی طرف منسوب ہے، حالاں کہ سنسکرت میں دھرپد اس سے پہلے بھی گایا جاتا تھا، "مرأۃ الخیال" میں ہے کہ راجہ مان سنگھ نے دھرپد کو بھیروں راگ سے ملا کر اپنے دربار کے ایک ماہر فن نائک بخشو کے سامنے پیش کیا اور اس سے رائے پوچھی تو اُس نے جواب دیا کہ آپ نے ایک گناہ کیا، اس میں عشق و عاشقی کا رنگ بھر کر اس کو عام فہم تو ضرور بنا دیا لیکن جو چیز عبادت کی تھی وہ عشق و عاشقی کی حکایت بن گئی، اس طرح تن پرست اس مجاز سے لطف اندوز ہو کر حقیقت سے غافل ہو جائیں گے اور یہ فساد کا سرمایہ بن جائے گا، راجہ یہ سن کر شرمندہ ہوا اور بخشو نے جو پیشین گوئی کی تھی، وہ صحیح ثابت ہوئی، چند نائکوں کو چھوڑ کر دھرپد ارباب نشاط ہی میں زیادہ مقبول رہا۔ (مرأۃ الخیال، ص ۲۴۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجہ مان سنگھ کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے ہندوستانی راگ اور راگنیوں کو علاحدہ علاحدہ تقسیم کر کے اُن کی وضاحت اور تشریح کی، مسلمانوں کے آنے سے موسیقی میں نئے نئے نغمے اور ٹکنیک پیدا ہو گئے تھے، بہت سے راگوں کی ہیئت ہی بدل گئی تھی اور ان کی شناخت مشکل ہو گئی تھی، اس لیے اُس نے ماہرین کا ایک کمیشن مقرر کیا، جس نے پوری تحقیقات کے بعد ایک کتاب ترتیب دی، اس کتاب میں نئے اور پرانے راگوں کے لیے قواعد بنائے گئے، اس کا نام "مان کوتوہل" ہے، اس میں تمام راگ اور راگنیوں کا ذکر ہے، جن میں وہ راگ بھی شامل ہیں جو مسلمانوں کے اثر سے پیدا ہوئے، راگ راگنیوں کی یہ تقسیم شمالی ہند کی موسیقی کے ارتقا کا ایک اہم باب ہے، اس کی تفصیل آگے چل کر راگ درپن کے سلسلہ میں آئے گی۔

نائک بخشو: راجہ نے اپنے دربار میں ہندو مسلمان ماہروں کو جمع کر کے موسیقی کو بالکل سیکولر بنانے کی کوشش کی تھی، اس کے دربار میں نائک بھنو، نائک پانڈے، نائک لوہنگ اور نائک کرن کے ساتھ نائک محمود اور نائک بخشو بھی تھے، یہاں پر یہ واقعہ ذکر کرنے کے لائق ہے کہ نائک بخشو مسلمان تھا لیکن راجہ مان سنگھ کا ایسا فریفتہ رہا کہ بہت سے راجاؤں نے اس کو اپنے دربار میں بلانا چاہا لیکن اُس نے راجہ کی جدائی گوارا نہیں کی، یہاں تک کہ جب ابراہیم بن سکندر لودی نے گوالیار پر قبضہ کر لیا تو اسی وفاداری کی بنا پر نائک بخشو نے راجہ کے دشمن کی ہم راہی اختیار نہیں کی، بلکہ کالنجر کے راجہ کیرت سنگھ کے دربار میں چلا گیا، جہاں اس کی بڑی قدر ہوئی لیکن جب سلطان بہادر گجراتی کو معلوم ہوا کہ کالنجر کے راجہ کے دربار میں فن موسیقی کا ایک بہت بڑا ماہر پہنچ گیا ہے تو اس نے نہایت نرم لہجہ میں ایک خط لکھ کر راجہ سے خواہش ظاہر کی کہ اس نادرۂ روزگار کو اس کے دربار میں بھیج دیا جائے، راجہ نے اس کے عوض میں بہت سا مال و زر پیش کیا لیکن یہ تمام چیزیں بے اثر ثابت ہوئی اور نائک کو سلطان کے دربار میں جانا پڑا۔ (بادشاہ نامہ جلد دوم ص ٦) نائک بخشو نے تین راگ بھی اختراع کیے، ٹوڑی اور ویسکار کو ملا کر بہادری ایجاد کی جو سلطان بہادر کے نام پر ہے، پھر کلیان اور کانہڑا میں ترمیم کر کے جو راگ ایجاد کیے، اُن کے نام نائکی کلیان اور نائکی کانہڑا رکھے (راگ درپن) عمل صالح کے مصنف محمد صالح کنبوہ نے بخشو کو یگانۂ عصر اور وحید قرون لکھا ہے۔ (ج ۲، ص ۵۸)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے کہ بخشو گاتا تو جنگلی ہرن سر جھکا کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے اور بخشو اُن کے گلے میں مالا ڈال دیتا تھا تان سین کو افسوس رہا کہ بخشو سے وہ تربیت حاصل نہ کر سکا کیوں کہ وہ مر چکا تھا ''عمل صالح'' کے مصنف نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ گوالیار کی سرزمین سے جتنے ماہرین موسیقی پیدا ہوئے کہیں اور نہیں ہو سکے اور یہ راجہ مان سنگھ کا فیض تھا، اس کے یہاں اتنے ماہرین جمع ہو گئے تھے کہ اس نے موسیقی کا ایک اسکول کھول دیا تھا اور اس کا نام گان ودیالیہ رکھا تھا، جہاں سے بڑے اربابِ کمال پیدا ہوئے، مغلیہ دربار میں زیادہ تر گوالیار ہی کے اصحاب فن رہتے تھے۔

بابر اور موسیقی: بابر اپنے جمالیاتی ذوق کی بنا پر فنون لطیفہ کا دلدادہ رہا، اس لیے اس کو موسیقی کا بھی ذوق تھا، اپنے عہد کے سازندوں اور گویوں کا حال اس طرح لکھتا ہے، سازندوں میں خواجہ عبداللہ مروارید سے بہتر کوئی قانون نہ بجاتا تھا، ایک قل محمد عودی تھا، غشیرک بھی خوب بجاتا تھا...... ایک شیخم نائی تھا، عود اور غشیرک خوب بجاتا تھا، بارہ تیرہ برس کی عمر سے نے بجانی شروع کی تھی،...... اس کو اتنے نغمے یاد تھے کہ جہاں کوئی نغمہ سُنا اور کہہ دیا کہ فلاں پردہ کی فلاں آہنگ ہے،...... اس کے دو ایک نقش بھی مشہور ہیں ایک شاہ قلی غشیر کی تھا، عراق کا رہنے والا تھا، خراسان میں آ کر اس نے ساز کی مشق کی، بڑا مشاق ہو گیا، بہت گتیں بجاتا تھا، ایک حسین عودی تھا، عود مزے سے بجاتا تھا اور گاتا بھی اچھا تھا، عود کے تاروں کو ملا کر بجاتا تھا،.......... گویوں میں غلام شادی شادی گویّے کا بیٹا تھا، ساز بھی بجاتا تھا، آواز اچھی تھی اور چیزیں خوب یاد تھیں، اس زمانہ میں اس کے برابر کوئی دوسرا نقش وصورت نہ بنا سکتا تھا،.......... ایک میر عزیز تھا، سازندہ بھی تھا اور گویا بھی تھا، اگرچہ اُس نے کم چیزیں بنائی تھیں، مگر جو بنائی ہیں مزہ کی ہیں۔ (بابر نامہ ص ۸۷-۱۸۶)

ہمایوں اور موسیقی: ہمایوں کو بھی موسیقی سے دلچسپی رہی، جب وہ تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا، تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا اور ایک جشن میں صابر قاق نے جو خراسان کا مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کیا جس کا مطلع یہ تھا:

مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد

ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے چنیں باشد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب صابر قاق نے اس غزل کا یہ شعر پڑھا :

زرنج وراحتِ گیتی مرنجاں دل بشو خرّم
کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔(۱)

ہمایوں ہندوستان واپس آیا تو اس کے دربار میں دوشنبہ اور چہارشنبہ دو دن ارباب نشاط کے لیے مقرر تھے، گانے والے دربار میں بلائے جاتے اور اپنے اپنے فن سے ہمایوں کو محظوظ کرتے تھے، گل بدن بیگم نے ہمایوں نامہ میں لکھا ہے کہ خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے، تو عورتیں بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں لیکن یہ احتیاط رہتی کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو۔

اکبری دربار کے گویے: اکبر کے دربار میں جتنے گویّے اور سازندے تھے، ان میں اکثریت گوالیار والوں ہی کی تھی، جو راجہ مان سنگھ گوالیاری کی وجہ سے موسیقی کا بڑا مرکز تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری (ص ۱۸۳) میں اکبر کے درباری ماہرین فن کے حسب ذیل نام لکھے ہیں:

گانے والوں کے نام: ۱- تان سین گوالیاری، ۲- باز بہادر مالوی، ۳- رامداس گوالیاری، ۴- سبحان خاں، ۵- ہرگیان خان گوالیاری، ۶- میان چند گوالیاری، ۷- بچتر خاں گوالیاری، ۸- محمد خان ڈھاری، ۹- سلطان حافظ حسین مشہدی، ۱۰- داؤد ڈھاری، ۱۱- سرود خاں گوالیاری، ۱۲- میاں لال گوالیاری، ۱۳- تان ترنگ خاں، ۱۴- ملا اسحاق ڈھاری، ۱۵- سورداس گوالیاری، ۱۶- چاند خاں، ۱۷- رنگ سین اگری، ۱۸- رحمت اللہ، ۱۹- حافظ خواجہ علی مشہدی، ۲۰- پیرزادہ خراسانی، ۲۱- نائک چرجو گوالیاری۔

طنبورہ والے: طنبورہ بجانے والوں کے نام: ۱- استاد یوسف ہروی، ۲- سلطان ہاشم مشہدی، ۳- استاد محمد امین، ۴- استاد محمد حسین۔

سازندے: دوسرے سازندوں کے نام: ۱- بیر منڈل خاں گوالیاری سرمنڈل نواز، ۲- قاسم، ۳- تاش بیگ قیچاقی قیز نواز، ۴- برمیں خاں بین نواز، ۵- شہاب خاں گوالیاری بین نواز، ۶- استاد

(۱) مآثر رحیمی، جلد اول ص ۵۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت مشہدی نے نواز، ۷- بہرام قلی ہروی غیچک نواز، ۸- استاد شاہ محمد نواز سرنا نواز، ۹- شیخ داؤد ڈھاری کرنا نواز، ۱۰- میر سید علی غیچک نواز، ۱۱- میر عبداللہ قانون نواز۔

تان سین: ان میں انمول ہیرا تان سین تھا، اس نے حضرت غوث گوالیاری کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، ''خزینۃ الاصفیا'' کے مصنف کا بیان ہے کہ حضرت غوث نے اس کو اپنا خلیفہ بھی بنایا تھا، موسیقی کی تعلیم راجہ مان سنگھ کے قائم کردہ گان ودیالیہ میں پائی، جہاں بڑے بڑے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے، نائک بخشو کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا، اس لیے تان سین کو بخشو سے فیض حاصل نہ کرنے کا قلق رہا لیکن کہا جاتا ہے کہ بخشو نے اپنے سینہ کی ساری دولت اپنی لڑکی کو دے دی تھی، اس لیے تان سین نے اسی سے کسب فیض کیا، پھر بندرابن پہنچ کر بابا ہری داس سے بھی تربیت حاصل کی اور جب کمال حاصل کر لیا تو راجہ چندر بھتہ (ریواں) کے یہاں آ کر ملازمت کی، اکبر نے اُس کی شہرت زین خاں کوکہ کی زبانی سنی تو اُس کو اپنے یہاں مدعو کیا اور جس روز وہ دربار میں آیا اُسی روز اُس کو دو کروڑ دام یعنی دو لاکھ روپیے کے انعام سے نوازا (منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۳۵، مآثر الامرا جلد دوم ص ۱۳۴) اکبر خود موسیقی کا ماہر تھا، اس لیے تان سین کی بڑی قدر کرتا رہا، وہ تان سین کے ساتھ اس کے استاد بابا ہری داس کے پاس جاتا جو اپنے عہد کے سب سے بڑے استاد اور بھگت سمجھے جاتے تھے، تان سین جب کوئی چیز ہری داس کے سامنے گاتا تو اکبر اس کو غلط طریقہ پر گانے کے لیے اشارہ کرتا تو اس وقت تان سین کو ہری داس ٹوکتے اور خود گا کر بتانے لگتے جس کو سن کر اکبر محظوظ ہوتا تان سین نے دھرپد کے مشکل راگ کو آسان بنا کر سو بہار ایجاد کیا، ''راگ درپن'' میں ہے کہ اس نے ملہار اور کانہڑا، کلیاں اساوری اور دیوکندھار اور پھر کانہڑا کو درباری کانہڑا اور کلیان سے ملا کر راگنیاں پیدا کیں، میاں کی سارنگ اور میاں کی ٹوڑی اسی کی طرف منسوب ہے اس کی وجہ سے ہندوستان کی موسیقی کو جو عروج حاصل ہوا وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک زریں باب ہے، مشہور ہے کہ وہ جنگل میں گاتا تو چرندے اور درندے مست ہو جاتے، یا دریا کے کنارے راگ چھیڑ دیتا تو پانی سے شعلے نکلنے لگتے، ابوالفضل نے آئین اکبری (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے کہ تان سین جیسا گانے والا ہزار برس میں بھی پیدا نہ ہوسکا، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے نغمہ اور مضامین نغمہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بڑی ترقی ہوئی، ''مآثر الامرا (جلد دوم ص ۱۴۴) میں ہے کہ تان سین نغمہ کے فن میں ''سر آمد وقت'' تھا، اپنی آواز کے حسن اور گانے کی نازک خیالی میں اس کی طرح کوئی اور نہیں گذرا، ''اقبال نامۂ جہاں گیری'' اور مآثر الامرا دونوں کے مصنفوں نے لکھا ہے کہ تان سین کے ہزاروں گیت ابھی تک رائج ہیں، جن میں بہت سے اکبر کے نام پر ہیں، حسب ذیل درباری کا نہڑا بھی غالبًا تان سین ہی کی تصنیف ہے۔

شبھ دن شبھ گھڑی لگن مہورت ☆ بیٹھے تخت آج دلی نرپت رئے
نوکھنڈ بارہ منڈ گاوت گنیں ☆ اندر جیون برکھا موتی دان کررے
اٹل کرسی بنی، بیٹھے چھتر دھاری ☆ ہیرا، مونگا، چنی، پنا موتی لعل زررے
چاروں جگ جیو، ہمایوں کے نندن ☆ شاہوں کے پت شاہ اکبر رے

(بہت ہی مبارک دن، مبارک گھڑی اور مناسب وقت ہے کہ جب کہ دلی کا بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے، نو گانے اور بارہ جوہر اس کے اوصاف کی تعریف کرتے ہیں اور بارش اس کی زندگی کے اندر موتی نچھاور کر رہی ہے، راجہ چتر لگائے تخت پر بیٹھے ہیں اور اُن کے گرد ہیرا، مونگا، چنی، پنّا، موتی، لعل، زرد وغیرہ ہیں، جگ جگ ہمایوں کا بیٹا جیتا رہے، شاہ اکبر بادشاہوں کا مالک ہے)

تان سین نے ۹۹۷ھ (مطابق ۱۵۸۹ء) میں وفات پائی، اکبر نے اس کی وفات پر کہا کہ اب دنیا سے نغمہ سرائی ختم ہوگئی (اکبر نامہ جلد سوم ص ۵۴۷) اکبر نامہ میں یہ بھی ہے کہ ہزار سال میں اس کی ایسی شیریں خوش نوائی اور نقشبندی کی مثال کم ہی ملے گی۔ (ص ۵۴۷) گوالیار میں اس کا مزار حضرت غوث گوالیاریؒ کے مقبرہ میں ہے، اس کے مزار پر نیم کا ایک درخت ہے جس کے بارہ میں مشہور ہے کہ گانے والے اس کی پتیاں کھا لیتے ہیں تو اُن کی آواز پہلے سے بہتر ہو جاتی ہے، تان سین کے تین بیٹے بلاس خان، صورت سین، اور تان ترنگ خاں تھے، ان تینوں نے موسیقی وراثت میں پائی، اکبری دربار کے مذکورہ بالا گویوں کی فہرست میں تان ترنگ خاں کا بھی نام ہے، بلاس خاں نے ایک ٹوڑی بھی ایجاد کی، جس کا نام ولاس خانی ٹوڑی ہوا۔

باز بہادر: اکبری دربار کا دوسرا ماہر فن سلطان باز بہادر تھا، وہ مالوہ کا حکم راں تھا لیکن مالوہ پر اکبر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لشکرکشی کے بعد شاہی دربار سے وابستہ ہوگیا، ابوالفضل نے آئین اکبری (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے کہ گانے میں اس کی مثال نہ تھی، اس کے گانے کی طرز باز خانی کے نام سے مشہور ہوئی، روپ متی سے اس کا عشق مشہور ہے، اس عشق نے اُس کے نغموں میں کیف، سوز اور درد عطا کیا، آئین اکبری میں تو صرف اس کے گانے کی تعریف ہے لیکن وہ ساز و آہنگ دونوں کا ماہر تھا، مالوہ میں اس کے دوہے اب تک گائے جاتے ہیں۔

رام داس: رام داس بھی اکبر کے دربار کے ممتاز ترین گویوں میں تھا، وہ ملہار گانے میں کمال رکھتا تھا، اس لیے اس کی طرز کے گائے ہوئے ملہار کا نام رامداسی ملہار ہوگیا، اس کا لڑکا سورداس بھی اکبر کے دربار میں تھا اور اس کی ملہار کا نام سورداسی ملہار پڑ گیا، وہ اپنے گرو ولبھ اچاری کے سامنے بھگوت گیتا شروع سے آخر تک گا کر سناتا۔

سبحان خاں: اکبری دربار کے مذکورہ بالا ماہرین فن میں سبحان خان کے متعلق روایت کی جاتی ہے کہ وہ جب گاتا تو لوگ آبدیدہ ہو جاتے، اکبر کے سامنے ایک بار اُس نے دیپک راگ گایا تو اس کے تمام بدن پر آبلے پڑ گئے تھے، پھر وہ حج کے لیے چلا گیا، جہاں اس کے نعتیہ گانوں کی بڑی دھوم مچی، مرنے کے بعد جنت البقیع میں جگہ پائی۔

اکبر کی سرپرستی: اکبر خود موسیقی کا بڑا ماہر تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ وہ اکثر استادوں سے بہتر تھا، اس کو راگنیوں میں جلال شاہی نوروز اور کرگت بہت پسند تھے، اسی کی وجہ سے بہت سے ایرانی راگ ہندوستانی اسٹائل میں گائے جاتے تھے، اس کے دربار میں ہرات، مشہد اور خراسان کے ماہرین فن تھے لیکن مذکورۂ بالا فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ دربار میں ہندوستان ہی کے ماہرین چھا گے تھے، ان کی سات ٹولیاں تھیں، ہر ٹولی ہر روز اپنا فن دکھایا کرتی تھی۔ (آئین اکبری ص ۱۸۳)

اکبری دور میں موسیقی کا مطالعہ: اکبری دور میں ابوالفضل نے ہندوستانی موسیقی کا گہرا نظری اور فنی مطالعہ بھی کیا، ہندوستانی موسیقی میں تین اہم چیزیں ہوتی ہیں، سُر، دُھن اور راگ، ابوالفضل نے آئین اکبری میں سنگیت کے عنوان سے جو تفصیل لکھی ہے، اس میں اُن کی اقسام بتائی ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو آوازیں موسیقی میں کام آتی ہیں، اُن کو سُر کہتے ہیں، ابوالفضل نے سر کی کئی قسمیں بتائی ہیں مثلاً:

کھرج : اُس کو مور کی آواز سے لیا گیا ہے۔

رکھب : اس کو پپیھا کی آواز سے لیا گیا ہے۔

گندھار: اس کو بکری کی آواز سے لیا گیا ہے۔

مدھم : اس کو کلنگ کی آواز سے لیا گیا ہے۔

پنچم : اس کو کوئل کی آواز سے لیا گیا ہے۔

دھیوت : اس کو مینڈک کی آواز سے لیا گیا ہے۔

نکھار : اس کو ہاتھی کی آواز سے لیا گیا ہے۔

اسی طرح دھن کی کئی قسموں کا ذکر ہے، مثلاً سری راگ، بسنت (یا مالکوس) بھیروں، پنچم (یا ہنڈول) میگھ (یا دیپک) نٹ نرائن، ان میں سے ہر ایک کو راگ کہا جاتا، راگ سُروں کی اس خاص ترتیب کو کہا جاتا ہے جو کانوں کو اچھے معلوم ہوں اور جن میں کم سے کم پانچ سُر ضرور استعمال کیے جاتے ہوں، راگ کی بھی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں اور ہر راگ کی علاحدہ علاحدہ شاخوں کا بھی ذکر ہے، مثلاً:

۱- سری راگ: مالوی، ترونی، گوری کیداری، مدھ ماودی، بہاری، سری راگ، چیت اور بیساکھ میں سہ پہر سے شام تک گایا جاتا ہے۔

۲- بسنت (یا مالکوس) : دیسی، دیوگری، بیرٹی، ٹوڑی، للتا، ہندولی، مالکوس کے گانے کا زمانہ اگہن اور پوس میں طلوع آفتاب سے ایک پہر دن چڑھے تک کا ہے۔

۳- بھیروں: مدھما، بھیرویں، بنگالی، براٹکا، سندوی، نبر گیا، بھیروں کوار اور کاتک میں دوگھڑی رات رہنے سے صبح تک گایا جاتا ہے۔

۴- پنچم (یا ہنڈول): بہاس، بھوپالی، بدہنسکا، مالسری، پٹ منجری، اس راگ کا زمانہ ماگھ اور پھاگن کا ہے، ایک پہر دن چڑھنے سے دوپہر تک گایا جاتا ہے۔

۵- میگھ (یا دیپک) : ملہار، سورٹھی اُساوری، کیکی، گندھاری، ہرسنگاری، یہ ساون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھادوں میں آدھی رات سے صبح کاذب تک کے راگ ہیں۔

۶- نٹ نرائن: کامودی، کلیان، اہیری، سدھناٹ سالک، نٹ، ہمیر، ابوالفضل کا بیان ہے کہ ہر راگ دو طرح سے گایا جاتا ہے، ان میں سے ایک مارگ اور دوسرا دیسی کہلاتا ہے، مارگ دیوتاؤں کے لیے گایا جاتا ہے اور اس مقدس راگ میں ہر جگہ یکسانیت ہے لیکن دیسی میں مقامی اختلاف ہوتا ہے، مثلاً دھر پد دیسی راگ ہے، یہ چار مسجع فقروں سے ترتیب دیا جاتا ہے، الفاظ اور حروف میں یکسانیت یعنی قافیہ بندی لازمی نہیں ہوتی، اس میں عشق کی نیرنگیوں کا اظہار ہوتا ہے لیکن جب یہ دکن میں گایا جاتا ہے تو اس کو چند کہتے ہیں، یہاں یہ تین چار فقروں سے ترتیب دیا جاتا ہے، اس میں زیادہ تر تعریف کی جاتی ہے، تلنگی اور کرناٹک میں اس کو دَھرو کہتے ہیں، اس میں ناز و نیاز ہوتا ہے، بنگالہ میں جو گایا جاتا ہے، اس کو جنگلا کہتے ہیں اور جون پور میں جو گایا جاتا ہے اس کو چٹکلا کہتے ہیں اور دہلی میں جو گایا جاتا ہے اس کو قول یا ترانہ کہتے ہیں، اس کو امیر خسرو نے سمات اور تار کے ساتھ ہندی اور فارسی طرز اور راگ کو مخلوط کر کے ایجاد کیا ہے اور متھرا میں جو گایا جاتا ہے، اس کو بش پد کہتے ہیں، اس کے چار چھ اور آٹھ فقرے ہندی ہوتے ہیں، اس میں سری کرشن کی تعریف کی جاتی ہے اور جو سندھ میں گائے جاتے ہیں اس کا نام کافی ہے، اس میں مہر و محبت کی باتیں ہوتی ہیں اور جو زبان ترہت میں گاتے ہیں اسے لہچاری کہتے ہیں، یہ بدیاپت کی ایجاد ہے، جس میں وفور عشق کا اظہار ہوتا ہے اور جو لاہور اور اس کے نواح میں گایا جاتا ہے، اُسے چھند کہتے ہیں اور جو گجرات میں گاتے ہیں اس کا نام جکری ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی طرزیں ہیں جن کے نام یہ ہیں: سارنگ، پوربی، دھناسری، رام کلی، کرائی، سوہو، دیسکال، ویساک، ابوالفضل نے الاپ کی دو قسمیں بتائیں ہیں: ۱- راگ الاپ، ۲- روپ الاپ۔ راگ الاپ میں ان سروں میں تان لی جاتی ہے جو اس وقت گایا جا رہا ہو، روپ الاپ میں جس گیت کا ارادہ رکھتے ہیں وہ اسی تان میں گایا جاتا ہے۔

ابوالفضل نے تان کی بھی قسمیں بتائی ہیں، ۱- میدنی، ۲- رندنی، ۳- دیپنی، ۴- بھاونی، ۵- تاراولی وغیرہ، ان میں سے بعض راگ اور راگنیوں کے خاص خاص وقت مقرر رہوتے، مثلاً کلیان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پوروا شام کو، اساوری دوپہر کو، ٹوڑی دن کے دوسرے پہر کو، کیدارا رات کو، مالکوس دن کے تیسرے پہر کو گایا جاتا، اکبر کے عہد میں گوالیار کے رہنے والے دو بھائی تھے، چاند خاں اور سورج خاں کہا جاتا ہے، کہ چاند خاں صرف رات کے اور سورج خاں صرف دن کے راگ راگنیاں گاتا۔

اکبری دور کے مزامیر: ابوالفضل نے ان باجوں کی بھی تفصیل لکھی ہے جو گانوں کے ساتھ بجائے جاتے تھے، مثلاً ۱- جنتر: اسے ایک گز کھوکھلی لکڑی سے بناتے، اس کے دونوں سروں پر دو کدو لگاتے، اس کے سر پر لکڑی کی سولہ کھونٹیاں لگا کر اس میں پانچ لوہے کے تار لگا دیتے اور ان تاروں کو دوسرے سرے تک لے جا کر مضبوط باندھ دیتے اور آواز کی پستی اور بلندی اور مختلف سروں کے لیے اس کے اطراف میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لکڑی باندھ دیتے، ۲- بین: یہ جنتر کے مانند ہوتی لیکن اس میں تین تار ہوتے (۱)۔ ۳- کنّر: یہ بین کے مانند ہوتا لیکن اس کی لکڑی اس سے زیادہ کچھ لمبی ہوتی اور اس میں تین کدّو اور دو تار ہوتے۔ ۴- سربین: یہ بھی بین ہی کی طرح ہوتا، مگر اس میں لکڑی کے ٹکڑے نہ ہوتے، ۵- انبرتی اس کی لکڑی سربین سے بہت چھوٹی ہوتی اور نیچے کی طرف کا کدو اوپر ہوتا اور ایک لوہے کا تار ہوتا اور تمام پردے ویسے ہی ہوتے۔ ۶- رباب: اس میں تانت کے چھ کبھی بارہ اور کبھی سولہ تار باندھے جاتے۔ (۲) ۷- سرمنڈل: یہ قانون کی طرح ہوتا، اس میں ۲۱ تار ہوتے جن میں بعض لوہے، بعض پیتل اور بعض تانت کے ہوتے۔ ۸- سارنگی: یہ رباب سے چھوٹی ہوتی اور غیچک کی طرح بجائی جاتی۔ (۳) ۹- پناک: یہ کمان کے برابر لمبی ہوتی، اس میں ایک لکڑی کو تھوڑا سا خم دے کر تانت سے باندھ دیتے اور دو لکڑی کے پیالے دونوں طرف الٹ کر رکھتے اور غیچک کی طرح بجاتے۔ ۱۰- اوہٹی: اس میں دو کدو اور دو تار ہوتے۔ ۱۱- کنگرہ: بین کی طرح ہوتا لیکن اس کے دو تار تانت کے ہوتے اور اس کے کدو اس سے چھوٹے ہوتے۔ ۱۲- پکھاوج: اس پر کھال منڈھی ہوتی اور اس کے چاروں طرف تسمہ ڈال کر نقارہ کی طرح کھینچتے اور لکڑی کے چھوٹے بڑے چار ٹکڑوں سے دونوں ہاتھوں سے بجاتے، اس کی آواز میں کمی زیادتی

(۱) اب اس کی کئی قسمیں ہیں، تاروبین، سرسوتی بین، مدراسی بین اور وچتر بین وغیرہ۔ (۲) اسی کی ترقی یافتہ شکل سرود ہے۔ (۳) سازندہ ایک چھوٹی سارنگی اور ستار کی ملی جلی شکل کو اب دلربا کہتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تسموں کو پیچ دینے سے پیدا ہوتی، پکھاوج پوری ہتھیلی سے بجائی جاتی ہے اور طبلہ صرف انگلیوں کے پوروں سے آوج، ڈہل، ڈھڈھ، اردھاوج، خنجری یہ سب ڈھول اور مجرے کی قسمیں ہیں۔

گانے والوں کی قسمیں: ابوالفضل نے اس عہد کے گانے والوں کی بھی قسمیں بتائی ہیں، مثلاً ۱- کلاانت یا کلاونت جو زیادہ تر دھرپد گایا کرتے تھے، ۲- دھادھی ہیں، (ڈھاڑی) پنجابی گانے والوں کو کہتے، یہ ڈھڈھ اور کنگرہ بجا کر گاتے، قوال بھی اسی طبقہ سے تھے، جو دہلی اور جون پور کے طرز پر گاتے تھے اور فارسی اشعار بھی پڑھتے تھے، ۳- ہروکیہ: مرد ہرک باجہ جس کو اوج کہتے ہیں، بجاتے تھے اور عورتیں تال دیتی تھیں اور گاتی بھی جاتی تھیں، پہلے یہ طبقہ کرک گاتا تھا اور اب دھرپد گانے لگا، ۴- دف زن: عورتوں کی ایک جماعت تھی جو شادی اور ولادت کے موقع پر آکر دھرپد اور سوہہ گاتی تھی، ۵- سیرزدہ تالی: اس جماعت میں مرد بڑے اور چھوٹے دف ساتھ رکھتے تھے اور عورتیں تیرہ تال یعنی پیتل کی کٹوریوں کو ایک ساتھ بجا کر آواز پیدا کرتی تھیں، دو کٹوریاں ہاتھ کے بند دو کہنیوں کے بند، دو شانوں کے بند، دو مونڈھوں کے بند، تین سینے اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں پر باندھتی تھیں، یہ جماعت زیادہ تر گجرات اور مالوہ میں پائی جاتی، ۶- نٹوہ: یہ قسم قسم کے ناچ ناچتے اور گاتے بھی جاتے تھے، نغمہ کے ساتھ پکھاوج رباب اور مجیرہ بجاتے تھے، ۷- کیرتنیہ: ہندوؤں نے پوجا کے وقت یہ جماعت گاتی، لڑکوں کو عورتوں کا لباس پہنایا جاتا اور کرشن کی تعریف میں تماشہ دکھایا جاتا، اس میں پکھاوج، رباب اور مجیرہ استعمال ہوتا، ۸- بھگتیہ: طرح طرح کے بہروپ بھرتے اور رات کو گا بجا کر کھیل دکھاتے، ۹- بہنویہ: یہ گروہ پیتل کی تھالی میں ناچتا اور گاتا، ۱۰- خنجری کے ساتھ مرد پکھاوج، رباب اور مجیرہ بجاتے اور عورتیں ناچتیں اور گاتیں۔

جہاں گیر کی سرپرستی: ہندوستانی موسیقی کی مقبولیت کچھ ایسی بڑھتی گئی کہ رفتہ رفتہ یہ مغل بادشاہوں کے دربار، امرا کی مجلس اور عام معاشرت کا ایک ضروری جزو بن گئی اور اکبر نے اُس کی جو فیاضانہ سرپرستی کی، وہ دربار کی ایک روایت بن گئی، جہاں گیر فنون لطیفہ کا دلدادہ تھا، اُس نے موسیقی کی سرپرستی مین باپ سے کم زرپاشی نہیں کی، اپنے گیارہویں سال جلوس میں دربار کے طنبورہ نواز شوقی کو آنند خاں کا خطاب دیا تو تزک جہاں گیری (ص ۱۶۳) میں لکھتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"شوقی طنبورہ نواز زمانہ کے نوادر میں سے ہے، وہ ہندی اور فارسی نغموں کو اس طریقہ سے گاتا ہے کہ سُن کر دلوں کی ساری کدورت جاتی رہتی ہے، اُس کو آنند خاں کا خطاب دے کر میں نے اپنے دل کو خوش اور مسرور کیا آنند کے معنی ہندی میں خوشی اور راحت کے ہیں۔"

ایک اور استادِفن محمد تائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ اپنے فن میں بے نظیر ہے، ایک موقع پر اُس نے ایسے کمالات دکھائے کہ میں نے اس کو روپیہ میں تلوایا اور ایک حوضہ دار ہاتھی بھی عطا کیا اور حکم دیا کہ ہاتھی پر سوار ہو کر چاروں طرف روپیہ برساتا ہوا اپنے مکان تک جائے۔ (تزک جہاں گیری ص ۱۸۷) جہاں گیر نے اپنی ایک محفل سماع کا عجیب وغریب حال لکھا ہے، ایک بار دہلی کے قوال اس کے سامنے گا رہے تھے جب ایک مطرب نے یہ بیت پڑھی:

ہرقوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے ☆ من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

جہاں گیر نے حاضرین سے اس بیت کا مطلب پوچھا اس وقت مولانا علی احمد نشانی بھی وہاں موجود تھے، جو صاحب سخن اور صاحب دل ہونے کے علاوہ جہاں گیر کے استاد بھی رہ چکے تھے مولانا نشانی پر اس شعر سے وجد کی کیفیت طاری تھی، اسی عالم میں رقص کرتے اور تالیاں بجاتے ہوئے شاہی تخت کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ایک روز جمنا کے کنارے ہندو عورتیں اور مرد غسل کر رہے تھے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اپنی خانقاہ سے امیر خسرو کے ساتھ نکلے، دریا کے کنارے پر نظر پڑی تو یہ مصرع زبان مبارک سے نکلا: ع

ہرقوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے

امیر خسرو نے یہ مصرع سنا تو اپنے مرشد سے فوراً یہ عرض کیا: ع

من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے سر پر اُس وقت ایک ٹوپی تھی جو تھوڑی سی کج تھی، مولانا نشانی نے اس بیت کی تشریح میں اپنی کلاہ کو کج کیا اور وجد کی حالت میں بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے فرش پر گر پڑے، حاضرین کو خیال ہوا کہ مولانا بیہوش ہو گئے ہیں، جہاں گیر اپنے استاد کی یہ کیفیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھ کر بے چین ہو گیا، غایت اضطراب میں تخت سے اُتر کر مولانا کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا اور اسی حالت میں مولانا کی روح عالم بالا میں منتقل ہو گئی۔ (تزک جہاں گیری ص ۸۲)

اقبال نامۂ جہاں گیری (ص ۳۰۸) میں جہاں گیر کے دربار کے سازندوں اور گویوں کے حسب ذیل نام درج ہیں: حافظ نادعلی، حافظ کیب فتحا، نصیرا، باقیا، حافظ عبداللہ، استاد محمد نائی، حافظ چیلہ، جہاں گیرداد، چتر خان، پرویزداد، خرم داد، ناکھو، حمزہ۔

حضرت مجدد الف ثانی اور نغمہ وسرود: اس دور میں صوفیۂ کرام کی مجلسوں میں بھی نغمہ وسرود برابر جاری رہا لیکن اسی زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی اس کی برابر مخالفت کرتے رہے، وہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں، افسوس! اس طائفہ صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنی بے چینی کا علاج سماع ونغمہ اور وجد وتواجد میں ڈھونڈتے ہیں اور اپنے محبوب کو نغموں کے پردوں میں دیکھنا چاہتے ہیں، اس لیے رقص اور رقاصی کو انھوں نے اپنا طریقہ بنالیا ہے حالاں کہ انھوں نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی .... کاش ان پر نماز کی حقیقت کا ایک شمّہ بھی منکشف ہوجاتا تو ہرگز وہ سماع ونغمہ کا دم نہ بھرتے۔ ع: چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند" برادرعزیز! جتنا فرق نماز اور نغمہ میں ہے، اسی قدر فرق نماز سے حاصل ہونے والے کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے احوال میں سمجھو، بس عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۶۱، دفتر اول ص ۳۰۴)

شاہ جہانی عہد کی موسیقی: مؤرخوں نے شاہ جہانی دربار کے جن خاص خاص ماہرین فن کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک لال خاں کلاونت تھا، یہ تان سین کے لڑکے بلاس خان کا داماد تھا، تان سین نے اُس کے بچپن ہی میں اس کا گانا سُنا تھا، تو اس نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ آگے چل کر استاد فن ہوگا، اسی لیے اُس نے اُس کو اپنے لڑکے بلاس خاں کے سپرد کیا اور اپنی پوتی سے شادی بھی کردی، عبدالحمید لاہوری مصنف "بادشاہ نامہ" کا بیان ہے کہ دھرپد گانے میں لال خان بے مثال تھا، خود شاہ جہاں دھرپد کا عاشق تھا، اس لیے اس نے لال خان کو "گن سمدر" (فن کا سمندر) کا خطاب دیا تھا، شاہ جہاں ہر جشن کے موقع پر لال خاں کو انعام واکرام سے نوازتا رہا، (بادشاہ نامہ، جلد دوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ص ۵-۶-۱۱۳-۳۵۱) لال خاں کے دولڑ کے خوش حال خاں اور بسرام خاں کلاونت تھے، ان دونوں کے نغمے شاہ جہاں کو بہت پسند تھے، خوش حال خاں جب ٹوڑی گاتا تو شاہ جہاں پر ربودگی کی کیفیت طاری ہو جاتی، خوش حال خاں اور بسرام خاں .... کے لیے دربار میں وہی جگہ مقرر تھی جو اکبر کے زمانے میں تان سین کے لیے تھی لیکن آخر میں یہ دونوں شاہ جہاں کے عتاب میں آ گئے تھے، ہندو ماہرین فن میں شاہ جہاں نے جگناتھ کو مہا کوی کا خطاب دیا تھا، عبدالحمید لاہوری نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ ہندوستان بہشت نشاں میں ہندوستانی موسیقی کے فن میں اس کے مثل کوئی اور نہیں تھا، شاہ جہاں نے اُس کے فن کی قدر دانی کے سلسلے میں اس کو روپیے میں تلوایا، اس کا وزن ساڑھے چار ہزار روپیے کے برابر ہوا جو اس کو انعام میں دے دیے گئے، عبدالحمید لاہوری کا یہ بھی بیان ہے کہ تان سین کے بعد موسیقی میں اسی کا درجہ ہے۔ (بادشاہ نامہ، جلد دوم ص ۶-۵)

اوپر ذکر آیا ہے کہ شاہ جہاں دھرپد کا عاشق تھا، اس لیے اسی کے حکم سے بخشو کے ایک ہزار منتخب دھرپد جمع کر کے ایک کتاب میں قلم بند کیے گئے اور اس کا نام "ہزار دھرپد نایک بخشو" رکھا گیا۔ (دیکھو فہرست مخطوطات بوڈلین لائبریری ص ۱۰۶۴)

مؤرخوں کا بیان ہے کہ خود شاہ جہاں کی آواز میں بڑی دل کشی تھی اور جب وہ گاتا تو بڑے بڑے اہل دل کے دلوں میں ربودگی پیدا ہو جاتی۔

"راگ درپن" میں شاہ جہانی عہد کے حسب ذیل ماہرین فن کا بھی ذکر ہے، جنھوں نے اپنے فن میں بڑا کمال حاصل کیا۔ ۱- گن سین: اسے نائک افضل کا خطاب حاصل تھا، ۲- محبّ خاں: یہ دھرپد کا ماہر تھا، ۳- بازید خان، ۴- تلسی رام کلاونت، ۵- دھرم داس کلاونت، موخر الذکر تینوں دھرپد گانے میں مشہور تھے۔ ۶- ولی ڈھاڑی، ۷- رحیم داوڈھاڑنی، ۸- گوپ چند ڈھاری، ۹- روضہ، ۱۰- اکبر، یہ دونوں مشہور قوال تھے، ۱۱- شیخ بہاء الدین، یہ صوفی اور موسیقی کے بھی ماہر تھے، انھوں نے گیت دھرپد خیال اور ترانے میں نئی نئی چیزوں کا اضافہ کیا۔

"راگ درپن" کا مؤلف بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ شاہ جہانی عہد کی موسیقی اکبری دور کی موسیقی سے زیادہ ترقی یافتہ تھی لیکن اس کی یہ رائے پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانہ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویے محض عطائی تھے کیوں کہ اُن کی ساری لیاقت ''راگ ساگر'' پر مبنی تھی اور مان کوتوہل کے ذریعہ جو انقلاب ہوا اس سے یہ سب ناواقف رہے۔..................لیکن شاہ جہانی عہد کے گویے مان کوتوہل کے راگ راگنیوں سے روشناس رہے اور انھوں نے ان میں لطافتیں اور نزاکتیں پیدا کیں ''راگ درپن'' کے مصنف کا یہ بھی بیان ہے کہ شاہ جہاں کے اردگرد موسیقی کے بڑے بڑے ماہرین جمع ہو گئے تھے، جن میں زیادہ تر گوالیار ہی کے تھے۔

جشن میں موسیقی: شاہی دربار میں خوش گلو کنیزیں بھی ہوتیں جو محل سرا میں بادشاہوں، بیگموں، شہزادوں اور شہزادیوں کی تفریح کی خاطر گایا کرتیں، یہ زیادہ تر اس دور کے فارسی شعرا کی غزلیں سناتیں، تاج پوشی، نوروز، عید، بقرعید، سال گرہ، صحت یا فتح و کامرانی کا جو جشن منایا جاتا، اس میں رقص و سرود کی محفلیں بہت ہی شان و شوکت سے منعقد ہوتیں، دربار پورے تزک و احتشام کے ساتھ سجایا جاتا، درو دیوار پر زربفت و کمخواب نظر آتے، ایران و ترکستان کے رنگارنگ قالین زمین کو گل زار بنا دیتے، دروازوں پر چین و ماچین کے خوش نگار پردے آویزاں ہوتے، جھاڑ فانوس، قمقمے، سفید اور رنگین کافوری شمعیں اور قندیلیں ایوانوں کی چھتوں کو منور کر دیتیں، مجمروں سے عود اور عنبر کے نکہت بیز بادل اٹھتے رہتے، دربار کو اس طرح سج سجا کر دولہن بنا دیا جاتا تو اس وقت اربابِ نشاط یعنی موسیقی کے ماہرین طلب کیے جاتے اور وہ شاہی تخت کے پاس پہنچ کر اپنے پُرکیف نغموں اور ہوش ربا الاپوں سے پوری محفل کو مست کر دیتے اور پھر انعام و اکرام سے نوازے جاتے۔ ''تزک جہاں گیری'' میں جہاں گیر لکھتا ہے کہ جب وہ سولہویں سال جلوس میں بیمار پڑا اور اچھا ہو گیا تو اس کی خوشی مین نور جہاں نے دربار اور محل کو اس طرح سجایا کہ اس سے پہلے ایسی زینت وآرائش کبھی نہیں دیکھی گئی، اس موقع پر موسیقی کے ماہرین نے بھی اپنے کمالات دکھائے اور انعامات سے سرفراز کیے گئے۔ (تزک جہاں گیری، ص ۳۴۱) شاہ جہاں کی لڑکی جہاں آرا جل گئی تھی، جب اچھی ہوئی تو شاہ جہاں نے خوشی میں بہت دھوم دھام سے جشن منایا، مخمل اور زربفت کے خیمے لگائے گئے، زرنگار شامیانے کھڑے کیے گئے، جن میں چاندی اور سونے کی ڈوریاں تھیں، طرح طرح کے فرش اور قالین بچھائے گئے، شاہی تخت کو موتیوں سے سجایا گیا اور اس کے دائیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بائیں جواہر آبدار کے چتر لگائے گئے، اس کے دونوں طرف چاندی کی خرگاہ کھڑی کی گئی، جس پر مخمل کا غلاف تھا اور سونے کی میناکاری تھی، مصور پردے آویزاں کیے گئے جن میں فرنگیوں اور چینیوں کی بہترین صنعت نظر آتی تھی، جب شہزادے اور امرا اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو خوش آواز مغنی رامشکر اور باکمال سازندے طلب کیے گئے، جب انھوں نے گانا شروع کیا تو ''بادشاہ نامہ'' کے مؤلف کا بیان ہے کہ اُن کے ساز و آہنگ سے آوازنویں آسمان کو ہلا رہی تھی اور طبل و نفیری کی صدا کرۂ اثیر تک پہنچ رہی تھی۔ (بادشاہ نامہ، جلد دوم ص ۹۵-۳۹۴)

اورنگ زیب اور موسیقی: اورنگ زیب کے دربار میں ماہرین موسیقی کی سرپرستی نہیں ہوئی، اس کا ایک درباری مرزا اکرم خاں صفوی فن موسیقی کا بڑا ماہر تھا، اس نے ایک روز اورنگ سے نغمہ و سرود کے متعلق اس کی رائے پوچھی اورنگ زیب نے جواب دیا کہ جو اس کے اہل ہیں ان کے لیے حلال ہے، مرزا نے عرض کیا، پھر آپ اہل ہونے کے باوجود کیوں اس سے پرہیز فرماتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ تمام راگ راگنیاں بغیر مزامیر اور خصوصاً پکھاوج کے مزہ نہیں دیتیں اور مزامیر بالاتفاق حرام ہیں، حرمت مزامیر کی وجہ سے میں نے نفس سرود سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔

(مآثر عالم گیری ص ۲۷-۵۲۶)

اورنگ زیب موسیقی کو شرعاً ناجائز سمجھتا رہا لیکن تقریبات کے موقع پر وہ اس پر پابندی عائد کرنے سے مجبور ہو جاتا، اس کے لڑکے محمد معظم کی شادی ہوئی تو ''عالم گیر نامہ'' کے مؤلف کا بیان ہے کہ مطربوں کے طائفہ نے اپنے ساز و نغمہ سے لوگوں کو محظوظ کیا، اس طائفہ میں عورتیں بھی تھیں، نقارہ، کرنا، صفیر، نفیر اور سرنا کی آوازیں آسمان تک جاتی تھیں اور جب مبارک باد میں ترانہ گایا گیا تو خود اورنگ زیب نے بھی اس کو سنا، (عالم گیر نامہ، ص ۶۴۲) اس لڑکیوں میں زیب النسا علم موسیقی سے بھی واقف تھی، (دیکھو بزم تیموریہ ص ۴۵۷)

امرا کی سرپرستی: شاہی دربار کے امرا بھی موسیقی کی سرپرستی میں پیش پیش رہے اور ہر زمانہ میں ان کی مجلسوں میں ارباب نشاط کا درخور رہا، راجہ بیربل اکبر کا مشہور درباری گذرا ہے، مآثر الامرا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اس کو فن موسیقی میں بڑی مہارت تھی۔ (جلد دوم ص ۱۲۲) یہی مؤلف زین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاں کوکہ کے بارہ میں لکھتا ہے کہ اس کو ہندی راگوں سے بڑا شغف تھا اور ساز بڑی خوبی سے بجاتا تھا۔ (جلد دوم، ص ۳۶۹) عبدالرحیم خان خاناں نے اکبر کے دربار کے مشہور ماہر موسیقی رام داس کا گانا سنا تو آبدیدہ ہوگیا اور ایک لاکھ روپیے انعام میں دیے اور اس کو برابر اپنی خلوت میں بھی ساتھ رکھتا تھا، (بدایونی جلد دوم ص ۴۲) اکبر کے دربار کے ملک الشعرا فیضی نے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی دونوں موسیقی میں مہارت حاصل کرلی تھی، بین بجانے میں اس کو کافی مشق تھی، اس کے کتب خانہ میں علم موسیقی پر کافی کتابیں جمع تھیں، فیضی کے باپ شیخ مبارک موسیقی کے بھی عالم سمجھے جاتے تھے، نغمہ و سرود اور ساز و آہنگ کے بغیر اُن کو چین نہ آتا۔ (بدایونی، جلد سوم ص ۷۳) ملا عبدالقادر بدایونی اپنے مذہبی کٹرپن کے لیے مشہور تھے لیکن بین بجایا کرتے تھے اور ہندی اور غیر ہندی نغموں سے بھی واقف تھے، (بدایونی، جلد سوم ص ۳۰۴) جہاں گیر کے امرا میں اسلام خاں چشتی فاروقی، حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے پوتے تھے، جہاں گیر نے ان کو بنگال کا صوبہ دار مقرر کیا، عجیب وغریب صفات رکھتے تھے، مشرباً صوفی تھے، زندگی بھر جوار کی روٹی، ساٹھی کا چاول اور ساگ کھاتے رہے لیکن کہتے ہیں کہ میدان جنگ میں ہاتھی سے لڑ جاتے تھے اور اس کو زمین پر دے مارتے تھے، مذہبی احکام کے بھی بڑے پابند رہے لیکن فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کی خاطر بنگال کے رقص وسرود کے ارباب کمال مثلاً لولی، ہورکنی، کنچنی اور ڈومنی پر نو لاکھ ساٹھ ہزار سالانہ خرچ کیا کرتے تھے۔ (مآثر الامرا جلد اول ص ۱۱۹) جہاں گیر کا ایک اور درباری امیر مرزا عیسیٰ ترخاں نغمہ و ساز، راگ ورنگ دونوں کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ (مآثر الامرا جلد سوم ص ۴۸۸) شاہ جہانی امرا میں مغل خاں اور حسام الدین خاں کو ہندوستانی موسیقی میں بڑی مہارت تھی، مغل خاں کے یہاں موسیقی دانوں کا بڑا مجمع رہتا تھا۔ (مآثر الامرا، جلد اول ص ۵۸۶، جلد سوم ص ۴۹۲) اس دور میں موسیقی کا سب سے بڑا مرکز شاہ نواز خاں صفوی کا دربار تھا جو خود بھی راگ اور نغمہ کا دلدادہ تھا، اس کے دربار میں جتنے گویّے اور سازندے تھے، کسی اور امیر کے یہاں نہ تھے۔ (مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۷۵) شاہ جہانی دور میں ملا عبدالسلام لاہوری اپنے مذہبی اور فقہی علم کے لیے مشہور تھے اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد جس طرح ہدایہ اور بزدوی کے مشکل مقامات حل کرتے تھے، اسی طرح موسیقی کی مشکلات بھی حل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا کرتے تھے، اسی دور میں شیر خاں لودی نے ''مرأۃ الخیال'' لکھی تو ہندی نغمات پر مستقل ایک باب لکھ کر ہندوستانی موسیقی کی بہت سی باریکیاں بتائیں، شاہ جہاں کے درباری مؤرخ عبدالحمید لاہوری نے ہندوستانی موسیقی کی تعریف دل کھول کر کی ہے وہ لکھتا ہے کہ موسیقی لذیذ ترین مستلذات اور دقیق ترین معقولات میں سے ہے، خصوصاً ہندوستانی نغمہ تو ایسے مرتبہ کی چیز ہے کہ اس سے بلند تصور میں نہیں آسکتا ہے، اس کی آواز میں دل ربائی ہے، کیفیت ہے دل کشائی ہے، ہر قوم میں موسیقی ہوتی ہے لیکن جو وسعت، نازک خیالی، رنگینی، دل نشینی اور ناز و نیاز ہندوستانی نغمہ میں ہے، اس کا دسواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی کسی اور قوم کی موسیقی میں نہیں، اسی لیے ہندوستان کے نغمہ کا حسن یہاں کے حسن کی طرح عالم گیر ہے۔ (بادشاہ نامہ، جلد اول، ص ۱۵۲)

عالم گیری امرا میں سب سے بڑا ماہر فن فقیر اللہ سیف خاں تھا، اس نے ہندوستانی موسیقی کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اسی سلسلہ میں اُس نے راجہ مان سنگھ کی ترتیب دی ہوئی مان کوتوہل کا فارسی میں ترجمہ کیا، جس کا نام ''راگ درپن'' رکھا، اس میں اپنی طرف سے اُس نے بہت سے قواعد کا اضافہ بھی کیا، اس نے بڑی وضاحت سے بتایا کہ ہندوستانی سنگیت میں کون کون سے راگ، کن کن راگوں سے مل کر بنے، اسی کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر راگ کی راگنیاں (بیویاں) ہوتی ہیں اور پتر (لڑکے) بھی ہوتے ہیں، راگ کی چھ قسمیں ہیں، ان میں سے ہر ایک کی راگنیاں ہیں جن کے علاحدہ علاحدہ پتر ہیں، فقیر اللہ نے اپنی کتاب میں ان سب کی تشریح کی ہے، مثلاً بھیرون راگ کی راگنیاں حسب ذیل ہیں: بنگالی، بھیروی، بلادلی، بنکی، دسینہ اور اس کے پتر یہ ہیں: بنگال، پنچم، مدھ ہرکھ، دیساکھ، للت، بلادل، مادھو فقیر اللہ نے اس کی بھی تفصیل لکھی ہے کہ کن کن راگنوں سے مل کر کون کون سی راگنیاں بنتی ہیں، مثلاً کانہڑہ اور دھناسری مل کر باگیری بنتی ہے، کانہڑہ اور ملاء سے ادانہ، کانہڑہ اور فردوست سے شاہانہ، کامود اور کلیاں سے بنود، پوربی، گوری اور سیام سے فردوست، سارنگ نٹ ملاوَل اور دیوگری سے بسنت وغیرہ راگنیاں بنتی ہیں۔

آخری دور کے مغل حکم رانوں کی سرپرستی: مغلوں کے آخری دور میں محمد شاہ پیار نگیلے کا دربار گویوں اور سازندوں کا بڑا مرکز بن گیا تھا، ان میں نعمت خاں المعروف بہ صدا رنگ کا نام اب تک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور ہے، کہا جاتا ہے کہ آج کل جتنے خیال گائے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر صدارنگ ہی کے وضع کردہ ہیں، نعمت خان کے شاگردوں میں اس کے ایک بھائی کے علاوہ لالہ بنگالی اور نیازی قوال بھی تھے، محمد شاہ کے دربار کے مغنّی سارنگ نے سارنگی ایجاد کی جو اس قدر مقبول ہوتی گئی کہ اور دوسرے ساز مثلاً بین، سرود، رباب، طنبورہ اور قانون بجانے کا فن اس کے سامنے روز بروز کم ہوتا گیا۔

موسیقی مغلیہ دربار میں آخر وقت تک قائم رہی، بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بہت سے ماہرین موسیقی جمع تھے، ان میں تان رس خاں نے بڑی شہرت پائی، شمالی ہند کے اکثر ماہرین فن اسی کے شاگرد تھے، خود بہادر شاہ ظفر ٹھمریاں لکھا کرتے تھے، جن کے نمونے ان کے دیوان میں ملیں گے، اس دور میں میر ناصر احمد اور راگ رس بین بہت اچھا بجاتے تھے، ہمت خاں، نظام خاں اور قائم خاں دھر پد بہت اچھا گاتے تھے، رحیم سین ستار کا ماہر تھا، پکھو اور گلاب سنگھ پکھاوج میں یکتائے روزگار تھے۔(۱)

کشمیر میں موسیقی: ہندوستان کی مرکزی حکومت کے علاوہ صوبوں میں بھی موسیقی کی شاہانہ سرپرستی برابر ہوتی رہی، کشمیر کے مشہور سلطان زین العابدین (۷۰-۱۴۲۰) کے بارے میں فرشتہ لکھا ہے کہ:

> ''جب اس کی سخاوت کی شہرت پھیلی تو ساز بجانے والے اور گانے والے جو کہ زمانے میں بے مثل تھے، اطراف و جوانب سے کشمیر آنے لگے، چنانچہ کشمیر ہندوستانی فن موسیقی کا ملک فرنگ بن گیا، خواجہ عبدالقادر کا ایک شاگرد ملا عودی خراسان سے سلطان کے پاس آیا اور عود ایسا بجایا کہ سلطان بہت خوش ہوا اور بڑے انعامات سے نوازا، ملا جمیل حافظ تھے، اشعار بھی بڑی خوبی سے پڑھتے تھے، انھوں نے سلطان کی مجلس کو خوب گرم رکھا، سلطان کا وقت اُن کی وجہ سے خوب گزرتا اور وہ ان کو ہر سال اتنے روپے دیتا کہ اس کی تفصیل نہیں لکھی جاسکتی ہے،......... سلطان کی مجلس میں ایسے ایسے اہل نغمہ اور ارباب طرب تھے کہ ان کی صورت اور آواز دونوں کا حسن زمانہ میں بے مثل تھا، اُن کے ناچ بھی بے نظیر ہوتے، اسی لیے سلطان کی مجلس رشک بہشت بن جاتی، بعض گانے والے ایک

(۱) اُن کی تفصیل کے لیے دیکھو بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری ندوی ص ۴۷۳-۴۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گانے کو بارہ طریقے سے ادا کرتے ،بعض اہل طرب کے ساز، مثلاً عود، رباب اور طنبور مطلا ومرصع ہوتے۔ (فرشتہ، جلد دوم ص ۳۴۴)

سلطان زین العابدین کا لڑکا اور جانشین سلطان حیدر مختلف سازوں کے بجانے میں بڑا ماہر تھا، سلطان حسن شاہ نے اپنے عہد میں دکن کے ماہرین موسیقی کو بلا کر بہت سی راگنیاں کشمیر میں رائج کرائیں ،سلطان یوسف شاہ بھی موسیقی کا بڑا سرپرست اور قدردان رہا اس کی بیوی حبہ خاتون نے راست کشمیری کے نام سے ایک راگنی بھی ایجاد کی تھی۔

گجرات میں موسیقی: گجرات میں سلطان مظفر (المتوفی ۱۵۲۶ء) موسیقی کا بڑا صاحب فن سمجھا جاتا تھا، مرأۃ سکندری (ص ،۱۷۹) میں ہے کہ وہ بہت ہی خوش گلو تھا اور گو اُس کو مذہب سے بھی بڑا شغف تھا لیکن مختلف سازوں مثلاً رباب، چتری اور سرمنڈل وغیرہ بجانے میں اتنا کمال رکھتا تھا کہ اس کے عہد کے استاد بھی اس کی شاگردی پر فخر کرتے تھے،''مرأۃ سکندری'' کے مؤلف کا یہ بیان ہے کہ سلطان کوسورانہیہ دھیا، نالد یہا، براکیت ،سوارده، جهندو، اوردوہرہ میں بڑی مہارت تھی ، یہ سب غالباً گجراتی راگ اور راگنیاں تھیں۔

سلطان مظفر کا بیٹا سلطان بہادر ( ) بھی موسیقی کا بڑا مربی تھا، نائک بخشو بھی آخر میں اسی کے دربار میں چلا آیا تھا، جیسا کہ ذکر آچکا ہے،''مرأۃ سکندری'' میں سلطان بہادر کے ایک اور ماہر فن کا ذکر موجود ہے جس کا نام منجھو درج ہے لیکن بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ یہ منجھو دراصل بیجو باورا کے نام سے مشہور ہوا، ہمایوں نے جب گجرات فتح کیا تو منجھو یعنی بیجو اس کے ہاتھ آیا لیکن کچھ دنوں کے بعد بیجو پھر سلطان بہادر کے پاس بھاگ کر چلا آیا اور سلطان بہادر نے اس کو دیکھ کر کہا:

''جو میرے پاس سے گیا تھا آج واپس آ گیا، اس کو دیکھ کر میرا سارا غصہ اور غم جاتا رہا، اب میری اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی جو کچھ میں نے خدا سے طلب کیا تھا وہ مل گیا۔(مرأۃ سکندری، ص ۲۵)

بیجو اپنے عہد کے ماہرین کا استاد سمجھا جاتا، تان سین سے اس کی ٹکر کی بہت سی روایتیں بیان کی جاتی ہیں، مگر ان میں کچھ افسانوی رنگ بھی آ گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گجرات کے حکمراں سلطان محمود ثانی کا وزیر دریا خاں بھی موسیقی کا بڑا ماہر تھا ''مرأۃ سکندری'' میں ہے:

''دریا خاں کے زمانہ میں ہر گھر، ہر منزل، ہر کوچہ اور ہر بازار سے ساز و نغمہ کی آواز آتی تھی، اس کے دربار کے کلاونتوں میں نائک ابھو تھا جس کے روح افزا نغمے سے نائک گوپال کی مردہ روح میں بھی جان آجاتی تھی، نائک حسینی بھی تھا جو نائک بخشو کا لڑکا تھا، نائک چتر کے دو بیٹے رنگ خان اور ملہی بھی تھے، کھیم اہرمن بھی تھا، ان کے نغموں سے زہرہ بھی آسمان سے اتر آتی تھی، یہ سب اپنے اپنے فن میں بے نظیر تھے اور دریا خاں کی خدمت میں رہتے تھے۔ (ص، ۲۶۸)

دکن میں موسیقی: دکن بھی موسیقی کا گہوارہ رہا بلکہ بعض حیثیتوں سے اس کو شمالی ہند پر فوقیت حاصل تھی، دکن کے مسلمان حکمرانوں میں اکبر کی طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اس فن کو بڑا فروغ دیا، اس کو خود موسیقی کے فن میں بڑا کمال تھا اور اس فن کے جتنے ماہرین تھے، دور دور سے اُس کا گانا سننے کے لیے آتے تھے اور اس کے جود و کرم سے فیض یاب ہوتے تھے، اس طرح رفتہ رفتہ اس کے دربار میں ماہرین فن کا بہت بڑا مجمع ہو گیا تھا، تقریباً تین ہزار گویے ایسے تھے جو شاگرد کے لقب سے مشہور تھے، اُن کی تین قسمیں تھیں ۱- حضوری: یہ جماعت فن موسیقی میں غیر معمولی مہارت رکھتی تھی اور برابر ابراہیم عادل شاہ ثانی کے حضور میں رہتی تھی۔ ۲- درباری: ان لوگوں کا درجہ حضوری سے کم تھا۔ ۳- شہری: یہ وہ ماہرین فن تھے جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے بسائے ہوئے شہر نورس میں رہتے تھے، یہ گویا فن موسیقی کے طلبا کی تین جماعتیں تھیں، جن کا استاد ابراہیم عادل شاہ ثانی تھا، وہ جب کوئی راگ یا راگنی باندھتا تھا تو وہ پہلے حضوریوں کو سناتا تھا جو اس کو ازبر کرا لیتے تھے، یہ درباریوں کو سناتے تھے اور جب وہ اس کو سن کر یاد کر لیتے تھے تو پھر وہ شہریوں کو سناتے تھے، اس طریقہ سے فن موسیقی کی تعلیم کا ایک باقاعدہ نظام قائم ہو گیا تھا، ہر جماعت کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر تھیں۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی نے فن موسیقی پر ایک کتاب بھی لکھی تھی، جس کا نام ''نورس'' ہے، اس کا دیباچہ ملا ظہوری نے قلم بند کیا تھا، جو نثر نگاری کے لحاظ سے ایک بے عدیل چیز سمجھی جاتی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دیباچہ کے آگے ''نورس'' کی شہرت دب کر رہ گئی، نورس میں ۵۹ گیت اور ۱۷ دوہرے ہیں، گیتوں میں ۱۹ گیت گنہڑا (یا کرناٹی) کے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کو زیادہ پسند تھے، اسی طرح بھیروں، بھوپالی، رام کلی، ججیز، مارو، اساوری، دیسی، پوریا، برامدی، ٹوڑی، ملہار، گوری، کلیان، دھناسری، کیدارا، اورنوروز پر گیت ہیں، ابراہیم عادل شاہ ثانی نے صحیح معنوں میں ہندوستانی موسیقی کو ''سیکولر'' بنایا، کیوں کہ اس نے جہاں اپنے رسول اور خواجہ سید محمد گیسو دراز کی شان میں گیت لکھے ہیں، وہاں بہت سے گیت ہندو دیو مالا سے بھی بھرے ہیں، ایک ''بھوپالی'' میں کہتا ہے:

حضرت محمد جگت تر گر گسائیں ☆ تو درگہ چمک میرو من سار

تر لوگ جپت تو نانو پا دین پُر ان کی پُران

آچرج مہا پیرا بلابلی توں ہی سانچو اوتار

کوؤ چاہے ماتنگ تکھار کوؤ ورتن ما

کوؤ بھوجن واسہ کوؤ دھامان دھولار

ابراہیم چاہے اتم بدیا دان دھرم

سید محمد کی دہائی کریم کرتار

(اے حضرت محمد آپ تینوں جہاں کے ہادی ہیں، آپ کی درگاہ مقناطیس ہے اور میرا دل لوہا ہے جو اس طرف کھنچا رہتا ہے، تینوں جہاں والے آپ کے نام کا ورد کرتے ہیں اور اس سے ان کی دلی آرزوئیں پوری ہوتی ہیں، آپ ولیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں، آپ ضعیفوں کے دست گیر اور سچے نبی ہیں کوئی گھوڑے اور ہاتھی چاہتا ہے تو کوئی ہیرے کی مالا کوئی کھانے کپڑے کا آرزومند ہے تو کوئی بلند محل کا متمنی، ابراہیم خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ سید محمد کے وسیلے سے اس کو علم اور سخاوت میں ممتاز کردے۔)

نوابان اودھ اور موسیقی: نوابان اودھ کے دربار میں موسیقی کی بڑی سرپرستی ہوئی، نواب آصف الدولہ بہادر کے عہد میں اس فن پر فارسی میں ایک کتاب ''اصول النغمات الآصفیہ'' لکھی گئی جس کے بارہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں کہ فن موسیقی پر اس سے بہتر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوسکی۔

غازی الدین حیدر کے زمانہ میں ایک وارفتہ مزاج مغنی حیدری خاں تھا جس کے بارہ میں مشہور تھا کہ وہ اپنے نغموں سے ہنسا کر رُلا سکتا تھا۔

واجد علی شاہ کا دربار موسیقی کا گہوارہ بن گیا تھا، خود واجد علی شاہ، اس فن کے بڑے ماہر تھے، وہ جب گاتے .... تو اُن کی لے پر اُن کا ہر عضو خود بخود پھڑ کنے لگتا، عبدالحلیم شرر نے کوکب خاں پروفیسر موسیقی کلکتہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عام طور سے مشہور ہے کہ واجد علی شاہ ناچتے تھے حالاں کہ وہ ناچتے نہ تھے بلکہ لے داری میں محو ہوجاتے تو ان کے اعضا سے ایسے حرکات سرزد ہونے لگتے، لے داری میں کوئی اعلا درجہ کا کامل فن گویا بھی بادشاہ کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا، انھوں نے نئی راگنیاں بھی تصنیف کیں جن کے نام اپنے مذاق کے مطابق جوگی کنٹر، جوہی اور شاہ پسند وغیرہ رکھے، کہا جاتا ہے کہ سلطانی راگنی کے بھی وہی موجد ہیں انھوں نے دھناسری، بھیم پلاسی اور ملتانی کو باہم ملاکر یہ راگنی ایجاد کی، فن موسیقی پر ان کی دو کتابیں صوت المبارک اور نبی بھی ہیں لیکن ان کی عیش پسندی کی وجہ سے فن موسیقی کو نقصان پہنچا، اُن کے دربار میں ریہلسل ہوا کرتا تھا خود کنھیا بنتے تھے، اس میں ادنیٰ درجہ کے گانے گائے جاتے، خود واجد علی شاہ کو کھماچ، جھنجھوٹی، بھیرویں، سنید روا تلک کا مود اور پیلو وغیرہ جیسی چھوٹی چھوٹی مزہ دار راگنیاں مرغوب تھیں، اس لیے وہ بہت گائی جاتیں اور عوام میں بھی مقبول ہوتیں، اسی زمانہ عوام میں غزل ٹھمری کا چرچا زیادہ ہوگیا، اس میں بوالہوسانہ نغمے لے اور نرت (موشن) کے ساتھ گائے جاتے ہیں، جس سے رقص کی بھی جھلک آجاتی ہے، اسی لیے بہت پسند کی گئی، یہ عام طور سے عورتیں آنکھوں اور ابروؤں کی جنبش اور حرکت کے ساتھ گاتیں لیکن مرد گاتے تو بھاؤ تاؤ کے بجائے آواز کے مختلف اندازوں سے اس کمی کو پورا کرتے، ٹپے کا بھی رواج اسی زمانہ میں ہوا، یہ ساربانوں کا گانا تھا لیکن اس کو میاں شوری نے ترقی دیا اور اس کی ہردلعزیزی کے آگے کچھ دنوں کے لیے خیال کا رنگ پھیکا پڑ گیا لیکن کہا جاتا ہے کہ خیال پوری آتش بازی ہے اور ٹپہ محض ایک پھلجھڑی ہے، اس زمانہ میں نوحے اور مراثی بھی ترنم سے پڑھے جاتے تھے، ان کو رفتہ رفتہ اعلا درجہ کا راگ بنا دیا گیا جو سوز خوانی کے نام سے مشہور رہا، اسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ میں دادرا کو بھی مقبولیت ہوئی جس میں منظر کشی اور دیہاتی ماحول زیادہ پیش کیا جاتا ہے اور جب غزل جیسی کافر صنف سخن مقبول ہوئی تو رندوں اور صوفیوں دونوں کی مجلسوں میں گائی جانے لگی۔

عام گھروں میں گیت ہر تقریب میں گائے جاتے اور لوک گیت میں دیہاتی زندگی کا دل دھڑکتا ہے، سرحد کا ٹپہ، پنجاب کا ماہیا، سندھ کا رانو، جموں کی پہاڑی، یوپی کی کجلی وغیرہ اب تک مشہور ہیں۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصوّری

سلاطین دہلی کے درباروں میں مصوروں کا ذکر نہیں آتا ہے کیوں کہ انھوں نے مصوری کی سرپرستی نہیں کی لیکن اس زمانے میں ایسے مصور ضرور رہے جو درباروں اور محلوں کی دیواروں پر نقش ونگار اور گل بوٹے بناتے رہے، ۶۲۶ھ میں سلطان ایلتتمش کو خلیفہ ابوجعفر منصور المستنصر نے اس کی حکومت کے استقلال وخودمختاری کو تسلیم کر کے خلعت بھیجا تو سلطان نے نہایت ادب واحترام کے ساتھ خلعت لانے والے سفیر کا خیر مقدم کیا، دارالسلطنت کو آراستہ کیا گیا، محل کی دیواروں پر نقاشی کی گئی، دربار کو سجایا گیا، شہر میں تین قبے بنائے گئے، اس دور کے مشہور شاعر تاج الدین ریزہ نے اس موقع پر جو قصیدہ کہا اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

خسروا از رشک صورتہا کہ بر ایوانِ تست ☆ چیں در ابروئے نکورویاں چین آوردہ اند

صحن درگاہت بہ نزہت گلستانے شد کزو ☆ خارِ خار در دلِ خلد بریں آوردہ اند

شہر را از شش جہت درزر د زیور بستہ اند ☆ قبہا سر بر سپہر ہفتمیں آوردہ اند(۱)

شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ سلاطین کے خلوت خانوں میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے، تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی ان تصویروں پر نظر پڑے، اسی طرح فتوحات فیروز شاہی میں ہے کہ پوشاک، گھوڑوں کی زین، لگام، ساغر، مینا، بارگاہ، خرگاہ، پردے اور تخت وغیرہ پر تصویریں بنانے کا رواج تھا لیکن اسلام میں ذی روح چیزوں کی مصوری حرام قرار دی گئی ہے، اس لیے فیروز شاہ نے حکم دیا کہ اس کے خلوت خانہ میں جاندار چیزوں کی تصویریں نہ بنائی جائیں، بلکہ اس کے دیواروں پر باغات اور مناظر قدرت کے نقش ونگار بنائے جائیں، اسی طرح اس نے علم ونشانات اور دوسری چیزوں پر بھی جاندار چیزوں کی تصویروں کا بنوانا موقوف کرادیا۔(۲)

---

(۱) پورے قصیدہ کے لیے دیکھو بزم مملوکیہ، از: مولف ص ۱۰۶-۱۰۵۔ (۲) فتوحات فیروز شاہی نیز دیکھو تاریخ فیروز شاہی از عفیف ص ۳۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلاطین دہلی کے دور کی مسجدوں اور مقبروں کی بعض بچی کھچی یادگاروں میں نقش و نگار بھی دیکھے جاسکتے ہیں، اس دور میں کتابوں کی مصوری کا ذکر معاصر تاریخوں میں نظر سے نہیں گذرا، گو اسلامی ممالک میں کتابوں کو مصور کرنے کا رواج شروع ہو گیا تھا، شاہنامہ، خمسہ نظامی، حیات سعدی کا کوئی مصور نسخہ کوئی باہر سے لے آتا تو اس کی بڑی قیمت ادا کر کے شاہی کتب خانہ کے لیے خرید لیا جاتا، بیرونی ممالک میں ہندوستان کی بعض کتابیں مصور بھی ہوتی رہیں، مثلاً کلیلہ دمنہ بغداد میں عباسیوں کے عہد میں مصور ہوئی، ۱۴۵۸ء میں ہرات میں سلطان حسین مرزا نے امیر خسرو کے خمسہ کو مصور کرایا۔(۱)

بابر کا ذوق مصوری: بابر کو اپنے دربار میں مصور رکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن اس کو خود مصوری کا اچھا ذوق تھا، اس لیے مشہور مصور بہزاد پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ بڑی باریک مصوری کرتا تھا مگر امرد کا چہرہ اچھا نہ بناتا تھا، غبغب کو بہت بڑھا دیتا تھا، ریش دار چہرہ اچھا بناتا تھا، ایک اور مصور شاہ مظفر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ بہت عمدہ مصور تھا، اس کی عمر نے وفا نہ کی، ترقی کے زمانے میں مر گیا،(۲) بابر نے بہزاد کی تعریف کرنے میں زیادہ فیاضی سے کام نہیں لیا ہے لیکن وہ ایشیا کے بہترین مصوروں میں تسلیم کیا گیا ہے، وہ پہلے ہرات میں سلطان جبین مرزا کے دربار سے منسلک ہوا جو تیمور کے بیٹے عمر شیخ مرزا کا پڑپوتا تھا، اس کے انتقال کے بعد اس نے شاہ ایران اسماعیل صفوی کی ملازمت اختیار کر لی، جہاں رہ کر اس نے مصوری کے فن کو بڑا اونچا کیا جو ایرانی طرز مصوری کے نام سے مشہور ہوا اور جس سے خود ہندوستان بھی متاثر ہوا۔

ہمایوں کی سرپرستی: ہمایوں کو بھی مصوری سے ذوق رہا، ہندوستان کی سلطنت کھو کر امرکوٹ میں مقیم تھا کہ ایک خوب صورت فاختہ کہیں سے اس کے پاس آ بیٹھی، ہمایوں نے دوڑ کر اس کو پکڑ لیا، اس نے مصوروں کو بلایا اور اس کی تصویر کھنچوائی، پھر اس کو چھوڑ دیا،(۳) اسی غریب الوطنی کے زمانے میں ایران گیا، اس کی ملاقات میر سید علی تبریزی اور خواجہ عبدالصمد شیرازی شیریں قلم سے

---

(۱) کیٹلاگ آف دی انٹرنیشنل اکزیبیشن آف پرسین آرٹ، لندن ۱۹۳۱ء بحوالہ مضمون پینٹنگ ڈیورنگ دی سلطنٹ پیریڈ از ڈاکٹر ایم، عبداللہ چغتائی۔ (۲) بابر نامہ ص ۱۸۶۔ (۳) تذکرۃ الواقعات۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی، دونوں بہزاد کی طرز مصوری سے متاثر تھے اور دونوں اپنے اپنے فن میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔

میر سید علی تبریزی نے اپنے فن کا کمال چاول کے ایک دانہ پر ایسی تصویر بنا کر دکھایا جس میں دو آدمی چوگان کھیل رہے تھے اور دونوں سرے پر چوگان کے کھمبے نصب تھے اور اس دانہ پر حسب ذیل شعر بھی لکھا تھا:

درون خانہ صد خرمن آمد ☆ جہان در دل یک روزن آمد (۱)

ہمایوں نے اس کو نادر الملک کا خطاب دیا تھا لیکن وہ اپنے نام کے ساتھ ہمایوں شاہی لکھنا پسند کرتا تھا، (۲) اس کو زیارت خانۂ کعبہ کا بھی شرف حاصل ہوا۔ (۳)

''خواجہ عبدالصمد شیرازی شیریں قلم کے بارہ میں ماثر الامرا (جلد دوم ص ۶۲۵) میں ہے، خواجہ عبدالصمد شیرازی کا دادا خواجہ نظام الملک شیراز میں شاہ شجاع کا وزیر تھا جس زمانہ میں جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ شاہ ایران سے رخصت ہو کر تبریز آیا، خواجہ عبدالصمد جو کہ فن تصویر کشی میں نادرۂ کار سحر آفریں تھا، وہاں آ کر ملازمت میں داخل ہو گیا اور بادشاہ کا بہت محبوب بن گیا لیکن زمانہ کی نیرنگیوں کی وجہ سے وہ ساتھ نہ دے سکا، ۹۵۶ھ میں ... س آ کر پھر اس کو بساط بوسی کا شرف حاصل ہوا، وہ بہت سی عنایتوں سے نوازا گیا، عرش آشیانی کے عہد میں اس کو چہار صدی کا منصب ملا لیکن (اکبر کے) ساتھ اور قریب رہنے کی وجہ سے اس کی بڑی عزت ہوئی اور اُس نے بڑا اعتبار حاصل کیا، کہتے ہیں کہ اُس نے خشخاش کے ایک دانہ پر سورۂ اخلاص لکھ دیا تھا۔''

خواجہ عبدالصمد اعلا درجہ کا مصور ہونے کے علاوہ خطاط بھی تھا، منتخب التواریخ جلد سوم

(۱) دیکھو پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل اپریل ۱۹۶۲ء مضمون ''خواجہ عبدالصمد شیریں قلم'' از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی۔ دی السٹریٹڈ ایڈیشن آف رزم نامہ از عبداللہ چغتائی فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون از وی اے اسمتھ ص ۱۸۳۔ ۱۹۶۳ء مضمون ''خواجہ عبدالصمد شیریں قلم'' از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی۔ (۲) دی السٹریٹڈ اڈیشن آف رزم نامہ از عبداللہ چغتائی (۳) فائن آرٹ انڈ اینڈ سیلون از وی اے اسمتھ ص ۱۸۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ص ۳۱۰) میں ہے:

''مشہور است کہ (خواجہ عبدالصمد) در یک طرف دانہ خشخاش سورۂ اخلاص تمام درست خوانا نوشتہ وطرف دیگر نیز از یں مقولہ۔''

اس نے چاول کے ایک دانہ پر چوگان کے کھیل کی مصوری میر سید علی تبریزی سے زیادہ بہتر طریقہ پر کی تھی، اس دانہ پر اس نے ایک میدان بھی دکھایا تھا جس میں سات آدمی چوگان کھیل رہے تھے اور دونوں سرے پر کھمبے نصب تھے، اس نے چاول کے ایک دوسرے دانہ پر یہ بھی دکھایا کہ ایک بڑا کمرہ ہے جس میں دو آدمی ہیں ایک طرف تالاب ہے، دوسری طرف چولھا ہے، ایک آدمی ایک پرندہ کا گوشت پکا رہا ہے، کمرہ کی پشت پر چار آدمی کھڑے اور دو آدمی بیٹھے ہیں، کمرہ کے اندر آنے اور باہر جانے کا راستہ بھی نظر آتا تھا۔(۱)

ہمایوں مذکورۂ بالا دونوں مصوروں کو اپنے ساتھ ہندوستان لایا اور جب اس کو کچھ اطمینان ہوا تو اُن سے داستان امیر حمزہ مصور کرنے کی فرمائش کی لیکن یہ کام اس کی اچانک وفات سے اس کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا، ہمایوں نے اپنے زمانہ میں کچھ تصویریں ضرور بنوائی ہوں گی لیکن وثوق کے ساتھ یہ بتایا نہیں جا سکتا کہ وہ کون کون سی تصویریں ہیں۔

گل بدن بیگم کی ہمایوں نامہ کے انگریزی ترجمہ میں کچھ تصویریں دی ہوئی ہیں، ایک تصویر میں اکبر کی پیدائش کا منظر ہے، اس میں حمیدہ بیگم اور کچھ عورتوں کی تصویریں ہیں حمیدہ بیگم لیٹی نظر آتی ہے، صاف دکھائی نہیں دیتی ایک عورت نومولود بچہ کو گود میں لیے ہوئے ہے، اس کے نیچے کچھ نجومی بیٹھے نظر آتے ہیں جس کے سامنے دو درخت بھی ہیں، اس تصویر کے نیچے ہمایوں تخت پر بیٹھا ہے، پیچھے ملازمین مورچھل وغیرہ لیے ہوئے ہیں، ایک درباری پیدائش کا مژدہ سنا رہا ہے، نقارچی نقارے اور دوسرے سازندے نفیری بجا رہے ہیں، ایک رقاص رقص بھی کر رہا ہے، پھر ایک دوسری تصویر میں کچھ کنیزیں پیدائش کی خوشی میں ناچ رہی ہیں، ایک تیسری تصویر میں حمیدہ بیگم ایک اونچی جگہ پر بیٹھی ہوئی ہے اس کے منھ پر نقاب پڑا ہوا ہے، عورتیں پیدائش کی تقریب کے گیت گا رہی

---

(۱) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل اپریل ۱۹۶۳ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، تمام عورتوں کے خدوخال پر منگولی اثرات ہیں، لباس کی وضع قطع بھی منگولی ہے، ممکن ہے کہ یہ ہمایونی دور کی تصویریں ہوں، اسی کتاب میں ایک تصویر کی ہمایوں کی اس علالت کا منظر دکھایا گیا ہے جس میں مشہور ہے کہ بابر نے ہمایوں کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان خدا کی راہ میں دے دی، (۱) یہ بہت ہی جیتی جاگتی تصویر ہے، ہمایوں کی نبض ایک معمر طبیب کے ہاتھ میں ہے، اس کے بستر کے پاس ایک فقیر فرش پر بیٹھا ہوا دعائیں مانگ رہا ہے، درباریوں میں کوئی مورچھل لیے ہوئے ہے، کوئی دوا پلا رہا ہے، کوئی دوا کا پیالہ ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور کوئی سکتہ کے عالم میں کھڑا ہوا ہے، اس تصویر میں لباس اور فرش کے دکھانے میں بڑی ترصیع کاری سے کام لیا گیا ہے، تمام تصویروں میں پورے چہرے دکھائے گئے ہیں، ہمایوں کا چہرہ منگولی سے زیادہ ہندوستانی نظر آتا ہے، حالاں کہ اسی کتاب میں ہمایوں کی ایک دوسری تصویر ہے، اس میں اس کے چہرے پر منگولی اثرات زیادہ ہیں، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ ہمایوں کی علالت کی تصویر بعد کے دور کی ہے۔

اکبری دور میں مصوری کو فروغ: اکبر نے مصوری کا ذوق باپ دادا سے وراثۃً پایا، اسی لیے اس نے اس فن کی بڑی سرپرستی کی، ابوالفضل لکھتا ہے:

> ''خدیو عالم کو اس فن سے ابتدائے عمر سے آگہی تھی اور اس کو ترقی دینے میں پوری توجہ کی، یہی وجہ ہے کہ اس دل کش جادونگاری کو بڑی ترقی ہوئی اور ایک بڑی جماعت اس کام کے لیے مشہور ہوگئی، معمول تھا کہ داروغہ اور تبکچی ہر ہفتہ ہر شخص کا کام ملاحظہ عالی میں پیش کرتے اور ہر مصور کو اس کے کام کے مطابق انعام اور اضافۂ تنخواہ سے سرفراز کیا جاتا...... یہی وجہ ہے کہ رنگ آمیزی کے فن کو بڑی ترقی ہوئی اور صفائی و لطافت میں تازگی پیدا ہوگئی اور بڑے بڑے ہنرمند پیدا ہوئے، جن کے کمالات کی وجہ سے بہزاد کی نادرہ کاری اور اہل فرنگ کی سحر پردازی کا انبار لگ گیا، فن کی نزاکت، نقش و نگار کی صفائی اور ہاتھ کی مہارت نے وہ مرتبہ حاصل کیا کہ ان کامل فن استادوں کی تصویر کشی نے جمادی اجسام کو مرتبہ حیوانیت عطا کر دیا اور بے جان اشیا تصویر کے ذریعہ سے جیتی جاگتی نظر آنے لگیں۔''

(۱) اکبر نامہ جلد اول ص ۱۱۴-۱۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ اکبری کے اساتذۂ فن: ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس فن میں سو سے زیادہ استاد پیدا ہوئے، ان میں بعض استادوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''باکمال استادوں میں ایک شخص میر سید علی تبریزی ہے، اس نے اپنے باپ سے اس فن کی تعلیمی حاصل کی، آستاں بوسی کرنے کے بعد سایۂ عاطفت میں کمال کو پہنچ کر مشہور ہوا اور بخت کی ہر قسم کی کامیابی حاصل کی، اس فن کا دوسرا جادو نگار استاد خواجہ عبدالصمد شیرازی شیریں قلم ہے، اس نے اس فن کو پہلے ہی سیکھ لیا تھا لیکن ملازمت کے بعد شاہی نکتہ آموزی کی برکت سے پایۂ تکمیل کو پہنچا، اس نے بیشتر شاگردوں کو استادِ زمانہ بنا دیا، ان میں یہ تھے۔

۱- دسونت، یہ شخص نسلاً کہار تھا اور ہمیشہ در و دیوار پر نقش اور تصویریں بنایا کرتا تھا، ایک روز جہاں پناہ کی نگاہ پڑی تو اپنی دور بینی سے اس کے جوہر طبعیت کا اندازہ کرکے خواجہ عبدالصمد کے سپرد کیا اور تھوڑی ہی مدت میں وہ سر آمد روزگار ہوگیا اور اس نے بڑے بڑے کارنامے یادگار کے طور پر چھوڑے۔

۲- بساون طراحی، چہرہ کتابی، رنگ آمیزی مانند نگاری اور فن کی دوسری صنعتوں میں یگانۂ زمانہ تھا، بعض ماہرین فن اس کو دسونت پر ترجیح دیتے ہیں، ان کے علاوہ کیسو، لعل، مکند، مسکیں، فرخ قلماق، مادھو، جگن، مہیش، کھیم کرن، تارا، سانولا، ہربنس، رام اس فن میں مشہور ہوئے۔''

ان مصوروں سے جو کام لیے گئے، ان کا ذکر کرتے ہوئے ابوالفضل رقم طراز ہے کہ:

''فارسی نظم و نثر کی کتابیں تصویروں سے آراستہ کی گئیں، اُن کے بیانات و واقعات کی دل کش تصویریں تیار کی گئیں، داستان امیر حمزہ بارہ جلدوں میں تقسیم کی گئی اور اس کتاب کی ایک ہزار چار سو حیرت انگیز تصویریں بنائی گئیں، جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا تھا، چنگیز نامہ، ظفر نامہ، اکبر نامہ، رزم نامہ، رامایَن، نل دمن، کلیلہ و دمنہ اور عیار دانش وغیرہ کتابیں تصویروں سے آراستہ اور مزین کی گئیں، قاعدہ یہ تھا کہ قبلۂ عالم خود جہاں تصویر اور نشان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا دیتے تھے، ہنرمند اس مقام پر سحر کاری کرتے تھے۔"(۱)

اوپر کے اقتباس میں ابوالفضل نے میر سید علی تبریزی اور خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے کارناموں کی تفصیل لکھنے میں ذرا بخل سے کام لیا ہے، ان ہی دونوں کے کمالات سے مصوری کا وہ دور شروع ہوا جو مغل مصوری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان دونوں میں خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کو زیادہ شہرت کے ساتھ بڑا اعزاز بھی حاصل ہوا، اکبر کے بائیسویں سال جلوس میں وہ فتح پور سیکری کے دارالضرب کا نگراں (۲) اور ستائیسویں سال میں چرمی سامان کا دیدبان مقرر رہا، (۳) اٹھائیسویں سال جلوس میں شہزادہ پرویز کو جب محل کے ساز و سامان کی نگرانی سپرد ہوئی تو اس کی اعانت کے لیے رائے سال درباری، کرم اللہ اور محمد علی خزانچی کے ساتھ خواجہ عبدالصمد بھی مامور ہوا، (۴) پھر اکتیسویں سال جلوس میں وہ ملتان کا دیوان بھی مقرر رہا، (۵) اس نے اپنے لڑکے محمد شریف کو بھی خطاطی اور مصوری کی تعلیم دی جو اپنی نوجوانی اور عہد اکبری ہی میں شیریں رقم کے خطاب سے نوازا گیا۔ (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۳۱۰) میں ہے:

> "شریف ولد خواجہ عبدالصمد مصور از جوانان نو رسیدہ در حسن خط و تصویر بے نظیر است .... در یکدانہ خشخاش می گویند کہ ہشت سوراخ باریک کردہ و تارہا دراں گذارندہ و در دانہ برنجی صورت سواری مسلح و جلوداری در پیش مع دیگر خصوصیات از تیغ و سپر و چوگان وغیراں نقش نمود۔"

محمد شریف جہاں گیر کے عہد میں ترقی کر کے امیر الامرا ہو گیا تھا، (۶) اس زمانہ میں خشخاش اور چاول کے دانوں پر خطاطی اور نقاشی کر کے فن کا کمال دکھایا جاتا تھا، خواجہ عبدالصمد کا ایک لڑکا خواجہ بہزاد نامی بھی تھا، اس نے بھی مصوری کی تعلیم باپ سے پائی۔

داستان امیر حمزہ کا مصور نسخہ: مصوری میں اکبر کے ابتدائی دور حکومت کا سب سے اہم کارنامہ داستان امیر حمزہ کی مصوری ہے، جو میر سید علی تبریزی اور خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کی نگرانی میں

---

(۱) آئین اکبری جلد اول ص ۷۸-۷۷۔ (۲) اکبر نامہ جلد سوم ص ۲۲۷۔ (۳) اکبر نامہ جلد سوم ۳۹۶۔ (۴) ایضاً ص ۴۰۴۔ (۵) ایضاً ص ۵۱۱۔ (۶) مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۳۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مکمل ہوئی۔

مآثر الامرا میں ہے کہ اکبر کو داستان امیر حمزہ کا اس قدر شوق تھا کہ محل کے اندر قصہ خوانوں کی طرح اس کی داستانوں کو سناتا تھا، اسی لیے اس کو مصور کرنے کا حکم دیا اور پورے قصہ کو شروع سے اخیر تک تصویر کے کاغذ پر لکھوا کر بارہ جلدوں میں مرتب کرایا، ہر جلد سو ورق کی تھی، اور ایک ورق ایک ہاتھ لمبا تھا، جس پر تصویر کی دو مجلسیں بنوائیں اور ہر مجلس کے شروع میں جو حالات اور واقعات اس صفحے سے متعلق تھے، ان کی عمدہ کتابت خواجہ عطاء اللہ منشی قزوینی سے کرائی، پہلے میر سید علی تبریزی کے اہتمام اور بعد میں خواجہ عبدالصمد شیرازی کی نگرانی میں پچاس مصوروں نے اس میں تصویریں بنائیں، اس طرح ایک ایسی کتاب تیار ہوگئی جس کی نظیر کسی اور بادشاہ کے دور میں موجود نہ تھی۔(۱)

اب اس کے کچھ اوراق انڈسٹریل میوزیم وائنا، کچھ وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم کن سنگٹن اور کچھ میٹرو پولیٹن میوزیم امریکہ میں ہیں، اس میں وہ تصویر خاص طور پر پسند کی گئی ہے، جس میں امیر حمزہ کا دشمن ایرج ایک درخت سے باندھ دیا گیا ہے اور ایک دوسرے درخت پر ایک جادوگرنی بیٹھی ہے جو اس سے کہہ رہی ہے کہ وہ اس کو رہا کر سکتی ہے، اگر وہ اس کے عشق کا دم بھرنے کا وعدہ کرے اس میں گنجان شاخوں، تنوں اور نیچے جھاڑیوں کو بہت ہی فطری طور پر دکھایا گیا ہے، اسی طرح ایک منظر وہ دکھایا ہے جس میں امیر ایاز قامر کو دم توڑتے دیکھتا ہے، قامر کے گھوڑے کو ایک شیر نے دبوچ لیا ہے، قامر کے پیچھے ایک درخت ہے جس پر بندر اور کچھ پرندے ہیں، پس منظر میں ایک پہاڑی اور کچھ مکانات ہیں، یہ تصویریں وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم کن سنگٹن میں ہیں۔

اکبر نامہ: اکبر نامہ بھی بڑے آب و تاب کے ساتھ مصور کیا گیا، ظاہر ہے کہ اکبر نے جب دوسری کتابوں کو مصور کرانے میں زر کثیر صرف کیا تو خود اپنے ذاتی حالات و واقعات کو مصور کرانے میں کیا کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا لیکن مغل بادشاہوں کی دوسری دولت کے ساتھ ان کی مصور کتابیں بھی زمانہ کی غارت گری کا نشانہ بنیں، چنانچہ اکبر نامہ کی تصویروں میں سے ۱۱۷ تصویریں ساؤتھ کن سنگٹن

(۱) مآثر الامرا جلد دوم ص ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم میں ہیں، ان میں بساون اور چتر کی وہ تصویر بہت ہی عمدہ سمجھی جاتی ہے، جس میں دریائے جہلم میں ہاتھیوں کی لڑائی دکھائی گئی ہے، ان تصویروں میں آگرہ کے قلعہ کی تعمیر کا بھی منظر دکھایا گیا ہے، اس کی طرح (خاکہ) مسکین نے تیار کی اور رنگ آمیزی تلسی نے کی، عمارت کی اونچائی پر مزدور جس طرح چڑھتے تھے، اس کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے، پھر جب فتح پور سیکری کا محل بن رہا تھا تو ایک موقع پر اکبر اس کو دیکھنے گیا اس کا بھی منظر دکھایا گیا ہے، اس کی طرح (خاکہ) مسکین نے اور عمل بندی اور چہرہ نامی مادھو کے ذریعہ سے ہوئی۔

چسٹر بیٹی، لندن میں بھی اکبر نامہ کی کچھ تصویریں ہیں، ایک میں پانی پت کی اس دوسری لڑائی کا منظر دکھایا گیا ہے، جس میں ہیمو گرفتار کیا گیا ہے، ایک دوسری تصویر میں شہزادہ سلیم کی پیدائش کا جشن منایا جارہا ہے، رقص وسرود کی محفل جاری ہے، ناچنے والی عورتیں ناچنے میں اپنا پورا فن دکھارہی ہیں، سازندے ڈھولک اور دوسرے ساز بجارہے ہیں، درباری ایک اونچی جگہ پر بیٹھ کر رقص سے مسرور ہورہے ہیں، نیچے کچھ خیرات بھی تقسیم ہورہی ہے۔

اکبر نامہ کی کچھ تصویریں بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں بھی ہیں، ۱۵۶۷ء میں میر معزالملک اور بہادر خاں کو جو ملاقات ہوئی اس کی تصویر فرخ بیگ نے تیار کی، اسی طرح تو لک خاں فوجی نے شاہ ابوالمعالی کو گرفتار کیا تو اس کی تصویر استاذ فن عبدالصمد نے بنائی۔

انڈین میوزیم کلکتہ میں بھی اکبر نامہ کی کچھ تصویریں ہیں، ان میں ایک میں وہ منظر دکھایا گیا ہے جب کمسن اکبر کو ہمایوں کی وفات کی خبر دی جارہی ہے، اکبر کے ہاتھ پر شکرہ بیٹھا ہے، ایک دوسری تصویر میں اکبر کے دربار میں مشہور ماہر موسیقی تان سین کی آمد دکھائی گئی ہے، دربار پورے وقار اور دبدبہ وحشمت کے ساتھ منعقد ہے، تان سین بہت ہی مؤدب اکبر کے سامنے کھڑا ہے، یہ اس دور کی بہترین تصویروں میں شمار ہوتی ہے۔

اکبر نامہ کا ایک مصور نسخہ دارالمصنّفین اعظم گڈھ کے کتب خانہ میں بھی ہے، اس میں کہیں درج نہیں کہ یہ کس زمانہ میں مصور ہوا، شروع میں ایک مہر تھی جس کو کسی نے مٹادیا ہے، یہ کہنا تو بالکل صحیح نہیں ہوگا کہ اکبر کے دور ہی کا مصور نسخہ ہے لیکن یہ کہنا بھی شاید غلط نہیں ہوگا کہ یہ اس دور کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصور نسخہ کی نقل ہے جو بعد میں تیار کیا گیا، اس میں حسب ذیل تصویریں ہیں۔

۱- پہلی تصویر میں کسی مہم پر اکبر کی روانگی دکھائی گئی ہے، وہ ایک بڑے ہاتھی پر زرّیں ہودج میں بیٹھا ہوا ہے، ہاتھی پر سرخ جھول پڑی ہے، جھول ہی کے رنگ کے کپڑے سے اس کا مستک ڈھکا ہوا ہے، اس کے دانت پر دو جگہ سونا منڈھا ہوا ہے، اس کے آگے برچھے اور نیزے لیے پیدل لشکری ہیں، اس کے ساتھ کچھ سوار بھی ہیں جن کے گھوڑے کا رنگ سفید، نیلا اور گہرا بھورا دکھایا گیا ہے، ہاتھی پہاڑی کے دامن سے گذر رہا ہے، اس لیے جا بجا درخت اور سبزہ زار ہیں، اس تصویر میں ہر قسم کے رنگ ہیں، سفید، سیاہ، سرخ، زرد، زمردی، اوداوغیرہ۔ ۲- دوسری تصویر میں اکبر جہاں گیر کو بغل میں لگائے ہوئے تخت پر بیٹھا ہے، اس کی دستار میں مرصع سرپیچ ہے، گلے میں پانچ لڑیوں کا ایک ہار ہے، بازو بند بھی ہے، نارنگی رنگ کی قبا پہنے ہوئے ہے، جس سے اس کے دونوں زانوں ڈھکے ہوئے ہیں، تخت پر بیٹھنے کی جگہ پر عنابی رنگ کا مخمل لگا ہوا ہے، نیچے نیلے رنگ کا منقش اور مطلا فرش ہے، سامنے کچھ مسلح درباری ہیں، جن کے لباس کا رنگ زرد، سبز اور ہلکا عنابی ہے، تصویر کے نیچے کچھ سازندے دکھائی دیتے ہیں، اوپر کچھ تحریر دار خیمے ہیں، جن کے رنگ سبز، سفید، نیلے اور نارنجی ہیں۔ ۳- تیسری تصویر میں اکبر ایک پہاڑ کے دامن میں کچھ لوگوں کے ساتھ شکار کھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس میں باز اور کتے کے علاوہ بہت سے ہرن، پرندے اور خرگوش بھی نظر آرہے ہیں، درخت اور پودے بھی جا بجا ہیں، اکبر کے ساتھ تمام شکاری ہرنوں پر تیر چلا رہے ہیں، اس میں بھی ہر قسم کے رنگ ہیں، ۴- چوتھی تصویر میں ایک ساربان کے لڑکے کے ساتھ علی قلی خاں زمان (حاکم جون پور) کا معاشقہ دکھایا گیا ہے، اس کے محل کے مختلف حصے بھی نظر آتے ہیں، محل سے باہر کچھ قدرتی مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں، جہاں ایک اونٹ بھی کھڑا ہے۔ ۵- پانچویں تصویر میں اکبر اپنے تخت پر بیٹھا ہے، اس کے سامنے کچھ مسلح درباری ہیں، نیچے ان کے گھوڑے کھڑے ہیں، اس دربار کی پشت پر ہر طرح کے رنگا رنگ خیمے ہیں، اس تصویر میں تیز قسم کا نارنجی رنگ زیادہ نمایاں ہے۔

۶- چھٹی تصویر میں تلوار اور برچھے سے ایک شیر کے شکار کا منظر دکھایا گیا ہے، ایک شکاری نے بڑھ کر زبان پکڑلی ہے اور اپنی تلوار سے اس پر ضرب لگانا چاہتا ہے۔ ۷- ساتویں تصویر میں ایک سرمئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ کے گھوڑے پر اکبر دریا کے کنارے سے گذرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ساحل پر کچھ پرندے ہیں، پانی میں مچھلی اور گھڑیال بھی نظر آرہے ہیں، دور ایک درخت بھی ہے۔ ۸- آٹھویں تصویر میں دربار کی ایک مخصوص مجلس ہے، جس میں اکبر تخت پر بیٹھا ہے۔ ۹- نویں تصویر میں ایک لڑائی کا منظر ہے جس میں مقتولین کا خون بہتا ہوا نظر آتا ہے، پہاڑ کے دامن میں اکبر بھی ایک ہاتھی پر سوار ہے۔

آئین اکبری: اکبر نامہ کے ساتھ آئین اکبری کو بھی مصور کیا گیا، سرسید احمد خاں نے آئین اکبری کو اڈٹ کرتے وقت اس کے ص ۸۷ کے حاشیہ پر لکھا ہے:

''آئین اکبری در عہد اکبری بہ تصاویر آراستہ بود، اما دریں زمان ازاں نشانی نیست۔''

آئین اکبری کا مصور نسخہ کہیں مل جاتا تو اس دور کے تمدن کا پورا نقشہ سامنے آجاتا لیکن سرسید نے اس کمی کو اس طرح پورا کیا ہے کہ آئین اکبری کے مطبوعہ نسخہ میں انھوں نے بہت سی تصویریں شامل کردی ہیں جو محض تصویریں ہیں، مصوری نہیں، پھر بھی ان سے اس زمانے کے تمدنی اور معاشرتی حالات جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے، اس میں ترازو پانی رکھنے کے برتن، ہر قسم کے چراغ، پھر لوازم شاہی میں اورنگ، سائبان، کوکبۂ چتر، تمن توق، چتر توق، جھنڈہ، علم، پھر نقارخانہ میں سے نقارہ، دمامہ، کرنا، نفیری، سرنا، سنج، سنکھ اور خیموں میں بارگاہ چوبیں، راوٹی، دو آشیانہ منزل، زمیں دوز، سرغہ، عجائبی، منڈل، خرگاہ، سراپردہ، نمگیرہ وغیرہ، پھر مختلف درختوں، پودوں اور بیلوں میں کیلا، اوکھ، جامن، سپاری، کنول، گٹھ، بادنجان، بیل، ترئی، رنگترہ، نارنگی، کھجور، چمپا، کندروسیم، بیل، پپیتہ، سداپھل، خربزہ، آخروٹ، خرما، نبیذ، کھجور، مہوا، گولر، پیلو، انار، بیر، شریفہ، ڈھاک، کنیر، جعفری، آم، اناس، لیمو، امل بید، انجیر، توت، کمرک، انگور، تندو، کٹھل، کریلہ، گالہ، کاکدرہ، تربز، کھرنی وغیرہ، پھولوں میں سیوتی، رائے بیل، موگرا، چنبیلی، فالسہ، گل مالتی، کرن پھول، گل دوپہریا، سگندرسن، پھر فوجی لباس میں کوٹھی، صادقی، انگرکھ، موزہ آہنی، وستوانہ چہل قد، چار آئینہ، بکتر، زرہ، جوشن، کلاہ وغیرہ، گھوڑوں کے ساز وسامان میں گجم، قشقہ، ارتک گجم، ارتک مجمعہ بند، پشت تنگ، مگس راں، یال پوش، اورنگ، جیت وغیرہ اسلحہ میں زاغنول، گرز، چکر، بسولہ، تبر، کارد،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برچھا، نیزہ، خنجر، جمدھر، گپتی، کٹار، پیکان کش، کمان، نخش کمان، پیش قبض، شمشیر، کھانڈہ، ڈھال، سپر کمنٹھا، قینچی کارد، گرہ، پشت خار، تفنگ دہان اور مختلف قسم کی توپیں اور بندوقیں، وغیرہ وغیرہ، آداب دربار میں کورنش کے طریقہ کھیلوں میں کبوتر بازی، شطرنج، چنڈل منڈل وغیرہ کی تصویریں ہیں، اگر یہ تصویریں نہ ہوتیں تو مذکورہ بالا چیزوں میں سائبان، کوکبہ، تمن توق، چتر توق، بارگاہ، دستوانۂ منزل، سرغہ، عجائبی، منڈل، کوٹھی صادقی، چہل قد، گجم، ارنگ گجم، زاغنول، بسولہ وغیرہ جیسی چیزوں کا تصور ذہن میں آنا مشکل تھا۔

مہابھارت کے مصور نسخے: مہابھارت کے فارسی ترجمہ کو بھی خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے لڑکے محمد شریف شیریں رقم کے اہتمام میں مصور کیا گیا اس میں ۱۶۵ تصویریں تھیں، جن کی تیاری میں ایک فرنگی مؤرخ کے حساب کے مطابق چالیس ہزار پونڈ خرچ ہوئے تھے، یہ اب جے پور کے پوتھی خانہ میں ہے، اس میں سے ۱۴۸ تصویریں ڈاکٹر کرنل، اچ، ٹی، ہنڈلے نے علاحدہ سے شائع بھی کر دی ہیں، رزم نامہ کے بعض مصور نسخے شملہ بڑودہ اور لندن کے کتب خانوں میں بھی ہیں جو بعد میں شاید تیار ہوتے گئے، اس کتاب کو مختلف مصوروں نے مل کر مصور کیا جن کے نام ان تصویروں میں درج ہیں، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: مسکین، احمد کشمیری، باہن، بھوانی، دھانو، بلاتی، جمشید نائک، میرک، سرجو، نرائن، مادھو، (۱) ان تصویروں میں ایک تو سوئمبر کا منظر ہے، جس سے آنکھوں کے سامنے اس زمانہ کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے، کئی لڑائیوں کی بھی مرقع آرائی کی گئی ہے، رتھ، ہاتھی اور گھوڑوں پر سپاہیوں کو لڑتے دکھایا گیا ہے، رتھ پر صرف دو آدمی ہوتے تھے، ایک تو وہ جو ہانکتا اور دوسرا وہ جو لڑتا، وہ منظر جس میں یدھشتر وان اور درو پد بلدان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، بڑا جاذبِ نظر ہے، ایک میں شیو جی کی پوجا کا منظر بھی ہے، رزم نامہ کی جتنی تصویریں اکبر کے زمانہ میں تیار ہوتیں، ان میں مشہور مصور بہزاد کے ٹکنیک کے اثرات زیادہ ہیں، گو ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی اثرات بھی پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو رسالہ مارگ جون ۱۹۵۸ء و نیز مضمون دی السٹریٹڈ، ایڈیشن آف دی رزم نامہ از ایم۔ عبداللہ چغتائی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رامائن کا مصور نسخہ: رامائن کے مصور کرنے میں بیس ہزار پونڈ صرف ہوئے، اس کا نسخہ اب واشنگٹن میں ہے۔(۱)

اکبری دور کی اور مصور کتابیں: ابوالفضل نے جن جن کتابوں کے مصور کرانے کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چنگیز نامہ کا ایک مصور نسخہ پیرس کے میوزیم میں اور ایک شاہی کتب خانہ طہران میں ہے، عیار دانش کا ایک مصور نسخہ لندن میں چسٹر بیٹی کے مجموعہ میں ہے، ابوالفضل نے ظفر نامہ، نل دمن اور کلیلہ دمنہ کے مصور ہونے کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ مصور نسخے اب کہاں محفوظ ہیں۔

ابوالفضل کی مذکورہ بالا فہرست میں بابر نامہ، دیوان حافظ، جامع التواریخ، داراب نامہ، بہارستان، جامی، خمسۂ نظامی اور انوار سہیلی کا ذکر نہیں، ان مصور نسخوں کے متعلق ہم کو جو معلومات حاصل ہوئے ہیں ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بابر نامہ: بابر نامہ کا ایک مصور نسخہ نیشنل میوزیم نئی دہلی میں ہے، جو اکبر کے اکتالیسویں اور ۴۳ ویں سال جلوس کے درمیان مصور ہوا، اس میں ۱۸۳ تصویریں ہیں، جن کو حسب ذیل ۴۸ مصوروں نے مل کر مصور کیا۔ ۱- اننت، ۲- اسی، ۳- اسی کہار، ۴- ابراہیم کہار، ۵- کیسو کہار، ۶- کھیم، ۷- کھیم کرن، ۸- گووند، ۹- جگناتھ، ۱۰- جمشید، ۱۱- جمال، ۱۲- تلسی، ۱۳- دولت، ۱۴- دولت خانزاد، ۱۵- دھن راج، ۱۶- دھانو، ۱۷- دھرم داس، ۱۸- نقی خانزاد، ۱۹- نند کلاں، ۲۰- نند کنور، ۲۱- ان نرسنگھ، ۲۲- نانا، ۲۳- پیاگ، ۲۴- پارس، ۲۵- پریم، ۲۶- فتو، ۲۷- فرخ چیلہ، ۲۸- بندے، ۲۹- بنواری خورد، ۳۰- بھگوان، ۳۱- بھوانی، ۳۲- بھاگ، ۳۳- بھیم گجراتی، ۳۴- بھورہ، ۳۵- منگر، ۳۶- منصور، ۳۷- مہیش، ۳۸- مادھو، ۳۹- مسکین، ۴۰- محمد کشمیری، ۴۱- لچھمن، ۴۲- لنگا، ۴۳- شیو داس، ۴۴- شنکر، ۴۵- سرون، ۴۶- سور داس، ۴۷- ہجرہ، ۴۸- حسین چیلہ، اس نسخہ کے متعلق خیال ہے کہ اکبر کے عہد میں جتنی کتابیں مصور کی گئیں، اُن سب میں اس کی تصویریں آرٹ کے لحاظ سے سب سے عمدہ ہیں، اس میں رنگ کی آمیزش اور موئے قلم کی لالہ کاری کچھ ایسی لطافت اور خوش مذاقی سے کی گئی ہے کہ نظر میں تصویریں کھب جاتی ہیں اور اب بھی ان میں تازگی ہے،

(۱) فائن آرٹ ان انڈیا، اینڈ سیلون ازوی، اے، اے، اسمتھ ص ۱۸۶۔ تیسرا ایڈیشن۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا نسخہ پر شاہ جہاں کے دستخط بھی ثبت ہیں، اس مصور نسخہ سے دو تصویریں موغل منی، ایچرز مرتبہ رائے کرشن داس (شائع کردہ للت کلا اکیڈمی) میں شائع ہوئی ہیں، دونوں تصویریں بڑی خوش رنگ ہیں، ایک میں کیمپ کا منظر ہے لیکن اس میں اکبری کیمپ کی جھلک زیادہ ہے، بابر کی زندگی بڑی پریشانی اور صحرانوردی میں گذری، اس لیے اس کے فوجی کیمپ میں وہ شان وشوکت پیدا نہیں ہوئی تھی جو آگے چل کر اس کے جانشینوں کے فوجی کیمپ میں ہوگئی تھی، دوسرا منظر وہ ہے جب وہ اپنے ہم راہیوں کے ساتھ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کررہا ہے، اچانک وہ گھوڑے سے گرگیا لیکن فوراً اُٹھ کر اپنا عمامہ وغیرہ سنبھال رہا ہے اور اس کے ساتھی اس کی مدد کررہے ہیں، مقابلہ کرنے والے اور شہسوار اس کو مڑکر گھوڑوں کی پیٹھ پر سے دیکھ رہے ہیں، تصویر بڑی فطری ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے، پس منظر میں پہاڑیاں اور جھاڑیاں ہیں، اس واقعہ کو وہ خود اپنی سوانح عمری میں اس طرح لکھتا ہے کہ راستہ میں قنبر علی اور قاسم بیگ کے ساتھ گھوڑے دوڑائے گئے، میرا گھوڑا آگے نکل گیا، میں نے ٹیڑھے ہوکر اور مڑکر دیکھا کہ ان کے گھوڑے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں، گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہوگیا زین الٹ گیا اور میں سر کے بل گر پڑا، اگرچہ میں اسی وقت کھڑا ہوگیا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا لیکن شام تک میری عقل بے ٹھکانہ رہی، (۱) یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ ۹۰۷ھ مطابق ۲-۱۵۰۱ء میں سمرقند چھوڑ رہا تھا۔

بابرنامہ کا ایک مصور نسخہ رام پور رضا لائبریری میں بھی ہے، اس میں اس تصویر کو خاص طور پر پسند کیا جاتا ہے، جس میں بابر اپنے ایک کاتب سے اپنا بابرنامہ لکھوا رہا ہے۔

بابرنامہ کا ایک مصور نسخہ ماسکو کے اسٹیٹ میوزیم آف ایسٹرن کلچر میں بھی ہے، اس میں تقریباً ۶۹ تصویریں ہیں، ان میں اُن جانوروں کی بھی تصویریں ہیں جن کا ذکر بابر نے بابرنامہ میں کیا ہے، پرندوں میں طاؤس، کلنگ، تیتر، کبوتر، کبک، طوطے، لکلک سارس، مینا، مرغابی وغیرہ کی بڑی جیتی جاگتی تصویریں ہیں اور دوسرے جانوروں میں گینڈا، ہرن، ہاتھی، گھوڑے، نیل گائے، بندر وغیرہ کی تصویریں ہیں اور جن تصویروں کی طرف توجہ زیادہ جاتی ہے، ان میں وہ مناظر بھی ہیں

(۱) نامۂ نامہ اردو ترجمہ ص ۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ وہ ۷-۱۵۰۶ء میں ہرات کے جہاں آرا باغ میں دعوت کھا رہا ہے، یا جب کہ ۱۵۱۹ء میں وہ ایک کشتی پر دعوت کھا کر اپنے کیمپ کو واپس آ رہا ہے، یا جب کہ ۶-۱۵۲۵ء میں ابراہیم لودھی کے محل میں داخل ہو رہا ہے، بابر نامہ کا ایک مصور نسخہ پیرس میں اور دو نسخے پرنس آف ویلز برٹش میوزیم بمبئی میں بھی ہیں۔

دیوان حافظ کا مصور نسخہ: نیشنل میوزیم دہلی میں دیوان حافظ کا ایک بہت ہی نادر نسخہ موجود ہے، یہ عہد اکبری میں تیار ہوا، اس میں گیارہ تصویریں ہیں، ہر تصویر کے نیچے اوپر حافظ کی غزلوں کے اشعار ہیں، اشعار میں جو نغمہ و ترنم اور کیف و نشاط ہے وہی تصویروں کے آب و رنگ میں منتقل کر دیے گئے ہیں، مثلاً حافظ کی ایک غزل کے یہ دو شعر اوپر لکھے ہوئے ہیں:

شاہد و ساقی بدست افشاں و مطرب پائے کوب ☆ غمزۂ ساقی ز چشمِ مے پرستاں بردہ خواب

تا شد آن مہ مشتری دربای حافظ را بگوش ☆ می رسد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب

ان اشعار کی مناسبت سے ایک مجلس دکھائی گئی ہے، جس میں تین اشخاص تو رقص دیکھ رہے ہیں، رقص کرنے والوں میں دو نو خیز لڑکے ہیں، دو سن رسیدہ سازندے ساز بجا رہے ہیں، مجلس میں شیشہ و ساغر اور جام و مینا بھی ہیں، ان میں سے دو مینا ایک شخص کے ہاتھ میں ہیں، یہ مجلس رقص و سرود صبح تک جاری رہی، اسی مناسبت سے حافظ کی ایک دوسری غزل کے یہ دو شعر تصویر کے نیچے درج ہیں:

می دمد صبح کلہ بستہ سحاب ☆ الصبوح الصبوح یا اصحاب

می چکد ژالہ بر رُخِ لالہ ☆ المدام المدام یا احباب

ایک دوسری تصویر میں حافظ کی ایک غزل کے حسب ذیل دو شعر اوپر اور دو نیچے لکھے ہوئے ہیں:

خوش آمد گل وزاں خوش تر نباشد ☆ کہ در دستت بجز ساغر نباشد

زمانے خوش دلے درباب دریاب ☆ کہ دائم در صدف گوہر نباشد

غنیمت داں و مے خور در گلستاں ☆ کہ گل تا ہفتۂ دیگر نباشد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایا پر لعل کردہ جام زرّیں ☆ بہ بخشا برکسے کش زر نباشد

اس میں باغ کا ایک منظر دکھایا گیا ہے، دوسرو کے درخت تصویر کو مزین کر رہے ہیں، باغ میں ایک پر تکلف ایوان ہے جو گل بوٹوں سے مرصع ہے، اس میں ایک ساقی صاحب خانہ کو شراب پیش کر رہا ہے، نیچے دو مطرب اپنے ساز کے ساتھ نغمہ زن ہیں، ساقی کوئی نوجوان لڑکا ہے۔

ایک تیسری تصویر میں حافظ کی ایک غزل کے دو حسب ذیل اشعار ہیں:

ساقی سیم ساقِ من گر ہمہ زہری دہد ☆ کیست کہ تن چو جام مے جملہ دہن نمی کند

کشتۂ غمزۂ تو شد حافظ ناشنیدہ پند ☆ تیغ سزاست ہر کرا درکِ سخن نمی کند

تصویر کے نیچے ایک دوسری غزل کا مطلع درج ہے:

سحرم دولتِ بیدار بہ بالیں آمد ☆ گفت برخیز کہ آن خسرو شیریں آمد

اس میں معشوق عاشق کے پاس آتا ہوا دکھائی دیتا ہے، معشوق فارسی غزل کا روایتی معشوق ہے یعنی وہ ایک خوب رو نوجوان لڑکا ہے جو ایک گھوڑے پر سوار ہے، اس کے ایک ہاتھ میں تیر دوسرے میں کمان ہے، سر پر کلاہ ہے، کمر میں پٹکہ بندھا ہوا ہے، اس کے جلو میں بھی کچھ سوار ہیں، اس کی آمد پر بے تابانہ خیر مقدم کیا جا رہا ہے، پس منظر میں وادی اور کہسار ہے، ایک کتا بھی دوڑتا دکھایا گیا ہے، اس کی آمد پر عاشق مضطر اپنے کو نیند سے بیدار کر کے اپنی قسمت خفتہ کو بھی جگا رہا ہے۔

ایک چوتھی تصویر میں حافظ کی ایک غزل کے یہ چار اشعار درج ہیں:

چنان نبردرہِ اسلام غمزۂ ساقی ☆ کہ اجتنابِ زصہبا مگر صہیب کند

کلید گنج سعادت قبول اہل دل ست ☆ مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند

شبان وادی ایمن گہی رسد بمراد ☆ کہ چند گاہ بجاں خدمت شعیب کند

ز دیدہ خوں بچکاند فسانۂ حافظ ☆ جو یاد عہدِ شباب و زمانِ شبیب کند

تصویر کے نیچے ایک دوسری غزل کے یہ دو اشعار لکھے ہیں:

من وانکارِ شراب ایں چہ حکایت باشد ☆ غالباً ایں قدرم عقل کفایت باشد

من کہ شبہا رہِ تقوی زدہ ام با دف چنگ ☆ ناگہاں رہ بِرہ آرم چہ حکایت باشد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان اشعار کی مصوری اس طرح کی گئی ہے کہ کہسار ہے، وادی ہے، کچھ درخت ہیں، اس کے نیچے ایک بوڑھا شخص ایرانی لباس میں عصا ٹیکے کھڑا ہے، سامنے کچھ بھیڑیں ہیں، جن کے ساتھ اور جانور بھی ہیں یہ گویا ع : ''شبانِ وادیِ ایمن گہی رسد بمراد'' کی مصوری ہے، بوڑھا شخص گڈریا ہے لیکن اور اشعار کے جو معانی و مطالب ہیں وہ اس تصویر سے ظاہر نہیں ہوتے۔

ایک اور تصویر میں اوپر تو حافظ کا پہلے یہ مقطع ہے:

حدیث مدرسۂ وخانقہ مگوئے کہ باز ☆ فتادہ در سر حافظ ہوائے میخانہ

پھر اس کے ساتھ حافظ کی ایک دوسری غزل کے یہ دو اشعار لکھے ہیں:

درِ سرائے مغاں رفتہ بود وآب زدہ ☆ نشستہ پیر وصلائے بہ شیخ وشب زدہ

سبو کشان ہمہ دربند گیش بستہ کمر ☆ ولے زطرفِ کلہ خیمہ برسحاب زدہ

تصویر کے نیچے یہ دو اشعار ہیں:

زشور وعربدۂ شاہدانِ شیریں کار ☆ شکر شکستہ سمن ریختہ رُباب زدہ

گرفتہ ساغرِ عشرت فرشتۂ رحمت ☆ زجرعہ بر رخِ خورو پری گلاب زدہ

اس تصویر میں حسب ذیل شعر کی مصوری تو اچھی طرح نظر آتی ہے:

در سرائے مغاں رفتہ بود وآب زدہ ☆ نشستہ پیر وصلای بہ شیخ وشاب زدہ

ایک پیر مرد کتاب کھولے کچھ درس دے رہا ہے لیکن بقیہ اور اشعار کی ترجمانی تصویر میں نہیں ہوسکی ہے، اس دیوان کی مصوری میں ہر قسم کے ایرانی اثرات نمایاں ہیں، ظاہر ہے کہ ایران کے ایک شاعر کے جذبات کی ترجمانی ایرانی انداز ہی میں کی جاسکتی تھی۔

جامع التواریخ: اس کا ایک مصور نسخہ طہران کے شاہی کتب خانہ میں ہے، اس کی اکثر تصویریں اکبر کے درباری مصوروں میں سے بساون، مسکین اور فرخ قلماق نے مل کر بنائی ہیں، اس میں کل ۹۸ تصویریں تھیں، جن میں سے چار پانچ انڈین منی ایچرز آف دی موغل اسکول (شائع کردہ اسپرنگ ہاؤس لندن) میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ ا-ایک میں ایک شہزادی سے لڑائی کا منظر ہے، جس میں جھیل، پہاڑ اور جنگل بھی دکھائے گئے ہیں، جھیل میں بطیں اور مچھلیاں تیر رہی ہیں، کچھ جانور پانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پی رہے ہیں، جنگل میں ہرن وحشت زدہ ہوکر بھاگ رہے ہیں دور کچھ مکانات بھی ہیں، جا بجا سبز درخت بھی ہیں، کچھ سوار گھوڑے پر ہیں، اونٹ پر نقارچی ہیں، شہزادی گھوڑے سے اُتر کر بیچ میدان میں مردانہ وار کھڑی ہے۔ ۲- فوج ایک دریا عبور کرتی ہوئی دکھائی گئی ہے، یہ بڑی رنگین تصویر ہے، ہاتھی، گھوڑے اور اونٹ کے فطری رنگوں کے علاوہ لشکریوں کے لباس کا بھی جدا جدا رنگ ہے۔ ۳- کچھ سازندے ساز بجا رہے ہیں، ایک شکرہ باز شکرہ لیے ہوئے ہے، ایک سوار گھوڑے کے ساتھ کھڑا ہے، کچھ لوگ سلطان غازان خان کی طرف نظر اٹھائے اس کی باتیں سن رہے ہیں، یہ بساون کی بنائی ہوئی تصویر ہے۔ ۴- غازان خان کا لشکر ایک جنگل سے رات کے وقت گذر رہا ہے، چاند روشن ہے، ستارے چھٹکے ہوئے ہیں، کچھ فاصلہ پر محل کی عمارتیں بھی نظر آرہی ہیں، درختوں کی آڑ میں جا بجا جنگلی جانور بیٹھے ہیں، یہ مسکین کی بنائی ہوئی تصویر ہے، جو جانوروں کی قدرتی تصویریں بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔

اسی مطبوعہ کتاب میں بساون کی وہ تصویر بھی ہے جس میں محل کے اندر چوروں کے گھسنے کا منظر دکھایا گیا ہے، دو چور بھاگ رہے ہیں، ایک پکڑا گیا ہے، شہزادی بستر پر خوف زدہ ہوکر جاگی ہے، دو کنیزیں اس کی مدد کو پہنچ رہی ہیں، خواب گاہ کے تمام ساز و سامان کو بہت فطری طریقہ پر دکھایا گیا ہے، یہ بساون کی بہترین تصویروں میں شمار کی جاتی ہے۔

داراب نامہ اور دوسرے نسخے: داراب نامہ کا ایک مصور نسخہ برٹش میوزیم لندن میں ہے، جامی کی بہارستان بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں ہے خمسۂ نظامی اور انوار سہیلی کے نسخے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم میں ہیں۔

اکبر کے زمانہ میں کتابوں پر تصویریں بنانے کا ذوق اتنا بڑھ گیا تھا کہ کتب خانہ میں خوش نویسوں، جلد بندوں اور جدول سازوں کے ساتھ مصوروں کا بھی ہونا لازمی تھا اور اس زمانہ میں جو مصور اور مذہّب کتابیں تیار ہوتی تھیں، اُن کی بڑی قیمت لگائی جاتی تھی اور دربار میں نذرانے کے طور پر پیش کی جاتی تھیں کتابوں میں تصویریں بنانے کے فن کو جو کمال اکبری دور میں حاصل ہوا وہ بعد کے دور میں نہ ہوسکا، جہاں گیر کے عہد میں ان کتابوں کی مصوری کی صرف نقل ہوتی رہی، ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصویروں میں پہاڑ کے چٹان، دریا، آبشار اور آگ وغیرہ کی مصوری میں بڑی مہارت دکھائی گئی ہے، اکبر کے درباری مصوروں میں گوردھن کو دربار کے مناظر دکھانے میں بڑی مشق پیدا ہوگئی تھی۔

اکبر نے محل فتح پور سیکری کی دیواروں پر بھی بہت سی تصویریں بنوائیں جو مصوری اور نقش آرائی کے اچھے نمونے ہیں، اُن کی تفصیل باب محلات میں آ چکی ہے۔

شبیہ سازی: اکبر کے حکم سے شاہی ملازموں کی بھی تصویریں بنوا کر ایک مرقع میں جمع کی گئیں، ابوالفضل اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس طرح مردوں کو حیات تازہ اور زندوں کو حیات جاوید عطا ہوگئی، (۱) شبیہ سازی میں ہندوستانی مصور بہزاد کے موئے قلم سے متاثر رہے کیوں کہ وہ شبیہ بنانے میں اپنی مثال آپ تھا، شروع میں جو تصویریں بنائی گئیں اُن میں چہروں کی ساخت ایرانی مصوروں کے اثرات کی وجہ سے منگولی ہوتی تھی، کیوں کہ ان ایرانی مصوروں پر چینی طرز مصوری کا اثر تھا، اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بابر کی اولاد چنگیز خانی نسل سے تھی اور اُن کے امرا بھی زیادہ تر تاتاری اور منگولی تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ اُن کی صورت وشکل پر منگولی اثرات تھے، آگے چل کر تصویروں میں منگولی اثرات نظر نہیں آتے ہیں کیوں کہ بابر کی نسل بھی ہندوستانی ہوتی گئی اور مصوروں کا قلم بھی ہندوستانی ماحول سے متاثر ہوتا گیا، اس لیے اُن کی تصویروں کے چہرے بھی ہندوستانی ہوتے گئے، شروع میں تصویروں کے چہرے یا تو یک رُخی بنائے جاتے، یا اس کا تین چوتھائی حصہ دکھایا جاتا، اس کو ایرانی مصوروں کا طرز بتایا جاتا ہے لیکن جب ایرانی اثرات کم ہونے لگے تو ہندوستانی مصوروں کے ذوق کے مطابق تصویروں میں پورا چہرہ نظر آنے لگا، مبصرین کا خیال ہے کہ مغلوں کے دور کے مصوروں نے شبیہ سازی کے جتنے مکمل نمونے پیش کیے، وہ دوسرے ملک کے مصور نہ بنا سکے، (۲) ان کے چہروں کو دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ فن کے لحاظ سے نہ صرف توازن، تناسب اور ہمواری کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ ان کے خدوخال اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر ان کی زندگی کی تابناکی اور تابندگی کے سارے جلوے نمایاں ہوجاتے

(۱) آئین اکبری ص ۷۸۔ (۲) دیکھو رسالہ مارگ ارلی موغل آرٹ مضمون انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی آف انڈو پرشین پینٹیگز ص ۲۴۔ (جون ۱۹۵۸ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اوران کے لباس وپوشاک کو دیکھ کران کی تمدنی اور تہذیبی زندگی کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے، ان ہی تصویروں سے اُن کے جاہ وجلال، دبدبہٗ وحشمت اور ان کے درباروں کی شان وشوکت اورزینت وآرائش کا مرقع نگاہوں میں کھب کررہ جاتا ہے،خود مغل بادشاہوں کوشبیہ سازی سے اتنی دلچسپی رہی کہ وہ نہ صرف اپنی اوراپنے امرا کی تصویریں تیار کراتے بلکہ ان کومحل کی دیواروں اورخواب گاہوں میں اس طرح آراستہ وپیراستہ کرکے چپکاتے کہ یہ تصویریں فردوس نظر بنی رہتیں۔

ایرانی اثرات: اکبری دور میں ایرانی مصوروں نے ہندوستانی عورتوں اورمردوں کے لباس کی جوتراش خراش دکھائی ہے اس میں بھی ایرانی اثرات زیادہ ہیں، اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس وقت تک امرا اور بیگمات کے لباس ہندوستانی نہیں ہوئے تھے، اسی طرح بعض تصویروں میں بزم آرائی کی مصوری میں جام وسبو اورساغرومینا بھی ایرانی طرز کا نظرآتا ہے یا لڑائی کا نقشہ کھینچتے وقت بھی ایسے مصور آلاتِ حرب بھی ایرانی دکھائی دیتے تھےلیکن جب ہندوستانی اثرات پیدا ہونے لگےتو مقامی اثرات بڑھتے گئے۔

مغل دربار کی مصوری میں شروع میں ایرانی اثرات اوربھی دوسری شکلوں میں نظرآتے ہیں جونا گزیر تھے کیوں کہ اکبر کے دربار کے مشہور مصور سید علی تبریزی اور خواجہ عبدالصمد شیرازی تھے جن کے بہت سے شاگرد ہوئے، یہ دونوں بہزاد کے موئے قلم سے متاثر تھے،فرخ بیگ قلماق اورآقا رضا ہروی بھی دربار کے ممتاز مصور تھے جو ایرانی طرز مصوری کی نمایندگی کرتے تھے،اس لیے ان کے اثرات مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے رہے۔

ایرانیوں کا جو ذوق اورمزاج رہا ہے اس کا عکس اُن کی مصوری میں بھی ملتا ہے،مثلاً ایران ایک قدرتی چمن زار ہے،قدم قدم پر چمنستان آب رواں، سبزہ زار اورآبشاریں ہیں بہارآئی اور سرزمین تختۂ زمرّد بن گیا، اسی لیے یہاں کے لوگ بادسحر کے جھونکے خوشبو کی لپٹ، سبزہ کی لہک، بلبلوں کی چہک، طاؤس کی جھنکار اورآبشاروں کا شور زیادہ پسند کرتے ہیں، پھر اُن میں ذوق حسن اوراحساس جمال بھی زیادہ رہا، کیوں کہ ملک کا ملک یوسفستان ہے، اسی طرح عیش ونعمت اورجاہ وثروت نے ان کی نفاست، نظافت اورلطافت کو انتہا تک پہنچا دیا ہے، ان ہی کیفیات کو جس طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایران کے شعرا اپنی غزلوں میں پیش کرتے ہیں، اسی طرح ایرانی مصوروں نے بھی کیا، سبزہ زاروں کی شادابی، لالہ وگل کی رنگینی اور مرغزاروں کی رعنائی کو دیکھ کر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی ایرانی مصور اپنی تصویروں میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور ان کو فردوس نظر بنانے کی کوشش میں زیادہ سے زیادہ حسین اور رنگین تصویریں بناتے، اسی لیے وادی کہسار، سبزہ زار اور حتی کہ قالینوں کے گل بوٹوں کا سہارا لیتے اور اُن کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا کہ وہ ریگستان پھول کھلا رہے اور پرچھائیوں کو آب ورنگ دے رہے ہیں، اسی لیے وہ شوخ رنگ زیادہ استعمال کرتے، لکیروں کے کھینچنے کے فن میں بڑی چابک دستی اور مہارت دکھاتے، اُن کی تصویروں کو دیکھ کر جذبات میں ہلچل تو ضرور پیدا ہوجاتی لیکن وہ عام طور پر داخلی کیفیات سے خالی ہوتیں جن کو وہ پیدا کرنے کی خاطر عابدوں، زاہدوں اور مرتاضوں کی عبادت وریاضت کی مرقع آرائی کرتے، عام طور سے اُن کی تصویروں کے درختوں کے تنوں میں ناہمواری ہوتی، شاخیں لٹکی اور پتّیاں بکھری ہوئی ہوتیں، درختوں کے نیچے، پھول گرے ہوئے دکھائی دیتے، پہاڑیوں میں ڈھلوان چٹان اور تودوں کے ساتھ پیچ وخم نظر آتے، افق سادہ لیکن نیلے رنگ کا ہوتا، تصویروں میں نیلے پہاڑی اور سفید رنگ زیادہ ہوتے۔

ایرانی اثرات میں کمی: اکبری دور کے آغاز میں یہاں کے مصوروں کی تصویروں میں یہ تمام چیزیں کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملیں گی لیکن رفتہ رفتہ یہ ایرانی اثرات کم ہوتے گئے، اس کے کئی اسباب ہوئے، ہندوستان میں اجنتا کی نقاشی میں رنگوں کی تیاری، روشنی اور سایہ کا خیال، فاصلہ کا احساس اور طول وعرض کے حجم میں جو کمال دکھایا گیا ہے، اس سے ہر زمانہ کے مصور درس لے سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ اکبری دور کے مصوروں کے سامنے بھی اجنتا کا کمال فن کی روایت رہی ہوگی، اس کے علاوہ خود اکبر مصوروں پر اثر انداز ہوا، جو زندگی روانی اور قوت اس میں تھی وہی اس دور کی تصویروں میں بھی نظر آتی ہے، پھر جیسے جیسے اس کا ذہن بدلتا گیا، ویسے ویسے ہندوستان کی مصوری میں بھی فرق آنے لگا، اُس نے مذہب، تمدن اور معاشرت کو بالکل بدل کر ایک نیا ہندوستان بنانے کی کوشش کی، ظاہر ہے کہ اُس کے اس تخیل کا اثر مصوروں پر بھی پڑا، باب محلات کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ مریم زمانی بیگم کے محل کی دیواروں پر شاہ نامہ کی لڑائیوں کا منظر مصور کیا گیا تو بعض

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیواروں پر رام کرشن اور ہنومان جی کی تصویریں بھی بنائی گئیں، ان ہندو دیوتاؤں کی تصویریں بنانے اور مہابھارت کے فارسی ترجمہ کو مصور کرنے میں ہندوستانی مصوروں کو ایک نیا ذہن عطا ہوا جس نے ان کو ایرانی اثرات سے بڑی حد تک دور کیا، محل کی دیواروں پر حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی بھی تصویریں بنائی گئیں، جن سے ظاہر ہے کہ اکبر فرنگی اثرات کو بھی قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا، رفتہ رفتہ ہندوستانی تصویروں میں نیچے افق کے ساتھ افقی خطوط کے ایک دوسرے سے ملنے کی جو مصوری کی گئی وہ فرنگی اثرات ہی کا نتیجہ ہیں، شبیہ میں ہالہ اور رنگوں میں دھندلا پن بھی ان ہی کے اثرات سے پیدا ہوتا گیا۔

اکبر ایرانیوں کی طرح جمالیاتی ذوق ضرور رکھتا تھا لیکن وہ جاہ و جلال، دبدبہ و حشمت لشکر کشی اور نبرد آزمائی کا زیادہ شیدائی رہا، اس کا اثر اس کے دور کی مصوری پر بھی پڑا، اسی لیے اس دور میں زیادہ تر ایسی تصویریں ملتی ہیں جن میں جاہ و جلال اور شوکت و حشمت کے ساتھ سپہگری، پامردی، نبرد آزمائی اور جاں بازی کے مناظر دکھائے گئے ہیں اور یہ دور بھی اسی کا دور تھا، اسی لیے جب ایرانی اثرات مصوری میں کم ہوتے گئے تو مصوری کی جزوی باتوں میں فرق آنے لگا، مثلاً ایرانی شوخ رنگ کو زیادہ پسند کرتے، ہندوستانی مصوروں نے اُسے ہلکا کر دیا، ہندوستانی ذوق کے مطابق فضائے بسیط کی حقیقی مصوری اور دوری بھی نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگی اور جذبات کی ہیجان انگیزی کے بجائے جذبات کی بلندی اور مضامین کا تنوع پیدا ہونے لگا، تصویروں میں ابھری ہوئی سطح بھی خاص ہندوستانی چیز ہے

ان تمام تبدیلیوں کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ روز بروز ہندوستانی نژاد مصوروں کی تعداد بڑھنے لگی، اگر تلاش و جستجو سے مغل دربار سے وابستہ رہنے والے تمام مصوروں کے نام اکٹھے کیے جائیں تو ہندو مصوروں کی تعداد زیادہ نکلے گی، ان میں بعض بہت ہی باکمال مصور تھے جو اپنے فن کی لالہ کاری اپنے انداز میں دکھاتے رہتے اور جب ہندو مسلمان دونوں مل کر تصویریں تیار کرتے تو ان کی علاحدہ علاحدہ انفرادیت کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو جاتی اسی لیے غیر شعوری طور پر تبدیلیاں ہوتی چلی گئیں، ان تبدیلیوں سے جو آرٹ پیدا ہوا، وہی مغل آرٹ کہلایا جس کو جہاں گیر کے زمانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اور بھی فروغ ہوا۔

جہاں گیر کا ذوق مصوری: جہاں گیر نہ صرف مصوری کا قدرداں بلکہ خود اس فن کا بڑا ماہر تھا، وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ میری مہارت اس فن کے استادوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے، اگر میرے سامنے کوئی تصویر پیش کی جائے تو گو مصور کا نام نہ معلوم ہو لیکن محض پوری تصویر دیکھ کر مجھ کو مصور کا نام معلوم ہو جاتا بلکہ اگر ایک مرقع میں چند تصویریں مختلف مصوروں کی بنائی ہوئی ہوں تو میں ہر تصویر کی نسبت بتا سکتا ہوں کہ کس مصور کی بنائی ہوئی ہے یہاں تک کہ اگر ایک تصویر میں چہرہ کسی اور مصور نے اور آنکھ اور ابرو کسی دوسرے مصور نے بنایا ہو تو میں بتا سکتا ہوں کہ چہرہ کس نے اور آنکھ اور ابرو کس نے بنائے ہیں۔(۱)

ایک بار اس کے درباری مقرب خاں نے ایک تصویر بھیجی جس کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ امیر تیمور کی اس وقت کی تصویر ہے جب اس نے یلدرم بایزید کو گرفتار کیا تھا اس وقت قسطنطنیہ میں عیسائی حکومت تھی اور وہاں کے عیسائی حکمراں نے اظہار اطاعت کے لیے تیمور کے پاس جو سفارت بھیجی تھی، اس کے ساتھ ایک مصور بھی تھا جو اس تصویر کو بنا کر لے گیا تھا لیکن جہاں گیر نے اپنی دقت نظر کی وجہ سے اس تصویر کی اصلیت پر یقین نہیں کیا، تزک میں لکھتا ہے:

> ''اگر یہ اصلی دعویٰ ہوتا تو اس سے بہتر میرے لیے کوئی اور تحفہ نہ ہوتا لیکن آں حضرت یعنی تیمور کے فرزندوں اور اولادوں کی تصویریں ان کے حلیہ اور صورت سے مشابہت نہیں رکھتی ہیں، اس لیے اس دعویٰ کو سچ سمجھنے میں تسلی نہیں ہوتی۔''(۲)

فن کے پرکھنے میں جتنی مہارت جہاں گیر کو تھی اتنی خود مصوروں کو نہ ہوتی، ایک بار ایک مصور نے ایک تصویر اس کو لا کر دی، جس میں ایک عورت کی تصویر اس حالت میں کھینچی تھی کہ اس کی کنیز جھانویں سے اس کے تلوے سہلا رہی ہے، جہاں گیر نے پانچ ہزار روپیے دے کر وہ تصویر لے لی، اس پر مصور کو تعجب ہوا اور اس نے عرض کی کہ حضور! اس میں کیا بات ہے، جہاں گیر نے کہا کہ جب تلوے سہلائے جاتے ہیں تو خفیف سی گدگدی پیدا ہوتی ہے، اس کا اثر چہرہ پر بھی ظاہر ہوتا ہے

(۱) تزک جہاں گیری ص۸۲۔ (۱) تزک جہاں گیری ص۳۰۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ اثر تصویر میں موجود ہے۔(۱)

جہاں گیر کے دور میں مصوری اور نقاشی کو جو فروغ ہوا اس کا اندازہ خود اس کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اس نے ایک نقاش کی تعریف میں لکھا ہے اس کے چھٹے سال جلوس میں اس کے سامنے ہاتھی دانت کے چار مرقعے پیش کیے گئے، جن کو ایک شاہی ملازم نے تیار کیا تھا، ایک میں چند پہلوان باہم لڑ رہے تھے ایک ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا تھا، دوسرے کے ہاتھ میں پتھر کا ایک ٹکڑا تھا، ایک اور پہلوان زمین پر ہاتھ ٹیکے بیٹھا تھا، سامنے ایک کمان ایک لکڑی اور ایک ظرف رکھا تھا، دوسرے مرقع میں ایک تخت تھا، جس پر ایک شامیانہ تنا ہوا تھا، تخت پر ایک بادشاہ پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے بیٹھا تھا، پیٹھ تکیہ سے لگی ہوئی تھی، پانچ خدمت گار گردو پیش کھڑے تھے، اوپر سے ایک درخت کی شاخ بادشاہ کے سر پر سایہ کر رہی تھی، تیسرے مرقع میں نٹ تماشا دکھا رہے تھے، ایک بلی کھڑی تھی، اس میں تین طنابیں بندھی تھیں، ایک نٹ اس طرح کھڑا تھا کہ بائیں ہاتھ کو سر کے پیچھے سے لا کر دائیں پاؤں کو پکڑ لیا تھا، ایک ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، جس کے سرے پر ایک بکری معلق تھی، ایک اور نٹ گلے میں ڈھول ڈالے بجا رہا تھا، ایک اور شخص ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے کھڑا تھا اور طناب کی طرف دیکھ رہا تھا، پانچ شخص ادھر اُدھر کھڑے تھے، چوتھے مرقع میں ایک درخت تھا، درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی اُن کے پاؤں چوم رہا تھا، وہ ایک بوڑھے شخص سے باتیں کر رہے تھے، چار شخص آس پاس کھڑے تھے، یہ تمام تصویریں ہاتھی دانت کی تھیں، جو صرف ایک پستہ کے چھلکے میں آ جاتی تھیں، جہاں گیر اس صنعت کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا تھا، اوپر کی تمام تفصیل بیان کر کے لکھتا ہے کہ:

''تا امروز مثل ایں کارے نہ دیدہ شدہ باشد بلکہ نشنیدہ ام۔(۲)

جانوروں کی مصوری: جہاں گیر کے چڑیا گھر میں طرح طرح کے پرندے اور جانور تھے، ان میں

---

(۱) کلمات الشعرا ص ۳۷، نیز مقالات شبلی تاریخی ص ۹۹ کلمات الشعرا کے مطبوعہ نسخہ میں یہ واقعہ عبدالرحیم خان خاناں کی طرف منسوب ہے لیکن ممکن ہے کہ مولانا شبلی کے پیش نظر جو قلمی نسخہ رہا ہو، اس میں یہ واقعہ جہاں گیر ہی کا ہو۔ (۲) تزک جہاں گیری ص ۹۸ نیز دیکھو مقالات شبلی تاریخی ص ۱۰۰-۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے جو اس کو پسند آجاتے تھے، یا عجیب وغریب معلوم ہوتے تھے، اُن کی تصویر بنوا کر وہ اپنی تزک میں شامل کر لیتا تھا، وہ تزک میں رقم طراز ہے:

''حضرت فردوس مکانی اگرچہ درواقعات خود صورت واشکال بعضے جانوراں را نوشتہ اند، غایۂ بہ مصوران نہ فرمودند کہ صورت آنہارا تصویر نمایند، چوں ایں جانوراں درنظر من بغایت غریب درآمدہ ہم نوشتم دہم در جہاں گیر نامہ فرمودم کہ مصوراں شبیہ آنہا را کشیدند تا حیرتے کہ از شنیدن دست دہد از دیدن زیادہ گردد۔'' (ص ۱۰۶)

افسوس ہے کہ تزک جہاں گیری کا مصور نسخہ اب کہیں نہیں ملتا۔

جہاں گیر کو جانوروں سے بڑی دل چسپی تھی، اس نے ایک ہرن پال رکھا تھا اس کا نام منسراج تھا اس کے بارہ میں تزک میں لکھتا ہے:

''در جنگ آہوانِ خانگی وصدآہوان خانگی وصدآہوان صحرائی بے نظیر بود۔''

(ص ۴۵)

اس کی ایک تصویر اپنے درباری مصور منوہر سے بنوائی، اس طرح کہ وہ اس کی ڈوری پکڑے گھوم رہا ہے، یہ تصویر وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم لندن میں دیکھی جا سکتی ہے، یہ ہرن مرا تو جہاں گیر کو بڑا اقلق ہوا، اس کی قبر جہاں گیر پور (موجودہ شیخوپورہ) میں بنوائی اور اس پر ایک منارہ تعمیر کر کے ملا محمد حسین کشمیری سے ایک کتبہ لکھوایا، جس میں یہ حکم تھا کہ اس جگہ ہرن کا شکار نہ کیا جائے۔

اس کے دوسرے سال جلوس میں شنواری افغانوں نے ایک قوچی (مینڈا) اس کی خدمت میں پیش کیا، اس کی دونوں سینگیں ہرن کی طرح تھیں لیکن اوپر جا کر ایک ہوگئی تھی، یہی افغان ایک جانور مار کر لائے جس کو وہ بارخورے کہتے تھے، اس کا وزن چار من تھا، جہاں گیر نے ایسا جانور کبھی نہیں دیکھا تھا، اسی لیے اس نے مصوروں سے کہہ کر اس کی تصویر بنوائی۔ (ص ۵۵)

اس کے تیسرے سال جلوس میں سراندیپ سے اس کے پاس ایک جانور آیا جو دیونگ کہلاتا تھا، اس کا منھ اور پنجہ بکری کے ایسا تھا لیکن بندر کی طرح نظر آتا، دم نہ تھی اور اس کی حرکتیں بن مانس کی طرح ہوتی تھیں، اس کا جثہ بھی بندر کے بچہ کے برابر تھا، اس سے بڑا نہیں ہوتا تھا، دودھ پیتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کیلا کھاتا تھا، جہاں گیر کو یہ جانور عجیب وغریب نظر آیا اس لیے اس نے اپنے مصوروں کو حکم دیا کہ اس کی تصویر بنائیں اور اس کی حرکتوں کو بھی ظاہر کریں۔ (تزک جہاں گیری ص ۶۹)

۱۵ھ جلوس میں جہاں گیر کشمیر گیا تھا، اس نے ایک عجیب وغریب آبی پرندہ ساج کی طرح دیکھا، وہ بلبل کے ہم رنگ تھا، اس کے سفید تل بھی تھے، پانی میں غوطہ لگاتا اور کچھ دیر کے بعد نکلتا، اس کے پاؤں میں چمڑا لٹکا ہوتا تھا، کشمیری اس کو کلکر کہتے، جہاں گیر نے دو پکڑوائے ایک تو مر گیا اور ایک زندہ رہ گیا، استاذ منصور سے اس کی تصویر کھنچوائی۔ (تزک جہاں گیری ص ۳۱۰)

۱۸ھ جلوس میں جہاں گیر نے ایک نہایت خوف ناک شیر کا شکار کیا تو اس کی تصویر کھنچوائی، تزک میں لکھتا ہے:

"از ایام شاہزادگی تا حال ایں ہمہ شیر کہ شکار کردم در بزرگی وشکوہ وتناسب اعضا مثل ایں شیرے بر نظر نیامدہ بہ مصوراں فرمودم کہ شبیہ آں موافق ترکیب وجثہ بکشند، بست وپنج من جہاں گیری وزن شد۔"

پھولوں کی مصوری: جہاں گیر کشمیر گیا تو وہاں کے پھولوں میں نرگس، بنفشہ، ارغوان، لالہ چوغاشی، نیلے، سفید اور صندلی رنگ کی چنبیلی، گلاب، سوسن، گل جعفری، بادام اور شفتالو کے پھول دیکھ کر بہت خوش ہوا، اس کی خواہش ہوئی کہ کشمیر میں جتنے پھول اُگتے ہیں، ان سب کی تصویریں نادر العصر منصور تیار کر دے لیکن اس کو افسوس رہا کہ منصور سو سے زیادہ کی تصویریں نہ بنا سکا۔ (تزک جہاں گیری ص ۹۹-۲۹۲)

درختوں کی مصوری: جہاں گیر کی نظر سے کوئی عجیب وغریب درخت گذرتا تو اس کی بھی تصویر بنوالیتا، مثلاً ایک بار ایک کھجور کا درخت اس کی نظر سے گذرا چھ گز اوپر جا کر اس کی دو شاخیں ہوگئی تھیں، ایک شاخ دس گز اور دوسری ساڑھے نو گز تھی، جہاں گیر کو یہ درخت عجیب وغریب معلوم ہوا اس لیے اس نے اپنے درباری مصوروں سے اس کی تصویر کھنچوا کر تزک میں شامل کر لی۔ (تزک جہاں گیری ص ۱۷)

ایک مریض کی تصویر: ایک بار اس کا ایک قدیم درباری عنایت خاں استسقا میں مبتلا ہو کر اس قدر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاغر ہوگیا کہ اس کے جسم میں ہڈیوں کے سوا کچھ نہ رہ گیا، بلکہ ہڈیاں بھی گھل گئی تھیں، جہاں گیر نے اس کو دیکھا تو حیرت زدہ ہوا، اور اپنے مصوروں سے اس کی تصویر کھنچوائی۔ (تزک جہاں گیری ص ۲۵۰) یہ تصویر بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں محفوظ ہے۔

اصل کی نقل: جہاں گیر جب کوئی اچھی تصویر دیکھ لیتا تو وہ اپنے مصوروں سے اس کی نقل اتارنے کو کہتا، ایک بار اس نے مشہور مصور بہزاد کی بنائی ہوئی ایک تصویر میں دیکھا کہ دو اونٹ لڑ رہے ہیں، اور ان کے مالک الگ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھ رہے ہیں، جہاں گیر کو یہ تصویر پسند آئی اور اُس نے اپنے ایک ہندو مصور نا نہا کو اس کی نقل تیار کرنے کا حکم دیا اور جب یہ نقل تیار ہوئی تو بالکل اصل کے مطابق تھی، یہ تصویر ایران کے عجائب گھر میں ہے، اسی قسم کی ایک تصویر پرنس آف ویلز میوزیم بمبئی میں بھی ہے جو موغل منی ایچر ز از رائے کرشن داس میں بھی شائع کر دی گئی ہے لیکن اس میں اونٹ کے مالکوں کی تصویر نہیں ہے، بلکہ پس منظر میں کچھ جھاڑیاں دکھائی گئی ہیں۔

ایک دفعہ انگلستان کے سفیر سر طامس رو نے جہاں گیر کے دربار میں آکر ایک فرنگی مصور کی بنی ہوئی تصویر دکھائی جہاں گیر کو یہ تصویر پسند آ گئی، اس لیے سر طامس رو سے لے کر رکھ لی اور اپنے درباری مصوروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی نقلیں اتاریں مصوروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، سر طامس دوسری بار دربار آیا تو جہاں گیر نے تصویر کی اصل کے ساتھ اس کی نقلیں بھی اس کے سامنے رکھ کر کہا کہ اپنی تصویر اٹھا لو، سر طامس رو نے خود لکھا ہے کہ وہ اپنی تصویر بہت دیر تک شناخت نہ کر سکا اور وہ ہندوستانی مصوروں کی اس مہارت اور چابک دستی پر حیرت زدہ تھا۔

سکوں پر تصویریں: جہاں گیر کو تصویروں سے کچھ ایسا شغف رہا، کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے سکوں کی روایت کے خلاف اپنے عہد کے سکوں کے ایک طرف تو اپنا اور دارالضرب کا نام لکھواتا اور دوسری طرف مہینوں کے لحاظ سے برجوں مثلاً حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جلدی، دلو، اور حوت وغیرہ کی تصویریں نقش کراتا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو تزک جہاں گیری ص ۲۳۰-۲۲۹)

تصویر خانہ: جہاں گیر نے کشمیر کے ایک باغ میں تصویر خانہ بھی تعمیر کرایا تھا جو باکمال مصوروں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمدہ عمدہ تصویروں سے آراستہ تھا، سب سے پہلے ہمایوں اور اکبر کی تصویریں تھیں، اُن کے مقابل میں جہاں گیر اور شاہ عباس کی تھیں، اس کے بعد مرزا کامراں، مرزا محمد حکیم شاہ مراد اور سلطان دانیال کی تھیں، دوسرے درجہ میں ارکان سلطنت کی تھیں، تصویر خانہ کے باہر کشمیر کے راستوں کی مختلف منزلوں کی تصویریں تھیں، ایک شاعر نے اس کی یہ تاریخ لکھی تھی: ع :

"مجلس شاہاں سلیمان حشم" (تزک جہاں گیری ص ۳۱۴)

جہاں گیر کے عہد میں جن باکمال مصوروں کے فن کی وجہ سے مصوری کو فروغ ہوا ان میں سے کچھ کے مختصر حالات ذیل میں درج ہیں:

آقا رضائی ہروی: اس کے باپ کا نام علی اصغر کاشی تھا جو ایران میں شاہ طہماسپ کے بھائی شاہ اسماعیل کے دربار سے وابستہ رہا، اس کے کتب خانہ کا مہتمم تھا، اچھا مصور بھی تھا تصویروں کے درست کرنے، رنگ بھرنے، پہاڑوں اور درختوں کے بنانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا، اسی کا لڑکا آقا رضا تھا، تزک جہاں گیری میں اس کے نام کے ساتھ مروی لکھا ہے لیکن بعض اہل نظر کی رائے ہے کہ مروی ہروی ہے، وہ اپنے وطن سے ہندوستان آیا تو شہزادہ سلیم کے یہاں ملازم ہوا، اسی زمانہ میں اس نے ایک ایسی تصویر بنائی جس میں محل کے اندر کچھ شہزادیاں ہیں اور دو عورتیں ایک حوض میں غسل کر رہی ہیں، کوٹھے کی ایک کھڑکی کی آڑ سے ایک شہزادہ جھانک کر ان کو دیکھ رہا ہے، پھولوں اور بیلوں سے پوری تصویر آراستہ ہے اور نقش ونگار کی بڑی فراوانی ہے، یہ تصویر طہران کے شاہی کتب خانہ میں محفوظ ہے، سلیم تخت نشیں ہوا، تو آقا رضا اس کے دربار کا اہم مصور ہو گیا، وہ اپنے نام کے ساتھ جہاں گیری یا مرید بادشاہ یا مرید اخلاص برابر لکھتا رہا، اُس نے انوار سہیلی کو بھی مصور کیا، جس کا نسخہ برٹس میوزیم لندن میں محفوظ ہے، تاریخ الٰہ آباد مؤلفہ مقبول احمد صمدانی میں جہاں گیر کی پہلی بیوی رانی مان مائی عرف شاہ بیگم کی ایک بہت ہی حسین اور رنگین تصویر ہے، اس کے نیچے "عمل آقا رضا مصور جہاں گیری" لکھا ہے لیکن کیا یہ واقعی شاہ بیگم کی تصویر ہے، اس کی بحث آگے آئے گی، عام طور سے آقا رضا کی تمام تصویروں میں ایرانی اثرات نمایاں ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخر میں الٰہ آباد کے خسرو باغ کی تعمیر اسی کی نگرانی میں ہوئی، اس کے پھاٹک پر اس کا نام کندہ ہے، نام سے پہلے مرید با اخلاص لکھا ہوا ہے، اسی کا لڑکا ابوالحسن تھا جس کو جہاں گیر نے نادر الزماں کا خطاب دیا۔

ابوالحسن: ابوالحسن نے جہاں گیر سے خاص تربیت پائی، جہاں گیر کے تیرہویں سال جلوس میں اس کو نادر الزماں کا خطاب ملا تو اس سلسلہ میں جہاں گیر تزک میں لکھتا ہے:

"اس تاریخ میں ابوالحسن مصور نادر الزماں کے خطاب سے سرفراز ہوا، اس نے میرے جلوس کی تصویر بنائی تھی، جو جہاں گیر نامہ کے دیباچہ میں ہے، یہ تصویر میری نظر سے گذری تو واقعی تعریف اور شاباشی کے لائق تھی، میں نے اس کو اپنے الطاف بے کراں سے نوازا، اس کا فن کامل ہو چکا ہے، اس کی تصویر کارنامہائے روزگار میں ہے، وہ اپنے زمانہ میں کوئی نظیر اور عدیل نہیں رکھتا ہے، اگر اس زمانے میں استاد عبدالحی اور استاد بہزاد ہوتے تو اس کو داد دیتے، اس کا باپ آقا رضا مروی میری شہزادگی کے زمانے میں میری خدمت میں رہا، اس لحاظ سے وہ (یعنی ابوالحسن) اس دربار کا خانہ زاد ہے لیکن اس کو اپنے باپ کی مصوری سے مناسبت نہ تھی دونوں کو ایک طرز کا مصور نہیں کہا جا سکتا ہے، اس کی میں نے بہت تربیت کی ہے، اس کے بچپن سے اب تک میں اس کی تربیت کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کا کام اس درجہ کو پہنچ گیا ہے اور حقیقت میں وہ نادرۂ زماں ہے۔" (ص ۲۳۷)

ابوالحسن کی مصوری کے نمونے میری نظر سے کم گذرے، رسالہ مارگ (ستمبر ۱۹۵۵ء) میں اس کی بنائی ہوئی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جس کو پرسی براؤن نے بھی اپنی کتاب پینٹنگز انڈر دی موغلز میں شائع کیا ہے، اس کی اصل پیرس میں محفوظ ہے، یہ تصویر ایک حاجی کی ہے، وہ کمبل لادے عصا ٹیکے اور ہاتھ میں تسبیح لیے ہوئے، سفر کر رہا ہے، یہ ابوالحسن ہی کی بنائی ہوئی تصویر بتائی جاتی ہے، لب کی مونچھیں تو ایک مسلمان ہی کی طرح ترشی ہوئی ہیں لیکن ٹخنہ سے اوپر تک کا حصہ برہنہ ہے جو ایک مسلمان حاجی کی شان نہیں ہوتی اگر لب کی مونچھیں ترشی نہ ہوتی تو یہ ایک سادھو کی تصویر کہی جا سکتی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منصور: ابوالحسن ہی کے ساتھ جہاں گیر نے اپنے دوسرے درباری مصور منصور کو نادر العصر کا خطاب دیا، اس کے بارہ میں لکھتا ہے کہ یہ نقاشی میں یگانۂ عصر ہے، پھر ابوالحسن اور منصور دونوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میرے اور میرے والد کی حکومت کے زمانہ میں ان دونوں کے برابر کوئی اور نہیں ہوا۔(۱)

پہلے ذکر آچکا ہے کہ جہاں گیر جب کشمیر گیا تو وہاں کے پھولوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، اُس نے منصور سے ان پھولوں کی تصویر بنوائی، منصور نے تقریباً سو پھولوں کی اُن کے فطری رنگ کے ساتھ مصوری کی، جہاں گیر کی فرمائش پر اُس نے اکبر نامہ میں شکار کے دو منظروں کی مصوری کی، تزک جہاں گیری کے مصور نسخے میں اُس نے بہت سی تصویریں بنائیں، وہ پھولوں، پرندوں اور جانوروں کی تصویریں بنانے میں بڑا ماہر تھا، کلکتہ کے آرٹ گیلری میں اس کا بنایا ہوا سارس دیکھا جاسکتا ہے، برٹش میوزیم میں اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا ایک ہاتھی ہے، پرنس آف ویلز میوزیم بمبئی میں ایک باز کی تصویر اسی کی بنائی ہوئی ہے، پیرس کے عجائب خانہ میں طاؤس، گدھ، تیتر، کبوتر پیلو کی تصویریں موجود ہیں، پرندوں اور جانوروں کی مصوری کی ابتدا اکبر کے درباری مصور مسکین سے ہوئی تھی لیکن منصور نے اس کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔

بشن داس: جہاں گیری دربار کا قابل قدر مصور بشن داس بھی تھا، جہاں گیر نے ۱۴ ؁ جلوس میں خان عالم کو عراق بھیجا تو اس کے ساتھ بشن داس کو بھی روانہ کیا کہ شاہ عباس صفوی اور اس کے ارکان سلطنت کی تصویر کھینچ کر لائے اور جب وہ تصویر کھینچ کر لایا تو خود جہاں گیر نے اس کی بڑی تعریف کی اپنی تزک میں لکھتا ہے:

> ''اس نے بہت سی اچھی تصویریں بنائیں، میرے بھائی شاہ عباس کی تصویر تو خاص طور پر اچھی بنائی تھی، میں نے اپنے درباریوں میں سے جس کو دکھایا انھوں نے تعریف کی …………اس کو میں نے ایک ہاتھی دے کر سرفراز کیا۔ (ص ۲۸۹)

بشن داس نے جہاں گیر کے لیے آگرہ کے ایک مجذوب شیخ پھول کی درگاہ کی بھی بڑی اچھی

(۱) تزک جہاں گیری ص ۲۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصویر تیار کی، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شیخ پھول کی درگاہ میں چاروں طرف ہندو مسلمان، عورت مرد بوڑھے بچے سب ہی کھڑے ہیں اور شیخ پھول سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں، شیخ پھول کا ستر تو چھپا ہوا ہے لیکن جسم برہنہ ہے اور عجیب عالمِ جذب میں سب سے بے نیاز اکڑو بیٹھے ہیں، پسِ منظر میں سبز درختوں کے علاوہ ہلکے ہلکے بادل اور افق کی دوری کی نظر فریبی بھی دکھلائی گئی ہے، یہ تصویر اپنے اصلی رنگوں کے ساتھ وی، اے، اسمتھ کی فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون میں دیکھی جا سکتی ہے۔

منوہر: بساون کے لڑکے منوہر نے بھی جہاں گیر کے لیے بہت سی تصویریں تیار کیں، مثلاً اس نے جہاں گیر کی ایک ایسی تصویر بنائی تھی جس میں وہ ایک شیر کا شکار کر رہا ہے، یہ تصویر اب ماسکو میں ہے، ایک دوسری تصویر میں یہ دکھایا کہ جہاں گیر اپنے ایک شہزادہ کو کسی مہم پر بھیج رہا ہے، یہ تصویر انڈیا آفس میں ہے، اس کی بنائی ہوئی تصویروں میں شہزادہ خرم کی پیدائش کے جشن کی بھی ایک تصویر ہے، جس کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جلوس کے گویے، سوار اور گانے والی عورتیں وغیرہ اس کو محسوس کر رہی ہیں کہ بادشاہ کی نظر ان پر پڑ رہی ہے، اس لیے ہر فرد مستعد ہے، یہ تصویر برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے، منوہر کی ایک بہت ہی عمدہ تصویر وہ تھی جس میں اُس نے محل کی ایک چھت پر چاندنی رات میں کچھ شہزادیوں کو تفریح کرتے ہوئے دکھایا ہے، چھ شہزادیاں ایک ساتھ کھڑی ہیں، ایک کے سر پر کلاہ ہے، بقیہ پانچ شہزادیوں کے سر آنچل سے ڈھکے ہوئے ہیں، یہ آنچل دوپٹہ کا ہے، تمام شہزادیوں کے جسم پر قیمتی اور مرصع لباس ہیں، اُن کے سامنے ایک منقش قالین بچھا ہوا ہے جس پر دو تکیے رکھے ہوئے ہیں، چاند کی روشنی سے فضا روشن ہے، چھت پر سے دور ایک جھیل دکھائی دیتی ہے، جس کے اردگرد ہرے بھرے درخت ہیں اور ایک پہاڑی سلسلہ بھی ہے شہزادیوں کے ساتھ ایک بوڑھی عورت بھی کھڑی ہے اور اُن کے سامنے سے ایک کنیز عطریات کا ایک طشت لے کر آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، چھت کی ایک عمارت کا کچھ حصہ بھی نظر آ رہا ہے، اس تصویر میں افقی اور عمودی دوری کو جس چابک دستی اور کمال فن کے ساتھ دکھایا گیا ہے، اس کی تعریف کرتے ہوئے ماہرین فن لکھتے ہیں کہ یہ اپنی لطافت اور جزئیاتی تفصیل کے لحاظ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بہت ہی اعلا مثال ہے۔(۱) یہ تصویر پرنس آف ویلز میوزیم بمبئی میں محفوظ ہے۔

فرخ: وہ ترکستان سے ہندوستان آیا، پہلے اکبر کے دربار سے وابستہ رہا لیکن جب اس کے دربار میں مصوری پر ہندوستانی اثرات کا غلبہ ہونے لگا تو وہ بیجاپور چلا گیا اور جب جہاں گیر کے دربار میں ایرانی اثرات پھر ظاہر ہونے لگے تو فرخ بھی بیجاپور سے آکر جہاں گیر کے یہاں ملازم ہوگیا، اس کی بعض تصویروں کے نمونے انڈین منی ایچرز آف دی مغل اسکول (اسپرنگ ہاؤس) میں دیکھے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک تصویر میں بیگمات محل کے اندر بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اُن کے بناؤ سنگار، لباس اور بیٹھنے کے طریقے کو بہت بے تکلفانہ انداز میں دکھایا ہے، حاشیہ میں بڑی گلکاری ہے، کئی جدولیں ہیں جو بیل بوٹے سے مرصع ہیں، اس تصویر کی داد اب بھی دی جاتی ہے، فرخ کی ایک دوسری تصویر میں بیجاپور کا فرماں روا ابراہیم عادل شاہ ثانی بیٹھا ساز بجا رہا ہے، اس کے سامنے تین درباری بیٹھے اس کو داد دے رہے ہیں پھولوں اور درختوں سے تصویر بہت ہی نظر افروز کردی گئی ہے، حاشیہ میں گل کاری ہے اور جا بجا پرندے چہک رہے ہیں، خود ابراہیم عادل شاہ کی تصویر بڑی جیتی جاگتی تصویر ہے، فرخ کی تیسری تصویر بیجاپور کا ایک منظر ہے، یہ دونوں تصویریں اس وقت کی ہیں جب کہ وہ بیجاپوری دربار سے وابستہ رہا، فرخ کی تصویروں میں ایرانی اثرات زیادہ ہیں۔

جہاں گیری دور کی اور تصویریں: جہاں گیر دور کی تصویروں میں اس تصویر کی بھی بڑی تعریف کی گئی ہے، جس میں جہاں گیر اجمیر شریف کی درگاہ میں بیٹھا نظر آتا ہے، اس کے اوپر ایک سائبان ہے، اس کے درباری اس کے اردگرد کھڑے ہیں، ایک کو جہاں گیر کوئی حکم دے رہا ہے، تین صلحا اس کے سامنے مؤدب فرش پر بیٹھے ہیں، تصویر کے بالائی حصہ میں باغ کی دیوار، حضرت خواجہ معین الدینؒ کے مزار شریف کے ساتھ کچھ اور مقبرے بھی ہیں جا بجا ہرے بھرے درخت ہیں اور ایک پہاڑی سلسلہ بھی نظر آرہا ہے، تصویر کے زیریں حصہ میں شاہی ملازمین فقرا کو کھانا تقسیم کررہے ہیں، جہاں گیر اور درباریوں کے بدنوں پر باریک ململ اور چکن کی پوشاکیں ہیں، ایک ماہر فن نے لکھا ہے کہ اس تصویر میں جتنے چہرے دکھائے گئے ہیں وہ شبیہ سازی کے لحاظ سے بہت ہی اعلا اور بالکل

---

(۱) ماسٹر پیسیز آف مغل آرٹ از ڈبلو، ای گلیڈ اسٹون سلومن ص ۳-۱۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطری ہیں،(۱) یہ تصویر پرنس آف ویلز میوزیم بمبئی میں محفوظ ہے، اس دور کی تصویروں میں اس تصویر کو بھی سراہا گیا ہے جس میں ایک سرسبز شاداب اور بہت ہی گھنا چنار کا درخت دکھایا گیا ہے، اس پر ایک گلہری بیٹھی ہے، نیچے ہرن چر رہے ہیں اور کچھ پرندے پرواز کر رہے ہیں، تمام پتوں کے رنگ میں بڑا فطری پن ہے، اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تصویر نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ چنار کے درخت کے پاس کھڑے ہیں، یہ تصویر انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔

دہلی کے نیشنل میوزیم میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ جہاں گیر دربار میں اپنے امرا کے ساتھ آب پاشی کا تہوار منا رہا ہے، اس تہوار کا ذکر باب تہوار میں آچکا ہے، جہاں گیر تخت پر بیٹھا ہے، جس کے اوپر چار ستونوں پر سائبان لگا ہوا ہے، تخت کے سامنے قالین بچھا ہوا ہے جس میں پھولوں کے نقش ونگار ہیں، اس پر آب پاشی کے ظروف رکھے ہوئے ہیں، امرا اپنے رنگارنگ لباس میں مؤدب کھڑے ہیں، دربار کی تہذیب اور شائستگی پورے وقار کے ساتھ دکھائی گئی ہے، کچھ عورتیں بھی ہیں جو رقص وسرود کے لیے اس موقع پر طلب کی گئی ہیں، یہ تصویر اس دور کے مشہور مصور گوردھن کی بنائی ہوئی ہے، جو مصوری کا ایک شاندار کارنامہ سمجھا جاتا ہے، رام پور کے کتب خانہ میں جہاں گیر کی ایک ایسی تصویر بھی ہے جب وہ قندھار کے سفر پر تھا، اس کو ایک گھوڑے پر شاہانہ لباس میں دکھایا گیا ہے، وہاں اس کی ایسی تصویر بھی ہے جب اسی سفر میں وہ ایک باغ میں مقیم ہوا ہے اور اپنے امرا کے ساتھ دربار کر رہا ہے، کلکتہ کے عجائب گھر میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں جہاں گیر ایک شیر کا شکار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ورسسٹر کے میوزیم میں بھی ایک ایسی تصویر ہے جس میں جہاں گیر بندوق لیے ہوئے ہے اس کے پیچھے ایک شاداب درخت ہے، پس منظر میں پہاڑیاں ہیں، وہ شکار کی مہم پر ہے، چسٹر بیٹی کے مجموعہ میں ایک ایسی تصویر بھی ہے جس میں جہاں گیر اپنی بیگمات اور کنیزوں کے ساتھ ہولی کھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، یہ شاید کسی اور دور کی مصوری ہے، کیوں کہ جہاں گیر اپنے حرم کی ناموس وعزت کی خاطر بیگمات کی مصوری غالباً پسند نہ کرتا تھا، پیرس کے عجائب گھر میں جہاں گیر کی ایک ایسی تصویر ہے جس میں وہ اپنے دور کے مشہور سنّیاسی

(۱) ماسٹر پیس آف مغل آرٹ، ہربرٹ بلوای رگلیڈ اسٹون ص ۲۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدروپ گوشائیں سے ملاقات کررہا ہے۔

جہاں گیری مرقع: جہاں گیر نے اپنی پسند کی تصویروں کا ایک البم (مرقع) بھی بنارکھا تھا، اس میں ملکی اور غیر ملکی دونوں مصوروں کے اعلانمونے تھے، یہ اٹھارہویں صدی میں نادرشاہی غارت گری میں ایران منتقل ہوگیا، اب یہ طہران کے شاہی کتب خانہ میں ہے، اس میں سے بھی بیں اوراق اسٹیٹ گیلری برلن چلے گئے ہیں، اس البم کی کچھ تصویریں یہ ہیں: ۱- جہاں گیر ایک زمین سے لگی ہوئی شاخ پر بیٹھا ہے، اس کے ہاتھ میں ساغر ہے، اوپر پرندے پرواز کررہے ہیں اور ایک اچھی نسل کا کتّا بھی اس کے ساتھ کھڑا ہے، جابجا پھولوں کے پودے بھی ہیں، جہاں گیر کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں لیکن پورے لباس میں شوکت ہے، چہرے سے انبساطی کیفیت کا پورا اظہار ہے، یہ شہزادگی کے زمانہ کی تصویر معلوم ہوتی ہے کیوں کہ چہرہ پر شباب کی رنگینیاں ہیں، تصویر میں زیادہ تیز ہلکا زرد رنگ استعمال ہوا ہے، حاشیہ اور جدول زرنگار ہے، قلم ہندوستانی کے بجائے بیرونی معلوم ہوتا ہے، گو بعض ماہرین فن کا خیال ہے کہ یہ تصویر آقا رضا کی بنائی ہوئی ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ۲- ایک جوہری ہیرا تراش رہا ہے، اس کا طرز ہندوستانی طرز مصوری سے بظاہر جدا معلوم ہوتا ہے، جوہری کا چہرہ بھی ہندوستانی نہیں معلوم ہوتا۔ ۳- ایک سبز پرندہ پھولوں کی ڈالی پر دکھلایا گیا ہے، اس کے پروں کے مختلف رنگ بالکل قدرتی ہیں چونچ اور آنکھ کی سرخی بھی فطری ہے، ڈالی کے پھول اور پتیوں کے رنگ بھی بالکل اصلی دکھائے گئے ہیں۔ ۴- ایک نجومی اپنے آلات دیکھنے میں مشغول ہے، پوری تصویر کو پھولوں سے مزین کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجومی کسی چمن میں بیٹھا اپنے کام میں مشغول ہے، پوری تصویر میں ہلکا زرد رنگ ہے، ۵- ایک سیمرغ اڑتا دکھائی دیتا ہے، صرف لکیروں سے مصوری کا فن دکھلایا گیا ہے، اس کے چاروں طرف پھول بھی ہیں۔ ۶- ایک جنگل کا منظر ہے، جس میں پھولوں کی جھاڑیوں میں ایک شیر نظر آرہا ہے، پرندے شاخوں پر بیٹھے ہیں جو اپنے قدرتی رنگ کی وجہ سے اس قدر نمایاں ہیں کہ آنکھوں میں اصلی پرندے نظر آتے ہیں۔ ۷- ایک مصنف کو اپنے سرپرست کی خدمت میں کتاب پیش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، اس تصویر میں جو طرح طرح کے رنگ ہیں وہ دیکھنے کے لائق ہیں۔ ۸- چار درباری شاہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باغ کی سیر کررہے ہیں جس میں ہر قسم کے رنگین پھول ہیں، چاروں درباری کے جسم پر چار قسم کی پوشاک ہے، جس کی وضع قطع تصویر میں بہت صاف نظر آتی ہے۔ ۹- ایک فوجی کیمپ کا منظر ہے، فوجی سردار آرام کررہا ہے، اس کا ایک خدمت گزار اس کے پاؤں داب رہا ہے، بقیہ اور لشکری اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہیں، پس منظر میں ایک سرسبز اور شاداب درخت ہے، جس پر پرندے بیٹھے ہیں، ہر قسم کے خیمے اور خرگاہ اپنے مختلف رنگوں کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں، اس تصویر کو انلارج کرکے بھی اس کے مختلف حصے دکھلائے گئے ہیں، جن میں ایک ہاتھی کو چارہ دیے جانے اور گھوڑوں کو نہلانے کا بھی منظر ہے۔ ۱۰- ایک شکاری ہرن شکار کررہا ہے، شکاری اور ہرن دونوں کے درمیان پھولوں کی جھاڑیاں ہیں۔ ۱۱- ایک شکرہ باز اپنے ہاتھ پر شکرہ لیے ہوئے ہے، اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک شکار ہے، اس کے اوپر رنگین پرندے پرواز کررہے ہیں، شکرہ باز پھولوں کی جھاڑیوں میں کھڑا ہے۔ ۱۲- ایک معاشقہ کا منظر ہے اور عاشق اپنے معشوق کو لب بام دیکھ رہا ہے، مکان کی پشت کے پس منظر میں درخت ہیں اور عاشق کے کھڑے ہونے کی جگہ پر پھولوں کی جھاڑیاں ہیں۔ ۱۳- ایک شکاری ہاتھ پر شکرہ بٹھائے ہوئے گھوڑے پر سوار ہے، شکاری شکرہ اور گھوڑے کا رنگ بہت ہی دیدہ زیب ہے، سوار پھولوں کے جھنڈ کے درمیان کھڑا ہے۔ ۱۴- حضرت مریم اور عیسیٰ کی تصویر ہے، جو شاید کسی پادری نے جہاں گیر کو نذرانے میں دی تھی لیکن اس کے حاشیہ میں پرندوں کے ساتھ پھولوں کی کثرت ہے۔ ۱۵- ایک ماں بچہ کو لے کر تکیہ پر سر رکھے ہوئے سو رہی ہے۔

امرا کی دل چسپی: جہاں گیر کے اس شوق کو دیکھ کر امرا اور ارکان سلطنت عمدہ عمدہ مرقعے اور تصویریں بہم پہنچاتے تھے اور اس کو تحفۃً پیش کرتے تھے، عبدالرحیم خان خاناں نے اس کو یوسف زلیخا کا ایک مصور نسخہ پیش کیا جس کو ملا میر علی مصور نے تیار کیا تھا، اس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی، (۱) جہاں گیر قلی خاں نے گجرات سے ایک ایسا تخت بھیجا جس پر عمدہ نقش تھے۔ (۲) امیر تیمور کے معرکۂ جنگ کا ایک مرقع ایران کے مشہور مصور خلیل مرزا نے تیار کیا تھا، اس میں ان شہزادوں

---

(۱) تزک جہاں گیری ص ۸۲۔ (۲) ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور امرا کی ۲۴۰ تصویریں تھیں جو اس جنگ میں شریک تھے اور ہر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کا نام بھی لکھا ہوا تھا، یہ شاہ عباس صفوی کے کتب خانہ میں تھا لیکن داروغۂ کتب خانہ نے اس کو چوری سے فروخت کر ڈالا، جہاں گیر نے جب اپنے ایک امیر خان عالم کو ایران بھیجا تو اصفہان میں یہ مرقع اس کے ہاتھ لگ گیا، شاہ عباس صفوی کو یہ معلوم ہوا تو خان عالم سے اس کو طلب کیا، خان عالم نے بہت ٹالا لیکن شاہ عباس کا اصرار بڑھا تو اس کو اس کے پاس بھیجنا پڑا، شاہ عباس کو جہاں گیر کے ذوق مصوری کا حال معلوم تھا، اس لیے چند روز اپنے پاس رکھ کر اس کو خان عالم کے پاس واپس کر دیا، جہاں گیر نے یہ تمام داستان تزک میں لکھی ہے اور اس کے ملنے پر بڑے جوشِ مسرت کا اظہار کیا ہے۔ (ص ۲۸۸)

عبدالرحیم خان خاناں کے درباری مصوّر: جہاں گیر کے ذوق مصوری کی وجہ سے اس کے درباری امرا بھی اس فن کی سرپرستی کرتے رہے، سب سے بڑا سرپرست عبدالرحیم خان خاناں تھا، اس کے دربار کے مشہور مصور ابراہیم، مشفق، بہبود مرزا، میاں ندیم، میاں فہیم، محمد قاسم اور مادھو وغیرہ تھے، محمد قاسم نے خان خاناں کے لیے شاہ نامہ مصور کیا جس کا نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے، مادھو کے متعلق مآثر رحیمی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ شبیہ سازی، طراحی اور نقاشی میں اپنے وقت کا مانی اور بہزاد ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو مآثر رحیمی ص ۱۶۸۸-۱۶۸۲-۱۶۶۰)

جہاں گیری دور کی مصوری کی امتیازی خصوصیت: جہاں گیری عہد کی تصویروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں گیر پھولوں، پرندوں، جانوروں، سیر وشکار اور گلستاں چمن اور سرسبز وادی کی تصویر زیادہ پسند کرتا تھا، اس کے جمالیاتی ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے مصور پھولوں اور پرندوں کی تصویریں بنانے پر زیادہ زور دیتے رہے اور ان کے فن کا کمال اس میں ظاہر ہوتا ہے کہ ان پھولوں اور پرندوں کا جو قدرتی رنگ ہوتا وہی اپنی تصویروں میں پیش کرنے کی کوشش کرتے، اس لیے ان تمام تصویروں میں ہر قسم کے رنگ مثلاً آسمانی، انگوری، پیازی، تربوزی، جامنی، گندھکی، آبنوسی، آتشی، بنفشی، زعفرانی، زیتونی، زمردی، سیمابی، سحابی، سوسنی، کاکریزی، یاقوتی وغیرہ وغیرہ ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ رنگ آمیزی کا فن کس قدر ترقی کر گیا تھا، پھر ان میں رنگ کی تدریجی کیفیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی کمی بیشی کے ساتھ فاصلہ کا جو ظاہری تناسب دکھلایا گیا ہے، وہ بھی قابل تعریف ہے، اس دور میں حاشیہ اور جدول کو مطلّا کر کے گلکاری پر بھی بڑا زور دیا گیا، ان میں مصور نہ صرف طرح طرح کے پھول نقش ونگار بناتا بلکہ پرندوں، جانوروں اور انسانوں کی بھی تصویر بنا دیتا جس کے تیار کرنے میں اس کے قلم کو ہر قسم کی آزادی ہوتی، اس لیے قلم سے زیادہ اس کا ذہنی اختراع کام کرتا لیکن حاشیہ میں بعض درخت، پھول، پرندے (مثلاً عنقا) جانور ایسے بھی نظر آتے ہیں جو ہندوستانی کے بجائے ترکستانی اور افغانی معلوم ہوتے ہیں جن سے قیاس ہوتا ہے کہ ان کی مصوری وسط ایشیائی ذوق رکھنے والے ماہروں نے کی ہے لیکن اکبری عہد کی تصویروں میں جو سختی پائی جاتی تھی وہ اس دور میں جاتی رہی اور اس کے بجائے نرمی پیدا ہوگئی، آرٹ کی بعض رسمی باتوں سے بھی پرہیز کیا جانے لگا، نہروں چٹانوں آگ اور پانی کی چادر کی مصوری میں ایک نیا طرز اختیار کیا گیا، جس میں بیرونی اثرات تو تھے لیکن وہ ہندوستانی مذاق سے قریب تر ہو گئے۔

اس عہد کی تمام تصویروں کو دیکھ کر یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اگر ایرانی اثرات کی وجہ سے خارجیت ہے تو ان میں ہندوستانی رنگ کے داخلیت بھی ہے اگر ان میں ایرانی نزاکت ہے تو ہندوستانی اصلیت بھی ہے، اگر ان میں ایرانی ذوق کے مطابق احساس جمال ہے تو ان میں ہندوستانی ذوق کے انداز فکر کی رعنائی بھی ہے، اگر ان میں ایرانی طرز کی نمود و نمائش کا بیرونی اثر ہے تو ہندوستانی طرز کی بود و ماند کا مقامی رنگ بھی ہے، ان میں اگر ایرانی زینت و آرائش کی جھلک ہے تو ان میں ہندوستانی زندگی کے حوصلوں اور امنگوں کی ترجمانی بھی ہے، اس امتزاج کی وجہ خود جہاں گیر کے محل اور دربار کا معاشرتی ماحول بھی ہے، اکبر کے دربار اور محل میں راج پوت امرا اور بیگمات کا اثر اتنا ہوا کہ ایرانی اثرات دب کر رہ گئے، جہاں گیر کی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی راج پوتوں کے تمدن کا اثر غالب رہا لیکن نور جہاں اور اس کے خاندان کے آنے کے بعد دربار اور محل کا رنگ بدل گیا، ایرانی طرز فکر اور طرز معاشرت زیادہ نمایاں ہوگئے، پھر بھی راج پوتوں کے اثرات باقی رہ گئے، جن کی لطیف اور خوش گوار آمیزش زندگی کے ہر شعبہ میں نظر آنے لگی اور یہی آمیزش جہاں گیر کے دور کی مصوری میں اپنے پورے جلوؤں کے ساتھ ہے جو اب بھی ماہرین فن کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکز مطالعہ بنا ہوا ہے اور اس میں کچھ ایسی رعنائی اور دل آویزی ہے کہ یہ دور شبیہ سازی، مانند نگاری، رنگ آمیزی اور تزئین کاری کی ترقی کی وجہ سے مغل مصوری کا زرّیں دور کہلایا۔

شاہ جہانی عہد کے مصور: شاہ جہاں نے تعمیرات کی طرف زیادہ توجہ کی لیکن درباری روایت کے مطابق وہ مصوروں کا بھی سرپرست رہا، اس کے دربار کے مصوروں میں محمد فقیر اللہ، منوہر، بچتر، نادر سمرقندی، میر محمد ہاشم، فتح چند، انوپ چند اور چترمن امتیازی حیثیت رکھتے تھے، فقیر اللہ شاہی تصویر خانہ کا نگراں تھا، بچتر کو شبیہ سازی اور روزمرہ کی چیزوں کی مصوری میں بڑی مہارت تھی، میر محمد ہاشم اور نادر سمرقندی چینی روشنائی سے شبیہ بہت اچھی تیار کرتے، میر ہاشم نے شاہ جہانی دربار کے ایک امیر میرزا ناظر کی جو تصویر بنائی تھی اس کی اب بھی تعریف کی جاتی ہے، اس نے اکبری عہد کے مشہور طبیب حکیم مسیح الزماں کی بھی تصویر بنائی تھی، جس کو انگلستان کے مشہور ماہر مصوری سر جوشا رینالڈز نے خاص طور پر پسند کیا تھا، موخر الذکر نے نادر سمرقندی کی بنائی ہوئی تصویروں میں اعظم خاں کوکہ اور شیر محمد نودل کی بھی داد خاص طور پر دی تھی۔(۱) اس دور میں منوہر کی وہ تصویر بہت پسند کی گئی جس میں داراشکوہ اپنے ایک خوبصورت گھوڑے دل پسند نامی پر سوار دکھایا گیا ہے۔

شاہ جہانی عہد کی مصوری کی خصوصیت: اس دور میں شبیہ سازی پر زیادہ زور دیا گیا، شہزادوں، درویشوں اور سنیاسیوں کی جیتی جاگتی تصویریں تیار ہوئیں، پھر جنگ وجدل کے مناظر کے بجائے درباری تزئین وآرائش اور اس کے آداب ومراسم کو بھی دکھانے کی طرف زیادہ توجہ کی گئی اور ان کو سنہرا رنگین اور پرشکوہ بنانے کی پوری کوشش کی گئی، ہر تصویر کے گرد پرتکلف کام کا منقش اور طلا کار حاشیہ ہوتا، بعض ماہرین بتاتے ہیں کہ ان تصویروں میں جہاں گیری عہد کی طرح کوئی جدت نہیں اور تصویروں میں کوئی جدت پیدا نہ ہوسکی، تو ان کو زرّیں اور پرشکوہ بنا کر یہ کمی پوری کی گئی لیکن بہ ظاہر اس عہد کی بعض تصویریں بڑی دیدہ زیب اور نظر افروز ہیں خاکہ کاری میں بڑی پرکاری کی گئی اور بعض لکیریں اتنی باریک بنائی گئیں کہ ان کو آتشی شیشوں سے دیکھنے کی ضرورت پڑی، طلائی جدول اور حاشیہ آرائی کے ساتھ جزئیات کا بڑا لحاظ رکھا گیا، انسانی شبیہوں میں جسم کے ہر حصہ کو پھر جسم کے

(۱) فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون از وی، اے، اسمتھ ص ۱۹۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباس واسلحہ کے وضع وقطع اور جزئیات کو بھی اچھی طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی، شبیہ کے ساتھ کسی نہ کسی پھول کی تصویر بھی ضرور ہوتی، پھول نہ ہوتا تو تلوار ہاتھ یا کمر میں ضرور دکھائی جاتی، بادامی شکل کی آنکھیں دکھانے میں بڑی مہارت دکھائی گئی، اسی کے ساتھ اس دور کی مصوری میں مقامی خصوصیات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ بیرونی اثرات پر وہ اسٹائل غالب آ گیا تھا، جو مغلوں کے عہد میں پیدا ہو کر فروغ پا رہا تھا اور تمام تصویریں اس تہذیب اور تمدن کے مطابق ہوگئی تھیں، جو انڈو مسلم کلچر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خاص تصویریں: اس دور کی خاص تصویریں یہ ہیں جو یا تو مختلف میوزیم اور کتب خانوں میں ہیں، یا وہاں سے لے کر مختلف رسالوں اور کتابوں میں شائع کردی گئی ہیں: ۱۔ شہزادہ سلیم بچپن میں اپنے کسی معلم کے سامنے بیٹھا ہے، دوات، قلم اور کتابیں سامنے رکھی ہوئی ہیں، ایک بلی بھی بیٹھی ہے، معلم کا چہرہ بہت ہی نورانی ہے، سلیم بہت ہی مؤدب بیٹھا ہے، پس منظر میں درخت اور پھول ہیں، یہ تصویر داراشکوہ کے البم میں تھی، وی، اے، اسمتھ کی کتاب ''فائن آرٹس ان انڈیا اینڈ سیلون'' میں شائع کردی گئی ہے۔ ۲۔ شاہ جہاں اپنے شباب کے زمانے میں ایک گھوڑے پر سوار ہے، گھوڑے اور شہزادہ دونوں کی تصویریں بہت ہی دل کش ہیں، یہ تصویر لال قلعہ دہلی کے میوزیم میں ہے۔ ۳۔ شاہ جہاں کی شادی مرزا حسین صفوی کی لڑکی سے ہوئی تو اس وقت کی ایک مجلس دکھائی گئی ہے، جہاں گیر کے ساتھ شاہزادہ خرم بیٹھا ہے، اس کے سامنے شاید دلہن ہے اور چاروں طرف بیگمات اور شہزادیاں ہیں، سامنے مکلّف فرش ہے، گلدستے، گلاب پاش، عطردان وغیرہ رکھے ہوئے ہیں، عود عنبر سے فضا معطر ہو رہی ہے۔ ۴۔ شہزادۂ خرم ایک شیر پر اپنی تلوار سے زد لگا رہا ہے، یہ اس وقت کا منظر ہے جب کہ ایک شکار میں جہاں گیر کے ایک ہندو منصب دار انوپ رائے کے بازو کو شیر نے اپنے منھ میں لے لیا تھا لیکن شہزادہ خرم کی تلوار کی ضرب سے انوپ رائے کی جان بچ گئی، یہ دونوں تصویریں بنارسی پرشاد سکسینہ کی انگریزی کتاب ہسٹری آف شاہ جہاں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ۵۔ شاہ جہاں تخت طاؤس پر بیٹھا ہے، تخت کی ترصیع تزئین اور آرائش آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں، خود شاہ جہاں کی تصویر اس طرح جیتی جاگتی نظر آتی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کہنے کو ہے، یہ تصویر پیرس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے رونس شائلڈ کے مجموعہ میں ہے۔ ۶- شاہ جہاں کے دربار کے منظر کی بھی ایک تصویر ہے، شاہجہاں اورنگ ظلِ الٰہی پر بیٹھا ہے جو سنگِ مرمر کے ایک بنگلہ کے نیچے ہے، اس کے چار ستون مرصع اور منقش ہیں، جن میں سرخ، سبز اور قرمزی رنگ ہیں، نیچے گل بوٹے سے بھرا ہوا ایک قالین ہے، درباری اپنے رنگا رنگ لباس کے ساتھ مؤدب کھڑے ہیں، کٹگھرے سے باہر ہاتھی اور گھوڑے پر مسلح سوار ہیں، ہاتھی تعظیم بجالا رہے ہیں، تصویر کچھ ایسی جاذب نظر ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی دربار آنکھوں کے سامنے لگا ہوا ہے، پس منظر میں پہاڑیاں دکھائی گئی ہیں، یہ تصویر بھارت کلا بھون بنارس میں محفوظ ہے۔ ۷- ایک اور تصویر میں شاہ زادہ مراد اور بلخ و بخارا کے حکمراں نذر محمد کی ملاقات کا منظر ہے، شاہ جہاں نے ۱۶۴۵ء میں شہزادہ مراد کی سرکردگی میں ایک جرار لشکر بلخ بھیجا تھا، شہزادہ مراد کو جنگ میں کامیابی ہوئی تو نذر محمد نے سپر ڈال کر صلح کی درخواست کی، پھر شہزادہ مراد سے ملنے آیا، اس تصویر میں اسی ملاقات کا منظر ہے، ایک مرصع اور پُرکار شامیانہ ہے جس کے آٹھ ستون ہیں، اس کے پیچھے ایک قنات لگی ہے، جس میں طرح طرح کے گل بوٹے ہیں، شامیانہ کے نیچے ایک اونچی کرسی کا کٹہرا ہے جس پر ایک رنگین قالین بچھا ہے، دونوں طرف دو تکیے ہیں، نذر محمد شاہ زادہ مراد سے معانقہ کررہا ہے، دونوں کی پوشاک شاہانہ ہے، شاہ زادہ مراد کے پیچھے شاہ جہانی امیر علی مردان خان اور نذر محمد کے عقب میں شاہ جہانی وزیر سعد اللہ خاں ہیں اور امرا مسلح ومؤدب کھڑے ہیں، اس تصویر کے نیچے مصور کا نام فتح چند لکھا ہے، پس منظر میں پہاڑیاں ہیں، آب رواں بھی ہے، کچھ جھاڑیاں بھی ہیں، اس پس منظر کے ساتھ اس دور کی اور بھی تصویریں دکھائی دیتی ہیں، یہ تصویر بھی بھارت کلا بھون بنارس میں محفوظ ہے۔ ۸- شاہ جہاں کے دربار میں ایک ایرانی سفیر باریاب ہو رہا ہے، یہ تصویر بورڈلین لائبریری آکسفورڈ میں ہے، ۹- پیرس کے رونس شائلڈ کے ایک مجموعہ میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں مصور فقیر اللہ بیچ میں کھڑا ہے اور اس کے ساتھ شاگرد کام کررہے ہیں۔ ۱۰- بیگمات آتش بازی کا منظر دیکھ رہی ہیں، یہ تصویر طہران کے شاہی کتب خانہ میں ہے۔

شاہ جہانی مرقع: شاہ جہاں کے پاس بھی مصوری کے البم تھے، جواب فریر گیلری واشنگٹن کے علاوہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگلستان کے چسٹر بیٹی کے ذخیروں، وکٹوریہ اور البرٹ کے میوزیم اور انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہیں۔

داراشکوہ کا مرقع: داراشکوہ بھی مصوروں کا سرپرست رہا، اس لیے اس کے مذاق کے مطابق بھی بہت سی تصویریں تیار ہوئی، پرنس آف ویلز بمبئی کے میوزیم میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں وہ اپنے پیر ملا شاہ اوران کے مرشد میاں میر لاہوری کے ساتھ مؤدب بیٹھا ہے اور دوسرے خدام بھی ہیں، مرقع گلشن ایران میں اس کی نوجوانی کی ایک تصویر ہے جب کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ کھڑا شکار سے متعلق باتیں کر رہا ہے، اس کے مصور کا نام چترمن ہے، اس کی جو تصویر عام طور سے پائی جاتی ہے وہ اس کی نقل ہوتی ہے جو اس کے مصور ہونہار نے اس کے لیے بنوائی، اس کے ذوق کے مطابق ایسی تصویریں بھی بنائی لیکن جن میں درویشوں اور سنیاسیوں کے آستانے پر ہندو مسلمان مرد اور عورتیں زائرین کی حیثیت سے دکھائی گئی ہیں، بعض تصویروں میں درویشوں کے عجز و نیاز اور شان استغنا کی بھی مرقع کشی کی گئی ہے، انڈیا آفس کے کتب خانہ کے مجموعوں میں داراشکوہ کا مملوکہ وہ مرقع بھی ہے جس میں بھورے رنگ کی ایک چڑیا، ایک بط، ایک سن رسیدہ فقیر، ایک ساقی کے ہاتھ میں جام شراب اور ایک بارآور درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی دوشیزہ وغیرہ کی تصویروں کی تعریف خاص طور پر کی جاتی ہے، داراشکوہ نے اس مرقع کو اپنی محبوب بیوی نادرہ بیگم کو تحفہ میں دیا تھا۔

عہد عالم گیری کی تصویریں: اورنگ زیب کے عہد میں مصوری کو فروغ نہیں ہوا کیوں کہ وہ مصوری کو موسیقی کی طرح شرعاً ناجائز سمجھتا تھا، پھر بھی اس کی بہت سی تصویریں ملتی ہیں، دہلی کے نیشنل میوزیم میں اس کی ایک ایسی تصویر ہے جب کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ بیجاپور کی مہم میں تھا، اس میں شاہانہ وقار اور سپاہیانہ جلال کے ساتھ دائیں ہاتھ میں نیزہ اور کمر میں سپر لٹکائے کھڑا ہے، داڑھی بالکل سفید ہو چکی ہے لیکن چہرہ پر ہوش مندی اور بیدار مغزی کے آثار ہیں، کھڑے ہونے کے انداز سے پامردی، جانبازی اور سپہ گری ظاہر ہو رہی ہے، سوار جابجا صف آرا ہیں، توپیں نصب کی ہوئی ہیں اور تمام لشکری اس طرح کھڑے ہیں جیسے اپنے فوجی قائد اور بادشاہ اورنگ زیب کا حکم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانے اور نبرد آزما ہونے کے لیے بے چین ہیں، سامنے قلعہ کی عمارتیں ہیں جو تصویر کے پس منظر کا کام دے رہی ہیں، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کب تیار ہوئی، دہلی نیشنل میوزیم میں اورنگ زیب کی ایک ایسی بھی تصویر ہے جس میں وہ ایک شاندار گھوڑے پر سوار ہے اس کی پوشاک بہت ہی مرصع ہے اور ایک بزرگ اُس کو ایک تلوار عطا کر رہے ہیں، بزرگ کا نام درج نہیں اورنگ زیب کی داڑھی سیاہ دکھائی گئی ہے، چہرہ سے حوصلوں اور امنگوں کے تو پورے آثار ظاہر ہیں لیکن جس قسم کا لباس اورنگ زیب کے جسم پر دکھایا گیا ہے، وہ پسند نہیں کرتا تھا، اس کے علاوہ وہ بزرگان دین کا بڑا احترام کرتا تھا اور یہ بہ ظاہر آداب کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر کسی بزرگ سے تلوار قبول کرے، یہ بعد کے عہد کے کسی مصور کی ذہنی اختراع معلوم ہوتی ہے، بنارس کے بھارت کلا بھون میں اورنگ زیب کی ایک ایسی تصویر ہے جس میں وہ شکار کھیلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، دو ہرنوں کا تعاقب اورنگ زیب کے ہمراہی کر رہے ہیں، تصویر کے پس منظر میں پہاڑیاں دکھائی گئی ہیں، شکار بھی اورنگ زیب کا کوئی محبوب مشغلہ نہیں تھا بلکہ اس کو وہ کار بیکاراں سمجھتا تھا، اس لیے یہ تصویر بھی شاید اس کے عہد میں تیار نہیں ہوئی۔

ایک روایت یہ بھی نظر سے گذری کہ اُس کے ایک درباری اشرف خان میر بخشی نے اس کی خدمت میں ایک مرقع پیش کیا جس میں اکبر، جہاں گیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے علاوہ اور دوسرے امرا کی بھی تصویریں تھیں، خود اشرف خاں، نسخ، شکستہ، تعلیق اور نستعلیق کی خطاطی کا استاذ فن تھا، (۱) عالم گیر کی بیٹی زیب النساء بیگم نے بھی ایک مرقع نہایت اہتمام سے تیار کرایا تھا جس میں عمدہ تصویریں تھیں، یہ مرقع اب ناپید ہے لیکن اس کا دیباچہ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، زیب النساء کے استاد ملا سعید اشرف ماژندرانی حج کے لیے گئے تو انھوں نے اس کا سفر نامہ لکھا اور زیب النساء ہی کی خواہش پر یہ سفر نامہ مصور کیا گیا، اس کا ایک نسخہ دار المصنّفین کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس میں حج کے مختلف مناظر ہیں: ۱- پہلی تصویر میں بندرگاہ سورت کا نقشہ ہے، پانی پر کچھ جہازات جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ۲- دوسری تصویر میں بحر عمان میں دو جہاز

(۱) مآثر الامرا، جلد اول، ص ۲۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکھائے گئے ہیں، پانی میں مچھلیاں بھی کودتی نظر آتی ہیں۔ ۳- تیسری میں مزدلفہ میں کچھ حاجی تو خیمے کے نیچے کلام پاک پڑھ رہے ہیں، کچھ دعائیں مانگ رہے ہیں اور کچھ جبل قزح سے منیٰ کے لیے کنکریاں لے رہے ہیں۔ ۴- چوتھی میں کچھ حاجی سر کے بال ترشوا رہے ہیں اور کچھ اونٹوں کو نحر کر رہے ہیں۔ ۵- پانچویں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مولد کے پاس کچھ حاجی دعائیں کرتے نظر آتے ہیں، اسی میں مدرسہ سلطان سلیمان اور تکیہ بکتاشی کے نقشے بھی ہیں۔ ۶- چھٹی میں خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھا ہوا دکھایا گیا ہے۔ ۷- ساتویں میں ولایت مغرب کے حاجیوں کا ایک قافلہ دکھایا گیا ہے، جس میں اونٹ اور گھوڑے بھی ہیں، ان میں عورتیں بھی ہیں، جو چھوٹے چھوٹے خیموں کے نیچے بیٹھی ہیں۔ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱- ان میں شام، نجد، ہندوستان اور ایران کے قافلے علاحدہ علاحدہ دکھائے گئے ہیں۔ ۱۲- بارہویں میں حرمین شریفین کے حاکم کی سواری کا جلوس ہے۔ ۱۳- تیرہویں میں مصر کے امیر حج کی سواری کا جلوس ہے، دو اونٹ پر ایک تخت رواں بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے، اس میں ایک تصویر ایسی بھی ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک شیر نے ایک نوجوان حاجی کی گردن دبالی ہے، وہ مشکل سے چھڑایا گیا ہے، پھر وہ اپنی ماں سے مل رہا ہے اور مجلس ضیافت ہو رہی ہے، ان تمام تصویروں کا بنانے والا کوئی ماہر مصور معلوم ہوتا ہے، ان میں جہاں گیری عہد کی طرح حاشیہ کی طلاکاری اور جدول کی کوئی گل کاری نہیں اور نہ شاہ جہانی عہد کی طرح اس کو پرشکوہ بنانے کے لیے زرافشانی کی گئی ہے لیکن شبیہ اور جسامت کے اچھے اچھے نمونے ہیں، چہروں سے دل کی کیفیات ظاہر کرنے میں مصور کامیاب ہوا ہے، رنگ آمیزی بھی اچھی ہے، رنگوں میں شوخی اور بھڑکیلا پن نہیں، ہلکے اور سادہ قسم کے رنگ استعمال ہوئے ہیں، عہد مغلیہ میں مذہبی رنگ کی یہ پہلی تصویر ہے جو راقم کی نظر سے گذری اور اس دور کی مصوری پر تبصرہ کرتے وقت یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ اس زمانہ کے مصور زیادہ تر اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر تصویریں بناتے رہے اور انہی کے ذوق کو ہر حال میں مدنظر رکھا، اسی لیے جنگ وجدل، سیر وشکار، دربار یا ان کے محبوب صوفیوں کی خانقاہوں، یا ان کے پسندیدہ چوپایوں، پرندوں، پھولوں حتی کہ ان ہی کے ذوق کے عالم فطرت کے مناظر کی تصویریں تیار ہوتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہیں لیکن ایسی تصویریں نہ تیار ہو سکیں، جن کو دیکھ کر ایسی محویت اور بے خودی پیدا ہو جو روحانیت اور ملکوتیت کی طرف مائل کرتی ہوں، فنونِ لطیفہ سے یہ کام بھی لیا جا سکتا تھا۔

سترہویں صدی کی مصوری: سترہویں صدی کے آخری حصہ یعنی عہد عالم گیری کی تصویریں مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں، انڈیا آفس لندن کے مجموعہ میں اورنگ زیب کے وزیر اسد اللہ خاں کی تصویر ہے، جو آرٹ کے لحاظ سے بہت عمدہ سمجھی جاتی ہے، اسی طرح طہران کے شاہی کتب خانہ میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں ایک دوشیزہ خط پڑھ رہی ہے، اس کے مصور کا نام رحیم دکنی ہے، پریگ کے نیشنل گیلری میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں ایک دوشیزہ اپنے گیسوؤں کو بکھیرے ہوئے ہے، طہران کے آثار قدیمہ کے میوزیم میں اونٹوں کی لڑائی کی ایک تصویر ہے، اسی میوزیم میں ایک ایسی تصویر بھی ہے جس میں ایک خاتون کے ہاتھ میں پھول ہے، شہادت کی انگلی کے علاوہ تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں ہیں، کان میں آویزہ ہے، ناک میں بلاق ہے، پیشانی پر موتی بھرا ٹیکہ ہے، ہاتھ میں چوڑیاں اور زیور بھی ہیں، بدن پر بڑا باریک لباس ہے جو بدن کے رنگ سے مشابہ ہے۔

اٹھارہویں صدی کی مصوری: اٹھارہویں صدی کی مصوری کے بھی بعض نمونے ملتے ہیں، مثلاً طہران کے شاہی کتب خانہ میں ایک تصویر ایسی ہے جس میں ایک شہزادہ اور ایک شہزادی ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہیں، بعض آرٹسٹوں کا خیال ہے کہ یہ بہادر شاہ اور اس کی بیوی کی تصویریں ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا، بمبئی کے پرنس آف ویلز میوزیم میں ایک لڑکی کی تصویر ہے جو دیوالی کا دیا ہاتھ میں لیے ہوئے ہے، پریگ نیشنل گیلری میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں کچھ لڑکیاں ہولی کا جشن منا رہی ہیں، طہران کے آثار قدیمہ کے میوزیم میں ایک تصویر ہے، جس میں مجنوں لیلیٰ کے سامنے بیٹھا ہے، اس کے بغل میں ایک شیر بھی ہے، پھولوں اور سبزہ زاروں کا ایک بڑا پُر کیف منظر ہے، ایک سبز درخت بھی ہے، کہستانی علاقہ کا پس منظر بھی ہے، یہ شاید مثنوی لیلیٰ مجنوں کا کوئی مصور منظر ہے، طہران کے شاہی کتب خانہ میں ایک ایسی تصویر ہے جس میں ایک شہزادہ جھیل کے کنارے کنول کی بہار دیکھ رہا ہے، اس کے پیچھے ایک نوجوان عورت کھڑی ہے جھیل کے کنارے بہت سے سبز درخت دکھائے گئے ہیں، اسی کتب خانہ میں ایک ایسی تصویر بھی ہے جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک شہزادی کو آتش بازی چھوڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے، ایک ماہر فن نے لکھا ہے کہ یہ داراشکوہ کی بیوی کی تصویر ہے، یہ سب تصویریں مغل بادشاہوں کے کتب خانہ یا مرقع میں رہیں۔

دہلی کے لال قلعہ کے میوزیم میں بھی اٹھارہویں صدی کی کئی تصویریں رکھی ہوئی ہیں، ان میں ایک تو وہ تصویر ہے جس میں داراشکوہ اپنے لشکر کے ساتھ کسی مہم پر جارہا ہے، شاید یہ عہد شاہجہانی کی تصویر کی نقل ہو، وہاں ایک ایسی بھی تصویر ہے جس میں ایک شہزادہ اپنی بیوی کے ساتھ خواب گاہ میں ہے، ایک کنیز خوشبوئیات لیے کھڑی ہے، شہزادہ اور شہزادی کے لباس، تکیے اور قالین کے تمام رنگ بہت ہی قدرتی اور دیدہ زیب ہیں، پس منظر کے قدرتی مناظر بھی بہت ہی نظر افروز ہیں شاعروں نے بعض مصوروں کے موئے قلم کو طرۂ خور کہاں ہے، ایک عامی کی نظر میں یہ تصویر مصور کے موئے قلم طرۂ خور ہی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔

اٹھارہویں صدی ہجری میں جہاں دارشاہ (۱۷۱۲ء-۱۷۱۳ء) محمد شاہ (۱۷۱۸ء-۱۷۱۹ء) اور احمد شاہ (۱۷۴۸-۱۷۵۴ء) کے دور حکومت میں دربار میں بڑی رندی اور سرمستی رہی، اسی لیے اس زوال پذیر عہد کے مصوروں کی زیادہ تر ایسی تصویریں ہیں جن میں عاشقانہ، فاجرانہ اور عیاشانہ رنگ ہے، عورتوں اور خوابگاہوں کی تصویروں کی بڑی فراوانی ہے، عورتیں پتنگ اڑاتی دکھائی دیتی ہیں، کبوتروں کو دانے دیتی نظر آتی ہیں، ایک تصویر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک عاشق جانباز نے اپنی معشوقہ سے ملنے کے لیے بے تابانہ اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا ہے اور ساحل پر پہنچ کر وصل حاصل کرنا چاہتا ہے، پھر ایک شاہ زادہ اپنی خواب گاہ میں اپنی محبوبہ سے مل رہا ہے اور کنیزیں بھی کھڑی ہیں، ایسی تصویریں اکبر اور جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں نہیں بنائی گئیں لیکن حکومت پر زوال آ گیا تھا تو زوال پذیر سوسائٹی کے آثار ان تصویروں میں بھی نظر آنے لگے تھے، فرخ سیر کے عہد کی بعض تصویریں نسبتہً بہتر ہیں، خصوصاً اس عہد میں پوشاکوں کی جو نوعیت پیدا ہوگئی تھی ان تصویروں سے اس کا اچھی طرح مطالعہ کیا جاسکتا ہے، اسی عہد کی ایک تصویر بمبئی کے سر کاؤس جی جہانگیر کے مجموعوں میں ہے، جس میں ایک گاؤں کے کنوئیں کا منظر ہے، عورتیں کنوئیں سے پانی بھر رہی ہیں، اتنے میں ایک مغل شہزادہ شکار

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھیل کر کنوئیں کے پاس پیاسا آیا ہے، اس کے ساتھ لشکری بھی ہیں، ایک خادم مورچھل لیے ہوئے ہے، کنوئیں پر کھڑی ہو کر ایک عورت اس کو پانی پلا رہی ہے اور وہ گھوڑے ہی پر بیٹھا پانی پی رہا ہے، پس منظر میں عمارتیں بھی ہیں، پرندے بھی، جانور بھی اور گاؤں کے کچھ لوگ بھی جو ڈھولک اور ستار بجا رہے ہیں، کچھ عورتیں ایک درخت سے ڈوری لگا کر جھولا بھی جھول رہی ہیں، شاید شہزادے کے ساتھ آئی ہوں، ان کے لباس و زیورات نمایاں ہیں، بڑی رنگین تصویر ہے، ماہرین بتاتے ہیں کہ اس تصویر میں مغل راجستھانی اور دکنی آرٹ کے ملے جلے اثرات ہیں۔

نقلی تصویریں: اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں کچھ ایسے مصور بھی تھے جو گذشتہ باکمال اساتذۂ فن کی تصویروں کی ہو بہو نقل اتار لیا کرتے تھے اور اپنے شاہی آقاؤں کی خدمت میں پیش کرتے تھے، کچھ ایسے بھی مصور ہوئے جو پرانی تصویریں بناتے اور ان پر پرانے اساتذہ ہی کے نام لکھ دیتے تاکہ فروخت کرنے کے وقت ان کو زیادہ سے زیادہ قیمت مل جائے، ایسی نقلی اور جعلی تصویروں کی وجہ سے اب بہت سی ایسی تصویریں ہیں جن کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے میں بڑے سے بڑے ماہرین فن بھی کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں، کچھ ایسے مصور بھی تھے جو پرانے استادوں کے نام خود رکھ لیتے اور تصویروں پر اپنے نام لکھ کر دھوکے میں مبتلا کر دیتے۔

بہادر شاہ ظفر کے مصور: مغل بادشاہوں کے درباروں سے آخر آخر وقت تک مصور وابستہ رہے، بہادر شاہ ظفر کے دربار کے ممتاز مصوروں کے نام یہ تھے، مرزا شاہ رُخ بیگ، فیض علی خاں، محمد عالم، غلام علی خاں، لال قلعہ کے میوزیم میں بہادر شاہ ظفر، زینت محل، جواں بخت اور بہادر شاہ کے دربار کی جو تصویریں ہیں، وہ بہ ظاہر بہت دیدہ زیب ہیں۔

بیگمات کی تصویریں: اکبر کی ماں حمیدہ بیگم، جہاں گیر کی بیگمات میں ماں بائی (شاہ بیگم) جودھ بائی، (بلقیس زمانی) اور نور جہاں، شاہ جہاں کی بیوی ممتاز محل، دارا شکوہ کی بیوی نادرہ بیگم، عالم گیر کی لڑکی زیب النسا اور آخری دور میں بہادر شاہ ظفر کی بیوی زینت محل کی تصویریں عام طور سے پائی جاتی ہیں، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیگمات جب اپنی غیرت وحمیت اور عزت وناموس کے خیال سے کسی نامحرم کے سامنے آنا پسند نہیں کرتی تھیں تو پھر ان کو مصور کیسے دیکھ پاتا ہوگا؛ ابوالفضل تو ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیگمات کا نام اپنی تاریخ میں لکھنا شاہی وقار کے خلاف سمجھتا رہا، پہلے ذکر آیا ہے کہ نور جہاں نے ایک راہ گیر کو اپنی گولی کا نشانہ محض اس لیے بنایا کہ اس نے اپنی نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، فرنگی سیاح لکھتے ہیں کہ اگر کوئی مردان بیگمات کو دیکھنے کی کوشش کرتا تو پہرہ دار اور خواجہ سرا اُس کی دُرگت بنا کر باہر کر دیتے، بعض فرنگی سیاحوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی طبیب کسی شہزادی یا بیگم کو دیکھنے محل جاتا تو خواجہ سرا، سر سے کمر تک اس کو ڈھانک کر لے جاتے اور باہر لاتے تھے، منوکی بہادر شاہ اول کی ماں کو فصد دیا کرتا تھا، وہ لکھتا ہے کہ شاہ عالم یعنی بہادر شاہ اول کی ماں مجھ پر بے حد مہربان تھی، کیوں کہ کئی مرتبہ میں نے اس کو فصد دیا تھا، اس کے علاوہ وہ مرض نقرس میں بھی مبتلا تھی، مجھ کو اکثر طلب کر لیا کرتی تھی اور میں بھی اس کے لیے نسخہ تجویز کرتا تھا، وہ اکثر عنایت کے طور پر مجھے لذیذ کھانے بھی بھیجا کرتی تھی، جیسا کہ دستور ہے جب میں فصد دینے کے واسطے حاضر ہوتا تو وہ اپنا بازو پردہ سے باہر نکال دیتی تھی جو کسی کپڑے سے پوشیدہ ہوتا تھا اور صرف وہ حصہ کھلا رہتا تھا جہاں فصد دی جاتی تھی، یہ کھلی ہوئی جگہ دو انگشت سے زیادہ نہ ہوتی تھی، مجھ کو چار سو روپیہ مع خلعت بطور انعام دیے جاتے تھے، پردہ کا جب یہ اہتمام تھا تو پھر مصور بیگمات کی تصویریں کیسے کھینچتے تھے؟ بعض مبصرین کا قیاس ہے کہ کسی مصور کو کسی بیگم کی تصویر بنانی ہوتی تو بیگم کا عکس پانی میں دکھایا جاتا، کچھ مبصرین کی یہ بھی رائے ہے کہ بیگمات کی صورت و شکل کی سنی سنائی ہوئی روایتوں پر مصوران کی تصویریں بناتے رہتے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ تصویریں زیادہ تر فرضی اور خیالی ہیں، جو بن جانے کے بعد اصلی اور حقیقی سمجھی جانے لگیں اور یہ تو یقینی ہے کہ بعض تصویریں بالکل فرضی ہیں، مثلاً تاریخ الہٰ آباد مولفہ مقبول احمد صمدنی میں جہاں گیر کی بیوی مان بائی کی تصویر ہے جس کے متعلق نیچے لکھا ہے کہ آقا رضا کی بنائی ہوئی ہے لیکن جسم کے بالائی حصہ کو جس طرح نمایاں کر کے دکھایا گیا ہے، اس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں گیر کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا ہوگا کہ اس کی بیگم کی ایسی تصویر کوئی مصور بنائے، اسی طرح رسالہ مارگ (ستمبر ۱۹۵۸ء) میں جہاں گیر اور اس کی بیوی کی تصویر ایک ساتھ شائع ہوئی ہے جو شاید جودھ بائی ہے، جہاں گیر شیشہ و ساغر ہاتھ میں لیے ہوئے ہے، ایک تصویر میں جہاں گیر کو اپنی خوابگاہ میں بھی اپنی ایک بیگم کے ساتھ دکھایا گیا ہے، یہ سب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرضی معلوم ہوتی ہیں۔

مصوری کا کاغذ: مصوری کے لیے اعلا قسم کے کاغذ کی ضرورت ہوتی، مسلمان بادشاہوں کے عہد میں اچھے سے اچھے کاغذ تیار ہوتے رہے، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: احمد آبادی، کشمیری، جہاں گیری، دولت آبادی، شربتی، روبکاری، بالا پوری، صاحب خانی، سیالکوٹی مغلئی، آبری، عکس، ہفت رنگ وغیرہ، کاغذ باہر سے بھی آتے، وہ خطاطی، اصفہانی اور سمرقندی کے ناموں سے مشہور تھے، مصوری کے لیے کاغذ زیادہ تر بادامی یا مٹیالے رنگ کا ہوتا اور اس پر تصویر بنانے سے پہلے اس کو شاہ بلوط کی ایک چکنی لکڑی پر جما دیا جاتا، پھر اس کو چکنا کرنے کے لیے عقیق سے رگڑا جاتا، یہاں تک کہ کاغذ کی سطح بہت چکنی ہو جاتی، کاغذ کو زیادہ چکنا بنانے کی خاطر صابن یا انڈے کی سفیدی بھی استعمال کی جاتی جس سے کاغذ کچھ دبیز بھی ہو جاتا، تصویر بناتے وقت اس کی سطح پر گل ارمنی یا گیرو کے رنگ سے ہلکی اور باریک لکیروں کا خاکہ تیار کیا جاتا اور سیاہ رنگ سے جدول بنایا جاتا، جدولوں کی تیاری میں گلکاری کے لیے طلائی رنگ استعمال ہوتا۔

قلم: مصوری کے لیے جو قلم استعمال ہوتا وہ اونٹ، بکری، گھوڑے اور گلہری کے بالوں سے تیار ہوتا، اس قلم سے بال سے بھی باریک خطوط کھینچے جا سکتے تھے۔

رنگ: ہر قسم کے رنگ تیار کیے جاتے، ان کی قسموں کی تفصیل بابِ پارچہ بافی میں آچکی ہے، رنگوں کی تیاری میں خاص اہتمام کیا جاتا، بعض اوقات پچیس سے زیادہ معدنی اور نامیاتی رنگ ملائے جاتے، سبز رنگ، نیل اور ہڑتال کی آمیزش سے تیار کیا جاتا، اگر سبز رنگ کو ہلکا کرنا ہوتا تو ہڑتال نیل کے چھٹے حصہ کے برابر ہوتا اور اگر اس کو گہرا کرنا ہوتا تو ہڑتال صرف ایک چوتھائی حصہ دیا جاتا، سرخ رنگ سیندور اور سفید سیسہ کی آمیزش سے تیار کیا جاتا، یا کبھی گیرو بھی استعمال ہوتا اگر سرخ رنگ ہلکا کرنا ہوتا تو سیندور کی مقدار کم کر دی جاتی، نیلا رنگ لاجورد اور نیل کے سفوف سے تیار ہوتا، زرد رنگ ہڑتال یا ملتانی مٹی سے تیار کیا جاتا، سفید رنگ ایک خاص قسم کے سفید سیسہ سے بنایا جاتا جو کاشغر سے درآمد ہوتا، اس میں ایک خاص قسم کے روغن کی آمیزش ہوتی، سیاہ رنگ دراصل کاجل ہوتا، جو کافور کی بتی اور رائی کے تیل کے چراغ سے تیار ہوتا، اس کو پختہ اور چمک دار بنانے کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں روغن بھی ملا دیا جاتا، رنگ میں عربی گوند اور السی کا تیل ملا دیا جاتا تو مختلف رنگ ایک دوسرے میں خوب مل جاتے، طلائی رنگ کے لیے عام طور پر پناہ گڑھ کا سونا استعمال کیا جاتا۔

طلا کاری ایک مستقل فن تھا، اس کے ماہرین کی بڑی قدر ہوتی، حاشیہ اور جدول کو مطلّا کرنے کے لیے طلائی ذرات چھڑکے جاتے، اس زرافشانی کو شفق کہا جاتا اور اگر پوری تصویر پر طلائی ذرات چھڑکے جاتے تو وہ غبار کہلاتا، سرخ رنگ مسرت وشادمانی، شان وشکوہ اور جلال وجبروت کی نشانی ہوتا، نیلے اور سیاہ رنگ سے غم وماتم کا اظہار کیا جاتا، حاشیہ میں اگر پھول اور بیل ہوتے تو وہ گلکاری کہلاتی اور پوری تصویر کو پھول اور بوٹے سے آراستہ کیا جاتا تو جھاڑ کہلاتا، اگر گلکاری کی زمین طلائی رنگ کی ہوتی تو اس کو ٹیکہ یا ٹیکی کہا جاتا، جواہرات اور زیورات کو دکھانے کے لیے سنہرا کاغذ استعمال کیا جاتا، جس میں جواہرات کو نمایاں کرنے کے لیے سوئیوں سے چھید کیا جاتا، جن میں بڑی مہارت دکھائی جاتی اور ان ہی چھیدوں میں موتی اور ہیرے کے ذرات چپکائے جاتے۔

تصویر بنانے کی ٹیکنک: تصویر بناتے وقت استاد فن تو لکیریں کھینچ کر خاکہ تیار کر دیتا جس کو طراحی کہا جاتا، اس کے بعد چہرہ بنایا جاتا، جس کے لیے چہرکشائی کی اصطلاح تھی، پھر مناسب رنگ بھرا جاتا جس کو رنگ آمیزی کہا جاتا، پھر اصل کے مطابق تصویر بنائی جاتی، جو مانند نگاری کہلاتی، صورت شکل کو آخری رنگ وروغن دینے کے لیے چہرہ نامی کی اصطلاح تھی، عمل کی اصطلاح غالباً عام نگرانی کے لیے تھی، استاد تو خاکہ بنا دیتا، اس کے بعد اس کے شاگرد اور چیزیں بناتے، خاکہ بنانے ہی میں سارا کمال دکھایا جاتا، عام طور سے خاکے بنا کر رکھ دیے جاتے اور ان ہی سے ضرورت کے وقت ایک ہی تصویر کی مختلف نقلیں تیار کر لی جاتیں، یا کبھی ہرن کی چربی پر تصویروں کا عکس اتار لیا جاتا، جو چربہ کہلاتا، اس چربہ کی مدد سے نقلیں اتار لی جاتیں، یا کبھی باریک کاغذ یا جھلی پر عکس لے لیا جاتا، جس سے نقلیں تیار ہو جاتیں لیکن ان نقلوں کی تیاری میں بھی بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی۔

تتمہ: مغل بادشاہوں کی سرپرستی سے ہندوستان کے فن مصوری میں جو خاص باتیں پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئیں، ان پر سیر حاصل بحث تو کوئی ماہر فن ہی کر سکتا ہے لیکن اوپر جو کچھ بھی کہا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیوار کی مصوری تو ہندوستان میں اپنے انتہائی کمال کو پہنچ چکی تھی جن کی مثالیں اجنٹا اور باگھ (گوالیار) کے غاروں کی تصویروں میں پائی جاتی ہیں، ان میں اعضا کے تناسب خط و خال، انداز و ادا، وضع و قطع، زلف و کاکل، رنگ و روپ، چرند و پرند، گل و برگ وغیرہ کے ساتھ انسان کی حقیقی کیفیات اور اندرونی جذبات کی مصوری میں بھی غیر معمولی ذوق حسن اور آرٹ کا ثبوت دیا گیا ہے لیکن اس کمال کے باوجود کاغذ پر تصویر کشی کا فن مسلمان بادشاہوں کے عہد کے مصوروں ہی سے شروع ہوا، کاغذ ہندوستان میں مسلمان ہی لائے، اس لیے ظاہر ہے کہ ان سے پہلے کاغذ پر یہاں تصویر کشی ممکن نہ تھی، اس کے ذریعہ سے ایسا فن پیدا ہوا جس نے بیرونی اور اندرونی اثرات قبول کر کے بقول جدوناتھ سرکار نزاکت، رنگ آمیزی، باریکی، مرصع کاری اور فطرت نگاری میں بڑا کمال پیدا کیا اور اس کی وجہ سے ہندوستان کی فن مصوری میں جہاں اجنٹا بھارہوت اور ایلورا کی نقاشی کے زمانے سے لے کر اکبری عہد تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہاں ایک نیا اسٹائل بھی پیدا ہوا، جس میں مصوروں نے اپنے کمالات کے خوب جوہر دکھائے اور یہ اسٹائل ہندوستانی آرٹ یا مغل مصوری کے نام سے اب تک باقی ہے۔(۱) آگے چل کر مصوری کے بہت سے اسکول مثلاً راج پوت اسکول، کانگڑہ اسکول، پہاڑی اسکول، دکنی اسکول، عظیم آباد اسکول، مرشد آباد اسکول، بنگال اسکول، اور کشمیری اسکول وغیرہ قائم ہو گئے، جدوناتھ سرکار اور دوسرے مورخین بھی کہتے ہیں کہ یہ سب مغل اسکول کی مصوری کے رہین منت ہیں،(۲) فن کے ماہرین میں رائے کرشن داس اپنی کتاب موغل منی ایچرز میں لکھتے ہیں کہ سولہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک مصوری کا مغل اسکول، ہندوستان کی کتابی مصوری کے آرٹ کے مختلف اسکولوں کی ریڑھ کی ہڈی رہا، اگر مغل اسکول وجود میں نہ آتا تو پہاڑی اور راجستھانی اسکولوں کا بھی وجود نہ ہوتا۔(۳)

---

(۱) مقالہ اسلام ان انڈیا از جدوناتھ سرکار۔ (۲) انفلوانس آف اسلام ان انڈیا، از ڈاکٹر تاراچند باب مصوری۔

(۳) مغل منی ایچرز رائے کرشن داس دیباچہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

Musalman Hukmarano Ke Ahad Ke
Tamadduni Jalwey

Syed Sabahuddin Abdur Rahman

Darul Musannifeen Shibli Academy
Azamgarh, U.P. 276001
Ph. 05462 - 265080, 265017
www.shibliacademy.org
email.: shibli_academy@rediffmail.com

ISBN 93-80104-10-3
9789380104102

Price : 250.00